سلسلۂ مطبوعات دار الترجمہ جامعۂ عثمانیہ

تاریخ فرشتہ

جلد اوّل

از ابتدائے کتاب تا اختتام خاندان خلجی

مترجمہ

مولوی محمد فدا علی صاحب طالب

رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی

سنہ ۱۳۴۴ھ م ۱۳۳۵ف م ۱۹۲۶ء

دیباچہ

تاریخ فرشتہ جلد اول کا یہ ترجمہ اصل کتاب کا وہ حصہ ہے جو آغاز کتاب سے خاندان خلجی کے حالات پر ختم ہوتا ہے۔

میں نے طلبہ کی سہولت کے لئے ایک اشاریہ اور ایک فہرست سنین بھی تیار کر دی ہے جو ترجمہ کے ساتھ طبع کی گئی ہے۔ فہرست سنین میں سنین کے ساتھ تاریخی واقعات کو مع نتائج مختصر طور پر بیان کر دیا ہے اور ترجمہ کے صفحات کا جہاں یہ واقعات بصراحت بیان ہوے ہیں حوالہ دیدیا ہے۔ علاوہ اس کے تاریخی حواشی بھی ترجمہ کے آخر میں درج کئے ہیں۔ جغرافی حواشی مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دار الترجمہ نے مرتب فرمائے ہیں۔ جن سے تاریخی واقعات نہایت صحیح طور پر سمجھ میں آسکتے ہیں۔

تاریخی حواشی کے لکھنے میں میں نے حتی المقدور یہ کوشش کی ہے کہ تاریخی واقعات کو طلبہ وضاحت کے ساتھ سمجھ لیں۔ مطلب کی توضیح کے لئے کہیں کہیں ترجمہ میں کوئی جملہ بڑھانا پڑا ہے جو اصل فارسی کتاب میں نہیں ہے۔ اسی طرح اصل کتاب کے تکرارات کو ترجمہ میں حذف کر دیا ہے لیکن اضافے اور حذف دونوں صورتوں میں یہ خیال ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اصل مطالب میں کسی طرح کا فرق نہ پیدا ہونے پائے۔

اعداد میں بعض جگہ سہواً کچھ غلطیاں ہو گئی ہیں۔ ان غلطیوں کی تصحیح غلط نامے میں درج کر دی گئی ہے جو کتاب کے آخر میں طبع کیا گیا ہے۔

محمد فدا علی طالب

رکن دار الترجمہ

فہرست سنین مندرجہ ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد اول

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	[illegible]	صحت
۱	۲	۳	۴	۵
سنہ ۲۹ھ	سنہ ۶۴۹ء	عبداللہ بن عامر نے فارس پر فوج کشی کی اور اہل فارس پر فتح حاصل کی	۴۵	
سنہ ۳۰ھ	سنہ ۶۵۰ء	امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کو شراب خواری کی علت میں کوفہ کی حکومت سے معزول اور سعید ابن العاص کا تقرر فرمایا سعید نے طبرستان پر دھاوا کیا اور استرآباد کو فتح کیا۔	۴۵	
سنہ ۳۱ھ	سنہ ۶۵۱ء	امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر کو خراسان فتح کرنے کا حکم دیا۔	۴۵	
سنہ ۳۲ھ	سنہ ۶۵۲ء	عبداللہ بن عامر حضرت عثمان غنیؓ کے حکم سے بلخ فتح کرنے روانہ ہوئے۔	۴۶	
سنہ ۴۳ھ	سنہ ۶۶۳ء	امیر معاویہ نے زیاد بن ابیہ کو بصرہ خراسان اور قہستان کا حاکم مقرر کیا۔	۴۶	
سنہ ۴۴ھ	سنہ ۶۶۴ء	عبدالرحمن بن شمر نے زیاد کے حکم سے کابل فتح کیا۔	۴۶	
سنہ ۵۳ھ	سنہ ۶۷۲ء	زیاد بن ابیہ نے مرض طاعون سے وفات پائی اور امیر معاویہ نے اسکے بیٹے عبداللہ کو حاکم کوفہ مقرر کیا۔	۴۶	
سنہ ۵۰ھ		امیر معاویہ نے سعد بن عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حاکم خراسان مقرر کیا۔	۴۶	سنہ ۵۶ھ سنہ ۶۷۵ء
سنہ ۶۳ھ		یزید بن معاویہ نے سلم بن زیاد کو سیستان اور خراسان کا	۴۶	سنہ ۶۲ھ سلم بن زیاد سنہ ۶۸۳ء

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
		حاکم مقرر کیا۔		
۱۴۳ھ		افغانوں نے کوہستان سے نکل کر کرباج شنوزال اور پشاور پر قبضہ کر لیا۔	۴۸	شیوران دیرگن
۳۵۱ھ	۹۶۲ء	سبکتگین نے غزنی میں اپنی حکومت مستقل قائم کی	۵۲	
محرم ۳۵۷ھ	دسمبر ۹۶۷ء	محمود غزنوی پیدا ہوا۔	۶۶	
۳۶۵ھ	۹۷۵ء	الپتگین نے وفات پائی اور اُسکا بیٹا ابو اسحٰق سبکتگین کے ساتھ بخارا روانہ ہوا۔	۵۲	
۳۶۷ھ	۹۷۷ء	غزنی کے امرا اور ارکان دولت نے سبکتگین کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔	۵۳	
۳۶۷ھ	۹۷۷ء	سبکتگین نے ہندوستان کے چند قلعے فتح کیے	۵۴	
شعبان ۳۸۷ھ	اگست ۹۹۷ء	سبکتگین نے وفات پائی۔	۶۰	
ذیقعدہ ۳۸۹ھ	اکتوبر ۹۹۹ء	محمود غزنوی بلخ سے ہرات آیا اور ہرات سے سیستان پہنچکر سیستان کے حاکم خلف بن احمد کو اپنا اطاعت گزار بناتا ہوا غزنی واپس گیا۔	۶۶	
شوال ۳۹۱ھ	اگست ۱۰۰۱ء	محمود غزنوی دس ہزار سواروں کے ساتھ غزنی سے پشاور آیا۔	۷۰	
محرم ۳۹۲ھ	نومبر ۱۰۰۱ء	سلطان محمود اور جیپال میں لڑائی ہوئی اور محمود نے حریف پر فتح پائی۔	۷۰	
محرم ۳۹۳ھ	نومبر ۱۰۰۲ء	محمود نے سیستان کا سفر کیا اور خلف بن قیس حاکم سیستان کو قید کر کے اپنے ہمراہ غزنی لایا۔	۷۱	خلف بن قیس
۳۹۵ھ	۱۰۰۴ء	محمود نے بھاطنہ پر حملہ کیا بجی راؤ حاکم بھاطنہ کو شکست دی۔	۷۱	بھاطیہ
۳۹۶ھ	۱۰۰۵ء	محمود نے ملتان پر دوبارہ حملہ کیا ابو الفتح حاکم ملتان نے	۷۲	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
		محاصرے کی تکلیفوں سے تنگ آکر محمود کی اطاعت قبول کی ۔	۷۲	
سنہ ۳۹۹ھ	سنہ ۱۰۰۸ء	محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا انندپال دوسرے ہندو راجاؤں سے مدد طلب کر کے محمود کے مقابلہ میں صف آرا ہوا ایک شدید لڑائی کے بعد انندپال میدان جنگ سے بھاگا اور محمود کو فتح ہوئی ۔	۷۷	
سنہ ۳۹۹ھ	سنہ ۱۰۰۸ء	محمود نے قلعہ نگرکوٹ پر حملہ کیا اہل قلعہ نے حصار کو محمود کے سپرد کیا اور نگرکوٹ پر محمود کا قبضہ ہو گیا ۔	۷۹	
سنہ ۴۰۰ھ	سنہ ۱۰۰۹ء	محمود نے ہندوستان کے مال غنیمت کو اہل غزنی کے معائنہ کے لیئے ایک میدان میں جمع کیا ۔	۸۰	
سنہ ۴۰۱ھ	سنہ ۱۰۱۰ء	محمود نے غور پر لشکر کشی کی محمد سوری نے محمود کا مقابلہ کیا محمد سوری گرفتار ہوا سوری محمود کے سامنے لایا گیا لیکن اُس نے زہر کھا کر اپنی جان دی ۔	۸۰	
سنہ ۴۰۱ھ	سنہ ۱۰۱۰ء	محمود نے ملتان پر لشکر کشی کی اور داؤد بن نصیر کو گرفتار کر کے اُسے غزنی لایا اور داؤد کو تمام عمر کے لیئے غور کے قلعہ میں نظر بند کر دیا ۔	۸۱	
سنہ ۴۰۲ھ	سنہ ۱۰۱۱ء	محمود نے تھانیسر پر حملہ کیا محمود کو فتح ہوئی اور اس کا قبضہ تھانیسر پر ہو گیا ۔	۸۳	
سنہ ۴۰۳ھ	سنہ ۱۰۱۲ء	التونتاش اور ارسلان جاذب نے محمود کے حکم سے غرجستان کو فتح کیا اور شاہ سار ابو نصر حاکم غرجستان کو گرفتار کر کے غزنی لائے ۔	۸۴	
سنہ ۴۰۴ھ	سنہ ۱۰۱۳ء	محمود نے نندونہ کے قلعہ پر دھاوا کیا جیپال پسر انندپال لشکر کو شہر کی محافظت پر چھوڑ کر کشمیر بھاگ گیا	۸۷	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ تاریخ	صحت
		محمود نندونہ پر قبضہ کرکے کشمیر روانہ ہوا جیپال کشمیر سے بھی بھاگا اور محمود نے درّہ پر بھی قبضہ کر لیا۔	۸۷	
۴۰۶ھ	۱۰۱۵ء	محمود نے کشمیر پر دوبارہ حملہ کیا لوہ کوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کیا لیکن قلعہ کے استحکام اور جاڑے کی شدت سے بلا کسی کار برآری کے غزنی واپس گیا۔	۸۷	
۴۰۷ھ	۱۰۱۶ء	ابوالعباس خوارزم شاہ کے قتل کی خبر سنکر محمود بلخ روانہ ہوا محمود خضر بند پہنچا خمارتاش گرفتار ہوا محمود قلعہ ہزار اسپ پہنچا اہل خوارزم سے معرکہ آرائی ہوئی اور افسر فوج البتگین بخاری قید ہوا محمود نے التونتاش کو حاکم خوارزم اور آورگنج مقرر کیا محمود نے بلخ پہنچ کر امیر مسعود کو حاکم ہرات اور امیر محمد کو والی گورگان مقرر کیا۔	۸۸	خضر بند ہزار اسپ
۴۰۹ھ	۱۰۱۷ء	محمود نے قنوج پر دھاوا کیا راجہ قنوج نے محمود کی اطاعت قبول کی۔	۸۹	
۴۰۹ھ	۱۰۱۷ء	محمود نے قلعہ میرٹھ پر دھاوا کیا اہل قلعہ نے پچاس ہزار دینار اور تیس ہاتھی پیش کرکے امان حاصل کیا۔	۹۰	
۴۰۹ھ	۱۰۱۷ء	محمود نے قلعہ مہاون پر حملہ کیا گلچند راجہ مہاون نے اپنے زن و فرزند کو قتل کرکے خود بھی اپنی جان دی اور محمود قلعہ پر قابض ہوا۔	۹۰	
۴۰۹ھ	۱۰۱۷ء	محمود نے متھرا پر دھاوا کیا اور بلا کسی مزاحمت کے شہر کو تاخت و تاراج کیا محمود نے قلعہ منج پر حملہ کیا اور اس قلعہ کو فتح کرتا ہوا غزنی واپس گیا۔	۹۰	
۴۱۰ھ	۱۰۱۹ء	محمود نے اپنے فتوحات کی تفصیل کا ایک نامہ خلیفہ بغداد کی خدمت میں روانہ کیا۔	۹۴	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ کتاب	صحت
۴۱۲ھ	۱۰۲۱ء	محمود نے ابو محمد ناصحی کو مکہ معظمہ کا راستہ قرملیوں سے صاف کرنے کے لیئے حجاز روانہ کیا ابو محمد کامیاب غزنی واپس آیا۔	۹۵	
۴۱۲ھ	۱۰۲۱ء	محمود نے راجہ کورہ کی مدد کی اور اُسکے حریف راجہ نندا حاکم کالنجر پر لشکر کشی کی محمود اننند پال کو شکست دیتا ہوا کالنجر پہنچا نندا خوف زدہ ہو کر فراری ہوا اور محمود نے اچھی طرح شہر کو تاخت و تاراج کیا اور غزنی واپس گیا غزنی سے محمود نے قیرات اور ناردین کو فتح کرنے کے ارادہ سے سفر کیا قیرات فتح کر کے حاجب علی بن ارسلان جاذب کو ناردین روانہ کیا اور یہ شہر بھی فتح ہوا۔	۹۶ ۹۷	
۴۱۲ھ	۱۰۲۱ء	محمود نے کشمیر پر دھاوا کیا اور لوہ کوٹ کا محاصرہ کیا قلعہ کے استحکام کی وجہ سے کچھ کار برآری نہ ہوئی اور محمود لاہور آیا اننند پال لاہور چھوڑ کر اجمیر بھاگا اور اس شہر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔	۹۸	
۴۱۳ھ	۱۰۲۳ء	محمود نے نندا پر لشکر کشی کی راستہ میں محمود نے راجہ گوالیار سے پینتیس ۳۵ ہاتھی حاصل کر کے صلح کی اور کالنجر پہنچا پرم دیو نے بھی بیش قیمت تحفے محمود کی خدمت میں پیش کر کے صلح کر لی۔	۹۹	۴۱۴ھ ۱۰۲۳ء
۴۱۵ھ	۱۰۲۴ء	محمود نے علی تگین حاکم ماوراء النہر پر لشکر کشی کی علی تگین گرفتار ہوا اور محمود نے اُسے ہندوستان کے ایک قلعہ میں نظر بند کر دیا۔	۱۰۰	
شعبان ۴۱۵ھ	ستمبر ۱۰۲۴ء	محمود غزنی سے ہندوستان روانہ ہوا اور سومنات پر	۱۰۱	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
		حملہ آور ہوا۔		
رمضان ۴۱۵ھ	اکتوبر ۱۰۲۴ء	محمود ملتان پہنچا اور وہاں سے اجمیر اور دیگر مقامات کو فتح اور تاراج کرتا ہوا سومنات پہنچا شدید اور خونریز لڑائی کے بعد محمود نے فتح پائی اور سومنات غارت اور تباہ ہوا محمود غزنی روانہ ہوا۔	۱۰۳	
۴۱۷ھ	۱۰۲۶ء	محمود فتح سومنات کے بعد سندھ کے راستہ سے بڑی مشقت کے بعد غزنی پہنچا۔	۱۱۳	
۴۱۸ھ	۱۰۲۷ء	محمود نے ابوالحرب امیر طوس ارسلان کو اضلاع باد ورد کی مہم پر متعین کیا۔	۱۱۷	امیر طوس ابوالحرب ارسلان یہ امیر غالباً محمود کے مشہور اور مقرب رکن سلطنت امیر ارسلان جاذب کا فرزند ہے۔
۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ	۲۹ اپریل ۱۰۳۰ء	محمود نے وفات پائی۔	۱۱۸	
رمضان ۴۲۱ھ	ستمبر ۱۰۳۰ء	امیر محمد اپنے بھائی سلطان مسعود سے لڑنے کے لیئے تکیا باد میں مقیم ہوا۔	۱۳۷	
شوال ۴۲۱ھ	اکتوبر ۱۰۳۰ء	امیر علی خویشاوند۔ امیر یوسف سبکتگین اور امیر حسین میکال نے امیر محمد کے خلاف بغاوت کی اور اُسے گرفتار کرکے قلعہ ولج میں قید کردیا۔	۱۳۸	قلعہ ولی (مسٹر برگس)
۴۲۲ھ	۱۰۳۱ء	مسعود نے کیج اور مکران فتح کیا۔	۱۴۰	
۴۲۳ھ	۱۰۳۲ء	مسعود نے التون تاش کو علی تگین کے مقابلے میں روانہ کیا۔ التون تاش زخمی ہوا اور حریف سے اس شرط پہ صلح کی کہ بخارا پر مسعود کا اور سمرقند اور اسکے اطراف پر علی تگین کا قبضہ رہے۔	۱۴۳	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	نمبر صفحہ	صحت
۴۲۴ھ	۱۰۳۳ء	مسعود نے قلعہ سرستی کا جو درہ کشمیر میں واقع ہے محاصرہ کیا اہل قلعہ نے امان چاہی لیکن مسعود نے نامنظور کیا اور قلعہ فتح کر لیا۔	۱۴۴	
۴۲۴ھ	۱۰۳۳ء	عظیم الشان قحط نمودار ہوا اور قحط کے بعد عالمگیر وبا پھیلی۔	۱۴۵	
۴۲۵ھ	۱۰۳۴ء	مسعود غزنوی نے آمل اور ساری کو فتح کیا اباکالنجار حاکم طبرستان نے مسعود کی اطاعت کا اقرار کیا۔	۱۴۶	
۴۲۵ھ	۱۰۳۴ء	مسعود نیشاپور پہنچا اور بکتغدی اور حسین میکال کو ترکمانیوں کے مقابلہ میں روانہ کیا ترکمانیوں کو فتح ہوئی اور حسین میکال حریف کے ہاتھ میں گرفتار ہوا مسعود ۴۲۶ھ میں بے نیل مرام غزنی واپس آیا۔	۱۴۶ ۱۴۷	کیتودسی (بہ گرز)
۴۲۶ھ	۱۰۳۵ء	مسعود نے ناتھ ایک ہندو سردار کو احمد ینالتگین کی سرکوبی کے لیئے روانہ کیا ناتھ قتل کیا گیا اور تولک بن حسین حریف کے مقابلہ میں بھیجا گیا تولک نے دشمن کو شکست دی اور احمد کا سر مسعود کے پاس روانہ کیا۔	۱۴۷ ۱۴۸	ناتھ نائب (بہ گرن) احمد ینالتگین (بہ گرن) تولک بن حسین (بہ گرن)
۴۲۷ھ	۱۰۳۶ء	غزنی میں ایک نیا محل تیار ہوا اور مسعود نے اس محل میں ایک مرصع اور زرین تخت پر جلوس کیا۔	۱۴۸	
۴۲۷ھ	۱۰۳۶ء	مسعود نے اپنے بیٹے مودود کو طبل و علم عنایت کیا اور خود ہانسی کے قلعہ پر حملہ آور ہوا قلعہ فتح ہوا اور مسعود نے سون پت کو سر کیا سون پت کے بعد وہ رام دیو پر حملہ آور ہوا۔ رام دیو نے پیشکش دے کر امان حاصل کی۔ مسعود سون پت ہوتا ہوا لاہور آیا اور ابو المجدود کو طبل و علم عنایت کر کے لاہور کا حاکم مقرر کیا اور خود غزنی واپس ہوا۔	۱۴۹	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
۴۲۸ھ	۱۰۳۷ء	مسعود نے ترکمانیوں کی تنبیہ کے لیئے بلخ کا سفر کیا طغرل کی ناہنجاریوں کی خبر سنکر مسعود اپنے مشیروں کی رائے کے خلاف طغرل سے معرکہ آرائی پر آمادہ ہوا مسعود اور طغرل اور داؤد سلجوقی میں لڑائیاں ہوئیں لیکن حریفوں نے شدید نقصان پہنچایا ۔	۱۵۰ ۱۵۱	
سنہ ۴۳۰ھ	سنہ ۱۰۳۹ء	مسعود نے باورد کا سفر کیا اور سرخس پہنچکر نافرمانوں کو قتل و قید کی مناسب سزائیں دیں ۔	۱۵۲	
رمضان ۴۳۱ھ	مئی سنہ ۱۰۴۰ء	مسعود کو ترکمانیوں کے ایک جرار لشکر نے چاروں طرف سے گھیرا مسعود کے بہت سے امیر دشمن سے جا ملے لیکن خود بادشاہ نے بڑی مردانگی سے کام لیا اور دشمنوں کے نرغہ سے صحیح و سالم نکل کر غزنی پہنچا ۔	۱۵۳	
سنہ ۴۳۳ھ	سنہ ۱۰۴۲ء	احمد دیوانہ بن امیر محمد نے سلیمان بن یوسف اور پسر علی خویشاوند وغیرہ کو اپنے ہمراہ لیا اور قلعہ گیری میں جا کر سلطان مسعود کو قتل کر ڈالا ۔	۱۵۴	قلعہ گرِی (برگز)
۴۳۳ھ	۱۰۴۲ء	مودود اور نامی پسر امیر احمد میں دیپور کے جنگل میں معرکہ آرائی ہوئی امیر محمد معہ اپنے فرزندوں اور بعض حاشیہ نشینوں کے مودود کے ہاتھ میں گرفتار ہوا مودود نے سوا عبدالرحیم بن احمد کے سب کو قتل کیا ۔	۱۵۷	دنتور کے جنگل میں (برگز)
سنہ ۴۳۳ھ	سنہ ۱۰۴۲ء	مودود نے ابو نصر احمد کو معزول کر کے طاہر بن محمد کو وزیر مقرر کیا ۔	۱۵۸	
ذی الحجہ ۴۳۳ھ	۴ اگست ۱۰۴۲ء	مجدود لاہور پہنچکر مودود کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوا عید قربان کے روز مجدود مردہ پایا گیا اور فساد کا خاتمہ ہوا ۔	۱۵۹	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ نمبر	صحت
۴۳۵ھ	۱۰۴۳ء	ہندو راجاؤں نے ہانسی تھانیسر اور نگرکوٹ پر قبضہ کر کے بت پرستی کا بازار گرم کیا۔	۱۵۹ ۱۶۳	
۴۳۴ھ	۱۰۴۲ء	مودود نے ازنگین حاجب کو طخارستان بھیجا ازنگین نے طخارستان اور بلخ پر قبضہ کیا۔	۱۶۳	التگین حاجب (برگز)
۴۳۵ھ	۱۰۴۳ء	مودود نے ابو علی کوتوال اور سوری بن المعتز کو قید کیا ابو علی قید سے رہا کیا گیا اور سوری نے قید خانہ میں وفات پائی اسی سال مودود نے ازنگین حاجب کو بھی قتل کیا۔	۱۶۴	
۴۳۶ھ	۱۰۴۴ء	خواجہ طاہر وزیر نے وفات پائی اور خواجہ ابو الفتح عبدالرزاق بن احمد بن حسن میمندی وزیر مقرر کیا گیا۔	۱۶۴	
۴۳۷ھ	۱۰۴۵ء	سلجوقیوں نے غزنی کی طرف قدم بڑھایا اور رباط امیر کو غارت کیا طغرل نے انکو شکست دی اور گرم سیر کے ترکمانیوں کو قتل کر کے غزنی واپس آیا۔	۱۶۴	
۴۳۸ھ	۱۰۴۶ء	مودود نے باستگین کو غور روانہ کیا باستگین ولد یحییٰ اور ابو علی کو گرفتار کر کے غزنی لایا مودود نے دونوں مجرموں کو قتل کرایا۔	۱۶۵	ولد یحییٰ غوری اور ابو علی (برگز)
۴۳۸ھ	۱۰۴۶ء	مودود نے طغرل کو بست روانہ کیا طغرل نے بغاوت کی علی بن ربیع نے طغرل کو شکست دی۔	۱۶۵	
۴۳۸ھ	۱۰۴۶ء	مودود نے باستگین کو بہرام نیال کے مقابلہ میں روانہ کیا باستگین کو فتح ہوئی اور ترکمانی شکست کھا کر بھاگ نکلے۔	۱۶۵	بہرام دانیال (برگز)
۴۳۹ھ	۱۰۴۷ء	امیر قزدار نے بغاوت کی اور باستگین اسکی سرکوبی کیلئے روانہ کیا گیا قزدار نے مودود کی اطاعت قبول کی۔	۱۶۶	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	[illegible]	[illegible]
سنہ ۴۴۰ھ	سنہ ۱۰۴۸ء	مودود نے اپنے دونوں بڑے بیٹوں ابوالقاسم محمود اور منصور کو طبل و علم دیکر محمود کو لاہور اور منصور کو پرشور روانہ کیا اور ابوعلی کو ہندی باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا ۔	۱۶۶	
رجب ۴۴۱ھ	دسمبر ۱۰۴۹ء	مودود نے نو برس حکومت کرکے دنیا سے رحلت کی ۔	۱۶۷	
یکم شعبان ۴۴۱ھ	۲۶ دسمبر ۱۰۴۹ء	ابوالحسن علی بن مسعود نے تخت سلطنت پر جلوس کیا	۱۶۹	
		ابوالحسن نے مردان شاہ اور ایزدشاہ اپنے بھائیوں کو جو قلعہ نائی میں قید تھے غزنی بلا کر عزت و حرمت کے ساتھ اپنے پاس رکھا ۔	۱۶۹	سنہ ۴۴۳ھ ۱۰۵۱ء [illegible] ایزدیار [illegible] قلعہ [illegible]
سنہ ۴۴۳ھ	سنہ ۱۰۵۱ء	عبدالرزاق احمد حسن میمندی نے خواجہ ابوالفضل رشید بن التونتاش اور نوشتگین حاجب کی رائے سے عبدالرشید بن محمود غزنوی کو قید خانہ سے رہا کرکے اسے غزنی کا بادشاہ بنایا ۔	۱۷۰	نوشتگین
سنہ ۴۵۰ھ	سنہ ۱۰۵۸ء	سلطان فرخ زاد نے وفات پائی ۔	۱۷۴	
سنہ ۴۶۲ھ	سنہ ۱۰۶۹ء	سلطان ابراہیم نے قلعہ اجودھن سر کیا اور اس کے بعد قلعہ روپال اور شہر [illegible] کو بھی بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ فتح کیا ۔	۱۷۵، ۱۷۶	
سنہ ۴۹۲ھ	سنہ ۱۰۹۸ء	سلطان ابراہیم نے وفات پائی	۱۷۹	
سنہ ۵۰۸ھ	سنہ ۱۱۱۸ء	سلطان مسعود بن ابراہیم نے وفات پائی ۔	۱۸۰	
رمضان ۵۱۲ھ	دسمبر ۱۱۱۸ء	بہرام نے ہندی سپہ سالار باہیلم کو نظر بند کرکے پھر اسے رہا کیا ۔	۱۸۴	باہیلم [illegible]
سنہ ۵۴۷ھ	سنہ ۱۱۵۲ء	سلطان بہرام نے وفات پائی	۱۸۸	
سنہ ۵۵۵ھ	سنہ ۱۱۶۰ء	سلطان خسرو نے لاہور میں وفات پائی ۔	۱۹۳	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
سنہ ۵۷۶ھ	سنہ ۱۱۸۰ء	شہاب الدین غوری نے پشاور۔ ملتان اور سندھ کو فتح کرکے لاہور پر حملہ کیا۔	۱۹۲	
سنہ ۵۸۰ھ	سنہ ۱۱۸۴ء	شہاب الدین نے لاہور پر دوبارہ حملہ کیا اور اطراف وجوانب کو تاراج کرکے سیالکوٹ کا قلعہ تعمیر کیا اور غورستان واپس گیا۔	۱۹۲	
		شہاب الدین نے اس مرتبہ خسرو ملک سے اظہار دوستی کیا اور اس بہانہ سے بلا کسی مزاحمت کے لاہور پر قابض ہوا خسرو ملک کے بعد خاندان غزنوی کا خاتمہ ہوگیا۔	۱۹۳	سنہ ۵۸۲ھ سنہ ۱۱۸۶ء
سنہ ۵۵۱ھ	سنہ ۱۱۵۶ء	علاء الدین حسن نے وفات پائی اور اس کا فرزند سیف الدین باپ کا جانشین ہوا۔	۲۰۷	
سنہ ۵۶۷ھ	سنہ ۱۱۷۱ء	غیاث الدین نے غزنی پر دھاوا کیا اور شہر کو غورستان کا ایک صوبہ بنا لیا۔	۲۰۸	
سنہ ۵۷۲ھ	سنہ ۱۱۷۶ء	شہاب الدین نے ہندوستان پر حملہ کیا ملتان پر قبضہ کرکے اچھ کا محاصرہ کیا اُچھ کی رانی نے شہاب الدین سے سازش کرکے راجہ کو قتل کیا اور اُچھ پر بھی شہاب الدین قابض ہوگیا۔	۲۰۸	
سنہ ۵۷۴ھ	سنہ ۱۱۷۸ء	شہاب الدین نے اُچھ اور ملتان پر دوبارہ حملہ کیا اور ان مقامات کو تاراج کرکے سندھ کے راستہ سے گجرات پر حملہ آور ہوا بھیم دیو والی گجرات نے شہاب الدین کا مقابلہ کیا شہاب الدین کو شکست ہوئی اور بڑی دقت کے ساتھ غزنی واپس گیا۔	۲۰۹	
سنہ ۵۷۵ھ	سنہ ۱۱۷۹ء	شہاب الدین نے پشاور کے مقامات بگرام پرشور		پشاور کی طرف چڑھائی

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	نمبر صفحہ	صحت
		اور فرسور پر حملہ کرکے فتح کیا اور کیا خسرو ملک پر حملہ کرکے اسکے بیٹے خسرو شاہ کو ساتھ لایا ۔		کتابوں میں بگرام بہ شور اور فرسور کے ناموں سے مشہور ہے ۔
سنہ ۵۷۶ھ	سنہ ۱۱۸۰ء	شہاب الدین نے سندھ کے مشہور شہر دیول پر لشکرکشی کی اور دریائے سندھ کے تمام ساحلی مقامات پر قبضہ کیا ۔	۲۰۹	دیبل (برگز)
سنہ ۵۸۰ھ	سنہ ۱۱۸۴ء	شہاب الدین لاہور پر حملہ آور ہوا اور دریائے راوی اور چناب کے درمیان قلعہ تعمیر کرکے وہاں کی حکومت حسین خرمیل کو دی اور خود غزنی واپس آیا ۔	۲۰۹	
سنہ ۵۸۲ھ	سنہ ۱۱۸۶ء	شہاب الدین نے لاہور پر حملہ کیا اور خسرو ملک قلعہ سے نکل کر شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۔	۲۱۰	
سنہ ۵۸۷ھ	سنہ ۱۱۹۱ء	شہاب الدین نے پتھنڈا کا قلعہ سر کیا اور بہاء الدین ٹولکی کو ایک ہزار بیس سواروں کی جمعیت سے پتھنڈا میں چھوڑ دیا ۔	۲۱۰	ٹھنڈہ کا قلعہ سر کیا (برگز) اور ضیاء الدین ٹولکی (تولکی برگز) کو ایک ہزار دو سو سواروں کی جمعیت سے ٹھنڈہ میں چھوڑا ۔
سنہ ۵۸۷ھ	سنہ ۱۱۹۱ء	شہاب الدین اور پتھورا اور دیگر ہندو راجاؤں میں دریائے سرستی کے کنارے موضع ترائین میں جو آج کل تراوری کے نام سے مشہور ہے مقابلہ ہوا شہاب الدین کھانڈے رائے والی دہلی کے نیزہ سے زخمی ہوا مسلمان شکست کھا کر بھاگے اور ہندوؤں کو فتح ہوئی ۔	۲۱۱	موضع نراین (برگز) پتھورا ری ۔ نسخہ دیگر تاریخ فرشتہ

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	نمبر صفحہ	صحت
۵۸۸ھ	۱۱۹۲ء	شہاب الدین اور پتھورا وغیرہ میں دوبارہ دریائے سرستی کے کنارے مقابلہ ہوا اسمیں شہاب الدین کو فتح ہوئی اور پتھورا کھانڈے رائے اور دوسرے راجپوت فرمانروا قتل ہوئے شہاب الدین نے سرستی کہرام اور سمانہ کے قلعوں پر قبضہ کیا اور دہلی روانہ ہوا راجہ دہلی نے بیش قیمت پیش کش دیکر شہاب الدین کی اطاعت کرلی شہاب الدین نے قطب الدین کو کہرام کا حاکم بنایا اور خود کوہستانی ممالک کی غارت گری کر کے غزنی واپس گیا ۔	۲۱۶ ۲۱۷	
۵۸۹ھ	۱۱۹۳ء	قطب الدین نے کول کا قلعہ سر کیا اور دہلی کو دار الخلافت بنایا ۔	۲۱۷	
۵۹۱ھ	۱۱۹۴ء	قطب الدین نے ہیمراج پر حملہ کیا ہیمراج میدان جنگ میں مارا گیا اور اجمیر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ۔	۲۱۸	ہیمراج (برگز)
۵۹۱ھ	۱۱۹۴ء	قطب الدین نے نہروالہ پر لشکر کشی کر کے بھیم دیو والی گجرات کو شکست دی ۔	۲۱۸	
۵۹۲ھ	۱۱۹۵ء	شہاب الدین ہندوستان آیا اور اس نے بیانہ کا قلعہ سر کیا ۔	۲۱۸	
۵۹۳ھ	۱۱۹۶ء	قطب الدین اور ہندو راجاؤں میں معرکہ آرائی ہوئی ہندوؤں کو شکست ہوئی اور نہروالہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ۔	۲۱۸	
۵۹۹ھ	۱۲۰۲ء	کالنجر اور بدایون کے قلعے بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے ۔	۲۱۸	کالنجر کالپی اور بدایون
۶۰۲ھ	۱۲۰۵ء	شہاب الدین لاہور سے غزنی روانہ ہوا راستہ میں	۲۲۳ ۲۲۴	مرہیک دہتک (برگز)

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	نمبر صفحہ	صحت
		دریائے سندھ کے کنارے ایک مقام پر جسے برھمیک کہتے ہیں خیمہ زن ہوا میں کہکروں نے خیمہ کے اندر گھس کر شہاب الدین غوری کو قتل کیا۔		
۵۸۹ھ	۱۱۹۳ء	حاکم نہروالہ کے ایک عزیز مسمی جیتوان نے ہانسی پر لشکرکشی کی قطب الدین نے جیتوان کو شکست دی۔	۲۲۸	جیوان رائے (برگز)
۵۹۰ھ	۱۱۹۴ء	قطب الدین نے شہر کول فتح کیا۔	۲۲۸	
۵۹۱ھ	۱۱۹۴ء	قطب الدین نے نہروالہ پر لشکرکشی کی جیتوان میدان جنگ میں مارا گیا بھیم دیو فراری ہوا اور قطب الدین کامیاب ہانسی واپس آیا۔	۲۳۰	جیون رائے (برگز)
۵۹۲ھ	۱۱۹۵ء	قطب الدین کی بنا کردہ جامع مسجد دہلی میں تیار ہوئی۔	۲۳۲	ہونٹی اور بیندول۔
۵۹۳ھ	۱۱۹۶ء	قطب الدین اجمیر سے نہروالہ پر حملہ آور ہوا راستہ میں ہوتلی اور بندول کے قلعے سر کئے قطب الدین نے سنا کہ والن و اریسی راجپوت نے راجہ نہروالہ سے سازش کرلی ہے اور اسلامی لشکر کا سد راہ ہوکر ابوگڈھ کے قلعہ کے نیچے بلدہ سروہی کے مضافات میں لڑنے کو تیار ہے قطب الدین ابوگڈھ پہنچا اور اس نے حریف کو پسپا کرکے شہر کو تاراج کیا اور نہروالہ کی حکومت اپنے ایک امیر کو سپرد کرکے اجمیر ہوتا ہوا دہلی پہنچا۔	۲۳۳	پالی اور نادول (برگز) قطب الدین نے سنا کہ والن و اریسی ...... لشکر کے .... تیار رہیں وارن و دارابرز (برگز)
۵۹۹ھ	۱۲۰۲ء	قطب الدین کالنجر پر حملہ آور ہوا راجہ قلعہ بند ہوا لیکن محاصرہ کی سختیوں سے تنگ آکر راجہ نے وہی خراج قطب الدین کو دینا قبول کیا جو اس کے اسلاف محمود غزنوی کو دیا کرتے تھے قطب الدین نے	۲۳۴	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
		راجہ کی درخواست قبول کی لیکن قبل اس کے کہ رقم قطب الدین تک پہنچے راجہ کے وزیر نے راجہ کو قتل کر ڈالا قطب الدین نے پھر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ میں پانی کا چشمہ خشک ہو جانے سے اہل قلعہ نے امان طلب کی قلعہ پر قطب الدین کا قبضہ ہو گیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔		
سنہ ۶۰۲ ذی قعدہ	سنہ ۱۲۰۵ جولائی	قطب الدین نے لاہور میں تخت سلطنت پر جلوس کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔	۲۳۵	
سنہ ۶۰۳	سنہ ۱۲۰۶	قطب الدین اور تاج الدین میں معرکہ آرائی ہوئی تاج الدین کو اس لڑائی میں شکست ہوئی قطب الدین نے غزنی کے تخت سلطنت پر جلوس کیا لیکن تھوڑے دنوں کے بعد تاج الدین پھر غزنی پر قابض ہو گیا۔	۲۳۵	
سنہ ۶۰۷	سنہ ۱۲۱۰	قطب الدین نے چوگان کھیلتے وقت گھوڑے سے گر کر وفات پائی۔	۲۳۶	
سنہ ۶۰۷	سنہ ۱۲۱۰	شمس الدین التمش نے دہلی میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔	۲۳۶	
سنہ ۶۱۲	سنہ ۱۲۱۵	تاج الدین نے پنجاب اور تھانیسر پر قبضہ کیا التمش اور اور تاج الدین میں جنگ ہوئی یلدوز گرفتار ہو کر قلعہ میں قید کیا گیا۔	۲۳۷	
سنہ ۶۱۴	سنہ ۱۲۱۷	التمش اور ناصر الدین قباچہ میں منصورہ کے نواح میں معرکہ آرائی ہوئی اور التمش کو فتح ہوئی۔	۲۳۷	
سنہ ۶۱۵	سنہ ۱۲۱۸	التمش نے خلجی سرداروں کی مدد کی اور قباچہ سے معرکہ آرائی ہوئی قباچہ کو شکست ہوئی۔	۲۳۷	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	نمبر صفحہ	صحت
۶۱۵ھ	۱۲۲۱ء	جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز خاں کے خوف سے بھاگ کر لاہور آیا التمش نے خوارزم پر لشکر کشی کی خوارزم نے سندھ اور سیوستان کی راہ لی سندھ پہنچکر خوارزم اور قباچہ میں نزاع ہوئی اور خوارزم ہندوستان سے چلا گیا ۔	۲۴۸	
۶۲۲ھ	۱۲۲۵ء	التمش نے بہار اور لکھنوتی پہ حملہ کیا اور غیاث الدین خلجی کو اپنا اطاعت گزار بنایا التمش نے اپنے بڑے بیٹے ناصر الدین کو لکھنوتی کا حاکم بنایا ناصر الدین نے غیاث الدین پہ فتح حاصل کی ۔	۲۴۸	
۶۲۳ھ	۱۲۲۶ء	التمش نے رنتھمبور فتح کیا اور اسکے ایک سال بعد منڈو کا قلعہ مع حدود سوالک کے سر کیا ۔	۲۴۹	
۶۲۶ھ	۱۲۲۹ء	عرب کے قاصد التمش کے لیئے بارگاہ عباسی سے خلعت نیابت لیکر آئے ۔	۲۴۹	
۶۲۷ھ	۱۲۳۰ء	التمش نے لکھنوتی کا سفر کیا اور ملک کے تمام فتنوں کو فرو کرکے عزت الملک کو حاکم لکھنوتی مقرر کیا ۔	۲۵۰	
۶۲۹ھ	۱۲۳۱ء	التمش نے گوالیار پر حملہ کرکے اُس کو فتح کیا ۔	۲۵۰	
۶۲۵ھ	۱۲۲۸ء	التمش نے فیروز شاہ کو چتر و دورباش دیکر اسے بدایون کا حاکم مقرر کیا ۔	۲۵۵	
شعبان ۶۳۳ھ	مئی ۱۲۳۶ء	التمش نے وفات پائی اور رکن الدین فیروز شاہ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا ۔	۲۵۵	
ربیع الاول ۶۳۴ھ	نومبر ۱۲۳۶ء	رکن الدین اور رضیہ سلطان میں معرکہ آرائی ہوئی رضیہ کو فتح ہوئی اور رکن الدین گرفتار ہوکر قید ہوا ۔	۲۵۶	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	نمبر صفحہ	صحت
۶۳۴ھ	۱۲۳۶ء	رضیہ سلطان نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔	۲۵۸	
۶۳۷ھ	۱۲۳۹ء	ملک اعزالدین کبیر خانی نے رضیہ کے خلاف بغاوت کی رضیہ نے اعزالدین پر لشکر کشی کی اور اعزالدین نے اطاعت قبول کی۔	۲۵۹	
۶۳۷ھ	۱۲۳۹ء	ملک التونیہ حاکم تبرہندہ نے بغاوت کی رضیہ نے التونیہ پر فوج کشی کی راستہ میں ترکوں نے شاہی فوج پر چھاپہ مارا اور رضیہ کو گرفتار کر کے دہلی پہنچے اور معزالدین بہرام شاہ کو بادشاہ بنایا۔	۲۶۰	
۶۳۷ھ	۱۲۳۹ء	رضیہ اور معزالدین بہرام شاہ میں دوسری مرتبہ نواح کیتھل میں معرکہ آرائی ہوئی رضیہ گرفتار ہوئی اور اسکا اور ملک التونیہ کا سر قلم کیا گیا۔	۲۶۰	(کیتھل دیگر)
رمضان ۶۳۷ھ	اپریل ۱۲۴۰ء	معزالدین بہرام شاہ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔	۲۶۱	
صفر ۶۳۸ھ	ستمبر ۱۲۴۰ء	معزالدین بہرام شاہ نے قصر سفید میں دربار عام کیا اور بادشاہ کے اشارہ سے دو ترکی سپاہیوں نے مجنون بنکر ایتگین کو قتل کیا۔	۲۶۲	قصر سفید
جمادی الآخر ۶۳۹ھ	نومبر ۱۲۴۱ء	چنگیز خانی مغلوں نے لاہور کا محاصرہ کیا ملک قراقش حاکم لاہور فراری ہو کر دہلی پہنچا بہرام شاہ نے نظام الملک وزیر اور قطب الدین وکیل السلطنت کو اس مہم پر نامزد کیا نظام الملک نے حیلہ و تدبیر سے امیروں کو بادشاہ سے برگشتہ کر دیا امیر دہلی پہنچے اور ذیقعدہ ۶۳۹ھ میں بہرام شاہ امیروں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر قلعہ میں قید کر دیا گیا۔	۲۶۴ ۲۶۵	
جمادی الاول ۶۴۰ھ	اکتوبر ۱۲۴۲ء	نظام الملک وزیر حوض رانی کے جنگل میں قتل کیا گیا۔	۲۶۵	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	نمبر صفحہ	صحت
سنہ ٦٤٢ھ	سنہ ١٢٤٤ء	مغلوں نے لکھنوتی پر حملہ کیا ملک قرابیگ طغا خاں کی مدد کو بھیجا گیا اور مغل پسپا ہو کر فراری ہوئے۔	٢٦٦	
سنہ ٦٤٣ھ	سنہ ١٢٤٥ء	مغلوں نے قندھار اور طالقان کی طرف سے نواح سندھ پر حملہ کیا اور اوچھ کا محاصرہ کیا علاء الدین نے خود اوچھ کا سفر کیا مغل فراری ہوئے اور بادشاہ کامیاب دہلی واپس آیا۔	٢٦٦	
محرم سنہ ٦٤٤ھ	جون سنہ ١٢٤٦ء	امیروں نے علاء الدین مسعود کو گرفتار کر کے ناصر الدین محمود کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔	٢٦٧	
رجب سنہ ٦٤٤ھ	جولائی سنہ ١٢٤٧ء	ناصر الدین محمود نے ملتان پر لشکر کشی کی خان اعظم الغ خاں نے سندھ اور کوہ جود کو تاراج کیا اور بادشاہ کامیاب دہلی واپس آیا۔	٢٦٩	
شعبان سنہ ٦٤٥ھ	دسمبر سنہ ١٢٤٧ء	ناصر الدین محمود نے میان دواب کا سفر کیا بادشاہ نے بلبرتہنہ کا قلعہ سر کیا۔	٢٧١	تہنہ موجودہ بلند شہر (برگز)
سنہ ٦٤٥ھ	سنہ ١٢٤٨ء	ناصر الدین نے کڑہ کا سفر کیا خان اعظم نے دلکی ملکی کے دیہاتوں کو تاراج کیا اور بادشاہ دہلی واپس آیا۔	٢٧١	
سنہ ٦٤٦ھ	سنہ ١٢٤٨ء	ناصر الدین نے خان اعظم کی بیٹی کے ساتھ عقد کیا۔	٢٧١	
سنہ ٦٤٨ھ	سنہ ١٢٤٩ء	ناصر الدین نے ملتان پر لشکر کشی کی شیر خان حاکم ملتان و لاہور بادشاہ کے ساتھ ہوا بادشاہ ملتان پہنچا اور بیس بہ ترک کو مہم پیروانہ کر کے خود دہلی واپس آیا	٢٧١ ٢٧٢	
سنہ ٦٤٩ھ	سنہ ١٢٥٠ء	اعز الدین بلبن نے بغاوت کی ناصر الدین نے ناگور کا سفر کیا بلبن بادشاہ سے معافی قصور کا خواستگار ہوا ناصر الدین نے اسکی خطا معاف کی اور دہلی کو واپس آیا۔	٢٧٢	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	[illegible]	صحت
شعبان ۶۴۹ھ	۱۲۵۰ء	ناصرالدین نے قلعہ ٹھرور پر دھاوا کیا جاہر دیو حاکم قلعہ نے بادشاہ کا مقابلہ کیا ناصرالدین نے قلعہ سر کیا اور چندیری اور مالوہ میں معتمد امیروں کو مقرر کرکے دہلی واپس آیا۔	۲۷۲	ٹرور = ٹرور
۶۵۰ھ	۱۲۵۲ء	ناصرالدین نے اوچھ اور ملتان کا سفر کیا۔	۲۷۲	
۶۵۱ھ	۱۲۵۳ء	عمادالدین ریحانی نے سازش کرکے خان اعظم کے قتل کا ارادہ کیا لیکن اس سازش میں ناکام رہا اور بادشاہ کو خان اعظم سے برگشتہ کردیا ناصرالدین نے خان اعظم کو ہانسی روانہ کردیا۔	۲۷۳	عمادالدین زنجانی (برگنہ)
۶۵۳ھ	۱۲۵۶ء	ناصرالدین اپنی ماں ملکہ جہاں سے خفا ہوگیا اور اُسکے شوہر قتلغ خاں کو اودھ بھیجا۔ قتلغ خاں نے دوسرے امیروں کی سازش سے بغاوت کی خان اعظم نے قتلغ خاں کو شکست دی اور قتلغ خاں نے حاکم جیتپور کے پاس پناہ لی۔	۲۷۴	جیتپور = چتور (برگنہ)
۶۵۵ھ	۱۲۵۷ء	راجہ دیپال حاکم جیتپور نے قتلغ خاں کی مدد کی ناصرالدین نے اعزالدین کو ان کے مقابلہ پر بھیجا باغیوں کو شکست ہوئی اور کشلی خاں تو خان اعظم کی سفارش سے اپنی جاگیر پر بحال ہوا اور قتلغ گمنام ہوکر آوارہ وطن ہوگیا۔	۲۷۵	سنتور (برگنہ) جیتپور = چتور
۶۵۶ھ	۱۲۵۸ء	ناصرالدین نے کڑہ مانک پور کا سفر کیا ارسلان اور قلیچ خاں دونوں باغی اطاعت قبول کرکے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ارسلان خاں لکھنوتی کا اور قلیچ خاں کوہ پایہ میوات کا حاکم مقرر کیا گیا۔	۲۷۵	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
۶۵۷ھ	۱۲۵۹ء	خان اعظم کا بھائی مسمی کشلی خان بیا شکول چلا گیا اور گویا لیار کی حکومت پر فائز ہوا۔	۲۷۵	
۶۵۸ھ	۱۲۶۰ء	خان اعظم نے بادشاہ کے حکم سے کوہ پایہ سوالک اور رنتھنبور پر لشکر کشی کی سرکش تباہ و برباد ہوئے اور بقیہ گرفتار کر کے دہلی لائے گئے ناصر الدین نے قیدیوں کو قتل کرایا۔	۲۷۶	۶۵۷ھ / ۱۲۵۹ء (برگز)
ربیع الاول ۶۵۸ھ	مارچ ۱۲۵۹ء	ہلاکو خان کا ایلچی دہلی آیا شاہی دربار بڑی شان و شوکت کے ساتھ آراستہ کیا گیا۔	۲۷۷	۶۵۷ھ / ۱۲۵۹ء (برگز)
۶۶۳ھ	۱۲۶۴ء	ناصر الدین محمود مرض الموت میں بیمار ہوا۔	۲۷۸	
۱۱ جمادی الاول ۶۶۴ھ	۱۸ فروری ۱۲۶۶ء	ناصر الدین محمود نے بائیس سال سے کچھ زائد حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔	۲۷۸	
۶۳۰ھ	۱۲۳۲ء	خواجہ جمال الدین بصری نے بغداد میں غیاث الدین بلبن کو خرید کیا۔	۲۷۹	
۶۴۲ھ	۱۲۴۴ء	بلبن امیر حاجب مقرر کیا گیا۔	۲۸۰	
۶۶۴ھ	۱۲۶۵ء	محمد تاتار خان پسر ارسلان خان نے تریسٹھ ہاتھی اور دوسرے بیش قیمت تحفے غیاث الدین بلبن کے پیش روانہ کئے۔	۲۸۸	
۶۶۴ھ	۱۲۶۵ء	بلبن نے نواح دہلی کے راہزنوں کو قتل و غارت کر کے ان کو تباہ کر دیا۔	۲۸۹	
۶۶۵ھ	۱۲۶۶ء	بلبن نے میان دواب کے سرکشوں کو نیست و نابود کیا اور اسکے بعد وہ کنپل پٹیالی و بھوجپور کا سفر کر کے ہزارہا لٹیروں اور راہزنوں کو تہ تیغ کیا بلبن نے اسی زمانہ میں قلعہ جلالی کی مرمت	۲۸۹	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
		کرائی اور دہلی واپس آیا۔		
سنہ ۶۶۷	سنہ ۱۲۶۸	بلبن کے چچیرے بھائی معظم شیر خاں خواجہ تاش حاکم لاہور وملتان وغیرہ نے وفات پائی۔	۲۹۱	خان معظم شیر خاں
سنہ ۶۶۸	سنہ ۱۲۶۹	طغرل نے جاجنگر پر لشکر کشی کی اسی زمانہ میں بلبن کی موت کی جھوٹی خبر سارے ملک میں پھیلی طغرل نے لکھنوتی پر قبضہ کر کے اپنے کو سلطان مغیث الدین کے خطاب سے لکھنوتی کا بادشاہ مشہور کیا۔ بلبن نے آخر میں خود طغرل پر حملہ کیا اور باغی قتل کیا گیا۔	۲۹۶ ۳۰۰	
سنہ ۶۸۵	سنہ ۱۲۸۶	بلبن نے دنیا سے رحلت کی۔	۳۰۷	
سنہ ۶۸۶	سنہ ۱۲۸۸	معز الدین کیقباد نے وفات پائی اور جلال الدین خلجی نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔	۳۲۱	
سنہ ۶۹۰	سنہ ۱۲۹۱	سیدی مولہ کے قتل کے بعد ایک سیاہ آندھی اٹھی جس سے تمام شہر میں اندھیرا چھا گیا اور شہر کے باشندے ایک دوسرے کا منہ بھی نہ دیکھ سکے آندھی کے بعد دہلی اور سوالک میں ایک عظیم الشان قحط پڑا۔	۳۳۷ ۳۲۶	آندھی کے بجائے اسی سال یعنی سنہ ۶۹۰ھ میں
سنہ ۶۹۰	سنہ ۱۲۹۱	جلال الدین خلجی نے رنتھمبور پر لشکر کشی کی لیکن اسے فتح نہ کر سکا اور جھاین کے قلعہ کو سر کر کے مالوہ کے بتخانوں کو ڈھاتا ہوا دہلی واپس آیا۔	۳۳۷	
سنہ ۶۹۱	سنہ ۱۲۹۲	ہلاکو خاں کے ایک عزیز نے ہندوستان پر دھاوا کیا جلال الدین خلجی فوج لیکر مقابلہ کے لیے گیا بہرام کے نواح میں دونوں کا مقابلہ ہوا خلجیوں کو فتح ہوئی لیکن آخر کار صلح ہو گئی اور دونوں فریق	۳۳۸ ۳۳۹	بہرام = بہرات (برگرن)

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	نمبر صفحہ	صحت
		میدان جنگ سے واپس ہوئے ۔		
۶۹۲ھ	۱۲۹۳ء	جلال الدین نے منڈو پر دھاوا کر کے شہر کو تاخت و تاراج کیا ۔	۳۳۹	
۶۹۲ھ	۱۲۹۳ء	علاء الدین خلجی حاکم کڑہ نے بادشاہ کے حسب الحکم تھاسہ پر حملہ کر کے اُسے غارت کیا ۔	۳۳۹	(تھاسہ بھلسہ دیرگز)
۶۹۳ھ	۱۲۹۴ء	علاء الدین نے بادشاہ کی اجازت سے کڑہ کا سفر کیا اور بلبنی امیروں کے بیکار ملازموں کو نوکر رکھا ۔	۳۴۰	
۶۹۳ھ	۱۲۹۴ء	علاء الدین خلجی نے جنگل کے نزدیک راستہ سے چندیری کا سفر کیا ۔	۳۴۰	
۶۹۵ھ	۱۲۹۵ء	جلال الدین خلجی شکار کے لئے گوالیار گیا بادشاہ نے گوالیار میں ایک گنبد تعمیر کرایا ۔	۳۴۵	
۱۷ رمضان ۶۹۵ھ	۱۹ جولائی ۱۲۹۵ء	جلال الدین خلجی کڑہ پہنچا اور علاء الدین خلجی نے بادشاہ کو قتل کیا ۔	۳۵۰ ۳۵۲	
۶۹۶ھ	۱۲۹۶ء	علاء الدین نے دہلی میں داخل ہو کر تخت سلطنت پر جلوس کیا اور آخر سنہ مذکور میں الماس بیگ اور ظفر خاں کو ملتان روانہ کیا ۔ ارکلی خاں اور رکن الدین الماس بیگ سے قول و قرار لے کر اس کے ساتھ روانہ ہوئے لیکن راستہ میں دونوں بدنصیب شاہزادے معہ الغو خاں اور ملک احمد حبیب کے نابینا کیئے گئے ارکلی خاں اور رکن الدین قلعہ ہانسی میں قید کیئے گئے اور انکی ماں اور بیبیاں دہلی کے ہند میں نظر بند کی گئیں ۔	— ۳۵۷ ۳۵۸	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
۶۹۷ھ	۱۲۹۷ء	علاءالدین نے الماس بیگ اور نصرت خاں کو گجرات روانہ کیا امیروں نے شہر کو تاراج کر کے گجرات پر اپنا قبضہ کر لیا راے کرن والی گجرات نے دکن میں پناہ لی اور اسکی رانی کنولادی اور اسکا خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا کنولادی علاءالدین کے حرم میں داخل کی گئی ۔	۳۵۹ ۳۶۰	کنولادی۔ کولادیبی (برگز)
۶۹۹ھ	۱۲۹۹ء	علاءالدین نے الماس بیگ اور نصرت خاں کو رنتھنبور کی مہم پر روانہ کیا امیروں نے جھاین کا قلعہ سر کر کے رنتھنبور کا رخ کیا ہمیر دیو راجہ رنتھنبور مقابلہ کے لیے سامنے آیا علاءالدین خود اس مہم پر روانہ ہوا تلپت میں اکتخان نے علاءالدین کو زخمی کیا اور خود اپنی حکمرانی کا اعلان کیا لیکن علاءالدین کو زندہ پاکر لوگ اکت خاں سے علحدہ ہو گئے بادشاہ تلپت سے رنتھنبور پہنچا علاءالدین کی عدم موجودگی میں اسکے دونوں بھانجے اودھ اور بداؤں کے جاگیردار عمر خاں اور منگو خاں نے بغاوت کی باغی گرفتار ہو کر رنتھنبور میں قتل کیئے گئے اسی دوران میں ملک فخرالدین کوتوال کے غلام حاجی مولہ نے کوتوال کو قتل کر کے ایک شخص مسمی علوی کو جو عام طور پر شاہنشاہ کے لقب سے مشہور اور التمش کی اولاد میں تھا تخت پر بٹھا دیا ملک حمیدالدین امیر نے باغی اور اسکے نئے بادشاہ کو قتل کر کے فتنہ کو فرو کیا علاءالدین نے ایکسال یا ایکسال کی	۳۶۸ ۳۷۳	اکت خاں رکن خان (برگز) شاہنشہ شاہنشہ (برگز)

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
		محنت کے بعد نتھمبور کا قلعہ فتح کیا میر محمد شاہ نومسلم مغلوں کا سردار بھی ہمیر دیو کی طرف سے لڑ کر میدان جنگ میں کام آیا۔		
سنہ ۷۰۲ھ	سنہ ۱۳۰۲ء	علاء الدین نے ایک فوج تلنگانہ روانہ کی اور خود قلعہ چتوڑ کو فتح کیا بادشاہ نے قلعہ کی حکومت اپنے بیٹے خضر خاں کو عنایت کرکے شہر کو خضر آباد کے نام سے موسوم کیا اور قلعہ کے پاس ایک جشن منعقد کرکے خضر خاں کو چتر و دورباش دیا اور اُسے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔	۳۸۱	
سنہ ۷۰۳ھ	سنہ ۱۳۰۳ء	علی بیگ چنگیزی اور خواجہ تریال نے باہم مل کر ہندوستان پر دھاوا کیا ملک نایب اور غازی ملک مغلوں کے مقابلہ میں روانہ کیے گئے ان امیروں نے مغلوں کو شکست دی اور دونوں مغل سردار گرفتار ہو کر دہلی لائے گئے علاء الدین نے اُن کو ہاتھیوں کے پاؤں کے نیچے پامال کرایا۔	۳۹۰	خواجہ تریال خواجہ تاش (برگز)
سنہ ۷۰۴ھ	سنہ ۱۳۰۴ء	عین الملک نے اجین، مندو، دھارانگری اور چندیری پر قبضہ کیا۔	۳۹۱	
سنہ ۷۰۵ھ	سنہ ۱۳۰۵ء	دوا خاں کے ایک معتبر امیر گنگ نے علی بیگ اور خواجہ تریال کا بدلہ لینے کے لیے دھاوا کیا اور سوالک میں اپنے قدم جمائے غازی ملک دشمن کے سر پر پہنچا شدید لڑائی کے بعد مغلوں کو شکست ہوئی اور گنگ غازی ملک کے ہاتھ میں گرفتار ہوا گنگ بھی ہاتھیوں کے پاؤں کے نیچے	۳۹۲	دوا خاں یہ داؤد خاں (برگز) گنگ یہ ایبک خاں (برگز)

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	نمبر صفحہ	صحت
		پامال کرایا گیا۔		
سنہ ۷۰۶ھ	سنہ ۱۳۰۶ء	علاء الدین نے خواجہ حاجی اور ملک نایب کی ماتحتی میں ایک لشکر دکن روانہ کیا عین الملک اور الغ خاں بذریعہ فرمان ملک نایب کے اطاعت گزار بنائے گئے۔ علاء الدین نے کنولا دی کی خواہش کے مطابق اسکی بیٹی دیولدی کو ماں کے پاس بھیجنے کے فرامین الغ خاں اور ملک نایب کے نام روانہ کیئے سنگل دیو پسر رام دیو دیولدی کو بیاہ کر دیوگڈھ لئے جا رہا تھا حسن اتفاق سے دیولدی مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی ملک نایب نے مرہٹواری کو فتح کر کے دیوگڈھ کا محاصرہ کیا راجہ رام دیو والی دیوگڈھ بیش قیمت تحفے لیکر ملک نایب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملک نایب تحفوں اور رام دیو کے ہمراہ دہلی واپس آیا علاء الدین نے رام دیو کو شاہانہ نوازش سے سرفراز کر کے نوساری کا صوبہ بھی اسے عطا کیا رام دیو ہمیشہ بادشاہ کا اطاعت گزار رہا۔	۳۹۴ ۳۹۸	سنگل دیو شنکل دیو (برگز)
سنہ ۷۰۹ھ	سنہ ۱۳۰۹ء	ملک نایب ایک جرار فوج کے ساتھ ورنگل روانہ کیا گیا لدر دیو راجہ ورنگل نے آخر میں اطاعت قبول کی اور تین سو ہاتھی سات ہزار گھوڑے اور بے شمار نقد و جواہر پیش کر کے سالانہ خراج دینے کا اقرار کیا۔	۳۹۹ ۴۰۱	
سنہ ۷۱۰ھ	سنہ ۱۳۱۰ء	علاء الدین نے ملک نایب کو دہور سمند اور معبر کی	۴۰۲ ۴۰۳	دہور سمندر دوارا سمودرا (برگز)

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ	صحت
۷۱۰ھ	۱۳۱۰ء	تھم پروانہ کیا ملک نایب نے بلال دیو راے کرناٹک کو گرفتار کر کے تبخانوں کو توڑا اور تمام مال و جواہر پر قبضہ کر کے ملک کرناٹک اور معبر کے تمام دفینوں اور خزانوں کے علاوہ بسات اور زیر زمین دفینوں کو اپنے ہمراہ لیکر دہلی واپس آیا۔ ملک نایب دہلی پہنچا اور تین سو بارہ ہاتھی بیس ہزار گھوڑے چھیانوے من سونا اور بے شمار صندوقچے موتیوں اور جواہرات سے بھرے ہوئے کوشک ہزار ستون کے سامنے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کئے۔	۴۰۴	
۷۱۲ھ	۱۳۱۲ء	علاء الدین نے ملک نایب کو چوتھے بار ملک دکن روانہ کیا ملک نایب نے رام دیو کے بیٹے کو گرفتار کر کے اُسے قتل کیا اور گلبرگہ سے رائچور تک اور دوال جیپور دہور سمندر اور کرناٹک پر قبضہ کیا۔ کرناٹک اور معبر کے راجاؤں کو علاء الدین کو خراج گزار بنایا اور بادشاہ کے حسب الطلب دہلی واپس آیا۔	۴۱۱	جیپور - چیدول (برگز)
۶ شوال ۷۱۶ھ	۱۹ دسمبر ۱۳۱۶ء	علاء الدین خلجی نے اپنی طبعی موت یا ملک نایب کی زہر خورانی سے وفات پائی۔		
۸ محرم ۷۱۷ھ	۲۲ مارچ ۱۳۱۷ء	قطب الدین مبارک شاہ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا مبارک شاہ نے حسن نام ایک پردار بچہ پر جو گجرات کا پہلوان تھا اور جسے بادشاہ علاء الدین کے نایب خاص ملک شادی نے پالا تھا خاص نظر عنایت مبذول کی اور اسے ملک نایب اور	۴۱۵ ۴۱۶	۷ محرم ۷۱۷ھ ۲۲ مارچ ۱۳۱۷ء (برگز) اصل کتاب اور دیگر تراجم میں یہ عبارت اس طرح مرقوم ہے کہ حسن نام ایک پردار بچہ جو گجرات

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	نمبر صفحہ	صحت
		ملک شادی کے تمام لوازمات حشمت عطا کر کے وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔		کا پہلوان تھا اور ملک شادی نایب خاص پرک بادشاہ علاء الدین نے اسے یا لاتھا خاص نظر عنایت ہندوں کی الکن صحیح اور قرین قیاس یہی ہے جو سنہ کے حوالہ سے اس جگہ لکھی گئی۔
۷۱۸ھ	۱۳۱۸ء	مبارک شاہ نے شاہین نام غلام کو وفا بیگ کا خطاب دیکر دہلی میں اپنا نایب مقرر کیا اور خود ہرپال دیو کی سرکوبی کے لئے دکن روانہ ہوا ہرپال جس نے مرہٹواری پر قبضہ کر لیا تھا فراری ہوا مبارک شاہ نے فوج اسکے تعاقب میں روانہ کی ہرپال گرفتار ہوا اور اسکی کھال کھینچی گئی مبارک شاہ دیوگڈھ میں مسجد تعمیر کراکے واپس آیا۔	۴۱۷	
۷۲۱ھ	۱۳۲۱ء	قطب الدین مبارک شاہ قتل کیا گیا۔	۴۲۷	
یکم شعبان ۷۲۱ھ	۲۲ اگست ۱۳۲۱ء	دہلی کے تمام اعیان و اشراف نے غازی ملک کے حضور میں حاضر ہو کر اسکو فتح کی مبارک بادی اور غیاث الدین کے لقب سے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔	۴۳۰ ۴۳۱	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بعد حمد و نعت کے یہ ناچیز بندہ محمد قاسم ہندو شاہ استرابادی المشہور بہ فرشتہ انجمن ہستی کو روشن کرنے والے نفوس کی خدمت میں کہ جن کے دل الفاظ و معانی کے سکوں کے پرکھنے کی کسوٹیاں ہیں عرض کرتا ہے کہ آغاز جوانی میں جب یہ ناچیز بلدۂ فیض اثر احمد نگر میں مقیم تھا تو کبھی کبھی یہ غیبی صدا اس کمترین کے کانوں کو سنائی دیتی تھی کہ اے نگارستان زمانہ کے نقش طراز اور اے نگار خانۂ دنیا کے رنگ آمیز جب یہ بات مسلم ہے کہ حق پرست مخلوق کا شکر و سپاس کرنا حقیقت میں خدا کی تعریف کرنا اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پہ شکر بجالانے کا نام ہے تو تجھ پہ لازم ہے کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کرے جسمیں اسلامی بادشاہوں کے واقعات اور کبار اولیا کے حالات مفصل مذکور ہوں اس لئے کہ مملکت ہندوستان کی حکومت کا ظاہری اور باطنی انتظام ان ہی دو آسمان آستان گروہوں کی پاک ہمت کی مدد اور اعانت سے ہمیشہ متعلق رہا اور اب بھی ہے۔ لیکن چونکہ کوئی ایسی جامع کتاب اُس شہر میں مجھے نہ ملی جس میں ہندوستان کے جلیل القدر بادشاہوں کے حالات جس طریقے سے میں چاہتا تھا مرقوم ہوتے اس لئے اس آرزو کو عملی جامہ پہننے میں تھوڑی دیر ہوئی یہاں تک کہ میں ۹۹۸ھ ہجری میں دارالسلطنت احمد نگر سے منتقل ہو کر بیجاپور پہنچا اور قدر سخن کے پہچاننے والے بادشاہ فرمانروائے دکن کی قدم بوسی سے مشرف ہوا چونکہ آنجناب کی مبارک طبیعت ہمیشہ سے حقائق کی سیر کی طرف مائل ہے اور اکثر کتب تواریخ کے مطالعے کا مشغلہ رہتا ہے۔ اس لئے مجھے بھی اُس عطیہ بخش جہاں نے طرح طرح کے انعامات اور مہربانیوں سے سرفراز فرما کر حکم دیا کہ حق بندگی یہی ہے کہ تو اپنے واسطی نژاد کلک کو نئے قلم کے مانند ہمارے مبارک احوال اور قدیمی مآل واقعات اور دوسرے ہندوستان کے بادشاہوں کے حالات لکھنے کے لیے

میدانِ فصاحت میں تیز دوڑا غوطہ زن کی طرح ان آبدار جواہرات کو جن کے نور سے تمام ہندوستان روشن ہو جائے دریائے فکر سے نکال اور ہوش کے کانوں میں آویزاں کرے کبھی تو باغبانِ طبیعت کی مدد سے جس نے مراسمِ خسروانہ کے چمن سے نشو و نما پائی ہے ایک ایسا باغ آراستہ کرے کہ بوستانِ معنی کے بلبل اس میں نوا سنجی کریں اور کبھی طبعِ مہندس کی اعانت سے جو بادشاہی عنایتوں کے مکتب کی طفلِ نوآموز ہے ایک ایسے محل کی بنیاد ڈال جس کی شکر گذاری کی چاشنی سے فرہاد منش اصحابِ شیریں کام ہوں یہ نہیں نہیں عطارد کی طرح ایک ایسی دکان سجا کہ پاک روحیں اس کے مال و اسباب کی خریداری کیلئے جمع ہوں اور سلیمانؑ کی طرح ایک ایسا دسترخوان بچھا کہ بہشتی طائر اس کی ریزہ چینی کے لیے نیچے جھکیں ٭

جب بادشاہ اس طرح فیض بخشی پر آمادہ ہوا اور میں اس کی مرحمت سے سرشار کرنیوالے جام کو ہاتھ میں لے کر بندگی کا حق خدمت بجالایا۔ زبان سے سمعنا و اطعنا کہا اور عرض کیا کہ اب جبکہ میرا گونگا نغمہ خوش الحانی سے بدل گیا اور میری باتیں شاہی کلام سے دمساز ہوئیں تو کیا عجب ہے کہ اب قدر و منزلت کے طور پر کلیم کی طرح میں بھی اپنا علم بلند کروں اور قلمِ آفرین کی توفیق رفیق کی مدد اور بادشاہ عیسیٰ دم کے انفاس کی برکت سے ایک معشوق یوسف صفت ایسا بازارِ رعنائی میں لاؤں کہ زلیخائے زمانہ اسے دیکھکر یوسفِ ثانی کے پیدا ہونے کا دعوے کرے یا یہ کہ ایک عروسِ زلیخا جمال کو جلوہ گاہِ بیجاپور میں تختِ رعنائی پر اس طرح بٹھاؤں کہ زمانہ یوسفِ کنعان کی طرح اس کی اطاعت کے لیے کمرِ خدمت مضبوط باندھے ؎

بسازم یکے بوستاں چوں بہشت   کہ خلدش بہ بینی بہ اردی بہشت
گلستانے آرایم از خوش سخن   کہ ہرگز نگردد ز گردش کہن

اس کے بعد میں نے ہندوستان کی کتبِ تاریخ کے جمع کرنے کی کوشش کی اور ہر طرف اور ہر ملک سے مختلف نسخے تاریخ کے بہم پہونچائے لیکن ان کتابوں میں کوئی نسخہ بھی ایسا نہیں ملا جو شاہانِ ہند کے تمام حالات اور ان کے عہد کے کل واقعات کا جامع ہو۔ ان کتابوں میں سب سے بہتر نسخہ تاریخ نظام الدین احمد بخشی کا ملا لیکن یہ بہتر نسخہ بھی اُن بہت سے واقعات اور حالات کے تذکروں سے خالی تھا جن کا مجھے خود

ذاتی علم تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر تالیف و تصنیف کا شوق اور تیز ہوا اور متقدمین کی تصنیف کردہ کتابوں کے مطالعے میں میں نے پوری کوشش کی۔ اس پوشیدہ خزانے کو جو بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح منتشر پڑا ہوا تھا ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک تاگے میں پرو کر۔ اس کتاب میں جس کا نام گلشن ابراہیمی ہے درج کیا۔ اس کتاب کو دیباچے جو خود زمین تحقیق کی پیداوار اور جس کا کاندھا صداقت کی چادر سے مزین ہے حاملان تصدیق کے دوش کی زینت سنہ ۱۰۱۵ ہجری میں عدالت پناہ معارف سپاہ گوہر معدن شاہنشاہی فروغ خاندان جہاں پناہی انتخاب دیوان قضا و قدر مقدمۂ جنود فتح و ظفر بادشاہ جہاں پناہ کے نام نامی سے مزین و آراستہ کر کے بادشاہ کی مبارک مجلس میں بطور تحفے کے پیش کیا۔ چونکہ ان سخنور اسلاف کے مقابلے میں جو اس سے پہلے نادر الوجود تصنیفات کا ذخیرہ اپنی یادگار چھوڑ کر عدم کی چادر اوڑھے سو رہے ہیں اپنے کولانا اور ان کی بیش بہا تصنیفات کے سامنے اپنی ناچیز تصنیف کی بابت کچھ کہنا پاس ادب سے دور ہے۔ اس لیئے اس معاملے میں لب پر مہر سکوت لگاتا ہوں اور صرف اس قدر کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ نکتہ پرور معاملہ شناس حضرات جانتے اور پہچانتے ہیں کہ اس نسخے کو متقدمین کی تصنیفات سے وہی نسبت ہے جو کعبے کو بیت المقدس سے حاصل ہے؎

مرا در سخن گرچہ آن پایہ نیست　　ولے خاک فطرت تنک مایہ نیست

امید ہے کہ یہ معشوق سادہ رخسار جو نشیانہ تکلفات کے زیب و زینت سے بالکل عاری ہے اور یہ گوہر شب چراغ جو عبارت آرائی کی پابندیوں اور نظم کی قیدوں سے بالکل خالی ہے بادشاہی عنایات کا منظور نظر ہوگا اور باد صبا کا ہم رکاب ہو کر تمام عالم کی سیر کریگا اور یہ بکھر اسکہ دنیا کے ہر گوشے میں رائج اور مقبول ہو کر رہیگا۔ ان کتابوں کے نام جو اس تالیف کے وقت میرے زیر مطالعہ تھیں حسب ذیل ہیں :۔

ترجمۂ یمینی۔ زین الاخبار۔ تاج المآثر۔ طبقات ناصری۔ ملحقات شیخ عین الدین بیجاپوری۔ تاریخ فیروز شاہی۔ واقعات بابری۔ واقعات ہمایونی۔ تاریخ بہائے گیتی۔ تاریخ مبارک شاہی۔ بہمن نامہ منظوم شیخ آذری۔ سراج التواریخ بہمنی تالیف ملا محمد لاری۔ تحفۃ السلاطین بہمنی تالیف ملا داؤد بیدری۔ تاریخ الفی۔ تاریخ استادی ملا احمد تتوی۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر۔ تاریخ حاجی محمد قندھاری۔ طبقات محمود شاہی بزرگ (مندوی)

تاریخ محمود شاہی خورد (مندوی) تاریخ نظام الدین احمد بخشی - تاریخ بنگالہ - تاریخ سندھ - تاریخ کشمیر - نسخہ فوائد الفواد - نسخہ خیر المجالس - نسخہ تغلقی - نسخہ خیر العارفین شیخ جمالی شاعر ؎

اس مجموعے میں ایک مقدمہ بارہ مقالے اور ایک خاتمہ ہے:- مقدمہ ظہور اسلام کے حالات میں - پہلا مقالہ سلاطین لاہور کے ذکر میں - دوسرا مقالہ بادشاہان دہلی کے حالات میں - تیسرا مقالہ شاہانِ دکن کے بیان میں - چوتھا مقالہ شاہان گجرات کے حالات میں - پانچواں مقالہ سلاطین مالوہ کے ذکر میں - چھٹا مقالہ شاہانِ خاندیس کے بیان میں - ساتواں مقالہ شاہان بنگالہ کے ذکر میں - آٹھواں مقالہ شاہانِ ملتان کے ذکر میں - نواں مقالہ شاہانِ سندھ کے بیان میں دسواں مقالہ شاہانِ کشمیر کے احوال میں - گیارھواں مقالہ فرمانروایانِ ملیبار کے حالات میں - بارھواں مقالہ مشائخ ہندوستان کے حالات میں - خاتمہ کیفیت ہندوستان کے بیان میں ؎
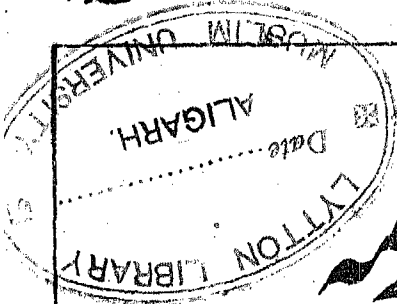
مقدمہ

اہل ہند کے معتقدات اُن کے راجاؤں کا ذکر اور ہندوستان میں ظہور اسلام کا بیان

ہندوؤں میں مہابھارت سے زیادہ بڑی اور معتبر کوئی دوسری کتاب اس زمانے میں موجود نہیں ہے۔ ابو الفیض فیضی بن شیخ مبارک نے اکبر کے زمانے میں اس کتاب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ کتاب مذکور میں ایک لاکھ سے زائد اشعار ہیں ہم اسی کتاب سے اہل ہند کے معتقدات کا خلاصہ اس جگہ لکھتے ہیں تاکہ تاریخی واقعات سے اطلاع چاہنے والے ابتدا سے انتہا تک اس کے مضمون سے آگاہ ہو جائیں۔

ہندوستان میں کیا صوفی کیا حکیم اور کیا فقیہ ہر گروہ دنیا کی پیدائش کے حالات میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتا ہے۔ ان مختلف مذہبوں میں سے تیرہ مذہب مہابھارت میں مذکور ہیں۔ لیکن اہل نظر کے نزدیک ان میں کوئی مشرب بھی ایسا نہیں ہے جس سے تحقیق طلب طبیعت مطمئن ہو اور راز خلقت جاننے کی آرزو ان کو پڑھ کر بر آئے۔ ہندوؤں کے غیر اسلامی عقیدے کے موافق دنیائے پرنیرنگ کی گردش چار دور پر تمام ہوتی ہے جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔ ست یگ، ترتیا یگ، دواپر یگ، اور کل یگ؛ جب کل یگ کا دورہ تمام ہوتا ہے تو از سر نو ست یگ شروع ہوتا ہے اور پھر کل یگ پر آکر ختم ہوتا ہے اسی طرح برابر ان چاروں زمانوں کا یکے بعد دیگرے دورہ ہوا کرتا ہے نہ عالم کی ابتدا کی کوئی خبر ہے اور نہ کوئی اس کی انتہا کو جانتا ہے۔ میں نے ایک معتبر کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ امیر المومنین آدم علیہ السلام سے تین ہزار سال پہلے دنیا میں کون تھا آپ نے جواب دیا کہ آدم۔ جب تین مرتبہ اس شخص نے اپنے سوال کا

ایک ہی جواب پایا تو تعجب کیا تھ چُپ ہو رہا حضرت علیؑ نے اُسے متعجب اور خاموش دیکھکر فرمایا کہ اگر تو تیس ہزار مرتبہ مجھ سے پوچھتا کہ آدمؑ کے پہلے کون تھا تو میں یہی جواب دیتا کہ آدمؑ۔ اس روایت سے بھی دنیا کی قدامت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اور ہندوؤں کا عقیدہ محض ایک مزخرف فسانہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ بعض پرانے برہمنوں کے قول سے یہہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی ایک انتہا معتین ہے اور قیامت کا آنا برحق ہے۔ لیکن مابعد کے محقق ہند و علما اس قول کی ایسی تعبیر کرتے ہیں جو ان کی قدامت کے عقیدے کے موافق ہے۔ بہر حال ست یگ کی مدّت سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال مشہور ہے۔ اس دور میں اہل زمانہ کی روش صلاحیت پسند اور مستقیم سمجھی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں شریف و رذیل و فقیر و دولتمند کسی شخص کا قدم سیدھی راہ سے ایک ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہٹتا۔ اور ہر شخص کا فعل مرضی آلہی کے موافق ہوتا ہے۔ اس زمانے میں طبعی عمر انسان کی عموماً ایک لاکھ سال مشہور ہے۔ اللہ ہی جانے کہ اس قول اور اس عمر کی کیا اصل ہے۔ تریتا یگ کی مدّت بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال مشہور ہے اس زمانے میں تین چوتھائی انسانی آبادی کے اقوال و افعال مرضی آلہی کے موافق ہوتے ہیں۔ اس دور میں انسان کی عمر طبعی دس ہزار سال سمجھی گئی ہے۔ تیسرا دور جسے دواپر یگ کہتے ہیں آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال پر ختم ہوتا ہے۔ اس زمانے میں نصف حصّہ آبادی کے قول میں سچائی اور افعال میں راستی پائی جاتی ہے اس دور میں انسان کی عمر طبعی ایک ہزار سال مشہور ہے حضرت آدم و نوح علیہم السلام کی عمریں جو ہزار سال تک کی بتائی جاتی ہیں اہل ہند ان کو قبول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ یہ حضرات آخر دواپر یگ میں پیدا ہوئے ہیں اس لیئے انہوں نے اتنی طویل عمر پائی ہے۔ چوتھا دور کل یگ ہے اس دور کی مدّت چار لاکھ بتیس ہزار سال مشہور ہے اور اس زمانے میں تین حصہ انسانی آبادی کا قدم صراط مستقیم سے ہٹ جاتا ہے اس دور کی طبعی عمر سو سال بتائی گئی ہے۔

اور ہر چہار دور کی مدّت اور آغاز کا مقرر قاعدہ اہل ہند کے اعتقاد کے موافق یہ ہے کہ کلیوگ کی مدّت کی دوگنی تعداد دواپر یگ کی مدّت ہے اور دواپر یگ کی مدّت پر کلیوگ کی مدت کا اضافہ کرنے سے تریتا یگ کی مدّت حاصل ہوتی ہے اور تریتا یگ پر جب کل یگ کی مدت کا اضافہ کیا جاتا ہے تو ست یگ کا زمانہ

حاصل ہو جاتا ہے (یعنی کل یگ کی مدت کی دو گنی تعداد دواپر یگ کی اور سہ گنی تعداد تریتا یگ کی
اور چہار گنی تعداد ست یگ کی مدت کے برابر ہے۔ مترجم) یہ زمانہ جو ہجرت نبوی صلعم کا

۵۔ متعلقہ صفحہ ۶

چار لوگوں کے حالات بیان کرتے ہوئے مورخ فرشتہ نے جو عبارت لکھی ہے اس سے مترجمین نے
دو مختلف مفہوم مراد لئے ہیں۔ میں نے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے جس کو برگز صاحب نے اپنے ترجمے میں درج کیا ہے۔
فرشتہ کی عبارت کا دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ہر یُگ کے حالات کے ضمن میں بیان میں بجائے اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ
اس دور میں تین حصے یا نصف یا ایک حصہ آبادی انسان کے افعال و اعمال میں راستی پائی جاتی ہے یہ کہا جائے
کہ اس دور میں ہر شخص کے تین حصے یا نصف یا ایک حصہ اعمال اور افعال میں راستی پائی جاتی ہے لیکن میرے
نزدیک وہی اول مطلب زیادہ قرین قیاس ہے جس کو برگز نے بھی ترجیح دی ہے۔ مترجم

۶۔ متعلقہ صفحہ ۸

اس مقام پر ایک نسخے میں یہ عبارت درج ہے کہ از عمر او پنجاہ سال و نیم گزشتہ و شروع در نصف آخر روز است
اس بنا پر میں نے وہ ترجمہ کیا جو متن میں درج ہے لیکن دوسرے نسخوں کے مطالعہ اور مختلف ترجموں کی مطابقت
سے معلوم ہوا کہ لفظ نیم کے بعد روز کا لفظ چھوٹ گیا ہے اس لئے اصل عبارت کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ موجودہ
برہما کی عمر سے اب تک پچاس سال اور نصف دن گزرا ہے اور دوسرے نصف روز کا اب آغاز ہوا ہے۔ مترجم

برتری حاصل کی ہے اور پھر عالم سفلی کی طرف واپس ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا
کہ عنصر اکاس سے مراد آسمان کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے جس کا بیان اس جگہ
طوالت سے خالی نہیں ہے۔

برہما نے خدا کے حکم سے انسان کو عدم سے وجود میں لا کر ان کو چار قسموں میں
تقسیم کیا۔ برہمن، چھتری، بیس (ویش) اور شودر۔ برہمنوں کو مجاہدے، ریاضت، شرعی
احکام کی نگہداشت اور الٰہی قوانین کی حفاظت کے لیے منتخب کر کے روحانی دنیا کی پیشوائی

ان کے سپرد کی۔ دوسرے گروہ کو سیاسی حکومت اور ظاہری سلطنت کے کام کیلئے مخصوص کرکے دنیاوی انتظام کی باگ ان کے ہاتھ دی۔ تیسرے گروہ کو کھیتی اور دیگر پیشوں اور حرفتوں کے لئے مقرر کیا اور چوتھے فرقے کو تین پہلے فرقوں کی خدمتگذاری پر متعین کردیا۔ اسی بزرگ (برہما) نے الہامی تعلیم اور تائید سے مستفید ہو کر ایک کتاب جس کو وید کہتے ہیں دنیا اور آخرت کے فوائد کے لئے مرتب کی اور اپنے وہبی علم سے ایسے قوانین بنائے جس کے ذریعے سے انسان دنیا کی ہر چیز سے وابستہ رہ کر بھی خدا کو نہ بھولے اور اسی کو ہر چیز میں دیکھے۔ ایسے ضابطے مقرر کیئے کہ مخلوقات کی ہر قسم اور ہر گروہ کا انتظام خوبی کے ساتھ انجام پائے اور ان تمام ضوابط اور قوانین کو بید میں تفصیل کے ساتھ درج کرکے اس کتاب کو کلام الٰہی مشہور کیا تاکہ عوام کی مہار ہاتھ میں رہے اور آگے چلنے والے اپنی جگہ سے بڑھ کر اور پیچھے چلنے والے اپنے اصلی مقام سے ہٹکر چون وچرا نہ کریں اور سب کے سب صراط مستقیم پر قائم اور بید کے ضوابط کے پابند رہیں۔ بید میں ایک لاکھ اشلوک ہیں۔ اشلوک چار چرن سے بنتا ہے اور چرن ایک اچھر سے کم اور چھبیس اچھر سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اچھر صرف ایک حرف کو کہتے ہیں یا ان دو حرفوں کے مجموعے کا نام ہے جن کا دوسرا حرف ساکن ہو۔

علمائے ہند کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بید کے اس عجیب وغریب مصنف کی عمر سو سال کی ہے لیکن اس عدد سے مراد آجکل کا متعارف عدد نہیں ہے اسلیئے کہ گو اس عمر کا ہر سال تو ضرور تین سو ساٹھ دن کا سمجھا گیا ہے لیکن ہر روز اس دور کا جس میں برہما پیدا ہوا ہے چار ہزار سال کے برابر ہے اور اس کی ہر رات بھی ایسے ہی دن کے برابر ہے۔ ہند کے علماء اس بات پر بالکل متفق ہیں کہ ابتداء سے لیکر اس زمانے تک کئی ہزار برہما پیدا ہو کر خدا کے حکم سے روپوش ہو گئے ہیں برہمنوں کے قابل وثوق گروہ سے میں نے سنا ہے کہ اس زمانے میں جو برہما موجود ہے اس کا عدد شمار ہزار و ایک ہے اور اس موجودہ برہما کی عمر کے ساڑھے پچاس برس گذر چکے ہیں اور آغاز ہر نئے سال یا دن کا آخر روز کے نصف حصہ سے ہوا کرتا ہے۔

مؤرخین ہندوستان لکھتے ہیں کہ دواپر جگ کے نصف آخری دور میں ہستنا پور میں

ایک کھتری راجہ تھا جس کا نام راجہ بھرت تھا جب اُس کی اولاد سات پشت برابر یکے بعد دیگرے فرمانروائی کر چکی تو آٹھویں نسل میں اس کے گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا یہ لڑکا بڑا ہو کر راجہ کور کہلایا۔ کورکھیت تھانیسر جو ہندوستان کے بڑے شہروں میں ہے اس کے نام پر آباد ہوا اور اسی راجہ کی اولاد "کوروں" کے نام سے مشہور ہوئی۔

کورکی چھٹی نسل میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو جوان ہو کر عظیم الشان راجہ ہوا اور چتر برج کے نام سے دنیا میں مشہور ہوا چتر برج کے یہاں دو بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام دہتر آشتر ہے اور دوسرے کو پنڈا کہتے ہیں۔ دہتر آشتر اگرچہ اپنے باپ کا فرزند اکبر تھا لیکن بوجہ نابینائی کے تخت سلطنت سے محروم رہا اور چتر برج کے بعد ریاست پنڈا کو ملی۔ پانڈو کی عظمت اور جلالت انتہائی حد تک پہونچ گئی تھی۔ جس کا اندازہ صرف اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اس کی اولاد خود اس کے نام سے مشہور ہو کر "پانڈو" کہلائی۔ راجہ پنڈا کے پانچ بیٹے تھے۔ جدہشتر، بھیم سین، اور ارجن جو رانی کنتی کے بطن سے پیدا ہوئے اور نکل اور سہدیو کی ماں کا نام مادری تھا۔ دہتر آشتر کے یہاں ایک سو ایک فرزند متولد ہوئے۔ سو بیٹے تو رانی کندہاری دختر راجہ قندھار کے بطن سے پیدا ہوئے جن میں سب سے بڑے کا نام دریودہن تھا اور ایک لڑکا جس کا نام یویچھ ہے ایک بنیئے کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا۔ دہتر آشتر کے یہی ایک سو ایک بیٹے "کورو" کے تاریخی نام سے مشہور ہیں۔

جب قضائے الٰہی سے راجہ پنڈا فوت ہوا تو حکومت بظاہر تو دہتر آشتر کی طرف منتقل ہوئی۔ لیکن حقیقتاً اس کے بیٹوں کے حصے میں آئی۔ خصوصاً دریودہن جو فرزند اکبر تھا۔ باپ کے نام سے راج کرنے لگا چونکہ احتیاط کا مقتضی یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے سلطنت کو دشمنوں کے خطرے سے محفوظ رکھا جائے اور مدعیان ریاست کا بالکل استیصال کر دیا جائے اس لیئے دریودہن بھی پانڈووں کی طرف سے ہراساں ہوا اور دن رات ان کی تباہی کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہنے لگا۔ دہتر آشتر نے بھی پانڈووں کے دعوے اور مخاصمت کو گہری نظر سے دیکھ کر یہ حکم دیا کہ پانڈو شہر سے دور گھر تیار کرائیں۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ شاید دوری کی وجہ سے جنگ کی آگ زیادہ نہ بھڑکے۔

دہتراشتر کے حکم کے موافق جب پانڈوں کا گھر تعمیر ہونے لگا تو دریودھن نے معماروں اور کاریگروں سے یہ سازش کی کہ اس گھر کی چھت اور دیوار کو لکڑی اور لاکھ کا بنائیں تاکہ ایک چنگاری دکھاتے ہی آگ اس گھر کو بالکل جلا دے اور دشمنوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہے ۔

پانڈو چونکہ حقیقت حال سے آگاہ ہو گئے تھے اس لیئے ہر وقت اپنی جان سے ہوشیار رہتے تھے ۔ایک رات موقع پاکر خود پانڈوں نے اپنے گھر میں آگ لگا دی اور اپنی ماں کو ساتھ لیکر خود جنگل کی راہ لی بھیل نام ایک عورت جو اپنے پانچ بیٹوں کے ساتھ دریودھن کی طرف سے اس مکان میں بوقت فرصت آگ لگانے کیلیے متعین تھی بمقتضائے مثل "چاہ کندہ را چاہ درپیش" جلکر خاک سیاہ ہو گئی ۔

دریودھن کے جاسوسوں نے اس عورت اور اس کے لڑکوں کے جلنے کو یہ سمجھا کہ پانڈو مع اپنی ماں کے جلکر خاک سیاہ ہو گئے اور اپنی اس غلط فہمی کی دریودھن کو اطلاع دی کہ دشمن کا کام تمام ہو گیا۔ کورو اس خبر کو سنکر بیحد خوش ہوئے اور اپنے خیال باطل میں حریف کے دغدغے سے مامون او محفوظ ہو گئے اس واقعے کے بعد پانڈو جیسا کہ مہابھارت میں مذکور ہے اپنی وضع او نام کو بدل کر جنگل سے شہر میں آئے اور کنپلا میں آکر آباد ہوئے اور اپنی خوبی تدبیر سے دروپدی دختر راجہ کنپلا کو پانچوں بھائی بالاشتراک بیاہ لائے ۔ اپنے خیال میں وہ اس اشتراکی عقد کو کمال اتحاد اور یگانگی سمجھے اور مشترکہ دلہن کی بابت یہ طے پایا کہ ہر روز ہر بھائی کے ساتھ رہے ۔ چونکہ یہ عقد ہنود قانون ازدواج میں جائز نہیں ہے اس لیئے بہت سے علمائے ہنود اس واقعے کی تاویل کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

پانڈوں کی پیشانی سے آثار اقبال مندی نمایاں تھے انکی عظمت و شان کا آوازہ روز بروز بلند ہونے لگا دریودھن اور اس کے بہی خواہ اس واقعے سے مطلع ہوئے تو اس کی تحقیقات کی جانب متوجہ ہوئے ۔ بالآخر معاملے کی تہ کو پہونچے اور یہ یقین ہوا کہ پانڈوں کے جلنے کی خبر دروغ بے فروغ ہے دشمن اسی طرح صحیح و سلامت موجود ہے ۔

اس تحقیق کے بعد کوروؤں نے اپنے بنی اعمام کے لیے دوستانہ تعلقات کا جال بچھایا اور یگانگت کے مہر آمیز برتاؤ اور نامہ و پیام سے پانڈوؤں کو ہستنا پور میں آنے کی دعوت دی۔ جب پانڈو حسب الطلب ہستنا پور پہنچے تو دریودھن نے حریف کی ظاہری مہمانداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور تقسیم حکومت کی بابت جانبین اس فیصلے پر راضی ہوئے کہ اندرپت جسے پرانی دہلی کہتے ہیں مع نصف حصۂ سلطنت کے پانڈوؤں کے زیر حکومت رہے اور ہستنا پور مع دوسرے نصف حصے کے کوروؤں کے قبضے میں دیا جائے۔ اس تقسیم کے چند ہی روز بعد اکثر امرائے سلطنت پانڈوؤں میں آثار اقبال مندی و جہانگیری دیکھ کر اُن کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوئے کورو ظاہرا تو دم بخود رہے لیکن دل میں حریف کے جانی دشمن بنکر اُن کے خلاف تدبیریں سوچنے لگے۔

اس درمیان میں جدھشتر کے دل میں اولوالعزمی کی سب سے بڑی لہر اٹھی اور اس نے ارادہ کیا کہ راجسوی جگ منعقد کرے۔ اس جگ کے انعقاد کی صورت یہ ہے کہ بہت سی آگ جلائی جاتی ہے اور تمام اقسام کی خوشبو اور میوے اور غلے اور دوسری تمام اجناس جمع کر کے انھیں اس روشن آگ کی نذر کرتے ہیں اور ہر قسم کے صدقات اور خیرات کے ذریعے سے بارگاہ الٰہی میں تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ اس جگ کی اہم شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہفت اقلیم کے راجہ جگ کرنیوالے کے مطیع ہو کر اُس کے دربار میں جمع ہوں اور جگ کی تمام رسمیں اپنے ہاتھوں سے انجام دیں۔

اس آرزو کو پورا کرنیکے لیے جدھشتر نے اپنے چاروں بھائیوں کو ہفت اقلیم کے فتح کرنے کیلیے روانہ کیا۔ چونکہ مرضی الٰہی میں اس آرزو کا پورا ہونا مقدر تھا تقدیر بھی موافق تدبیر ہوئی اور تھوڑے ہی زمانے میں یہ آرزو بر آئی۔ چاروں مطیع اور کارفرما بھائیوں نے تائید الٰہی کے غیبی لشکر سے اعانت حاصل کر کے چار دانگ عالم میں فتح کا نقارہ بجایا اور ہر ملک ہر شہر اور ہر قصبے کے فرمانرواؤں اور بادشاہوں کو اپنا مطیع او رفرمانبردار بنایا۔ خطا، روم، حبش، عرب، عجم، ترکستان اور ماوراء النہر وغیرہ دنیا کے معمور اور مشہور ممالک کے فرمارواؤں کو مع بیشمار خزانے کے دارالخلافت اندرپت میں لاکر حاضر کیا اور اپنی مرضی کے موافق راجسوی جگ کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ انجام دیا۔

دریودھن نے جب اس عظمت اور جلال اور اس وسعت سلطنت کو دیکھا تو بشریت کے تقاضے سے مجبور ہوا اور حسد کی وہ آگ جو خاکستر دل میں پہلے سے پنہاں تھی اب شعلے کی طرح بھڑک اٹھی وہ اپنے حریف کو تباہ اور برباد کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا اور مشاہیر جوا‌بسازوں اور مکار درباریوں سے اس بارے میں مشورہ کیا۔

چونکہ اُس زمانے میں قمار بازی کا عام رواج تھا اس لیئے حیلہ ساز مشیروں نے یہ مشورہ دیا کہ ایک قسم کی پیچ سرسے پانڈوؤں کی تقدیر کا پالنسا الٹنا چاہیئے۔ رائے یہ قرار پائی۔ کہ قمار بازی کا ایک پانسہ ایسا تیار کیا جائے کہ جوا کھیلنے میں ہر بار حریف کے خلاف پڑے اور دریودھن جدہشٹر اور اس کے بھائیوں کے ساتھ اسی پانسے سے جوا کھیلے اور اپنا مطلب حاصل کرے۔

یہ مشورہ ہوگیا تو التجا اور ملائمت سے ساتھ جدہشٹر اور اُس کے بھائیوں کو ہستناپور آنے کی دعوت دی گئی۔ جب یہ ناواقف اور راستباز راجہ ہستناپور پہنچا تو دریودھن نے مہمانداری اور ضیافت کا کوئی درجہ اٹھا نہیں رکھا اور تفریح کے لیئے وہی مصنوعی پالنسہ جوا کھیلنے کے لیئے نکالا۔ پانڈو چونکہ اس مکاری سے بیخبر تھے حریف کی دغابازی کا شکار ہوگئے اور دو ہی چار ہاتھ میں تمام ملک و دولت ہار بیٹھے۔ مگر دریودھن چاہتا تھا کہ انہیں وطن میں بھی نہ رہنے دے۔ اس لیئے آخری بازی اس شرط پر لگائی کہ اگر پانڈو بازی جیت جائیں تو جو کچھ ملک و مال ابتک ہار چکے ہیں وہ انہیں واپس کر دیا جائے اور اگر خوبی قسمت سے پالنسہ پھر اُلٹا پڑے تو وہ آبادی کو چھوڑ کر بارہ برس کامل جنگل میں چرند اور پرند کے ساتھ اپنی زندگی بسر کریں اور جلاوطنی کی مدّت گذرنے کے بعد جنگل سے پھر آبادی میں آئیں بھی تو ایک سال اس طرح گمنام زندگی بسر کریں کہ کوئی ان کو نہ پہچان سکے اور اگر یہ آخری شرط پوری نہ ہو تو پھر بارہ برس جنگل میں جا کر اسی طرح زندگی کے دن کاٹیں۔ چونکہ پانڈوؤں کے طالع کی نحوست ساعت بہ ساعت بڑھ رہی تھی آخری مرتبہ بھی پالنسہ اُن کے خلاف پڑا اور پانچوں بھائیوں نے جلاوطنی اختیار کی اور بارہ سال شرط کے موافق جنگل و بیابان میں زندگی بسر کی۔

جلاوطنی کی مدّت پوری کرنے کے بعد تیرھویں سال پانڈو ملک وائین[۵۳] میں جو مضافات دکن سے ہے وارد ہوئے اور اس طرح گمنام اور بے نشان زندگی بسر کی کہ

دریودھن نے ہر چند تلاش و جستجو کی لیکن کہیں بھی پتہ نہ چلا۔

جب جلاوطنی کی تمام شرطیں تمام و کمال پوری ہو چکیں تو پانڈوؤں نے سری کرشن کو ایلچی بنا کر دریودھن کے دربار میں بھیجا اور اپنے ملک کی واپسی کا دعویٰ کیا۔

دریودھن نے وفائے شرط میں چون و چرا کی۔ لیکن چونکہ سچائی اُس کے ساتھ نہ تھی ارکان دولت پر پانڈوؤں کی حقیقت حال کھل گئی اور فیصلہ ایک عظیم الشان جنگ پر ٹھہرا۔

فریقین نے افواج کی درستگی اور سامان لشکر کشی کی فراہمی میں انتہائی کوششیں کیں اور دونوں حریف تھانیسر کے قریب کورکھیت کے میدان میں آکر صف آرا ہوئے۔ یہ عظیم الشان معرکہ آرائی کل جگ کے ابتدائی دور میں واقع ہوئی +

جب افواج کی درستگی اور بہادران ہند کی صفوں کی آراستگی طرفین سے پوری ہو چکی تو اس زمانے کے قوانین جنگ کے موافق معرکہ جنگ کی ابتدا نبرد آزمائی سے ہوئی اور بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچی کہ دونوں لشکر ایک دوسرے سے مل گئے اور اٹھارہ روز ایسا شدید ہنگامۂ کارزار برپا رہا کہ غالب و مغلوب میں تمیز کرنا محال تھا۔ لیکن چونکہ مکاری اور غداری کا انجام ہمیشہ ذلت اور رسوائی ہے اس لئے آخر کار دریودھن اور اس کے تابعین مغلوب اور مقہور ہو کر حریف کی ضرب شمشیر سے راہی عدم ہوئے +

ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ اس لڑائی میں گیارہ "کشون" لشکر کوروؤں کی طرف سے اور سات "کشون" پانڈوؤں کی طرف سے میدان کارزار میں صف آرا ہوئے تھے اور اہل ہند کی اصطلاح میں ایک کشون سے اکیس ہزار چھ سو ستر فیل سوار اور اُسی قدر سانڈنی سوار اور پینسٹھ ہزار چودہ سو اسپ سوار اور ایک لاکھ نو ہزار چودہ سو پچاس پیادے مراد ہیں۔ لیکن سب سے عجیب یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ اسقدر کثیر التعداد انسانوں میں لڑائی کے بعد صرف بارہ آدمی زندہ رہے۔ چار دریودھن کے لشکر میں جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔ کرپاچارج برہمن جو فریقین کا اُستاد اور سیف و قلم کا مالک تھا۔ دوسرے اشوتھاماں ایک فاضل درون کا بیٹا کہ وہ بھی جانبین کا اوستاد تھا۔ تیسرے یادو خاندان کا ایک شخص کرت برماں اور چوتھے دریودھن کے باپ کا صاحب عقل و دانش تھابان تنجی +

پانڈوؤں کے باقیماندہ آٹھ اشخاص کے نام حسب ذیل ہیں:۔ پانچ بھائی پانڈو چھٹے ساتک کہ وہ بھی یادو خاندان سے تھا۔ ساتویں دریودھن کا سوتیلا بھائی یویوچھ

اور آٹھویں کشن کہ اپنی شہرت کی وجہ سے تعریف سے بے نیاز ہے۔
اس مقام پر چونکہ کرشن کا نام اتفاق سے آ گیا ہے لہذا بہتر ہے کہ ناظرین کی اطلاع کے لیئے تھوڑا سا حال لکھدیا جائے۔
اہل ہند کا اس بات پر پورا اتفاق ہے کہ سری کرشن کی ولادت شہر متھرا میں واقع ہوئی اس کے بارے میں اہل ہند کے مختلف عقیدے ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ شخص تمام افراد بنی آدم کا سردار اور دنیا کی ہر شئے سے افضل و اعلیٰ ہے بعض اسکی پیغمبری کے قائل ہیں اور بعض اس کو خدا کا پورن اوتار سمجھ کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔
سری کرشن کی ولادت اور تربیت کا قصہ یوں مذکور ہے کہ اوس زمانے کے مشہور ستارہ شناسوں نے راجہ کنس والیئے متھرا کو اس بات کی اطلاع دی تھی کہ کرشن اس کا قاتل ہے۔ راجہ نے حکم دیا کہ یہ لڑکا پیدا ہوتے ہی قتل کر ڈالا جائے۔ لیکن کرشن بچ گیا اور پیدائش سے لیکر گیارہ سال تک ایک اہیر مسمی نند کے گھر میں پرورش و پرداخت پاتا رہا آخر کار افسوں گری اور جادو کے ذریعے سے اس نے راجہ کنس کو قتل کیا اور تخت سلطنت کو ظاہر مقتول راجہ کے باپ اوگرسین کے حوالے کیا اور حقیقۃً خود حکمرانی کرتا رہا یہاں تک کہ طلسمی شعبدوں اور اعمال نیرنجات نے مخلوق کی نگاہوں میں اسے الوہیت کے مرتبے تک پہنچا دیا خلق کثیر اس عقیدۂ باطل میں گرفتار ہوئی اور اس نواح کے تقریباً تمام لوگ اسے خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرنے لگے۔
کرشن نے بتیس برس کمال عیش کے ساتھ گذارے جس کے بہت سے عجیب و غریب قصے اب تک مشہور ہیں۔ جب بتیس سال اس عیش و کامرانی میں گذر چکے تو مخالفین کے حملے اس پر شروع ہوئے ایک طرف سے راجہ جراسنگھ والئی سہار و پٹنہ نے متھرا پر لشکر کشی کی اور دوسری طرف یعنی جانب مغرب ملیچھوں کے (یعنی ایسی قوم کے جو ہندوؤں کے دین و آئین میں داخل نہ تھی) راجہ کالیمن نامی نے کرشن کو تباہ کرنے کے لیئے اس پر حملہ کیا۔
ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ دوسرا راجہ ملک عرب کا فرمانروا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب
بہر حال کرشن ان دونوں راجاؤں کی لشکر کشی کی تاب نہ لا سکا اور متھرا سے بھاگ کر دوارکا کی جانب جو احمد آباد گجرات سے دو سو کروہ کے فاصلے پر دریائے شور کے کنارے آباد ہے قلعے میں پناہ گزیں ہوا اور ستر سال کامل دوارکا کے اطراف و نواحی

میں مقیم رہا اور اپنی مخلصی کی کوشش کرتا رہا لیکن تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور بالآخر ایک سو پچیس سال کی عمر میں رانی گندھاری یعنی دریودھن کی ماں کی بددعا کے اثر سے بُری طرح راہی ملک عدم ہوا۔

بعض اہل ہند کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ کرشن نے بحالت حیات روپوشی اختیار کی ہے اور ہمیشہ کیلیے زندہ رہیگا۔

چونکہ اس ضمن میں رانی گندھاری کی بددعا کا ذکر آگیا ہے اور اس بددعا کا قصہ عجیب و غریب ہے اس لیے اس مقام پر اوس کا مختصر تذکرہ کرنا لطف سے خالی نہ ہوگا بیان کرتے ہیں کہ جب رانی گندھاری کے وضع حمل کا زمانہ قریب آیا تو ایک روز اُس نے اپنے دل میں سوچا کہ میرا شوہر نابینا ہے اور اس نابینائی کی وجہ سے اس مولود کے دیدار سے محروم رہیگا حق زوجیت یہی ہے کہ میں بھی اس فرزند کے دیکھنے سے اپنے کو باز رکھوں اور شوہر کی شریک حال ہو جاؤں۔

اسی خیال کی بنا پر جس روز دریودھن پیدا ہوا گندھاری نے اپنی آنکھیں بالکل بند کرلیں اور بیٹے کے سر و پا پر قطعاً نگاہ نہ ڈالی۔ یہاں تک کہ بیٹا جوان ہوکر تخت سلطنت پر بیٹھا اور حریف کے مقابلے میں بیشمار لشکر و سامان حرب لیکر میدان کارزار میں آیا اور ماں اُسی طرح بیٹے کے دیدار سے محروم رہی۔

جب میدان کارزار کا دن مقرر ہوا اور خوف کی گھڑی قریب آئی تو لڑائی شروع ہونے کے ایک روز قبل گندھاری نے بیٹے کو بلایا اور اُس سے کہا اے نور نظر انسان اولاد کے وجود کو ہر مستحکم اور پائدار ہتھیار سے تمام آفات اور بلاؤں سے محفوظ اور بیخوف رکھتا ہے کل جبکہ میدان کارزار شروع ہوگا مجھے اندیشہ ہے کہ خدا نخواستہ تیرے نازک جسم کو جو کسی خاص زرہ سے محفوظ نہیں کہیں کوئی صدمہ نہ پہونچے اس لیے تو میرے سامنے برہنہ تن ہوکر آ تاکہ میں آنکھ کھول کر تیرے جسم پر ایک نگاہ ڈالوں۔ دریودھن نے اسطرح سامنے آنے کا طریقہ پوچھا۔ گندھاری نے کہا کہ اے فرزند عقل اور دانش بزرگی اور انجام بینی سچائی اور راستبازی میں اس زمانے میں پانڈووں کا مثل کوئی نہیں ہے تو اُن کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کا طریقہ اُن سے دریافت کر۔ دریودھن ماں کے حکم کے موافق

پنڈوان کے پاس آیا اور اپنے آنے کا سبب مفصل اُن سے بیان کیا۔ پانڈووں نے باوجود اس کے کہ یہ جانتے تھے کہ سائل ان کا جانی دشمن ہے سلامتی راستی اور استقلال طبیعت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور صداقت کے ساتھ جواب میں دریودھن سے کہا کہ قانون فطرت یہی ہے کہ اولاد برہنہ بطنِ مادر سے پیدا ہوتی ہے اور والدین کی آنکھ اوسی حالت برہنگی میں اولاد کے جسم پر پڑتی ہے چونکہ یہ پہلا مرتبہ ہے کہ تیری ماں آنکھیں کھول کر تیرے دیدار سے مسرور ہوگی۔ اس لیئے آج تیرا ماں کے سامنے برہنہ جانا گویا تیری ولادت کا پہلا دن ہے بہتر یہی ہے کہ ماں کے حکم کے موافق برہنہ اُس کے حضور میں حاضر ہو تاکہ اس کی پاک نگاہیں تیرے جسم پر پڑکر تجھے تمام آفات اور بلاؤں سے محفوظ رکھیں۔

دریودھن یہ صلاح نیک حاصل کرکے رخصت ہوا اور اپنے لشکر کی طرف چلا راستے میں کرشن سے ملاقات ہوئی کرشن نے دریودھن سے پوچھا کہ اسطرح تنہا دشمن کے لشکر میں آنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اس آمدورفت کا سبب کیا ہے؟ دریودھن نے تمام واقعہ مفصل بیان کردیا۔ کرشن نے اپنے دل میں کہا بڑا غضب ہوا اگر دریودھن پانڈووں کی صلاح کے مطابق برہنہ ماں کے سامنے جائیگا تو ماں کی تاثیرِ نگاہ سے روئیں تن ہو جائیگا اور کوئی حربہ اس کے جسم پر کارگر نہ ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فتح اس کے نصیب ہوگی اور ہمیں بالکل تباہ و برباد کرڈالے گا۔

یہ سوچتے ہی کرشن نے فریب سے قہقہہ لگایا اور کہا کہ اے نادان جو شخص کہ دشمنوں سے صلاح نیک حاصل کرتا اور اُن سے سیدھی راہ پوچھتا ہے وہ شخص یقیناً اپنے پیروں خود کنوئیں میں گرتا ہے۔ پانڈووں نے تجھ سے ہنسی کی ہے تو خود اپنے دل میں سمجھ کہ جس روز تو پیدا ہوا تھا تو چھوٹا بچہ تھا۔ اب تو جوان ہوچکا ہے کس طرح تیری غیرت تجھے اجازت دے گی کہ اس طرح بیخوف ماں کے سامنے برہنہ جائے؟

دریودھن اس بات سے فریب میں آگیا اور کرشن کے دامن میں پناہ لیکر اس سے صلاح پوچھنے لگا۔ کرشن نے کہا کہ جو مشورہ تجھے پانڈووں نے دیا ہے

وہ بہت اچھا ہے لیکن اتنا اور کرکہ ایک لمبا ہار پھولوں کا اپنی گردن میں ایسا ڈال لے کہ ستر پوشی ہو سکے اور پھر ماں کے سامنے برہنہ حاضر ہو۔ دریودھن نے کرشن کی نصیحت پر عمل کیا اور ماں کے سامنے جا کر کہا کہ میں حاضر ہوں اپنی آنکھ کھول اور مجھے دیکھ۔ ماں دریودھن کی آواز سُنکر اور یہ سمجھ کر کہ بیٹا پانڈوؤں سے مشورہ نیک لیکر آیا ہوگا اور یقین کامل ہے کہ پانڈوؤں نے بد باطنی سے خلاف رائے نہ دی ہوگی آنکھیں کھولیں۔ لیکن جیسے ہی اس کی نگاہ پھولوں کے ہار پر پڑی جو دریودھن کے گلے میں تھا نعرہ مار کر بیہوش ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش میں آئی تو زار و قطار رونے لگی اور بیٹے سے پوچھا کہ اس ہار کو گردن میں لٹکا کر میرے روبرو آنیکی صلاح تجھے پانڈوؤں نے دی ہے۔ دریودھن نے جواب دیا نہیں بخدا ہرگز نہیں۔ بلکہ میں نے کرشن کی رائے پر عمل کیا ہے۔ یہ سنتے ہی گندھاری نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور جلے ہوئے دل سے کرشن کو بد دعا دی اور اس پر لعنت بھیجی اور رو کر دریودھن سے کہا کہ اے فرزند تیرے جسم میں یہی جگہ جو میری بصارت کی روشنی سے محروم ہے دشمن کے حربے سے زخمی ہوگی اور اسی زخم سے تیری ہلاکت ہو جائے گی۔ چنانچہ دریودھن کی موت اسی طرح واقع ہوئی اور کرشن بھی اس بددعا کے اثر سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا بہت بُری موت مرا۔ مختصر یہ کہ جدہشتر دریودھن کے قتل اور خاندان کوروان کی تباہی کے بعد تمام ممالک ہندوستان کا مستقل فرمانروا ہوا اور چار دانگ عالم میں اس کی سلطنت کا آوازہ بلند ہوا۔

مہابھارت کے بعد تیس سال کامل جدہشتر نے فرمانروائی کی مگر اس کے بعد قبل اس کے کہ دنیا اُسے چھوڑے اُس نے دنیائے فانی کی حقیقت پر غور کر کے خود اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے چاروں بھائیوں کو ساتھ لیکر گوشہ گزینی میں زندگی بسر کی اور اسی حالت میں دنیائے فانی سے رحلت کی۔

کوروؤں اور پانڈوؤں دونوں نے ساتھ ملکر ۷۲ سال حکومت کی اور ۱۳ برس تنہا دریودھن نے روئے زمین پر فرمانروائی کی اور مہابھارت کے بعد تیس سال تنہا جدہشتر نے حکومت کا نقارہ بجایا۔ اس حساب سے تمام دورِ حکومت ان دونوں بنی اعمام کا ایک سو پچیس سال ہوتا ہے۔

سُبحان اللہ ظاہر ہے ایسا عجیب وغریب قصہ سوا ہندوؤں کے دُنیا کی اور کسی تاریخ میں شاید ہی مذکور ہو؛

روایات قدیم کے بیان کرنے والے لکھتے ہیں کہ تھوڑے عرصے کے بعد پانڈوون کے خاندان میں ارجن کی اولاد سے تیسری نسل میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو لڑکا بڑا ہو کر ظاہری اور باطنی ہر طرح کی خوبیوں سے ہر دلعزیز بن کر تخت سلطنت پر بیٹھا اس نے عدل اور انصاف کے ساتھ فرمانروائی کی اور گذشتہ واقعات کو موجودہ اور آئندہ حالات کے لیئے عبرت آمیز سبق سمجھکر ہمیشہ رضائے الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا؛

ایک دن اُس کے دل میں ایک خطرہ گذرا کہ آخر میرے آبا واجداد کے جنگ وجدال کے اسباب کیا تھے اور ان کے بزم ورزم کے احوال کی حقیقت کیا ہے۔ اِن حالات پر اطلاع پانے کے لیئے اُس نے مشہور ومعروف حکیم بھشم سے اس واقعے کی اطلاع کے لیئے درخواست کی بھشم نے کہا کہ میرا اوستاد حکیم بیاس خود اس معرکے میں موجود تھا اور اس لڑائی کے سن وعن سے واقف ہے بہتر ہے کہ تم اُس سے اس کارزار کے مفصل حالات دریافت کرو؛

راجہ نے حکیم مذکور کو شاہی انعامات سے سرفراز فرمایا اور اُس سے اس مطلب کی درخواست کی لیکن حکیم بیاس نے ضعف پیری اور اپنی ریاضت کیوجہ سے اس طویل اور عظیم الشان واقعے کے بیان کرنے میں عذر کیا۔ البتہ اس داستان کو تھوڑا تھوڑا کر کے لکھا اور داستان میں جا بجا پند اور نصیحتوں کا اضافہ کر کے کتاب کو تمام کیا اور اس کتاب کا نام مہابھارت رکھا۔ اس کتاب کی وجہ تسمیہ عام طور پر تو یہ مذکور ہے کہ مہا کے معنی بزرگ کے ہیں اور بھارت لڑائی کو کہتے ہیں چونکہ اس کتاب میں عظیم الشان لڑائیوں کا ذکر ہے اس لیئے اس کتاب کو مہا بھارت کہتے ہیں لیکن یہ معنی صحیح نہیں معلوم ہوتے اس لیئے کہ ہندی زبان میں بھارت کا لفظ جنگ کے معنی میں کبھی استعمال نہیں ہوا ظاہرا اس کی وجہ تسمیہ صحیح یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ اس کتاب میں راجہ بھرت ؔکی کی اولاد کا ذکر ہے اس لیئے کتاب اُس کے نام کے طرف منسوب کی گئی ہے کثرت استعمال سے "بھرت" کے لفظ میں الف کا اضافہ ہو کر بھارت ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب؛

اہل ہند حکیم بیاس کو پاک نفس اور بہت بڑا عارف کامل سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بیاس زندۂ جاوید ہے۔ بعض علمائے ہنود کا عقیدہ ہے کہ ہر دواپر جگ میں ایک شخص انسانی گروہ کے اخلاق و احوال کی اصلاح کے لیئے ظاہر ہوتا ہے اور اسی شخص کو بیاس کہتے ہیں۔

بعضوں کا عقیدہ ہے کہ وہ شخصیت جو بیاس کے نام سے موسوم ہے مختلف اوقات میں زمانے کے اقتضا کے موافق مختلف لباس و اشکال میں جلوہ گر ہوتی رہتی ہے۔

بہرحال اسی حکیم بیاس نے وید کو جو برہما کا الہامی کلام ہے مفصل اور مشرح کرکے چار کتابوں میں منقسم کیا جن کے نام یہ ہیں:- رگ وید، یجر وید، سام وید، اتھروان وید

وید کے اس مشہور شارح کو بیاس اسی لیئے کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اصلی معنی تفصیل اور حل کرنیوالے کے ہیں ورنہ اس کا اصلی نام بادراین ہے اور وہ دوآب کے علاقے میں پیدا ہوا تھا۔

اس بیاس کی پیدائش کی بابت ایک عجیب نادر الوجود اور دور از کار قصہ نقل کیا جاتا ہے جس کا ذکر طوالت کے خوف سے ہم یہاں قلم انداز کرتے ہیں۔

بیاس نے اس کتاب کو ساٹھ لاکھ اشلوک پر مرتب کیا اور جب کتاب ختم ہوئی تو تھانیسر کے قریب سرسوتی کے کنارے جہاں کہ کتاب تکمیل کو پہنچی تھی ایک بہت بڑا جشن منعقد کیا اور دنیا کے ہر ہر گوشے سے عقلاء کو طلب کیا اور عرصہ دراز تک جشن عیش و عشرت برپا رکھا خلق خدا کو انعام و اکرام اور اپنے علمی افادے سے مالامال کیا۔

ساٹھ لاکھ اشلوک کی اس حکیم نے اس طرح تقسیم کی کہ تیس لاکھ اشلوک دیوتاؤں کے ساتھ مخصوص کیئے جن سے عالم بالا کی مقدس ہستیاں مراد ہیں۔ اور پندرہ لاکھ اشلوک عالم بالا کے دوسرے طبقے یعنے ساکنان ستر لوک کے لیئے معین کیئے اور چودہ لاکھ اشلوک جنات راکشش اور گندھرب وغیرہ دوسری ذی حیات مخلوقات کے لیئے ترتیب دیئے اور ایک لاکھ اشلوک خاص انسان کی فائدہ رسانی کیلیئے مرتب کیئے۔

ان ایک لاکھ اشلوک کو اٹھارہ پرب یعنی ابواب میں تقسیم کرکے ہر صاحب استعداد

کو اپنے علوم سے فائدہ پہونچایا۔

یہہ ایک لاکھ اشلوک ابتک دنیا میں موجود ہیں اور انہی کا مجموعہ مہابھارت کہلاتا ہے۔ ان ایک لاکھ اشلوک کی تقسیم یہ ہے کہ چار ہزار اشلوک کوروؤں اور پانڈوؤں کی معرکہ آرائی کے بیان میں ہیں اور باقی میں وعظ و نصیحت کی حکایات و روایات اور اُن کی شرح و تفصیل اور گزشتہ مشہور بزم و رزم کے تذکرے مندرج ہیں۔

برہمنوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر یگ میں ایک پیغمبر یا مجتہد ایسا پیدا ہوا ہے کہ اس نے انسان کی اصلاح کے لیئے ایک کتاب تصنیف کی ہے اور باوجود اتقدر طویل زمانے کے ابتک وہ کتابیں موجود ہیں۔

خطا، ختن اور چین کے غیر اسلامی گروہ کی طرح اہل ہند کے غیر مسلم بھی یہی لکھتے ہیں کہ طوفانِ نوح اُن کے ملک تک نہیں پہونچا بلکہ درصل یہ لوگ طوفانِ نوح کے منکر ہیں۔

بعضوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ برہمن اور کھتری یہ دو مشہور ذاتیں ہمیشہ سے موجود ہیں اور دوسری مختلف ذاتیں تیسرے دواپر یگ کے آخری اور چوتھے کل یگ کے ابتدائی دور میں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ راجپوت اول نہ تھے اور بعد میں ظاہر ہوئے اور مشہور کھتری راجہ بکرماجیت کے مرنے کے بعد جو تحریر کتاب سے ایک ہزار چھ سال قبل کا زمانہ ہے قوم راجپوت کے لوگ صاحب حکومت بھی ہوئے ہیں۔

ایک روایت یہہ ہے کہ راجہ سورج کی اولاد کو کہ جس کا ذکر آگے آئیگا راجپوت کہتے ہیں ہندوں کا عقیدہ ہے کہ عالم کی پیدائش کی ابتدا آدم خاکی سے ہوئی اور اسی طرح برابر آدم خاکی کا وجود ظاہر ہوتا جائیگا اور یہ دنیا ہمیشہ رہیگی۔ لیکن اہل بصیرت اور صاحب دانش حضرات سمجھ سکتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش عالم سے اسوقت تک جس میں آٹھ لاکھ سال کی طویل مدت کا احتمال پیدا کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کئی ہزار آدم دنیا میں آکر روپوش ہوگئے ہوں اور جنات جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے انہیں میں سے ہوں لیکن ظاہر ہے کہ وہ خاکی نہاد نہ تھے بلکہ بعضوں کی خلقت ہوا سے تھی اور بعضوں کی آگ سے اگرچہ قانون فطرت ہمیشہ سے

یہی ہے کہ جب کوئی قوم نافرمانی اور سرکشی کرتی ہے تو خدائے جبار اُس سے اُس کا انتقام لیکر اُسے پردۂ دنیا سے نیست و نابود کر دیتا ہے اور دوسری قوم کو اُس کی جگہ پیدا کرتا ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ ہر قوم خاکی نہاد ہو۔ ظاہرا یہہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوں نے گذشتہ اور آئندہ ہر قوم کو خاکی نہاد سمجھ رکھا ہے اور ہر آدم کو آدم خاکی جانتے ہیں۔ حالانکہ اُنکا یہ خیال غلط ہے اس لیئے کہ خود ہندوؤں کی وہ روایتیں جو گذشتہ مخلوق کے قدو قامت کی عظمت اور اُن کی عمر کی درازی اور اُن کے کارناموں کی عجیب و غریب قوت جیسا کہ رام و لچھمن کی طرف منسوب ہے ہرگز بشری فطرت اور انسانی احوال کے موافق نہیں اول تو یہ تذکرے محض حروف و آواز ہیں جو عقل کی ترازو میں کچھ وزن نہیں رکھتے اور اگر بفرض محال صحیح ہیں تو اُن ناری اور ہوائی مخلوقات کی بابت ہوں گے جنکا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابوالبشر علیہ السلام کے پیشتر آدم خاکی کوئی دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ اور عہد آدم سے لیکر اسوقت تک سات ہزار سال کا زمانہ گذرا ہے دنیا کی درازی عمر کو لاکھوں برس سے بھی متجاوز بتانا ہمارے نزدیک غلط ہے اور ہماری تحقیق یہ ہے کہ ہندوستان بھی دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح حضرت آدم کی اولاد سے آباد ہوا۔ جس کا تفصیلی تذکرہ یہہ ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے تینوں بیٹوں یعنی سام اور یافث اور حام کو خدا کے حکم سے دنیا کے چاروں طرف بھیجا اور اُنھیں کھیتی اور کار و بار کا حکم دیا جن کا اجمالی بیان حسب ذیل ہے۔

فرزندان سام بن نوح علیہ السلام

سام حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند اکبر اور اُن کے جانشین تھے اُن کے نو لڑکے پیدا ہوئے ہیں۔ ارشد۔ ارفخشد کیے۔ نود۔ لود۔ ارم۔ قبطہ۔ عاد اور قحطان انھیں کے بیٹے ہیں اور عرب وغیرہ کے تمام قبیلے انہی کی نسب سے ہیں۔ چنانچہ حضرت ہود۔ صالح اور ابراہیم علیہم السلام اپنا سلسلۂ نسب ارفخشد بن سام تک پہونچاتے ہیں۔

آرفخشد کے دوسرے بیٹے کا نام کیومرث ہے جو عجم کے بادشاہوں کا مورثِ اعلیٰ ہے۔
کیومرث کے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ سیامک۔ عراق۔ فارس۔ شام اور دمغان۔ ان میں سے سیامک باپ کا جانشین ہوا اور دوسرے پانچ بیٹے جس جگہ گئے وہ جگہ اُنہی کے نام سے موسوم ہوئی اور وہاں انہیں کی اولاد آباد ہوئی۔
بعضوں کا عقیدہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام عجم تھا اور تمام عجمی اسی کی اولاد ہیں۔
سیامک کے بڑے بیٹے کا نام ہوشنگ ہے عجم کے تمام بادشاہ یزدجرد تک اسی کی نسل سے ہیں۔

ذکر فرزندان یافث

یافث باپ کے حکم کے مطابق مشرق اور شمال کی طرف گئے اور وہیں جاکر آباد ہوئے اُن کے متعدد بیٹے پیدا ہوئے سب سے مشہور بیٹے کا نام ترک ہے۔ تمام ترکی قومیں یعنے مغل۔ ازبک۔ چغتائی اور ایران و رومیہ کے چغتائی اس کی نسل سے ہیں
یافث کے دوسرے بیٹے کا نام چین تھا ملک چین اسی کے نام سے موسوم ہے۔
تیسرے بیٹے کا نام آردیس ہے آردیس کی اولاد شمالی ممالک کی سرحد پر ظلمات تک اترکر آباد ہوئی۔ اہل تاجیک وغور و سقلاب اسی آردیس کی نسل سے ہیں۔

فرزندان حام کا ذکر اور مملکت ہند کی آبادی کا مختصر بیان

حام نے اپنے عالی قدر باپ کے حکم کے موافق دنیا کے جنوبی حصے کی طرف متوجہ ہوکر اُس ملک کے آباد اور خوشحال کرنے کی پوری کوشش کی۔
حام کے چھ بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔
ہند۔ سندھ۔ حبش۔ افرنج۔ ہرمز۔ بوبیہ۔ ان میں سے ہر بیٹے کے نام پر ایک شہر آباد ہوا۔
حام کے مشہور ترین بیٹے نے جس کا نام ہند تھا۔ مملکت ہندوستان کی طرف توجہ کی اور اُسے خوب آباد و سرسبز و زار بنایا اس کے دوسرے بھائی سندھ نے ملک سندھ

میں اپنا قیام کرکے شہر تہہت (ٹھٹھہ) اور ملتان کو اپنے بیٹوں کے نام سے آباد کیا۔
ہند کے چار بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام پورب دوسرے کا بنگ تیسرے کا دکن چوتھے کا نھروال تھا جو ملک اور شہر کہ آجکل ان ناموں سے مشہور ہے انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔

دکن بن ہند کے تین بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام مرہٹ دوسرے کا کنہڑ تیسرے کا تلنگ تھا۔ دکن نے اپنے ملک کو اپنے تینوں بیٹوں پر برابر تقسیم کیا۔ اس زمانے میں جو ملک دکن میں یہ تین مشہور قومیں ہیں وہ دکن کے ان ہی تینوں بیٹوں کی نسل سے ہیں۔

نہروال بن ہند کے بھی تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام بھروچ، کنباج اور مالراج ہیں۔ نہروال کے ان بیٹوں کے نام پر بھی تین شہر آباد ہوئے جہاں اُن کی نسل کے لوگ ابتک موجود ہیں۔

بنگ بن ہند سے بہت سی اولاد پیدا ہوئی جن سے ملک بنگالہ آباد ہوا۔ پورب بن ہند کے جو اپنے باپ کا خلف ارشد تھا بیالیس بیٹے پیدا ہوئے اور تھوڑے ہی زمانے میں ان کی اولاد اتنی بڑھی کہ انھوں نے انتظام ملک کیلئے اپنے گروہ میں سے ایک شخص کو سردار اور فرمانروا بنایا جس کا نام کشن تھا۔

کشن کی حکومت کا ذکر

مملکت ہندوستان میں سب سے پہلے جس نے مسندِ حکومت پر قدم رکھا وہ کشن تھا یہ کشن وہ مشہور سری کرشن نہیں ہے جس کی بابت اہل ہند نے نادرالوجود قصّے اور خلاف قیاس حکایتیں و روایتیں اپنی کتابوں میں نقل کرکے اُسے معبودیت کے مرتبے تک پہونچا دیا ہے۔

مذکورۂ بالا کشن ایک عاقل اور سمجھدار شخص تھا جس کو اہل ہند نے اس کی جرأت اور مردانگی کے لحاظ سے فرمانروائی کیلئے منتخب کیا۔ چونکہ یہ شخص جسم کا بہت بھاری اور وزنی تھا گھوڑا اس کی سواری کی تاب نہ لاسکا اس لیئے اس نے حکم دیا کہ پیل وحشی دام میں لائے جائیں جنھیں تدبیر سے رام کیا اور ان پر سواری کی۔

راجہ کشن کے زمانے میں ایک شخص برہمن نام نبگ بن ہند کی نسل سے ظاہر ہوا چونکہ یہ شخص بہت سمجھدار اور عقلمند تھا کشن نے اس کو اپنا وزیر بنایا۔ ہندوستان کی اکثر مشہور صنعتیں اسی برہمن کی ایجاد سے رائج ہوئیں بعض لوگ لکھتے ہیں کہ لکھنے اور پڑھنے کا رواج بھی اسی صاحب دانش برہمن کی فکر صحیح کا نتیجہ ہے۔

اودھ پہلا شہر ہے جو ملک ہندوستان میں آباد ہوا۔ کشن نے چار سو سال زندہ رہکر دنیا سے رحلت کی یہ راجہ طہمورث کا ہمعصر تھا اس کے عہد میں تقریباً دو ہزار قصبے اور گاؤں آباد ہوئے اس نے سینتیس ۳۷ بیٹے چھوڑے اور اس کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا مہاراج اس کا جانشین ہوا۔

مہاراج کی حکومت کا ذکر

باپ کے مرنیکے بعد مہاراج نے قوم کے سرداروں اور بھائی بندوں کے اتفاق رائے سے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور سچ یہ ہے کہ ملک کے آباد کرنے اور انتظام سلطنت کو بہترین طریقہ پر چلانے میں اس نے باپ سے زیادہ کوشش کی اپنی رعیت کے مختلف حصے کیئے جو لوگ کہ پورب بن ہند کی نسل سے تھے انھیں حکومت اور سیاست کے لیئے منتخب کیا اور جو فرقہ برہمن کی نسل سے تھا، وزارت کے کاروبار اور نجوم وطبابت وغیرہ کے اہم کام اُس کے سپرد کیئے ایک گروہ کو زراعت اور کھیتی کیلیئے مقرر کیا اور ایک قوم کو پیشہ وری کا حکم دیا۔

زراعت کو کثرت سے رواج دینے میں اس نے اتنی کوشش کی کہ اکثر شہر جو ہندوستان سے دور دراز تھے وہ بھی آباد ہو گئے شہر بہار کو اُس نے بسایا اور اہل علم کو ہر چہار طرف سے بلا کر اُس شہر میں متوطن کیا شہر میں بہت سی عبادتگاہیں اور مدرسے بنائے اور اُس نواح کے محاصل کو طالب علموں کے اخراجات کیلیئے وقف کیا۔ ان اصلاحات کا نتیجہ یہہ ہوا کہ سناسی جوگی اور برہمن ہر فرقے کے لوگ تعلیم اور تعلم میں خلوص کے ساتھ مشغول ہو گئے۔

مہاراج نے سات سو سال ہند پر حکومت کی اس کے عہد میں ہند کی رونق اور حالت دوسری ہی ہو گئی یہہ راجہ ہند کا جمشید اور فریدوں تھا۔ اس راجہ نے کاروبار سلطنت کے استحکام

اور رعیت و سپاہ کی بہبودی کے لیئے بہت سے عمدہ ضابطے اور قاعدے بنائے جن میں سے چند ضابطے آجتک اسی طرح جاری ہیں۔

مہاراج نے ایران کے بادشاہوں سے ساتھ ہمیشہ دوستی اور محبت کا برتاؤ ملحوظ رکھا۔ لیکن چند دنوں کے بعد اس کا بھتیجا برگشتہ ہو کر فریدوں کی خدمت میں گیا اور چچا کے خلاف اُس سے مدد چاہی۔

فریدوں نے گرشسپ بن اطرود کو فوج جرّار کے ساتھ اُس کی مدد کیلئے مقرر کیا جب گرشسپ ہندوستان آیا تو اس کی آمد سے بہت سے آباد شہر ویران ہوئے اور غارت گری کا سلسلہ برابر دس دن تک جاری رہا تو مہاراج نے اپنے ملک کا ایک حصّہ اپنے بھتیجے کو دیکر اس کو رضامند کر لیا اور چند عمدہ اور قیمتی چیزیں تحفے کے طور پر فریدوں کی خدمت میں بھیجیں۔

اس راجہ کے آخر زمانے میں سنگلدیپ اور کرناٹک کے زمینداروں نے شورہ پشتی کرکے شیوراے حاکم دکن کو خارج البلد کر دیا۔

شیوراے مہاراج کے پاس آیا اور اس سے مدد طلب کی مہاراج نے اپنے بڑے بیٹے کو بیشمار فوج اور کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ شیوراے کی مدد کیلئے روانہ کیا۔ لیکن دکن کے زمینداروں نے ایکا کرکے پوری قوت اور طاقت کے ساتھ اس فوج کا مقابلہ کیا فریقین میں عظیم الشان لڑائی ہوئی مہاراج کا بیٹا معرکۂ کارزار میں مارا گیا۔ شیوراے اور مہاراج کی بقیہ فوج زخمی اور پریشان حال اپنے مال اور ہاتھیوں کو میدانِ کارزار میں چھوڑ کر بھاگی۔

مہاراج اس خبر کو سُنکر مارِ دُم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھانے اور رنج و غصّے سے اپنی بوٹیاں کاٹنے لگا۔ اس غم و غصہ کی وجہ یہ تھی کہ جو سرکشی دکن کے معمولی زمینداروں سے ظہور پذیر ہوئی وہ پیگو اور ملیبار جیسے دور و دراز مقامات کے زبردست اور طاقتور زمینداروں سے بھی سرزد نہ ہوئی تھی۔

مہاراج نے اس سرکشی سے انتقام کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن چونکہ اُس زمانے میں ایرانی سردار سام بن نریمان بادشاہ ایران کے حکم سے فتح ہندوستان کے لیئے پنجاب کی سرحد پر پہونچ چکا تھا اور مال چند سپہ سالار بقیہ لشکر کو لیکر اس کے مقابلے کو گیا ہوا تھا

اس لیئے مہاراج نے اُسوقت تک صبر کیا جبتک کہ مال چند چرب زبان ایلچیوں کی وساطت اور زر و جواہر کی پیش کشی اور ملک پنجاب کی حوالگی کے ذریعے سے سردار سام سے صلح کرکے واپس نہ آگیا۔

بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ فریدوں کے عہد سے پنجاب ہمیشہ شاہان عجم کے تصرف میں رہا اور گرشسپ کی اولاد یعنی رستم اور اس کے آبا و اجداد ہمیشہ پنجاب۔ کابل۔ زابل۔ سندھ اور کشمیر وغیرہ پر بطور جاگیرداروں کے قابض رہے۔

مال چند بڑے سپہ سالاروں میں تھا اس کے نام سے مالوے کا ملک ابتک مشہور ہے مہاراج کی خدمت میں واپس پہونچتے ہی اس نے بلا کسی تاخیر و تامل کے ایسے استقلال اور شان و شوکت کے ساتھ دکن کی طرف کوچ کیا کہ دشمن اس کی آمد کی خبر سنتے ہی پریشان خاطر ہوکر ادھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ مال چند نے اس طرح اس مفسد گروہ کو تہ تیغ کیا کہ اُن کا نام و نشان تک باقی نہ رکھا اور جا بجا تھانے اور چوکیاں مقرر کرکے واپس آیا۔ اثنائے راہ میں گوالیار اور بیانے کے قلعے بنوائے اور علم راگ کو جو موسیقی کے نام سے موسوم ہے تلنگانے اور دکن سے لاکر ہندوستان میں رائج کیا۔

چونکہ مال چند اکثر اوقات گوالیار کے قلعے میں مقیم رہا اور اسی کے ساتھ وہ کلاونت اور موسیقی داں جو اس کے ہمراہ دکن سے آئے تھے گوالیار ہی میں اس کے قیام کی وجہ سے آباد ہوئے اس لیئے اس علم نے گوالیار میں بہت عروج حاصل کیا۔

مہاراج نے سات سو سال کے بعد اس جہاں سے رحلت کی اور چودہ بیٹے اپنی یادگار چھوڑے۔ کیشوراج اس کا خلف الرشید تھا وہ باپ کے بعد ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔

کیشوراج کی حکومت کا ذکر

کیشوراج نے عہد حکومت کے آغاز ہی میں اپنے ہر بھائی کو مملکت کے کسی نہ کسی علاقے میں روانہ کیا اور خود کالپی سے گونڈوارہ (گونڈوانہ یا وسط ہند) آیا اور دکن سے سنگلدیپ (لنکا) تک سفر کیا۔ اس سفر میں سرکش راجاؤں سے اس نے تحائف اور خراج لیئے اور رعایا کے فلاح اور بہبودی کی بہ حد امکان پوری پوری کوشش کی۔

لیکن سفر سے واپسی کے وقت دکن کے زمینداروں نے ایکا کرکے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ ان زمینداروں کی قوت و طاقت روز بروز زیادہ ہوتی گئی حتیٰ کہ کیشوراج کے مدمقابل بنکر سامنے آئے۔ راجہ نے اپنے میں اسوقت ان کو دفع کرنے کی قوت نہ پائی مجبوراً ان سے صلح کرکے دار السلطنت کی طرف لوٹا اور ایک نامہ تہنیت اور نادر الوجود تحائف کے ساتھ منوچہر بادشاہ ایران کی خدمت میں بھیجکر اس سے مدد مانگی۔ منوچہر نے ایک بڑی فوج سام بن نریمان کی ماتحتی میں ہندوستان کی طرف روانہ کی۔ کیشوراج نے اس فوج کا جالندھر تک استقبال کیا اور ضیافت اور مہمانداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا پھر اس فوج کو ہمراہ لیکر دکن کی جانب چلا۔ دکن کے زمیندار اس فوج کی آمد سنکر بدحواس ہوئے اور ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور دکن پھر کیشوراج کے قبضے میں آگیا۔

کیشوراج سام بن نریمان کی خاطرداری اچھی طرح بجالایا اور بطریق مشایعت پنجاب کی سرحد تک اس کے ساتھ گیا اور بہت سے تحفے اور ہدیئے منوچہر کی خدمت میں اسکے ہمراہ روانہ کیئے۔ اس کے بعد کیشوراج اپنے دار الخلافت شہر اودھ کو واپس ہوا اور اہل ہندوستان کو اپنے انصاف کی برکت سے مالا مال کرکے اس نے آخر عمر تک خلق خدا کو آسودہ و مرفہ الحال رکھا۔

اس راجہ نے (۲۲۰) سال سلطنت کرنے کے بعد اس جہان سے رحلت کی اور اس کا بیٹا منیر رائے اس کا جانشین ہوا۔

منیر رائے کی حکومت کا ذکر

چونکہ منیر رائے ہندو علمی کتابوں یعنے ہندی شاستر میں پوری مہارت رکھتا تھا اس لیئے اہل علم اور حکیموں کی صحبت کو زیادہ پسند کرتا تھا۔ ان علمی مشغلوں کی وجہ سے اس راجہ نے سواری و لشکرکشی کو بالکل موقوف کردیا اور اپنا وقت اہل علم کی صحبت میں گذارتا رہا۔ بیشمار دولت فقیروں اور اہل حاجت کو تقسیم کی اور دو دفعہ تہار جاکر بہت زیادہ خیرات کی۔ بلدہ منیر کی بنا اسی راجہ کے عہد میں پڑی۔ لیکن ایک ناشائستہ حرکت اس سے یہ سرزد ہوئی کہ جب سام بن نریمان کی موت سے منوچہر کی سلطنت میں کمزوری پیدا ہوئی اور شاہان ایران کے قدیم دشمن افراسیاب نے جو قوت اور

موقع کا منتظر تھا۔ ایران پر لشکر کشی کرکے غلبہ حاصل کیا تو منیر رائے نے منوچہر اور سام کے حقوق احسانات کو بالکل بھول کر پنجاب پر لشکر کشی کی اور زال بن سام کے عمال کے قبضے سے پنجاب کو نکال کر جالندھر کو اپنا دارالخلافت بنایا اور ایک ایلچی کو بیش قیمت تحفوں کے ساتھ افراسیاب کی خدمت میں بھیجکر اپنے کو افراسیاب کے دولت خواہوں میں ظاہر کیا۔ اس زمانے سے لیکر کیقباد کے عہد تک پنجاب راجگان ہندوستان کے تصرف میں رہا لیکن جب رستم پہلوان باپ دادا کے منصب سرداری پر پہنچا تو اس نے پنجاب کے واپس لینے کے لئے ہند پر حملہ کیا۔ منیر رائے رستم کے حملے کی تاب نہ لاسکا اور کوہستان ترہٹ کی طرف بھاگا۔ پھر جب رستم نے سندھ، ملتان اور پنجاب کو فتح کرکے ترہٹ کی طرف توجہ کی تو منیر رائے نے خوفزدہ ہوکر جہارکھنڈ اور گونڈواڑے کے کوہستانوں میں پناہ لی اور اس دن کے بعد سے اُسے خوشی کا دن دیکھنا پھر نصیب نہوا یہانتک کہ اُسی زمانے میں تکلیف اور رنج کے ساتھ اس نے دنیا سے کوچ کیا۔ منیر رائے کا زمانۂ حکومت پانچ سو سینتیس سال بیان کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب +

رستم کا ہند کی بادشاہت راجہ سورج کے سپرد کرنا

کہتے ہیں کہ جب منیر کے مرنیکی خبر رستم نے سنی تو اس کی بیوفائی اور بدعہدی کی بنا پر یہ نہ چاہا کہ اُس کی اولاد تخت سلطنت کی مالک ہو۔ اس بنا پر ہند کے سرداروں میں سے ایک شخص مسمی سورج کو جو اس زمانے میں رستم کی خدمت میں پہنچ گیا تھا ہندوستان کی حکومت سپرد کرکے خود ایران کی طرف مراجعت کی۔

سورج نے اپنی حکومت کو ہندوستان میں خوب مستحکم و مضبوط کیا اور اتنی عظیم الشان سلطنت قائم کی کہ دریائے بنگالہ سے دکن کی سرحد تک اوسی کے حکام اور نائبین اسکی طرف سے حکومت کرتے تھے۔ راجہ سورج نے اپنے زمانے میں زراعت اور بستیوں کے بسانے پر نہایت تاکید و توجہ کی۔

اس راجہ کے عہد میں ایک برہمن جہارکھنڈ کے کوہستان سے اس کی خدمت میں پہونچا یہ برہمن علم سحر و نیرنجات میں مہارت رکھتا تھا اس لئے تھوڑے ہی عرصے میں اس نے

راجہ سورج کے مزاج میں رسوخ حاصل کر کے اُسے بت پرستی کی تعلیم دی۔

ہندوستان میں بُت پرستی کا رواج

چونکہ ہند بن حام بن نوح علیہ السلام نے خدا کی عبادت اور اس کی اطاعت گذاری کرتے ہوئے اسلاف کو دیکھا اور سنا تھا اس لیئے اس کی اولاد بھی نسلاً بعد نسلٍ اوسی طریقۂ عبادت کی پیروی کرتی رہی۔ راجہ سورج کے زمانے میں ایک شخص ایران سے ہندوستان آیا جس نے ہندیوں کو آفتاب پرستی کی تعلیم دی۔ اس کی تعلیم سے آفتاب پرستی کا اسقدر رواج ہوا کہ بعضے ستارہ پرست لوگ بھی آگ پوجنے لگے۔ لیکن اس کے بعد جب بُت پرستی کا آغاز ہوا تو یہ رسم سب سے زیادہ رائج ہو گئی۔

بُت پرستی کی رسم کے زیادہ رواج پکڑنے کا سبب یہ ہوا کہ برہمن مذکور نے راجہ سورج کو اس بات کا یقین دلایا کہ جو شخص اپنے بزرگوں کی تصویر سونے چاندی یا پتھر کی بنا کر اُس کی پرستش کرتا ہے وہ راہ راست پر ہے۔ اس عقیدے میں لوگ اس قدر پختہ ہو گئے کہ ہر چھوٹے اور بڑے نے اپنے مردہ اسلاف کی تصویریں بنائیں اور انکی پرستش شروع کی اور خود راجہ سورج بھی بلدۂ قنوج کو بسا کر گنگا کے کنارے بُت پرستی میں مشغول ہوا راجہ کی تقلید میں رعایا کا بھی یہی حال ہوا کہ ہر شخص اسی عقیدے کے موافق اپنے خاص طریقے پر بت پرستی کرنے لگا۔ چنانچہ بُت پرستوں کے نوسّے مختلف گروہ ہندوستان میں پیدا ہو گئے۔

چونکہ راجہ سورج نے قنوج کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا تھا اور اکثر وہیں رہا کرتا تھا۔ اس لیئے سورج کے زمانے میں قنوج کی آبادی اتنی بڑھی کہ پچیس کوس تک برابر شہر کا پھیلاؤ بڑھتا گیا۔ سورج نے دو سو پچاس برس حکومت کرنے کے بعد دنیا سے کوچ کیا۔ یہ راجہ کیقباد کا ہمعصر تھا اور ہر سال اس کو خراج بھیجا کرتا تھا اس نے رستم کے حقوقِ احسان کا ہمیشہ لحاظ رکھا اور اپنی بھانجی کا رستم کے ساتھ نکاح بھی کر دیا۔ ہر سال بادشاہی خراج کے ساتھ رستم کو بھی تحفہ بھیجا کرتا تھا۔ اس راجہ نے ۳۵ بیٹے چھوڑے اور اس کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا بہراج اس کا جانشین ہوا۔

بہراج ولد سورج کی حکومت کا ذکر

بہراج نے باپ کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی بہراج (بھڑائچ) نام ایک شہر اپنے نام سے آباد کیا۔ اس راجہ نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ علم موسیقی کے شوق میں صرف کیا۔ اس کے باپ نے اپنے آخری زمانے میں بنارس شہر کی بنا[۱۲] ڈالی تھی مگر اس کو تمام نہ کر سکا تھا۔ بہراج نے اس کے بسانے میں پوری کوشش صرف کی۔ اپنے بھائیوں کو عزیز اور معزز سمجھا اور مناسب حال جاگیریں دیکر خوش رکھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی راجہ نے اپنے باپ کی اولاد کو راجپوت کے نام سے اور دوسرے فرقوں کو دوسرے مختلف ناموں سے موسوم کیا۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ ہی جہاں داری اور حکومت کے قواعد میں اس نے ایسا اختلال پیدا کیا کہ ہندوستان کی حکومت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئیں اور ہر شخص کے سر میں حکومت کا سودا سما گیا۔ انہی میں سے ایک برہمن کیدار نامی نے سوالک[۱۳] کے کوہستان سے سر اٹھایا اور بہراج پر حملہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہراج کو شکست ہوئی اور ہندوستان کی حکومت کی باگ کیدار برہمن کے ہاتھ میں آگئی۔ بہراج کا زمانہ سلطنت ۳۶ سال بیان کیا جاتا ہے۔

کیدار برہمن کی حکومت کا ذکر

کہتے ہیں کہ جب کیدار ہندوستان کا راجہ ہوا تو چونکہ حکومت اور جہانداری کے قواعد سے پورا واقف تھا اس لیے اس کا نام بھی ہندوستان کے مشہور فرمانرواؤں کی فہرست میں داخل ہوگیا۔ کیکاؤس و کیخسرو بادشاہان فارس کو اس نے ہمیشہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری سے خوش رکھا اور ہمیشہ ان کا مطیع اور فرمانبردار رہکر ان کو تحفے اور ہدیئے بھیجتا رہا۔

کالنجر کے قلعے کی اس نے بنا ڈالی اور اس کی تعمیر کو پورا کیا۔ اس کے آخری زمانے میں شنکل نامی ایک شورہ پشت نے کوچ (کوچ بہار) کے اطراف سے نکل کر سلطنت پر حملہ کیا اور پہلے ملک بنگال اور بہار پر قابض ہوکر ایک بہت بڑی فوج تیار کی۔ اور کئی سخت معرکے کیدار کے مقابلے میں لڑا اور آخر کار فتح حاصل کرکے ہندوستان کا راجہ

بن گیا۔ کیدار اسنے نوّے سال ہندوستان پر حکومت کی۔

شنکل کی حکومت کا ذکر

شنکل نے تخت حکومت پر بیٹھکر حشمت اور دبدبے کے سامان بہم پہنچانے میں بیجا کوشش کی اور لکھنوتی کے شہر کو جواب گور کے نام سے مشہور ہے اس نے بسایا اور آباد کیا یہہ شہر دو ہزار برس صوبہ بنگالہ کا دارالخلافت رہا لیکن سلاطین تیموریہ کے عہد میں ویران ہو گیا اور اس کے بدلے ٹانڈا حکام کا قیام گاہ قرار پایا۔

شنکل نے چار ہزار ہاتھی ایک لاکھ سوار اور چار لاکھ پیادوں کی جرّار فوج تیار کی غرور و تکبر کے نشے میں ایسا سرشار ہو گیا کہ جب اوس کے زمانے میں افراسیاب نے ایلچی کو خراج وصول کرنے کیلئے ہندوستان بھیجا تو شنکل نے دھمکیاں دیکر ذلت کے ساتھ واپس کر دیا۔ شنکل کی اس حرکت سے افراسیاب بہت غضبناک ہوا اور اپنے سپہ سالار پیران ویسہ کو پچاس ہزار خونخوار ترکوں کی جمعیت کے ساتھ ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ شنکل نے بھی پوری جرأت سے کام لیا اور لشکر عظیم ہمراہ لیکر مقابلے کے لیئے چلا۔ سرحد بنگالہ کے قریب کوچ کے کوہستان میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ دو شبانہ روز لڑائی قائم رہی جس میں ترکوں نے پوری مردانگی اور شجاعت دکھائی اور پچاس ہزار دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اوتارا لیکن دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے ترکوں سے کچھ بن نہ پڑی اور ان کے بھی تیرہ ہزار آدمی مارے گئے۔ آخر کار ترکوں کی فوجی قوت میں کمزوری کے آثار ظاہر ہوئے اور تیسرے دن ناچار ہو کر لڑائی سے گریز کرنے لگے۔ چونکہ ان کا ملک دور تھا اور دشمن کو پورا غلبہ حاصل تھا۔ اس لیئے ترکی فوج اطراف و جوانب کے کوہستان میں جا چھپی اور ایک مضبوط جگہ پر اُس نے پناہ لی۔ پیران ویسہ نے قوم کی رائے سے پوری حقیقت لڑائی کی لکھ کر افراسیاب کی خدمت میں ایک نامہ بھیجا اور خود رات دن دشمن کی مدافعت کرتا رہا۔ اگرچہ ترکی فوج اُن ہندؤں کو چاروں طرف سے ہجوم کر کے ان پر حملہ کرتے تھے تیر سے پسپا کرتی رہی۔ لیکن ہر سپاہی اس فکر میں تھا کہ اس لڑائی کا انجام کیا ہوگا۔

افراسیاب کا ہندوستان میں آنا اور پیران ویسہ کو قید سے چھڑانا

بیان کرتے ہیں کہ اس زمانے میں افراسیاب شہر کنگ وژ میں جو خطا و ختن کے

درمیان اور ختان بالغ سے ایک مہینے کی راہ پر ہے مقیم تھا جب افراسیاب پیران ویسہ کے حال سے مطلع ہوا تو ایک لاکھ جرار ترکی سواروں کا انتخاب کرکے پیران ویسہ کی مدد کے لیۓ روانہ ہوا اور چاند کی رفتار سے بھی زیادہ تیز چل کر عین اُسوقت ہندوستان پہونچا جبکہ شنکل نے اس نواح کے تمام راجاؤں کو پیران ویسہ کے مقابلے میں یکجا کرکے قیامت برپا کر رکھی تھی اور ہر طرف سے ترکی سپہ سالار کو گھیر کر پناہ کے کل راستے بند کر دئیے تھے۔ افراسیاب نے پہونچتے ہی حریف پر زبردست حملہ کر دیا۔ اس حملے سے ہندوؤں کے سینے میں دل اور ہاتھ میں تلوار دونوں ہتھیار بیکار ہو گئے۔ ان کی فوج آسمان کے ستاروں کی طرح منتشر ہو گئی اور تمام مال واسباب جنگ کے میدان میں چھوڑ کر بھاگی۔

پیروان ویسہ نے محاصرے کی مصیبت سے نجات پائی تو اپنے مالک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ افراسیاب نے اُسے ساتھ لیکر دشمن کا پیچھا کیا اور جس کو جہاں پایا وہیں قتل کیا۔ شنکل بھاگتا ہوا ملک بنگالہ میں پہونچا اور لکھنوتی میں آکر اس نے پناہ لی لیکن ترکوں نے یہاں بھی اُس کا پیچھا نہ چھوڑا اور شنکل صرف ایک روز لکھنوتی میں ٹھہر کر ترہٹ کے کوہستان کی طرف بھاگا۔ ترکوں نے ایسی غارت گری کی کہ بنگالے میں آبادی کا نشان تک نہ چھوڑا۔ جب افراسیاب نے ترہٹ کی طرف بھی شنکل کا پیچھا کیا تو اس نے پریشان ہوکر عقلمند قاصد افراسیاب کی خدمت میں بھیجے اور عرض کی کہ میرا قصور معاف ہو تو قدمبوسی کے لیۓ حاضر ہوں۔ افراسیاب نے اس درخواست کو قبول کیا شنکل تیغ وکفن باندھ کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور التجا کی کہ اُسے افراسیاب اپنے ہمراہ توران (ترکستان) لے چلے۔ افراسیاب کو اس کی یہ عقیدت مندی پسند آئی۔ اور ملک ہند کی حکومت اس کے بیٹے کو دیکر اسے اپنے ہمراہ توران لے گیا شنکل خوشی کے ساتھ ہمیشہ اُس کی خدمت میں رہا یہانتک کہ ہماوران کی لڑائی میں رستم کے ہاتھ سے مارا گیا۔ شنکل نے چونسٹھ[۶۴] سال ہندوستان پر حکومت کی۔

افراسیاب کا برہٹ پسر شنکل کو راجہ بنانا

برہٹ بہت عابد نیک طبیعت اور خلیق راجہ تھا اس کی مملکت گڈہی سے مالوے تک پھیلی

ہوئی تھی اس مملکت کی آمدنی کے اسنے تین حصے کیئے ایک حصہ خیرات میں صرف کرتا تھا ایک حصہ اپنے باپ کے اخراجات اور افراسیاب کے خراج اور تحفہ تحائف کیلئے ایران بھیجتا تھا اور ایک حصہ فوج اور دوسرے عہدہ داروں کی تنخواہ میں صرف کرتا تھا اس تقسیم سے اسکی فوج کم ہوگئی اور مالوے کے راجہ نے جو اسکا مطیع اور خراج گزار تھا بغاوت کی اور گوالیار کے قلعے کو روہٹ کے عہدہ داروں سے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا راجہ روہٹ بھی جس نے رہتاس[1] کے قلعے کی بنیاد ڈالی تھی اور وہاں ایک بڑا بتخانہ بنا کر عبادت میں مشغول تھا اس سے برگشتہ ہوگیا۔ بر ہٹنے اکیاسی سال حکومت کر کے دنیا سے کوچ کیا۔ چونکہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیئے اس کے مرتے ہی اس کے دار السلطنت قنوج کے اطراف میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور ایک شخص مسمی مہاراج نے جو کچھواہہ قوم سے تھا مارواڑ سے نکل کر قنوج پر قبضہ کیا اور ہندوستان کا بادشاہ بن بیٹھا ؀

مہاراج کچھواہہ کی حکومت کا ذکر

مہاراج نے تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد ایک عرصے تک اپنی قوت بڑھانے کی کوششیں کیں اور جب ایک زمانے کے بعد پوری طاقت حاصل کرلی تو نہروالہ (گجرات) کے ملک پر لشکر کشی کی اور اُسے وہاں کے زمینداروں سے جو اکثر اہیر تھے چھین کر اپنے قبضے میں کیا۔ دریائے شور کے کنارے آدمیوں کی آمد و رفت کے لیئے بندرگاہیں بنوائیں اور دریا میں کشتیاں چلا کر واپس آیا مہاراج چالیس سال حکومت کر کے فوت ہوا یہہ راجہ گشتاسپ کا ہمعصر تھا اور ہر سال اسے تحفہ بھیجا کرتا تھا ؀

کیدراج کی حکومت کا ذکر

کیدراج جو راجہ مہاراج کا بھانجا تھا اپنے ماموں کی وصیت کے مطابق اُنکا جانشین ہوا چونکہ رستم اوسی زمانے میں مارا گیا تھا اور تھوڑے دلوں سے پنجاب کا کوئی طاقتور حاکم نہ رہا تھا اس لیئے کیدراج نے اُسپر لشکر کشی کر کے آسانی سے اُسے اپنے قبضے میں کرلیا اور تھوڑے دنوں شہر بھیرہ میں جو ہندوستان کے بہت پرانے شہروں میں سے ہے ٹھہر کر بھٹولن کا قلعہ بنوایا اور اپنے ایک عزیز کو جو گکھڑوں کی قوم سے تھا اور حکومت

کی پوری قابلیت رکھتا تھا وہاں کا حاکم بنا دیا۔ اُس تاریخ سے آج تک یہ قلعہ اسی فرقے کے قبضے میں ہے۔ تھوڑے عرصے کے بعد کھکر اور جو بیہ پنجاب کے زمیندار وا لے دو معتبر فرقوں نے کابل اور قندھار کے درمیانی کوہستانی اور جنگلی لوگوں سے میل پیدا کر کے ایک بڑی جمعیت بنائی اور کیدراج پر حملہ کیا کیدراج نے ان زمینداروں سے عاجز ہو کر وہ ملک انھیں کے سپرد کر دیا اور اسوقت سے یہ قوم تفرقہ کی حالت میں مختلف سرداروں کی ماتحتی میں پنجاب کے کوہستانوں میں آباد ہے ظاہرا یہہ وہی قوم ہے جسے اب افغان کہتے ہیں۔ کیدراج نے تینتالیس سال حکومت کر کے دنیا سے رحلت کی ؛

جے چند کی حکومت کا ذکر

جے چند کیدراج کا سپہ سالار تھا۔ کیدراج کے مرتے ہی غلبہ حاصل کر کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس کے زمانے میں ملک میں بہت بڑا قحط پڑا اور چونکہ یہہ شاہی خاندان سے نہ تھا۔ اس لیئے اس نے بندگان خدا کی کچھ پروا نہ کی اور شہر بیانہ میں عیش و عشرت میں مشغول رہا۔ خلق اللہ کی جانیں تلف ہوئیں اور سپاہ و رعیت کی تباہی سے اکثر قصبے اور گاؤں بالکل ویران ہوئے۔ لیکن اس کو کچھ پروا نہ ہوئی اس راجہ کی بے پروائی کی وجہ سے سالہا سال ہندوستان اپنی اصلی حالت پر نہ آسکا اور تمام ملک پر ایک افسردگی چھائی رہی۔ جے چند نے ساٹھ برس حکومت کرنے کے بعد دنیا سے کوچ کیا۔ وہ بہمن و داراب کا ہمعصر تھا ہر سال ان بادشاہوں کو نذرانہ بھیجا کرتا تھا۔ اُس نے اپنے وارثوں میں ایک خورد سال لڑکا اپنی یادگار چھوڑا اور اسکی رانی بیٹے کو تخت پر بٹھا کر خود فرمانروائی کرنے لگی۔ لیکن جے چند کے بھائی مسمے دہلو نے سرداروں اور ارکان سلطنت کی اتفاق رائے سے اس خوردسال بچے کو تخت سے اتار کر خود حکمرانی کا جُوا اٹھالیا ؛

راجہ دہلو کے خروج کا ذکر

دہلو بہادر دلیر اور خلقت پر بیحد شفیق اور مہربان فرمانروا تھا اس کی ہمیشہ کوشش

رہی کہ رعیت آسودہ اور مرفہ الحال رہے۔ شہر دہلی کو اسی راجہ نے بسایا جب اسکی سلطنت کے چالیس سال گذرے تو فور[۱۹] نامی ایک شخص نے جو کمایوں کے راجاؤں کے ساتھ قرابت قریبہ رکھتا تھا اس کے خلاف سر اوٹھایا اور پہلے کمایوں پر قبضہ کیا اور اس کے بعد قنوج کے قلعے پر دھاوا مارا جہاں فور اور راجہ دہلو سے بہت سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ اس لڑائی میں دہلو گرفتار ہو گیا۔ فور نے اُس کو فوراً رہتاس کے قلعے میں قید کر دیا۔

راجہ فور کی حکومت

راجہ دہلو کو رہتاس میں قید کرکے فور نے بنگالے پر لشکر کشی کی اور سمندر تک تمام ملک پر اپنا قبضہ کرکے ہندوستان کا عظیم الشان راجہ بن گیا۔ مورخوں کو اس بات پر اتفاق ہے کہ فور کا سا عظیم الشان راجہ ہندوستان میں اور کوئی دوسرا نہیں ہوا چونکہ اس نے گذشتہ فرمارو ایان ہند کے خلاف شاہان ایران کو سالانہ خراج اور نذرانہ بھیجنے کی رسم کو بالکل موقوف کر دیا اس لیے سکندر نے اس پر لشکر کشی کی۔ لیکن فور نے اس کی مطلق پروا نہ کی اور ایک بیشمار فوج مور و ملخ کی طرح تیار کرکے سرہند کے قریب سکندری فوج سے مقابلہ کیا۔ دونوں فرمانرواؤں میں سخت معرکہ آرائی ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فور مارا گیا۔ فور کا زمانہ حکومت تہتر سال ہے۔

واقعات اور حوادثات عالم سے مطلع ہونیکی آرزو رکھنے والوں کو واقعات مذکورہ بالا کے ساتھ یاد رکھنا چاہیئے کہ ملک دکن میں بھی بہت سے عظیم الشان راجہ اسی زمانے میں گذرے ہیں۔ مثلاً گل چند جس نے گلبرگہ آباد کیا۔ راجہ مرچ چند جس کے نام سے قصبۂ مرچ ابتک موسوم ہے اور بیجے چند جس نے شہر بیجانگر کو آباد کرکے تمام دکن کا اس کو دارالخلافہ بنایا وغیرہ وغیرہ۔ ان کے مفصل ناموں کی فہرست دینا اس مقام پر طوالت سے خالی نہیں۔

جسوقت کہ سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا راجہ بیدر قلعہ بیدر کا بانی اور قوم راج بیدر کا سردار جو دکن کے تمام فرقوں میں شجاعت اور بہادری میں مشہور ہے سکندر کے حملہ آور راجہ فور کے مارے جانے سے بیحد پریشان ہوا اور اُس نے

مال و دولت ہاتھی گھوڑے جو کچھ کہ اُس کے پاس تھا اپنے بیٹے کے ہمراہ سکندر کی خدمت میں بطور نذر کے بھیجے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ سکندر اس کے ملک کو بحال خود چھوڑ کر ایران کو واپس چلا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سکندر نے اُس سے کچھ تعرض نہیں کیا
فور کے مارے جانے اور سکندر کی واپسی کے بعد سینسار چند نامی ایک شخص نے ہندوستان کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور تھوڑے ہی زمانے میں ہندوستان کے شیرازۂ حکومت کے منتشر اجزا کو باہم ترتیب دیکر ملک کو منتظم اور پاک وصاف کر دیا چونکہ اس راجہ نے فور کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اس لیئے خوف کے مارے ہر سال نذرانہ کی رقم طلبی سے پہلے ہی گودرز بادشاہ ایران کی خدمت میں روانہ کر دیتا تھا۔ جب اس کی سلطنت کو ستر سال گذر گئے تو جونہ نامی ایک شخص نے اس کے مقابلے میں سر اوٹھایا اور اس پر پورا غلبہ حاصل کیا۔

جونہ کا خروج

بعض لوگ لکھتے ہیں کہ جونہ راجہ فور کا بھانجا تھا۔ جب تخت حکومت پر بیٹھا تو اپنے پسندیدہ افعال اور نیک خصلتوں سے ملک کو مرفہ الحال اور آسودہ بنانیکی برابر کوششیں کرتا رہا۔
جونہ نے گنگا اور جمنا دونوں دریاؤں کے کناروں پر بہت سے نئے گاؤں اور دیہات آباد کیئے اور تا مقدور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے میں کمی نہیں کی۔ جب اس کے ہمعصر بادشاہ ایران یعنے اردشیر بابکان نے ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور ایک بڑی فوج لیکر ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گیا تو راجہ جونہ سخت پریشان ہوا اور اردشیر کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت سے زروجواہر اور کوہ پیکر ہاتھی نذر دیئے کہ وہ بلا کسی حملہ آوری کے واپس چلا گیا۔
اردشیر کی مراجعت کے بعد جونہ قنوج واپس آیا اور زعرصہ تک راحت و آرام کے ساتھ فرمانروائی کرتا رہا۔ اس واقعے کے نوّے سال بعد اس نے دنیا سے رحلت کی۔ اس راجہ نے ۴۲ بیٹے اپنی یادگار چھوڑے ان میں سب سے بڑا کریان چند اس کا جانشین ہوا۔

راجہ کریان چند کا ذکر

یہ راجہ بڑا ظالم و سفاک تھا معمولی معمولی غلطیوں پر بندگان خدا کی خونریزی کرتا تھا اور لوگوں پر بے گناہ تہمتیں باندھ کر ان کا مال و اسباب ضبط کرتا تھا رعیت سے بہت سختی کے ساتھ روپیہ وصول کرتا تھا۔

اس کی ظالمانہ حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ دارالخلافت کو چھوڑ کر ادھر اُدھر سے چلے گئے ہندوستان کا شیرازۂ حکومت بکھر گیا اور قنوج کی قومی اور اجتماعی قوت میں اتنی کمی آگئی کہ راجہ معہ قلیل سپاہ کے دارالخلافت میں اکیلا رہ گیا۔ بارگاہ حکومت کی اگلی رونق جاتی رہی اور ہندوستان میں ایسی طائف الملوکی پھیلی کہ اطراف کے تمام راجہ باغی اور خود مختار بن گئے۔ یہ باغی راجہ خود مختاری کے بعد اتنے طاقتور اور عظیم الشان ہوئے کہ تاریخ میں ان کے احوال کا تذکرہ بھی ضروری سمجھا گیا۔ صرف راجگان ہند اور قنوج کے تذکرے پر اکتفا نہ کر کے ان دوسرے راجاؤں کا احوال بھی معرض تحریر میں آتا ہے اور مالوے کے راجہ بکرماجیت کا حال ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

ہند کے مشہور اور عادل فرمانروا راجہ بکرماجیت کی حکومت کا ذکر

بکرماجیت قوم کا پوار اور طبیعت کا بہت نیک تھا اس راجہ کی اصلی حقیقت اُن حکایتوں اور روایتوں سے جو ہندوؤں کی قوم میں قصے کے طور پر مشہور ہیں معلوم کی جا سکتی ہیں۔ جبکہ راجہ بکرماجیت اپنی شروع جوانی میں سالہا سال فقیروں کے بھیس میں اور اُنہی کی جماعت کے ساتھ اکثر ملکوں کی سیاحت اور سخت مجاہدوں سے فراغت حاصل کر چکا اور اُس کی عمر پچاس برس کی ہوئی تو غیبی رہنمائی سے اُس نے سپاہ گری کے میدان میں قدم رکھا اور چونکہ تقدیر الٰہی میں یہ مقرر ہو چکا تھا کہ یہ فقیر عظیم الشان فرمانروا ہو اور خلق خدا کو ظالم حکمرانوں کے پنجۂ ظلم سے نجات دلائے لہذا روز بروز اس کے کام میں ترقی ہوتی گئی یہانتک کہ تھوڑے ہی زمانے میں نہروالہ اور مالوہ دونوں ملک اس کے قبضے میں آگئے۔ حکومت کی

باگ ہاتھ میں لیتے ہی اُس نے عدل اور انصاف کو ایسا دنیا میں پھیلایا اور اپنے
احسان کے چتر کے سایہ میں ہر شہر اور ہر اہل شہر کو اس طرح پناہ دی اور عدل
کی ایسی مضبوط بنیاد رکھی کہ کہیں ظلم و جور کا نام و نشان نہ رہا۔ ہندؤں کا اعتقاد ہے
کہ اس راجہ کا مرتبہ اور اس کی حالت معمولی اہل دنیا کے مراتب اور احوال سے
کہیں بلند اور ماوری تھی۔ اس کے عرفان اور روشن ضمیری کی بابت مشہور ہے کہ جو بات
اس کے دل میں گذرتی تھی بلاکم و زیادتی کے ظاہر ہو جاتی تھی اور جو واقعہ کہ اچھا یا بُرا
رات کو اس کے ملک میں ہونیوالا ہوتا تھا۔ صبح کو صاف صاف اُسپر روشن ہو جاتا تھا۔
بادشاہی کے باوجود وہ خلق خدا کے ساتھ برادرانہ سلوک رکھتا تھا۔ اُس کے گھر
میں سوائے ایک مٹی کے پیالے اور بوریئے کے اور کچھ نہ تھا۔ بکرماجیت نے اجین
اپنے زمانے میں بسایا اور دھار کے قلعے کو بناکر اسے اپنا مسکن قرار دیا۔ اُجین کا
مشہور بتخانہ مہاکال اُسی نے تعمیر کرایا اور برہمنوں اور جوگیوں کے وظیفے مقرر کر دیئے
کہ اس بتخانے میں رہ کر عبادت کرتے رہیں +

وہ اپنے اوقات کا زیادہ حصہ خلق خدا کی پرسش حال اور خالق کی عبادت
میں صرف کرتا تھا۔ اہل ہند اس راجہ کی بابت بہت اچھا عقیدہ رکھتے ہیں اور عجیب
و غریب فسانے اور قصّے اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ سال اور مہینوں کی
تاریخ کی ابتدا اسی راجہ کی وفات کے دن اور مہینے سے شروع ہوتی ہے اور
اس کتاب کی تصنیف کے زمانے تک کہ جو ہجرت نبوی صلعم کا ایک ہزار پندرھواں
سال ہے سنہ بکرماجیت کے آغاز کو ایک ہزار چھ سو تریسٹھ سال گذر چکے ہیں
راجہ بکرماجیت اردشیر بادشاہ ایران کا ہمعصر تھا۔ بعض کا قول ہے کہ اس کا اور شاپور
کا زمانہ ایک تھا اس کے آخری زمانے میں سالباہن نام ایک زمیندار نے اُسپر
حملہ کیا نربدا کے کنارے دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور خونریز جنگ واقع ہوئی
اس لڑائی کا نتیجہ یہہ ہوا کہ سالباہن کو غلبہ ہوا اور بکرماجیت مارا گیا۔ اس کی
حکومت کے زمانے کی بہت سی ایسی روائتیں بیان کی جاتی ہیں جو تاریخی حیثیت
سے قابل قبول نہیں اس لیئے اُن کا ذکر قلم انداز کیا جاتا ہے +

بکرماجیت کے بعد عرصۂ دراز تک مالوہ بالکل خراب اور ویران پڑا رہا اور کوئی بھی

اور عادل حاکم اس ملک پہ حکمراں نہ ہوا یہاں تک کہ راجہ بھوج نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ؛

راجہ بھوج کی حکومت کا ذکر

یہہ راجہ قوم کا پوار تھا عدل اور سخاوت میں پوری پیروی بکرماجیت کی کرتا تھا راتوں کو بھیس بدل کر شہر میں گھومتا اور محتاجوں اور فقیروں کے حال سے آگاہ ہو کر اُن کی خبرگیری کرتا تھا ہمیشہ رعایا کی آبادی اور آسودگی کی کوشش کرتا رہتا۔ کھرکون بیجاگر اور ہنڈیہ تینوں مقامات اسی کے زمانے میں بسائے گئے ؛

یہ راجہ کثرت ازدواج کا بہت شائق تھا اور سال میں دو مرتبہ ہمیشہ ایک بہت بڑا جشن مناتا تھا جس میں ہندوستان کے ہر گوشہ سے ارباب رقص و سرود جمع ہوتے اور چالیس روز تک برابر اس جشن کا سلسلہ جاری رہتا تھا جس میں سوائے ناچ اور گانے کے اور کوئی دوسرا کام نہوتا تھا۔ اس زمانے میں ہر گروہ کو طعام و شراب اور پان وغیرہ ہر چیز سرکار سے ملتی تھی اور رخصت کے وقت ہر ایک کو ایک خلعت اور دس مثقال سونا دیا جاتا تھا۔ اس راجہ نے پچاس سال حکومت کرنے کے بعد دنیا سے کوچ کیا اسی کے زمانے میں باسدیو نامی ایک شخص قنوج کا راجہ بن بیٹھا اور بہار کو جو بنگالے کی طرح قنوج کی حکومت سے آزاد ہو گیا تھا پھر دوبارہ اپنے حلقۂ اطاعت میں لے آیا غرض کہ باسدیو نے بھی اپنا اقتدار اور شوکت اچھی طرح سے قائم کرلیا ؛

کہتے ہیں کہ اسی راجہ کے زمانے میں بہرام گور ایک سوداگر کے بھیس میں ہندوستان اور ہندوستان کے باشندوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے قنوج آیا تھا ؛

بہرام گور کی آمد اور اُس کے پہچانے جانے کا قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی آمد کے زمانے میں ایک جنگلی ہاتھی اتفاق سے قنوج کی نواح میں آگیا تھا اور کوئی دن ایسا نہ گذرتا تھا کہ لوگوں کی جانیں اس بدمست ہاتھی کے ہاتھوں تلف نہ ہوتی ہوں۔ راجہ باسدیو کئی دفعہ اس کے دفعیہ کو اٹھا اور ہر مرتبہ ناکام واپس گیا جس روز کہ بہرام قنوج میں داخل ہوا اتفاق سے اُس دن یہہ مست ہاتھی جھومتا

اور سنڈلاتا شہر کے کنارے تک آ پہنچا اور شہر میں ایک شور و غوغا مچ گیا راجہ نے حکم دیا کہ شہر کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ یہہ خبر سُن کر بہرام تن تنہا اُس ہاتھی کے سامنے آیا اور ایک ہی تیر سے اُس موذی جانور کو ہلاک کر دیا۔ اہل شہر جو تماشہ دیکھنے کے لیئے شہر کے باہر آئے ہوئے تھے بہرام کے پیروں پر گر پڑے اور تحسین و آفرین کے نعروں سے آسمان سر پہ اٹھا لیا۔ جب باسدیو کو یہہ خبر پہنچی تو بہرام کو اس نے اپنے سامنے بلایا۔ بہرام راجہ کے طلب کرنے پر اُس کے سامنے آیا۔ بادشاہ کے ایک مصاحب نے جو ایک سال پیشتر نذرانہ لیکر ایران گیا ہوا تھا بہرام کو پہچانا اور راجہ کو اصلی حالت سے آگاہ کیا۔ باسدیو حقیقت حال سے آگاہ ہوتے ہی بہرام کے سامنے خادمانہ حاضر ہوا اور اپنی بیٹی کو بہرام کے حبالۂ نکاح میں دیکر بہت اعزاز اور احترام کے ساتھ اُسے رخصت کیا۔ جب تک زندہ رہا ہر سال بیش قیمت تحفے بہرام گور کی خدمت میں بھیجتا رہا۔ اس راجہ نے ستر سال حکومت کرنے کے بعد دنیا سے رحلت کی۔ شہر کالپی اسی راجہ کا بسایا ہوا ہے۔ باسدیو نے تیس بیٹے اپنی یادگار چھوڑے جو اس کے بعد دس برس تک متواتر سلطنت کیلیئے ایک دوسرے سے لڑتے رہے آخر کار باسدیو کے سپہ سالار رام دیو نے انکی لڑائی سے فائدہ اٹھایا اور فوجی سرداروں کی اتفاق رائے سے قنوج پر قبضہ کرکے عظیم الشان راجہ بن بیٹھا ؛

راجہ رام دیو راجپوت کی حکومت کا ذکر

راجہ رام دیو قوم کا راٹھور اور بہت دلیر بہادر اور مدبر تھا اس راجہ نے پہلے سرکش سرداروں کو جن کی سرشت میں خود رائی داخل ہو گئی تھی بتدریج نیچا دکھا کر مقامی فتنہ و فساد سے اطمینان حاصل کیا۔ اُس کے بعد ایک طاقتور لشکر تیار کرکے مارواڑ پر حملہ کیا۔ مارواڑ کو فتح کرکے قوم کچھواہہ کو وہاں سے خارج البلد کیا اور اپنی قوم راٹھور کو اُس ملک میں بسایا چنانچہ اُس تاریخ سے راٹھور مارواڑ میں آباد ہوئے۔ پھر اس راجہ نے خود قوم کچھواہہ کو ترغیب دیکر قلعہ رہتاس کے آس پاس بسا دیا اور اُس قوم کے سرداروں کی لڑکیوں کو اپنے محل میں داخل کیا بعد ازاں

اس نے لکھنوتی پر حملہ کرکے اس کو بھی اپنے قبضے میں کیا اور اپنے بھتیجے کو اس ملک کی حکومت دیکر بیشمار مال و غنیمت حاصل کرتا ہوا تین سال کے بعد دارالخلافت قنوج کی طرف واپس ہوا۔ پھر دو سال ٹھہر کر رام دیو نے مالوے پر لشکر کشی کی اور اس کو فتح کرکے بہت سے دیہات اور قصبے وہاں آباد کئے نروَر[۲۲] کے قلعے کی مرمت کی اور قوم راٹھور کے ایک امیر کو وہاں کا حاکم بنایا اس کے بعد راجہ بیجانگر سے اسکی بیٹی مانگی۔ شیو رائے راجہ بیجانگر نے جو اس زمانے میں ملک دکن کا سربرآوردہ راجہ تھا، رام دیو کی شوکت اور وسعت سلطنت سے ڈر کر اپنی بیٹی معہ بیش قیمت جہیز و تحائف کے رام دیو کے گھر بھیجدی۔ رام دیو نے دو سال گونڈواڑے میں قیام کیا اور اکثر سرکش اور بڑے زمینداروں کو زیر کرکے قنوج کی طرف مراجعت کی سات سال عیش و عشرت کے ساتھ بسر کرنے کے بعد سوالک کے کوہستان کی طرف اس نے توجہ کی اور وہاں پہنچ کر اس نواح کے تمام راجاؤں کو اپنا خراج گذار بنایا لیکن راجہ کمایوں جو اس کوہستان میں سب سے بڑا راجہ تھا اور جس کے گھرانے میں دو ہزار سال سے اس ملک کی سلطنت برابر چلی آتی تھی اس کے مقابلے کو نکلا صبح سے شام تک دونوں لشکروں میں معرکہ آرائی رہی بہت سے بہادر طرفین سے اس لڑائی میں کام آئے جن کے گھرانے ان کی موت سے ویران و برباد ہوگئے لیکن آخرکار رام دیو کے اقبال نے دشمن کو نیچا دکھایا اور فتح اسی کو نصیب ہوئی کمایوں کا راجہ بے انتہا مال اور بہت سے ہاتھی میدان جنگ میں چھوڑ کر کوہستان میں جا چھپا۔ رام دیو نے راجہ کی بیٹی اور بیش قیمت تحائف لیکر ملک اسی کے سپرد کردیا۔

کوہستانِ سوالک سے فراغت حاصل کرکے رام دیو نے فتح کی باگ نگرکوٹ کے کوہستان کی طرف موڑی اور اس ملک کے شہروں اور قصبوں کو فتح کرتا اور مالِ غنیمت لیتا ہوا ہنکوٹ پنڈی[۲۳] تک پہنچا یہاں پہنچ کر اس نے اپنی باگ روکی اور درگا کے مندر کی حرمت کو ملحوظ رکھ کر آگے نہ بڑھا اور ایک مقام پر قیام کرکے ایک قاصد ہنکوٹ پنڈی کے راجہ کے پاس بھیجا اور اس کو اپنے پاس بلایا راجہ نے اس کے پاس آنے میں پس و پیش کیا آخرکار اس قضیے کو طے کرنے کیلئے برہمن بیچ میں

پڑے اور فیصلہ یہہ ہوا کہ رام دیو تنجانے کی زیارت کرنے آئے اور راجہ وہیں اُس سے ملاقات کرے ۔

رام دیو نے بھی اس فیصلے کو قبول کیا اور تنجانے میں آکر پنڈی کے راجہ سے ملاقات کی رام دیو نے بہت بڑی نذر تنجانے میں چڑھائی اور تنجانے کے خادموں کو انعام و اکرام سے سرفراز کر کے راجہ ننگر کوٹ کی بیٹی سے اپنے لڑکے کی شادی کی ۔

اس مہم سے فراغت حاصل کر کے رام دیو جموں کے قلعے کی طرف بڑھا راجہ جمون نے اپنی حشمت اور شوکت قلعے کی مضبوطی راستے کی مشکلات جنگلوں کی گنجانی اور غلے کی کثرت پر لحاظ کر کے دشمن کی پرواہ نکی اور مقابلے کے لیئے سامنے آیا لیکن بدقسمتی سے حریف کا مد مقابل نہ ثابت ہوا اور میدان جنگ سے بھاگا ۔ رام دیو نے فوج کے ایک حصے کو راجہ کے تعاقب میں روانہ کیا اور خود قلعے کا محاصرہ کر کے تھوڑے ہی زمانے میں اس کو فتح کیا اور بہت سے قیدی گرفتار کیئے اور بیش بہا اور کثیر مال و اسباب پر قبضہ کیا ۔ راجہ جمون اس تباہی کے بعد عاجزی کے ساتھ رام دیو کے سامنے آیا اور قصور کی معافی چاہی رام دیو نے اس کا قصور معاف کیا اور اس کی بیٹی سے اپنے دوسرے لڑکے کی شادی کر کے جمون سے روانہ ہوا اور بہت[۲۴] کے کنارے سے جو کشمیر سے پنجاب کی طرف بہتا ہے بنگالے کے اُس سرحدی مقام تک جہاں کہ دریائے شور کے کنارے کوہستان سوالک[۲۵] کا سلسلہ ختم ہوتا ہے پانچ مہینے کا سفر سیر و تفریح میں طے کیا اور قریب پانسو راجاؤں کو جو اس کوہستان میں جگہ جگہ حکومت کرتے تھے اپنا مطیع اور خراج گذار بنایا اور کثیر زر و جواہر اور بہت سا مال اور بیشمار ہاتھی اور گھوڑے ساتھ لیکر قنوج کی طرف مراجعت کی ۔

قنوج پہنچکر رام دیو نے ایک بہت بڑا جشن منعقد کیا اور تمام سپاہیوں کی تنخواہیں دس گنی اور بیس گنی کر دیں ۔ قنوج کے سور ما سپاہیوں کو عطیوں سے مالا مال کر کے ایک تہائی مال غنیمت رعایا کو تقسیم کیا اس کے بعد فراغت اور عیش کے ساتھ دار الخلافت میں حکمرانی کرتا رہا اور پھر کسی طرف فوج کشی نہ کی یہاں تک

کہ چوّن سال حکومت کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوا اہل ہند کو اس بات پر اتفاق ہے کہ رام دیو کا سا عظیم الشان راجہ دوسرا ہندوستان میں نہیں ہوا یہ راجہ بادشاہ کیقباد کے بیٹے فیروز شاہ ساسانی کا ہمعصر تھا اور ہر سال اس کی خدمت میں خراج اور تحفہ بھیجتا تھا اور اطاعت اور فرمانبرداری میں کسی طرح کی کمی نہیں کرتا تھا ۔

پرتاب چند ۱۲۶ سسودیہ کی حکومت کا ذکر

راجہ رام دیو کے مرنیکے بعد اُس کے بیٹوں میں حکومت کیلئے جھگڑا ہوا اور نوبت جنگ و جدال کی پہنچی اس آپس کی لڑائی نے قنوج کی سلطنت کو بالکل تباہ و برباد کیا اور رام دیو کا بے حساب اور بے شمار خزانہ اس جنگ کی نذر ہوا رامدیو کے ایک سپہ سالار پرتاب چند نے اس لڑائی سے فائدہ اٹھایا اور اس آپس کے جھگڑے کو غنیمت جان کر ایک بہت بڑی فوج اپنے موافق تیار کرکے قنوج پر لشکر کشی کی اور آسانی سے اُسے اپنے قبضے میں کر لیا۔ قنوج پر قبضہ حاصل کرنیکے بعد پرتاب چند نے سب سے پہلے رام دیو کے بیٹوں کی طرف سے اطمینان حاصل کیا اور اس گھرانے کو بالکل بے نام و نشان کر دیا۔ پھر اُن زمینداروں کے حال سے واقفیت بہم پہنچائی جو موقع پاکر آس پاس کے علاقے دبا بیٹھے تھے اور بتدریج اُن کا استیصال کرکے پرتاب چند خود بہت بڑا راجہ بن گیا چونکہ اس کے اکثر کام اس کی مرضی کے موافق پورے ہو گئے تھے اور اس کی تمام مرادیں بر آئی تھیں اس لئے غرور و تکبّر کے نشے میں ایسا سرشار ہوا کہ سلاطینِ ایران کو خراج بھیجنا اپنی کسرِ شان سمجھا اور نوشیرواں کے قاصد کو جو ہندوستان خراج لینے کے لیئے آیا ہوا تھا خالی ہاتھ پھیر دیا لیکن جب ایرانی فوج اس کی سرکوبی کیلئے ملتان اور پنجاب پہنچی تو اس نے ان کی کثرت سے پریشان اور اپنی حرکت پر نادم ہو کر قصور کی معافی چاہی اور بیشمار زر و جواہر بھیجکر اُن کو قتل و غارتگری سے روکا اور جب تک زندہ رہا ہر سال خراج بھیجتا رہا۔ اس کے مرنے کے بعد اطراف و جوانب کے چھوٹے چھوٹے راجہ خود مختار بن بیٹھے اور بہت تھوڑا ملک اُس کی اولاد کے قبضے میں رہگیا۔ چونکہ کمزور اور چھوٹے راجہ کو ہندی میں ترانا کہتے ہیں

اسی وجہ سے اس کے جانشین بھی بعد میں راناؔ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ چنانچہ گو اس تاریخ کے لکھنے کے وقت تک پرتاپ چند کی اولاد میں حکومت باقی ہے لیکن وہ صرف "کوال میر بچی" کے کوہستان اور اس کے اطراف پر حکمراں اور راناؔ کے لقب سے مشہور ہے۔ چیتوڑ اور منڈسور وغیرہ اس خاندان کی حکومت سے نکل کر خاندان تیموریہ کے زیر اثر آ گئے ہیں ؛

انند دیو راجپوت کی حکومت کا ذکر

یہ راجہ قوم کا بیس تھا۔ راجہ پرتاپ کے مرنے کے بعد اس نے مالوہ سے سر اٹھایا اور مالوے کے تمام اطراف و جوانب کو فتح کیا ستارہ اقبال کی بلندی سے روز بروز اس کی سلطنت بڑھتی گئی اور مالوہ نہروالہ مرہٹ دکن اور برار کے مشہور مقامات پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ رام گڑھ ماہور اور منڈو کے قلعے اسی نے بنائے یہ راجہ خسرو پرویز کا ہمعصر تھا سولہ سال سلطنت کر کے اس جہان سے رخصت ہوا۔ اسی زمانے میں ایک ہندو مالدیو نامی نے دوآب سے سر اٹھایا اور ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے دہلی کو پرتاب چند کے لڑکوں سے چھین لیا پھر قنوج پر فوج کشی کی اور اس پر بھی قابض ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ قنوج اس کے زمانے میں اسقدر معمور تھا کہ تیس ہزار دکانیں تنبولیوں اور ساٹھ ہزار گھر اہل رقص و سرود کے اس شہر میں آباد تھے اسی سے شہر کی دوسری خصوصیات کا قیاس ہو سکتا ہے۔ مالدیو نے بیالیس سال حکومت کر کے دنیا سے رحلت کی چونکہ مالدیو دنیا سے لاولد گیا اس لیئے اس کے مرتے ہی ہر جگہ طائف الملوکی پھیل گئی اور آفتاب اسلام کے طلوع کرنے تک ہندوستان میں کوئی فرمانروا ایسا نہیں ہوا جس کی عظمت اور سلطنت کی وسعت تذکرے کے قابل ہو چنانچہ جس زمانے میں کہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا مختلف راج یہاں قائم تھے اور قنوج میں راجہ کور میرٹھ میں ودھرم دت مہاون میں گلچند۔ لاہور میں جیپال اور کاشمیر میں بحیرا نامی راجگان علیحدہ علیحدہ حکومت کرتے تھے۔ اسی طرح مالوہ۔ اجمیر گجرات اور گوالیار میں بھی جدا جدا سلطنتیں قائم تھیں اسلیئے ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ذکر قلم انداز کرنیکے بعد سلاطین اسلام کے حالات جو دراصل اس کتاب کی غرض و غایت ہیں معرض تحریر میں لائے جاتے ہیں

ہندوستان میں اسلام کی آمد

مسلمانوں میں سب سے پہلے مہلب ابن ابی صفرہ[۳۱ھ] نے ہندوستان میں قدم رکھا اور اہل ہند سے معرکہ آرائیاں کیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہجرت نبوی کے اٹھائیسویں سال عبداللہ ابن عامر حاکم بصرہ نے فارس پر فوج کشی کی اور فارس کے باشندوں پر جنہوں نے امیرالمومنین عمرؓ فاروق کی وفات کے بعد بد عہدی کی تھی فتح حاصل کرکے بصرہ کی طرف کوچ کیا۔ ہجرت کے تیسویں سال امیرالمومنین عثمانؓ غنی نے ولید بن عقبہ کو شراب خواری کی علت میں کوفہ کی حکومت سے معزول کیا اور سعید ابن العاص کو اُنکا قائم مقام مقرر فرمایا۔ سعید نے اُسی سال طبرستان کی طرف توجہ کی۔ امیرالمومنین حسنؓ وحسینؓ بھی سعید کے ہمراہ اس معرکہ میں تشریف لے گئے۔ حضرات حسنینؓ کے قدموں کی برکت سے جرجان[۳۰ھ] جو استرآباد کا دارالخلافت ہے فتح ہوا اور وہاں کے باشندوں نے ۲۲ ہزار دینار سالانہ پیش کش کرنا قبول کیا۔ اہل جرجان اسلام لائے اور فارغ البالی کے ساتھ اپنے گھروں میں آباد ہوئے :

اکتیسویں ہجری میں عبداللہ بن عامر کو حضرت امیرالمومنین عثمان غنیؓ نے خراسان کے فتح کرنیکا حکم دیا۔ عبداللہ بن عامر ایک بہت بڑے لشکر کو ہمراہ لیکر کرمان کے راستے سے خراسان کی طرف روانہ ہوئے اس لشکر کے مقدمتہ الجیش حنیف بن قیس تھے۔ غازیان اسلام کا یہہ لشکر سیستان قہستان[۳۲ھ] اور نیشاپور کو اپنا محکوم اور اطاعت گذار بناتا ہوا طوس پہنچا[۳۲ھ]۔ اہالیان طوس بھی اسلامی اطاعت کے حلقے میں داخل ہوئے اور لشکر اسلام نے سرخس[۳۲ھ] ہرات بادغیس[۳۲ھ] غور غرجستان[۳۲ھ]۔ مرو[۳۸ھ] طالقان[۳۹ھ] اور بلخ کو بھی مملکت اسلام میں داخل کیا :

چونکہ عبداللہ ابن عامر کو تھوڑے ہی زمانے میں پوری فتح حاصل ہوچکی تھی اس لیئے

انھوں نے قیس بن ہاشم کو خراسان کا اور حنیف بن قیس کو مرو طالقان اور نیشاپور کا اور خالد ابن عبداللہ کو ہرات، غور و غرجستان کا حاکم بنایا اور خود حج کا احرام باندھ کر کعبے کی طرف روانہ ہوئے۔

عبداللہ ابن عامر ہجرت کے بتیسویں سال حضرت عثمانؓ کے حکم سے بلخ کے فتح کرنے کے لیئے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن مخالف اسباب ایسے پیش آئے کہ امیر لشکر اور بہت سے مسلمان اس معرکے میں شہید ہوئے اور بقیۂ فوج پریشان ہو کر بھاگی اور اسلامی سپاہی جرجان اور جیلان میں آکر پناہ گزیں ہوئے اسی سال عبداللہ ابن عامر حرمین شریفین کی زیارت کو روانہ ہوئے اور قارون نامی ایک عجمی سردار نے خراسان کو بہادران اسلام سے خالی پا کر چالیس ہزار طبس ہرات بادغیس قہستان اور غور وغیرہ کے باشندوں کو جمع کیا اور ایک فوج تیار کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا عبداللہ ہازم نے جو حنیف بن قیس کے ساتھ نیشاپور میں مقیم تھا۔ چالیس ہزار سپاہیوں کی ایک فوج سے اس فتنے کو فرو کیا اور اس کے صلے میں خراسان کا حاکم ہوا ۴۴ھ چوالیس ہجری میں امیر معاویہ نے زیاد بن ابیہ کو بصرے خراسان اور قہستان کا حاکم مقرر کیا اور اسی سال عبدالرحمن بن شمر نے زیاد کے حکم سے کابل فتح کیا اور اہل کابل کو اسلامی دائرے میں داخل کیا۔ کابل کی فتح کے تھوڑے ہی زمانے کے بعد مہلب بن ابی صفرہ جو عربی امرا میں ایک نامی آدمی تھے۔ مرو کے راستے سے کابل و زابل آئے اور ہندوستان پہونچ کر انھوں نے غیر مسلموں سے جہاد کیا اور دس یا بارہ ہزار لونڈی اور غلام گرفتار کیئے اس زمانے میں کہیں کہیں کچھ لوگ خدا کی توحید اور رسالت پناہ کی نبوت کا اقرار کر کے مسلمان ہوئے ؛

۵۳ھ میں زیاد بن ابیہ کی انگلی پر طاعون کی پھنسی نمودار ہوئی اور زیاد نے وفات پائی۔ امیر معاویہ نے اس کے بیٹے عبداللہ کو کوفے کا حاکم مقرر کیا تھوڑے دنوں کے بعد عبداللہ نے ماوراءالنہر کی طرف کوچ کیا اور بہت سے شہر اس مملکت کے فتح کر کے کوفے کی طرف واپس آیا اس فتح کے صلے میں عبداللہ کو بصرے کی حکومت ملی لیکن عبداللہ نے اسلم بن زراعہ کو اپنی طرف سے خراسان کا حاکم مقرر کیا اور خود کوفے ہی میں مقیم رہا۔

۵۶ھ میں حضرت امیر معاویہ نے خراسان کی حکومت سعد بن عثمان غنیؓ کے سپرد کی اور ۶۳ھ میں یزید بن معاویہ نے سالم بن زیاد کو سیستان اور خراسان کا حاکم مقرر

کیا جن لوگوں کو کہ یزید نے مسلم کے ہمراہ روانہ کیا اُن ہی میں سے ایک مہلب بن ابی صفرہ تھا مسلم نے اپنے چھوٹے بھائی یزید بن زیاد کو سیستان کی حکومت سپرد کی جب یزید بن زیاد نے سنا کہ کابل کے بادشاہ نے سرکشی کر کے ابو عبداللہ بن زیاد کو جو مسلمانوں کا حاکم تھا قید کر لیا ہے تو اس نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے اہل کابل سے معرکہ آرائی کی۔ ایک سخت اور شدید ہنگامے کے بعد یزید کو شکست ہوئی اور بہت بڑا حصہ اس کی فوج کا لڑائی میں کام آیا جب یہ خبر مسلم بن زیاد کو پہنچی تو اس نے طلحہ بن عبداللہ بن جنیف خزاعی کو جو طلحۃ الطلحات کے نام سے مشہور ہے کابل بھیجا طلحہ نے کابل پہنچکر ابو عبیدہ کو پانچ لاکھ درہم کے معاوضے میں آزاد کرایا اس کے بعد مسلم نے سیستان کی حکومت طلحہ کو دی اور اہل غور و بادغیس کا ایک لشکر کابل کو روانہ کیا اور اہل کابل کو جبراً و قہراً اپنا مطیع اور فرمانبردار بنایا اور خالد بن عبداللہ کو جس کو بعض نساب حضرت خالد کی اولاد سے اور بعض ابوجہل کی نسل سے بتلاتے ہیں کابل کا حاکم مقرر کیا جب خالد بن عبداللہ کابل کی حکومت سے معزول ہوا تو اُسے عراق عرب کی طرف پلٹنا بہت دشوار اور شاق گزرا نئے حاکم کے ڈر سے اپنے عیال و اطفال اور متعلقین کو جو عربی النسل تھے ہمراہ لیکر سرداران کابل کی رہنمائی سے کوہ سلیمان پر جو ملتان اور پشاور کے درمیان میں ہے اس نے توطن اختیار کیا اور اپنی بیٹی ایک شریف افغان کے ساتھ جو مسلمان ہو چکا تھا بیاہ دی۔ اس لڑکی کے بطن سے کئی لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے دو یعنی لودی اور سور بہت مشہور اور ممتاز ہوئے گروہ افغان میں فرقہ لودی و سوری انہی دونوں کی اولاد سے ہیں۔ کتاب مطلع الانوار میں جو ایک معتبر مصنف کی تصنیف ہے اور جس کا میں نے برہان پور خاندیس میں مطالعہ کیا ہے یہ لکھا ہے کہ افغان در اصل قبطی فرعونی ہیں جسوقت کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر غلبہ حاصل کیا تو بہت سے قبطیوں نے توبہ کر کے دین موسوی اختیار کیا لیکن ایک جماعت ان قبطیوں کی ایسی بھی تھی جو فرعون کی دوستی اور اس کے دعویٰ خدائی کے عقیدے میں ایسی راسخ تھی کہ باوجود ان مصیبتوں کے بھی اُس نے اسلام اختیار نہ کیا اور جلا وطن ہو کر ہندوستان آئی اور کوہ سلیمان پر متوطن ہوئی۔ اس جماعت سے بہت سے قبیلے پیدا ہوئے جو افغان کے نام سے موسوم ہیں جس وقت کہ ابرہہ نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا تو بہت سے دشمنان کعبہ دور و نزدیک سے آ کر اس کے گرد جمع ہوئے اور اس کے

ساتھ کعبے پر حملہ آور ہوئے۔ انھی لوگوں میں افغان بھی تھے جنھوں نے اپنے وقت مقررہ پر پہنچکر ابرہہ کا ساتھ دیا جب یہ مکہ پہنچے تو وہاں غیبی سزا سے معتوب ہو کر راہی عدم ہوئے مختصر یہ کہ مسلمانان افغان زراعت اور معاش کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور بے شمار گھوڑے اور گائے اور بکریوں کے مالک ہوئے ان افغانوں نے اُن مسلمانوں کے ساتھ دوستی وارتباط اور میل جول پیدا کیا جو محمد قاسم کے ہمراہ سندھ سے آکر ملتان میں آباد ہوئے تھے جب ان افغانوں کی نسل کثرت سے پھیلی تو ۶۳ھ میں یہ کوہستان سے نکل کر ہندوستان کے آباد شہروں یعنی کرماج۔ پشاور اور شنوران وغیرہ پر قابض ہوگئے لاہور کے راجہ نے جو راجہ اجمیر کا داماد تھا ان کے فتنے کو دفع کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے ایک امیر کو ہزار سواروں کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیئے روانہ کیا لیکن افغان اس لشکر کے مقابلے کے لیئے نکلے اور اکثر اہل ہند کو قتل کر کے انھوں نے اس لشکر کو شکست دی اس واقعے کے بعد لاہور کے راجہ نے اپنے بھتیجے کو دو ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادہ فوج کے ساتھ افغانوں کی تنبیہ کے لیئے روانہ کیا اس دفعہ خلج غور اور کابل کے مسلمانوں نے افغانوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھ کر چار ہزار سپاہیوں کی ایک فوج مدد کے لیئے روانہ کی اور افغانوں نے اس لشکر سے تقویت حاصل کر کے لڑائی کا بازار گرم کیا اور پانچ مہینے میں ستر لڑائیاں اہل ہند سے لڑیں اور اکثر معرکوں میں اُن پر غالب آئے۔ دوران جنگ میں جاڑے کا آغاز ہوا اور اہل ہند کے سر پر سردی کی مصیبت نازل ہوئی جس نے اُنھیں بالکل عاجز اور مجبور بنا دیا۔ اہل ہند نے جاڑے کی مصیبت سے تنگ آکر لڑائی موقوف کی اور اپنے وطن کی طرف مراجعت کی ؛

جب سردی کا زمانہ گذر گیا تو راجہ لاہور کے بھتیجے نے پھر ایک نئی فوج کے ساتھ دوبارہ حملہ کیا اس مرتبہ بھی پہلی دفعہ کی طرح کابل اور خلج کے باشندے افغانوں کی مدد کے لیئے آئے اور کرماج اور پشاور کے درمیان دونوں لشکروں کی مٹ بھیڑ ہوئی اس لڑائی کا یہ عالم تھا کہ کبھی تو اہل ہند افغانوں پر غالب آکر مسلمانوں کو کوہستان تک بھگا دیتے تھے اور کبھی مسلمان اہل ہند کو نیچا دکھا کر تیروں کی بوچھاڑ سے اُنھیں ان کے خیموں اور قیام گاہوں سے باہر نکال دیتے تھے جب برسات کا موسم آیا تو اہل ہند دریائے

سندھ (نیلاب) کا بڑھتا ہوا سیلاب دیکھکر بلا اس امر کے کہ لڑائی کا کچھ نتیجہ نکلے اپنے ملک کی طرف پھرے اور اہل کابل و خلج بھی اپنے اپنے وطن کو واپس ہوئے کابل اور خلج کے باشندوں سے جب کبھی ان کا کوئی ہموطن پوچھتا تھا کہ کوہستان کے مسلمانوں پر کیا گذری اور اب اُن کی حالت کیا ہے تو یہہ جواب دیتے تھے کہ ان کے ملک کو کوہستان نہ کہو افغانستان کہو اس واسطے کہ اب وہاں سوائے افغان و غوغہ یعنی شور و فریاد کے اور کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دیتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی وجہ سے کوہستان کے مسلمانوں کو لوگ افغان اور اُن کے وطن کو افغانستان کہنے لگے۔ لیکن اہل ہند ان کوہستانی مسلمانوں کو پٹھان کہتے ہیں اس نام کی وجہ تسمیہ صحیح معلوم نہیں ہے لیکن ایسا خیال ہوتا ہے کہ چونکہ اسلامی بادشاہوں کے زمانے میں پہلی مرتبہ جب یہ قوم ہندوستان میں آئی تو پٹنہ میں آباد ہوئی اس لئے اہل ہند ان کو پٹھان کہنے لگے۔ واللہ اعلم بالصواب

چونکہ اس دوران میں سندھ کو کھوکھاں اور راجہ لاہور کے درمیان تکالیف و وقت کچھ رنجش پیدا ہوگئی تھی اس لئے قوم گکھر نے ہمسایگی سے فائدہ اٹھا کر افغانوں سے موافقت کرلی۔ راجہ نے بھی افغانوں سے لڑائی موقوف کی اور ان سے صلح کر کے پنجاب لمغان کے ان کو دے خلجیوں کو جو افغانوں کی مدد سے جو اسی جنگل میں آباد تھے اس شرط پر افغانوں کا شریک حال بنایا کہ دونوں فریق آل سبکتگین کے مقابلے میں سرحد کی حفاظت کریں افغانوں نے پشاور کے کوہستان میں ایک حصار کھینچا اور اس کا خیبر نام رکھا اور روہ کے ملک پر ایسے قابض ہوئے کہ آل سامان کی حکومت میں سامانی فوج کو انہوں نے لاہور تک کبھی پہنچنے نہ دیا اور یہی وجہ ہے کہ سامانی لشکر کی لوٹ مار شروع سے آخر تک ہمیشہ سندھ اور بھاطنہ کی طرف رہی

روہ سے وہ مخصوص کوہستانی سلسلہ مراد ہے جو طول میں بجور سے سیوی تک جو بکر کا علاقہ ہے اور عرض میں حسن ابدال سے کابل اور قندھار تک پھیلا ہوا ہے

جب غزنی کی حکومت الپتگین سے ہاتھ میں آئی تو اس کے سپہ سالار سبکتگین نے کئی مرتبہ لمغان اور ملتان کو لوٹا اور بہت سے لونڈی اور غلام قید کر کے لے گیا۔

جب افغانوں نے الپتگین کے پنجے سے کوئی چھٹکارا نہ دیکھا تو پنجاب کے راجہ جیپال سے الپتگین کے مقابلے میں مدد چاہی۔ جیپال نے جب دیکھا کہ ہندوستان کا لشکر جاڑے کی شدت کی وجہ سے سرحدی مقامات میں ہمیشہ نہیں ٹھیر سکتا تو اُسنے

اس معاملے میں بھاطنہ کے راجہ سے مشورہ کیا اور اس کی رائے کے موافق شیخ حمید نامی ایک شخص کو جو افغانوں میں معتبر اور بھروسے کے قابل تھا اس ملک کا امیر مقرر کیا۔ شیخ حمید نے لمغان اور ملتان کو اپنے قبضے میں کر کے ہر ہر مقام پر ایک ایک حاکم اپنا نائب مقرر کیا اور اسی زمانے سے افغانوں میں حکومت اور امارت کا سلسلہ شروع ہوا۔ الپتگین کی وفات کے بعد سبکتگین اس کا جانشین ہوا شیخ حمید نے سبکتگین کی مخالفت کو خلاف مصلحت سمجھ کر اُسے یہ پیغام بھیجا کہ ہم مسلمان شراکتِ اسلام کی وجہ سے بالکل ایک ہیں اس لیے بادشاہ کو چاہیئے کہ اپنے اخلاق کریمانہ سے اس گروہ کو اپنا سمجھ کر اپنی فوج کو حکم دے کہ جب لشکر اسلام ہندوستان پر حملہ آور ہو تو اس خیر اندیش گروہ سے کچھ تعرض نہ کرے اور اس جماعت کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

سبکتگین نے بھی مصلحت وقت کا لحاظ کر کے شیخ حمید کی اس درخواست کو قبول کیا اور جب راجہ جیپال پر فتح پائی تو افغانوں کی بہت خاطر و مدارات کی اور ملتان کے اکثر حصے ان کی مدد معاش کے لیئے عطا کیئے۔ لیکن سلطان محمود نے اپنے باپ سبکتگین کی سیاست کے خلاف افغانوں کو ہمیشہ مغلوب اور سرنگوں رکھا جو ان میں سرکش تھے اُن کو قتل کیا اور جنہوں نے اطاعت قبول کی ان کو خادموں کی طرح ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔

مقالہ اوّل

سلاطینِ لاہور کے ذکر میں

کہ جن کو سلاطین غزنویہ بھی کہتے ہیں

امیر ناصر الدین سبکتگین کا ذکر

اگرچہ امیر ناصر الدین کا سیلاب فتوحات دریائے سندھ کے آگے نہیں بڑھا اور اس کی حکومت پنجاب تک نہیں پہنچی لیکن بعض ارباب تاریخ نے سبکتگین کو بھی سلاطین لاہور کی فہرست میں داخل کیا ہے۔ تمام متبحر اور محقق مورخ لکھتے ہیں کہ سبکتگین دراصل الپتگین[۱] کا ترکی نژاد غلام تھا۔ الپتگین سامانی حکومت کے زمانے میں خراسان کا حاکم ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں اس نے اپنے دائرۂ حکومت میں پوری قوت اور غلبہ حاصل کر لیا۔ جب عبدالملک نے آخرت کا سفر کیا تو بخارا کے امیروں نے ایک قاصد الپتگین کے پاس بھیجا اور اس سے پوچھا کہ عبدالملک کے بعد آل سامان میں حکومت کے لائق کون ہے۔ الپتگین نے قاصد کو جواب دیا کہ منصور بن عبدالملک ابھی نوجوان ہے، اس اہم کام کے لیے اس کے چچا سے زیادہ اور کوئی دوسرا موزوں نہیں ہے لیکن قبل اس کے کہ قاصد الپتگین سے جواب حاصل کر کے پلٹے امرا نے باہم اتفاق کر کے منصور کو تخت حکومت پر بٹھا دیا۔ منصور نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی الپتگین کو بخارا طلب کیا۔ الپتگین اس سے خوفزدہ ہو کر اس کے دائرۂ اطاعت سے خارج ہو گیا اور بجائے سرِ تسلیم جھکانے کے

اس نے علم بغاوت بلند کیا اور ۳۵۱ھ میں تین ہزار سواروں کے ساتھ جو سب اسکے
خاصے کے غلام تھے خراسان سے غزنین کی طرف روانہ ہوا اور غزنیں فتح کر کے اپنی
حکومت مستقل طور پر قائم کی۔ جب منصور کو خراسان کے خالی ہونے کی خبر ہوئی تو
اس نے وہاں کی حکومت ابوالحسن محمد بن ابراہیم سمجوری کو عطا کی اور دو مرتبہ الپتگین کے
مقابلے کے لیے فوج روانہ کی لیکن ہر مرتبہ فتح الپتگین کو نصیب ہوئی اور منصور کی فوج
مغلوب ہو کر دشمن کے سامنے سے بھاگی۔ احمد اللہ مستوفی کے قول کے موافق الپتگین
نے پندرہ برس صحت اور اقبال کے ساتھ حکمرانی کی اس دور حکومت میں کئی مرتبہ اُسکے
سپہ سالار سبکتگین نے ہندوں سے جہاد کیا اور ہر مرتبہ حریف کے مقابلے میں کامیابی حاصل
کی ۳۶۵ھ میں الپتگین نے رحلت کی اور اس کا بیٹا ابو اسحاق سبکتگین کے ہمراہ بخارا
روانہ ہوا۔ امیر منصور نے غزنین کی حکومت ظاہرا تو ابو اسحاق کو عطا کی لیکن امور مملکت
کے تمام اہم کام سبکتگین کی صواب رائے پر چھوڑ کر ملک کا انتظام حقیقتاً اس کے سپرد کیا۔
ابو اسحاق کا پیمانۂ عمر تھوڑے ہی دنوں میں لبریز ہو گیا اور غزنین کے امرار اور ارکان دولت
نے سبکتگین کے چہرے سے آثار متانت اور اقبال کو نمایاں دیکھکر ۳۶۷ھ میں اُسے
اپنا مستقل بادشاہ تسلیم کیا اور الپتگین کی بیٹی کو اس کے حبالۂ عقد میں دیدیا۔ سبکتگین نے
عدل و انصاف پھیلانے میں بڑی کوشش کی اور ظلم اور جور کی بنیاد جڑ سے اکھاڑکر پھینکدی
امیروں شریفوں اور ارکان دولت کو ہر طرح کی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کرکے
اپنی محبت اور قابلیت جہانداری کا سکہ دلوں پر جمادیا۔ مورخ جوزجانی منہاج السراج اپنی تاریخ
میں سبکتگین کا ابتدائی حال اس طرح لکھتا ہے کہ ایک سوداگر مسمی حاجی ناصر سبکتگین کو ترکستان
سے بخارا لایا اور اسے الپتگین کے ہاتھ فروخت کیا الپتگین نے اس کے چہرے سے
شوکت اور عقل و دانش کے آثار دیکھکر اس کو اپنے خاص لوگوں میں داخل کیا۔ غزنین کے
معرکے میں لشکر کی امیر الامرائی اس کے سپرد کر کے اس کو اپنا وکیل مطلق بنایا۔ مورخ مذکور
سبکتگین کے نسب کی بابت کہتا ہے کہ یہ دراصل یزدجرد بادشاہ عجم کی اولاد سے ہے
جس کی تفصیل حسب ذیل ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یزدجرد ملک
مرو میں بمقام آسیا قتل کیا گیا تو اس کے تابعین اور اس کی اولاد ترکستان کی طرف
بھاگی۔ وہاں جا کر ترکوں سے میل جول کر کے اس قوم سے شادی بیاہ کی رسم انہوں نے

جاری کی روتیں لیتوں گئے گذرنے کے بعد یہ نیم ترک بھی اسی نام سے مشہور ہوگئے چنانچہ سبکتگین کا نسب باسہ سیر ہے سبکتگین بن جوقان بن قراالحکم بن قزل ارسلان بن قرا نامان بن فیروز بن یزدجرد۔ جب امیر سبکتگین تخت سلطنت پر بیٹھا تو طغا نامی ایک شخص نے بست کے قلعے پر قبضہ کر لیا لیکن اس کے ایک دشمن مسمی بایتور نے طغا پر حملہ کر کے اس کو قلعے کے باہر نکال دیا۔ طغا نے امیر سبکتگین کی بارگاہ میں فریاد کی اور یہ عرضی پیش کی کہ اگر امیر دشمن کے مقابلے میں میری مدد فرما دیں اور میں اپنے قلعے پر دوبارہ قابض ہو جاؤں تو مثل خدمت گاروں اور خراج گزاروں کے فرمانبرداری کے دائرے سے تمام عمر قدم باہر نہ رکھونگا۔ امیر سبکتگین نے اس التجا کو قبول فرمایا اور بایتور پر لشکر کشی کر کے اسے کامل شکست دی اور طغا کو پھر اس کی مسندِ حکومت پر متمکن کر دیا۔ لیکن طغا نے احسان فراموشی کی اور اپنے پرانے عاجزانہ وعدوں کو ہمیشہ لیت و لعل میں ڈال رکھا۔ جب امیر سبکتگین نے طغا کے ہر قول و فعل میں مکر اور ریا کے نشان دیکھے تو اس نے ایک دن شکارگاہ میں کسی ایسی بات کو جس کے انجام دینے کا وعدہ طغا امیر سے پہلے کر چکا تھا اس سے غضب آلود لہجے میں طلب کیا۔ طغا نے اس کے جواب میں کلمات ناملائم کہے اور تلوار کھینچکر امیر کے ہاتھ پر ایک کاری زخم لگایا امیر نے اسی زخمی ہاتھ سے تلوار کا ایک وار کیا اور چاہتا تھا کہ دوسرے ہاتھ میں اس دغا پیشہ کا کام تمام کر دے کہ دونوں سرداروں کی فوجوں نے ایک دوسرے پر یورش کر دی اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ طغا کو اس گرد و غبار میں جان بچانے کا موقعہ مل گیا اور کرمانچ کی طرف بھاگ گیا۔ اس باغی کے فرار ہونے کے بعد قلعہ امیر سبکتگین کے قبضے میں آیا منجملہ اور فائدوں کے جو سبکتگین کو اس قلعے کے فتح کرنے سے نصیب ہوئے ایک فائدہ ابوالفتح کی ملاقات ہے جو مختلف فنون کا پورا ماہر اور خصوصاً فن انشا پردازی اور کتابت میں عدیم المثال تھا ابوالفتح در اصل بایتور کا میر منشی تھا بایتور کے اخراج کے بعد بست کے ایک گوشے میں پوشیدہ اپنی زندگی بسر کرتا تھا امیر سبکتگین کو اس فاضل کے حالات کا علم ہوا تو اس باکمال اور قابل قدر ادیب کو اپنی باریابی سے سرفراز کیا اور اسکی قابلیت اور لیاقت کے موافق اُسے طرح طرح کی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز فرما کر عہدہ انشا عنایت کیا ابوالفتح سلطان محمود کے ابتدائی زمانے تک اس عہدے کا کام انجام دیتا رہا اس کے بعد محمود سے کسی وجہ سے رنجیدہ ہو کر اس خدمت سے

مستعفی ہوا اور ترکستان چلا گیا۔

جب امیر سبکتگین نے تبت کی مہم سے فراغت پائی تو قصدار کی طرف روانہ ہوا اور اس نے وہاں دفعتہً جاکر بخارا کے حاکم کو فوراً نظر بند کر کے اپنی اطاعت میں داخل کیا اور قصدار اس کی جاگیر میں دیا۔

سبکتگین نے بخارا کی فتح سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اہل ہند سے جہاد کا ارادہ کیا اور سنہ ۳۶۶ھ کے آخر میں ہندوستان پہنچکر چند قلعے فتح کیے اور جا بجا مسجدیں تعمیر کرائیں اور ان فتوحات کے بعد بہت سا مال غنیمت لیکر کامیاب اور بامراد غزنین واپس گیا۔ راجہ استپال کا بیٹا راجہ جیپال جو قوم کا برہمن تھا اور جس کی سلطنت سرہند سے لمغان تک اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی اس وقت مسلمان حاکموں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لیئے قلعہ بھٹنڈہ میں مقیم تھا اس راجہ نے جب دیکھا کہ مسلمان فاتحین کے ہاتھ اب اس کی سلطنت کی طرف بڑھ رہے ہیں تو اس سے پریشان ہو کر ان پردیسی فاتحین کی دست درازی روکنے کی تدبیر سوچی آخر کار ان سے جنگ کی ٹھان کر وہ بیکر ہاتھیوں اور بہادر سپاہیوں کی ایک بہت بڑی فوج ہمراہ لیکر اسلامی سلطنت کی طرف بڑھا۔ امیر سبکتگین نے بھی اپنی فوج تیار کی اور غزنین سے مقابلے کے لیئے چلا۔ سرحد ملتان پر دونوں سرداروں سے مڈبھیڑ ہوئی اور کئی روز متواتر لڑائی جاری رہی اس لڑائی میں سلطان محمود نے باوجود خردسالی کے ایسی شجاعت اور مردانگی دکھائی جس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے اس لڑائی کا سلسلہ چند روز اسطرح جاری رہا کہ فاتح اور مفتوح میں تمیز کرنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ ایک دن ایک گروہ نے سلطان محمود سے جاکر کہا کہ راجہ جیپال کے لشکر کے قریب ایک چشمہ ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ اگر تھوڑی سی نجاست اس چشمہ میں ڈال دیجائے تو آندھی کے تیز جھونکوں اور بادل کی گرج اور بجلی کی چمک سے فوراً ایک طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ سلطان محمود نے حکم دیا کہ تھوڑی نجاست ضرور اس چشمے میں فوراً ڈال دی جائے۔ سلطانی حکم کی تعمیل کی گئی اور نجاست کا چشمے میں پڑنا تھا کہ غلیظ ابر سارے آسمان پر محیط ہو گیا بجلی کی چمک اور بادل کی گرج سے میدان جنگ بالکل تاریک ہو گیا اور ہوا میں ایسی ٹھنڈک پیدا ہوئی کہ فوجی گھوڑے اور دیگر باربرداری کے جانور ہلاک ہو گئے سپاہیوں کے بدن میں ٹھنڈک کی وجہ سے افسردگی پیدا ہو گئی

اور ہر شخص نقل و حرکت کرنے سے معذور ہو گیا۔ اس حالت کے پیدا ہوتے ہی ہر سپاہی فریاد و زاری کرنے لگا اور جیپال کی فوج میں ایک ماتم برپا ہو گیا جیپال نے جب اس آفت سماوی سے چھٹکارا نہ دیکھا تو چند معتبر قاصد امیر سبکتگین کی خدمت میں بھیجے اور اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اگر سبکتگین اس وقت لڑائی موقوف کر دیے تو جیپال اس کا حکم اپنے ملک میں جاری کرے گا اور اُسے چند قطار کوہ پیکر ہاتھیوں کی اور چند قیمتی تحفے پیش کریگا اور ہر سال خراج اور جزیہ کی رقم برابر ادا کرتا رہیگا۔ امیر سبکتگین نے اپنی خلقی مروت سے چاہا کہ جیپال کی درخواست کو منظور کرے لیکن سلطان محمود نے اس صلح سے اختلاف کیا جس کی وجہ سے صلح نامے کی تکمیل میں تھوڑی تاخیر ہوئی جیپال نے ایک سمجھدار قاصد سلطان محمود کے پاس بھیجا اور یہہ پیام دیا کہ ابھی آپ پر تعصب اور جہالت اہل ہند کی عموماً اور خاص کر فرقۂ راجپوت کی خوب روشن نہیں ہوئی اس قوم کی جہالت و بیفکری اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ انتہائی مصیبت میں آخری چارۂ کار اس قوم کا یہہ ہے کہ جو کچھ مال و اسباب اور بیش قیمت چیزیں ان کے قبضے میں ہوتی ہیں اُن کو مایوسی کے عالم میں آگ کے نذر کر دیتے ہیں اور اس فعل کو آخرت کی بہبودی سمجھتے ہیں اسکے بعد اگر مصیبت سے نجات پانے کی ہر راہ اپنے اوپر بند دیکھتے ہیں تو قاعدے کے موافق اپنی عورتوں اور حرم سراؤں کو بھی آگ میں ڈال دیتے ہیں جب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دنیاوی مال و متاع سے اب کوئی چیز ان کے پاس باقی نہ رہی تو ہر ایک ایک دوسرے سے رخصت ہو کر دشمن سے ایسی معرکہ آرائی کرتے ہیں کہ اس لڑائی میں اپنے کو بالکل فنا کر دیتے ہیں اور سوائے خاک کے اور کچھ اُن کا نام و نشان باقی نہیں رہتا۔ اب اُن کی مصیبت اسی حد تک پہنچی ہے کہ اپنے پرانے قاعدے کے مطابق عمل کریں اگر یہی منظور ہے کہ یہ فنا ہو جائیں تو اختیار ہے ورنہ بہتر یہہ ہی ہے کہ صلح کر کے ہم سب کو آپ ممنون احسان بنائیں جب سلطان محمود کو اِن ہندوؤں کی سچائی میں کچھ شبہ نہ رہا تو اس شرط پر اُن سے صلح کی کہ راجہ جیپال ایک لاکھ درم اور پچاس ہاتھی پیشکش کرے۔ جیپال نے اپنے ایک معتبر رکن دولت کو اس نذرانے کی عوض گرو رکھا اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو مال اور ہاتھی سپرد کرنے کے لیئے اپنے ہمراہ لیکر لاہور آیا۔ لاہور پہنچکر اس نے بدعہدی کی اور سبکتگین کے قاصدوں کو قید کیا اور یہہ کہا کہ جب تک امیر میرے مرہون افسروں کو نہ بھیجے گا میں بھی ان مسلمانوں کو رہا نہ کروں گا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اُس زمانے میں ہندو راجاؤں کے دربار کا یہہ قاعدہ تھا کہ ملک کے سمجھدار اور اہل علم برہمن راجہ کے داہنی جانب بیٹھتے تھے اور سپاہی اور کھتریوں کی نشست راجہ کی بائیں جانب ہوتی تھی جب کوئی سخت مہم پیش آتی تھی تو یہہ درباری راجہ کو مشورہ دیا کرتے تھے چنانچہ جب ان درباریوں نے دیکھا کہ راجہ کی رائے بالکل غلط ہے اور اس کا یہہ فعل ناشائستہ ہے تو بالاتفاق دائیں اور بائیں ہر طرف سے ایک ہی صدا بلند ہوئی اور سبھوں نے راجہ سے یہی کہا کہ ایسے قوی دشمن سے عہد توڑنا احتیاط اور عاقبت اندیشی کے بالکل خلاف نظر آتا ہے کہیں ایسا نہو کہ یہہ بدعہدی ہمارے لیئے ادبار اور تباہی کا باعث ہو اور ہم پر وہ مصیبت نازل ہو کہ ہمارا نام و نشان تک باقی نہ رہے احتیاط کا مقتضا یہی ہے کہ اس ترک سے جس کا خوف عام اور خاص سب کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے بدعہدی کرکے ہم معرکہ آرائی نہ کریں اور خلق خدا کے امن و امان کا خیال کرکے جس رقم پر کہ صلح ہوئی ہے اس کو بلا کسی عذر کے ہم پیش کر دیں۔ چونکہ جیپال کا بُرا وقت آ چکا تھا اس نے درباریوں کی التجا قبول نہ کی اور اپنی ہٹ دھرمی پہ اڑا رہا۔

جب امیر سبکتگین کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو جیپال کی بدعہدی پر بیحد غضبناک ہوا اور بہت بڑا لشکر ہمراہ لیکر ہندوستان کی طرف چلا جیپال نے بھی ہندوستان کے دوسرے راجاؤں سے مدد لیکر ایک بہت بڑی فوج تیار کی اور مقابلے کیلیئے آگے بڑھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے ہر راجہ نے جیپال کی مدد کو دراصل اپنی لقا سے وقت سمجھکر اس کی امداد و اعانت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا خصوصاً دہلی۔ اجمیر۔ کالنجر اور قنوج کے راجاؤں نے خوب دل کھول کر [illegible] اور روپیہ ہر طرح سے اس کی مدد کی بفرض کہ ایک لاکھ سوار اور بےشمار پیادے اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کرکے جیپال مقابلے کے لیئے میدان جنگ میں آیا۔ امیر سبکتگین نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر جیپال کے لشکر کی تعداد اور قوت کا اندازہ کیا اور اگرچہ اُسے یہہ معلوم ہوا کہ لشکر ایک دریائے ذخار ہے جس میں سپاہیوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے لیکن اس کثرت سے وہ کچھ بھی مرعوب نہ ہوا اور اپنے دشمن کی لڑائی کو شیر و بکری کا مقابلہ اور باز و چڑیا کی جھڑپ سمجھ کر اطمینان

کے ساتھ پہاڑی سے نیچے اترا اور فوجی سرداروں کو سامنے بلا کر ہر ایک کا
دل بڑھایا اور ان کو جہاد کے ثواب اور فوائد بتا کر ان سے کہا کہ مصلحت وقت
یہ ہے کہ پانچ پانچ سو سوار باری باری لڑائی کے میدان میں جائیں اور
جب ایک دستہ تھک جائے تو دوسرا لڑائی شروع کرے۔ اسلامی فوج
نے اپنے بادشاہ کی ہدایت کے موافق لڑائی شروع کی اور اس جنگ میں
اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ ہندوؤں کے لشکر میں ہل چل مچ گئی جب
مسلمانوں نے دیکھا کہ حریف کمزور اور بدحواس ہو گیا تو انہوں نے ایکبارگی
یورش کر دی اور بےشمار ہندوؤں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ ہندوؤں کی بقیہ فوج
سامنے سے بھاگی اور مسلمانوں نے **نیلاب** کے کنارے تک ان کا پیچھا
کیا اور قتل و غارت گری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اس لڑائی میں بہت سا
مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور (لمغان) لمغان و پشاور کے ملک
نیلاب کے کنارے تک مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ ان مفتوحہ شہروں
میں اسلامی قانون کا رواج ہوا اور خطبہ اور سکہ امیر ناصرالدین کے نام کا جاری
ہوا اس فتح کے بعد امیر ناصرالدین نے اپنے ایک امیر کو دو ہزار سواروں کے
ساتھ پشاور میں چھوڑا اور اس نواح کے افغانی اور خلجی صحرا نشینوں کو بھی
اپنے حلقہ اطاعت میں داخل کر کے غزنین کو روانہ ہوا۔ اسی زمانے میں امیر
نوح سامانی نے ابو نصر فارسی کو سبکتگین کے پاس بھیجا تا کہ فائق کی ناشائستہ
حرکات کا اظہار کر کے سبکتگین سے مدد مانگے سبکتگین نے جب آل سامان
کی بیچارگی کی داستان سنی تو حمیت اور شرافت کی وجہ سے بےچین ہو گیا اور
اسی عالم اضطراب میں فوراً ماوراءالنہر کی طرف روانہ ہوا۔ امیر نوح سرخس تک
سبکتگین کے استقبال کے لیے آیا۔ سبکتگین اگرچہ ملاقات سے پہلے یہ عذر
کر چکا تھا کہ بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے گھوڑے سے نیچے اترنے اور
امیر نوح کی رکاب کو بوسہ دینے کی خدمت سے اسے معاف رکھا جائے
اور امیر نوح نے اس التجا کو قبول بھی کر لیا تھا۔ لیکن جیسے ہی دونوں فرمانرواؤں
کا مقابلہ ہوا اور سبکتگین کی نگاہیں امیر نوح کے چہرے پر پڑیں تو ہیبت بادشاہی

نے اُسے ایسا مجبور کیا کہ بے اختیار گھوڑے سے کود پڑا اور رکاب کو بوسہ دیا۔ امیر نوح نے بھی بیحد اعزاز اور خوشی کے ساتھ سبکتگین کو گلے لگایا۔ ان دونوں ہر دلعزیز امیروں کے ملنے سے دیکھنے والے بیحد خوش ہوئے اور ہر کس ناکس پر خوشی کا ایک خاص اثر ہوا ان دونوں امیروں میں بڑی لطیف اور بے مثل صحبت ملاقات منعقد ہوئی۔ مختصر یہ کہ جب لطف ملاقات ضیافت اور خاطر و مدارات سے فراغت ہوئی تو اصل بات درمیان میں آئی اور امور سلطنت بابت مشورہ ہوا۔ اور دشمنوں کے دفعہ کرنے کی تدبیروں پر صلاح ہونے لگی آخر کار یہ امر قرار پایا کہ سبکتگین کو غزنیں جانا اور اپنے حتی الامکان ایک بڑا لشکر تیار کرنا چاہیئے۔ اس قرارداد کے بعد امیر نوح نے سبکتگین اور اس کی اولاد اور متعلقین کو طرح طرح کی نوازشوں اور بیش بہا خلعتوں سے سرفراز کر کے رخصت کیا۔ اور خود لشکر کشی کا ارادہ کر کے بخارا روانہ ہوا۔ جب امیر ابو علی سجوری کو جس کے پاس فائق پناہ گزیں تھا اس قصے کی اطلاع ہوئی تو یہ بیحد حواس باختہ ہوا اور اپنے ارکان دولت سے اس نے مشورہ کیا کہ اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو کہاں اور کس والی ملک کے پاس جانا چاہیئے ارکان دولت نے یہ مشورہ دیا کہ فخر الدولہ دیلمی سے راہ و رسم بڑھانی چاہیئے اور اسی کی دوستی پر تکیہ کرنا چاہیئے۔ بو علی سجوری نے جعفر ذوالقرنین کو جرجان کا سفیر مقرر کیا اور خراسان اور ترکستان کی بیش بہا چیزیں جو کچھ کہ ہاتھ آئیں فخر الدولہ دیلمی اور اس کے وزیر کے لیئے بھیجیں اور اس طرح پر دوستی کی بنیاد ان کے ساتھ مضبوط کر کے سلسلۂ آمد و رفت شروع کیا اس درمیان میں امیر سبکتگین بلخ پہنچا اور امیر نوح بھی بخارا سے روانہ ہو کر اس سے جا ملا۔ جب فائق اور ابو علی سجوری کو ان کے آنے کی خبر ملی تو یہ دونوں بھی ایک بہت بڑا لشکر ہمراہ لے کر جس میں دارا بن شمس المعالی اور قابوس بن دشمگیر جو فخر الدولہ کی طرف سے دو ہزار سواروں کے ساتھ ان کی مدد کو آئے ہوئے تھے شامل تھے لڑنے کے لیئے ہرات سے باہر نکلے۔ امیر سبکتگین نے ایک وسیع میدان لڑائی کے لیئے منتخب کیا اور میمنہ اور میسرہ کو سپاہیوں سے آراستہ کر کے خود مع

اپنے بیٹے سلطان محمود اور امیر نوح کے قلب فوج میں کھڑا ہو گیا جب دونوں جانب کی صفیں آراستہ ہو گئیں اور لڑائی شروع ہوئی تو بو علی سمجوری کا میمنہ و میسرہ امیر نوح کے دونوں دستوں پر غالب آیا اور امیر نوح کی فوج کے پاؤں اکھڑنے لگے قریب تھا کہ بنا بنایا کام بگڑ جائے کہ دفعۃً دارابن قابوس نے بوعلی سمجوری کے قلب لشکر سے نکل کر حملہ کیا اور جب دونوں صفوں کے درمیان پہنچا تو سپر کو پس پشت پھینک کر امیر نوح کے سامنے حاضر ہوا اور اس سے اجازت لے کر لشکر خراسان کے مقابلے کے لیئے میدان میں آیا۔ جب دوسرے دغا پیشہ امیروں اور اکثر سپاہیوں نے یہ ماجرا دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ قابوس نے تنہا اس غداری کی جرات نہ کی ہوگی بلکہ فوج کا ایک بڑا حصہ اس کا شریک حال ہو گیا ہو گا سب کے سب دل شکستہ ہو کر بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑے رہ گئے۔ امیر ناصر الدین نے جب حریف کے لشکر کی پریشانی اور کمزوری دیکھی تو اپنی فوج کے منتخب بہادروں کے ایک دستے کو ہمراہ لے کر دشمن کے لشکر پر حملہ کیا۔ خراسانی فوج اس پرزور حملے سے بدحواس ہو کر سامنے سے بھاگ گئی۔ سلطان محمود نے ان فراریوں کا پیچھا کیا اور بہتوں کو قتل اور باقی ماندہ کو قید کر لیا یہ فراری بدنصیب جنھوں نے اپنے آقا کے ساتھ غداری کی تھی اتنا مال اور ہتھیار وغیرہ چھوڑ کر بھاگے کہ اگر اس کا دسواں حصہ بھی اپنی عزت و ناموس کے بچانے میں صرف کرتے تو زمانے کی مصیبتوں سے ہمیشہ کے لیئے محفوظ رہتے۔ جب فائق اور امیر بوعلی سمجوری نیشاپور بھاگ گئے تو امیر نوح نے سبکتگین کو ناصر الدین کا خطاب دیا اور اس کے بیٹے سلطان محمود کو سیف الدولہ کا لقب عطا کر کے امیر الامرائی کا منصب جو ابوعلی سمجوری کو تھا سیف الدولہ کو عنایت کیا اور خود کامیاب و بامراد بخارا کی طرف روانہ ہوا جب امیر ناصر الدین اور سلطان محمود بڑی شان و شوکت کے ساتھ نیشاپور روانہ ہوئے تو فائق اور امیر ابوعلی سمجوری پریشان ہو کر جرجان بھاگ گئے اور فخر الدولہ دیلمی کے پاس پناہ لی۔ جب امیر ناصر الدین غزنین کو روانہ ہوا اور سلطان محمود تنہا نیشاپور میں رہ گیا تو ابوعلی سمجوری اور فائق نے

موقعہ دیکھ کر قبل اس کے کہ امیر نوح اور امیر ناصر الدین کی طرف سے سلطان محمود کو مدد پہنچے اس پر حملہ کر کے فتح حاصل کی اور تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا امیر ناصر الدین نے اس وحشت اثر خبر کو سن کر ایک جنگجو فوج تیار کی اور نیشاپور کی طرف چلا طوس کے پاس ناصر الدین اور امیر ابو علی اور فائق میں مُٹ بھیڑ ہوئی۔ دونوں لشکر لڑائی میں مشغول ہوئے ہنوز لڑائی کا بازار پورا گرم نہ ہوا تھا کہ ابو علی سمجوری کی فوج کے پیچھے گرد و غبار اٹھا اور تھوڑی دیر کے بعد سبھوں نے دیکھا کہ سلطان محمود بھی ایک جرار فوج کے ساتھ سامنے سے چلا آرہا ہے۔ اب امیر ابو علی نے خیریت اسی میں دیکھی کہ اپنے میمنہ اور میسرہ دونوں دستوں کو قلب فوج سے ملا کر فائق کی فوج کے ساتھ امیر ناصر الدین کے قلب فوج پر حملہ کرے امیر ناصر الدین نے اس حملے کو پامردی کے ساتھ روکا اور اپنے قدم معرکۂ جنگ میں جمائے رہا کہ اتنے میں سلطان محمود اپنی جرار فوج کے ساتھ دشمن کے سر پر شمشیر کی طرح پہنچا۔ اور اس کی فوج کو بدحواس اور پریشان کر دیا۔ امیر ابو علی سمجوری اور فائق اپنی جان بچا کر بے سروپا بھاگے اور قلعہ کلات[۵۹] میں جا کر پناہ گزیں ہوئے۔ اس فتح کے بعد سبکتگین نے آخر دم تک آرام و اطمینان کے ساتھ فرمانروائی کی اور چھپن سال کی عمر میں بلخ کے قریب موضع ترمذ[۶۰] میں شعبان ۳۸۷ھ میں دنیا سے کوچ کر گیا۔ مرنے کے بعد اس کے جسم کو عماری میں رکھ کر غزنین لے آئے اور وہیں اسے دفن کیا۔ سبکتگین نے بیس سال حکومت کی اور اس کے مرنے کے بعد چودہ آدمیوں نے اس کی اولاد سے نوبت بہ نوبت حکومت کی اور لاہور اور اس کے اطراف پر قابض رہے۔ امیر ناصر الدین کا وزیر ابو العباس فضل ابن احمد اسفرائینی تھا یہ وزیر انتظام سلطنت رعیت کی نگہداشت سپاہ اور فوج کی درستگی غرض کہ ہر بات میں کامل تھا۔

جامع الحکایات میں لکھا ہے کہ امیر ناصر الدین جب نیشاپور میں الپتگین کا ملازم تھا تو اس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا جس پر سوار ہو کر تمام دن جنگل میں پھرتا اور جانوروں کا شکار کیا کرتا تھا ایک روز اس نے دیکھا کہ ایک ہرنی اپنے بچے کو ساتھ لیے جنگل میں چر رہی ہے سبکتگین نے

ہرنی کو دیکھتے ہی گھوڑا دوڑایا اور وہاں پہنچکر ہرنی کے بچے کو پکڑ لیا اور اس کے
ہاتھ پاؤں باندھ کر گھوڑے کی زین سے اُسے باندھ دیا اور شہر کی طرف
چلا۔ سبکتگین تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ اُس نے پیچھے مڑکر دیکھا تو کیا دیکھا
کہ اُس بچے کی ماں پیچھے پیچھے چلی آرہی ہے۔ اور اس کی صورت اور
حرکات سے اضطراب اور رنج ظاہر ہو رہا ہے یہ ماجرا دیکھ کر امیر ناصر الدین
کو اس بے زبان جانور پر رحم آیا اور اس کے بچے کو فوراً چھوڑ دیا ہرنی اپنے
بچے کی رہائی سے بیحد خوش ہوئی اور جنگل کے طرف چلی تھوڑی دور چلتی تھی
اور بار بار مڑکر امیر ناصر الدین کو دیکھتی تھی اور جب تک کے سامنا رہا اسی طرح
برابر اپنی خوشی کا اظہار کرتی رہی۔ جس روز کہ امیر ناصر الدین نے اس بے زبان
جانور پر رحم کیا۔ اسی رات حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں
دیکھا کہ سرور عالم فرماتے ہیں۔ کہ اے امیر ناصر الدین جو شفقت اور رحم تو نے
ایک عاجز اور پریشان حال جانور پر کیا ہے وہ خدا کی بارگاہ میں بیحد مقبول
ہوا اور اس کے صلے میں تجھے حکومت اور سلطنت عطا کی جاتی ہے چاہیئے
کہ جب تو خلق خدا پر حاکم بنایا جائے تو اپنا یہی طریقہ رکھے اور کسی حال میں
بھی رحم کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ اس لیئے کہ یہی صفت دین دنیا دونوں
عالم کا سرمایہ ہے۔ معاصر الملوک میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے اپنے
آغاز شباب اور باپ کی زندگی میں غزنین میں ایک سرسبز وشاداب باغ لگایا
اور اس باغ میں ایک بڑی عالیشان اور نازک عمارت تعمیر کرائی جب باغ
اور مکان پوری طرح پر تیار او آراستہ ہوگئے تو ایک بہت بڑا جشن منعقد کیا
اور اپنے باپ امیر ناصر الدین اور دوسرے ارکان دولت کو اس باغ میں
مدعو کیا۔ جب امیر ناصر الدین نے باغ اور مکان کو دیکھا تو محمود سے کہا کہ
اے فرزند اگرچہ یہ باغ وعمارت بہت ہی خوبصورت اور دلکش ہے لیکن
اس طرح کا باغ اور ایسی عمارت تو تمہارے ملازمین میں سے بھی ہر شخص
بنا سکتا ہے۔ بادشاہوں کی شان تو اس کی مقتضی ہے کہ ایسی عمارت کی
طرح ڈالیں کہ دوسرے اس کا مثل نہ بنا سکیں۔ محمود نے ادب سے پوچھا

کہ وہ کون عمارت ہے جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں سبکتگین نے جواب دیا کہ اس عمارت سے مراد اہل علم کے دل ہیں اس گھر کی زمین میں اگر تم اپنے احسان اور محبت کی تخم ریزی کرو اور وہ بار آور ہو تو اس کے پھل البتہ اس قابل ہوں گے کہ ان کے چکھنے سے دین و دنیا کی سعادت کا مزا تمھیں ملیگا۔ اور تمہارا نام نیک قیامت تک دنیا میں باقی رہے گا ترجمہ یمینی میں لکھا ہے کہ سبکتگین نے مرض الموت سے چند دن پہلے اثنائے گفتگو میں ایک روز شیخ ابو الفتح سے یہ کہا تھا کہ ہم بنی نوع انسان کا نازل شدہ مصیبتوں کے دور کرنے کی فکر اور لاحق شدہ امراض کے زائل کرنے کی تدبیر کرنا بالکل اس بھیڑ کی طرح ہے کہ جس کو قصاب جب پہلی مرتبہ بال کترنے کے لیئے زمین پر لٹاتا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں کو مضبوط باندھتا ہے۔ تو بھیڑ اپنے اوپر ایک نئی اور انوکھی مصیبت نازل دیکھکر نا امید ہو جاتی ہے اور مرنے کے لیئے بالکل تیار ہو جاتی ہے یہانتک کہ قصاب اپنے کام سے فارغ ہو کر اس کو چھوڑ دیتا ہے اور بھیڑ آزاد ہو کر خوشی سے اچھلنے لگتی ہے۔ دوسری مرتبہ جب کبھی وہ قصاب کے ہاتھ آتی ہے تو اس کی حالت شک و شبہ کی ہوتی ہے۔ خوف و رجا دونوں اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ لیکن جب قصاب اسے چھوڑ دیتا ہے تو پھر وہ خوش ہو جاتی ہے اور خوف کا شائبہ بھی اس کے دل میں باقی نہیں رہتا۔ تیسری مرتبہ جب قصاب ذبح کرنے کے ارادے سے اس کو زمین پر گراتا ہے تو اسے بالکل خوف نہیں رہتا اور وہ یہ جانتی ہے کہ پہلے واقعات کی طرح یہ بھی اس کی آزادی میں ایک وقفہ ہے جو تھوڑی دیر میں گذر جائے گا۔ وہ اسی خیال میں رہتی ہے اور بے خبری کے عالم میں اس کا گلا چھری سے کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ اپنی جان سے گذر جاتی ہے۔ ہم انسان بھی چونکہ ہمیشہ طرح طرح کی مصیبتوں اور نت نئے امراض میں روزانہ مبتلا ہوا کرتے ہیں۔ اس لیئے ہر مصیبت اور ہر مرض میں ازالہ اور افاقے کی امید کر کے ہم ہمیشہ مطمئن اور خوش رہتے ہیں یہانتک کہ آخری مصیبت موت کا پیام لے کر آتی ہے اور اسی غفلت کی حالت میں ہمارے گلے میں موت کا پھندا ڈال کر کشاں کشاں

اس دنیا سے کھینچ لے جاتی ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ سبکتگین کی اس گفتگو اور اس کی موت میں صرف چار روز کا فصل واقع ہوا واللہ اعلم بالصواب۔

امیر اسمٰعیل بن امیر ناصر الدین سبکتگین کا ذکر

جب امیر ناصر الدین نے اس دنیا سے رحلت کی تو چونکہ سیف الدولہ سلطان محمود نیشاپور میں تھا اس کا چھوٹا بھائی امیر اسمٰعیل اپنے باپ کی نصیحت کے موافق بلخ میں اس کا جانشین ہوا۔ امیر اسمٰعیل نے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے اور لوگوں کی تالیف قلوب کرنے میں بجد کوشش کی۔ باپ کے جمع کئے ہوئے خزانے کو اہل لشکر پر تقسیم کیا اور سپاہیوں کی دلجوئی اور خاطر داری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ لیکن باوجود ان رعایتوں اور مدارات کے ناحق شناس فوجیوں کی طمع روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور روزانہ اہل لشکر نت نئے مطالبات کیا کرتے تھے اور امیر اسمٰعیل کے قابو میں نہ آتے تھے سلطان محمود نے یہ خبریں نیشاپور میں سنیں اور بھائی کو ایک تعزیت نامہ لکھا۔ محمود نے ابوالحسن حموی کے ہاتھ امیر اسمٰعیل کے پاس وہ خط بھیجا۔ اور یہ پیام دیا کہ امیر ناصر الدین۔ جو ہم سب کے پشت پناہ تھے اس دنیا سے اب رحلت کر گئے ہیں اور ان کے بعد تم سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں ہے تم میری آنکھیں ہو جو کچھ تمہاری آرزو ہو میں اسکو پورا کرنے کے لیئے تیار ہوں لیکن قیام سلطنت اور انتظام مملکت کے لیئے فرمانروا کو سن رسیدہ پختہ کار اور صاحب سیاست ہونا ضروری ہے اگر تم میں یہ صفات ہوتیں تو میں تم سے زیادہ کسی کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیئے راضی نہ ہوتا باپ نے جو تم کو اپنا جانشین بنایا ہے اس کا منشاء صرف مصلحت وقت اور ملک کی محافظت تھا جو میری دوری کی وجہ سے اس وقت اور زیادہ اہم ہو گیا تھا اب مصلحت وقت یہ ہے کہ اچھائی اور برائی میں تمیز کرو اور واقعے کو ٹھنڈے دل سے سوچو انصاف کو ہاتھ سے ند دو اور جو کچھ باپ کا متروکہ ہے اس کو شریعت کیموافق تقسیم کرو غزنیں کو جو ہماری حکومت اور حشمت کا سرچشمہ ہے مجھے دو تا کہ میں بلخ

و خراسان کو دشمنوں سے پاک کر کے تمہارے سپرد کردوں ؛
امیر اسمٰعیل نے بھائی کی نصیحت نہ سنی اور مخالفت پر اڑا رہا سلطان محمود نے جب دیکھا کہ زبانی نصیحت سے کام نہیں چلتا تو اس مشہور مثل پر کہ آخری حیلہ مار ہے عمل کیا۔ اور اپنے چچا معز الحق اور اپنے چھوٹے بھائی نصیر الدین کو اپنے ساتھ لے کر نیشا پور سے غزنین کی طرف چلا۔ امیر اسمٰعیل بھی بلخ سے آگے بڑھا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے تو سلطان محمود نے آخری مرتبہ پھر یہ کوشش کی کہ امیر اسمٰعیل لڑائی سے باز رہے اور طرفین میں صلح ہو جائے لیکن اس کوشش کا نتیجہ نیک نہ ہوا اور اسمٰعیل اپنی ضد پر اڑا رہا۔ محمود نے لاچار اپنی صفیں آراستہ کیں اور امیر اسمٰعیل بھی اپنے ارکان حکومت کے ساتھ میدان جنگ میں آیا اور اپنی فوج کا ہر پہلو مضبوط اور درست کر کے کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ سامنے آیا۔ دونوں طرف سے لڑائی کا بازار گرم ہوا اور میدان میں خون کی ندیاں بہ گئیں آخر کار سلطان محمود نے اپنے قلب لشکر سے نکل کر حریف پر حملہ کیا اس حملے سے دشمن کے لشکر میں ہل چل مچ گئی اور امیر اسمٰعیل کی فوج پریشان ہو کر بھاگی اور غزنین میں قلعہ بند ہو گئی۔ سلطان محمود نے ان سے عہد و پیمان کرنے کے بعد انہیں قلعے سے باہر نکالا ملک کے خزانے پر قبضہ کیا اور اپنے معتبر لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کر کے خود بلخ روانہ ہوا اس لڑائی کے چند روز بعد ایک دن امیر اسمٰعیل اپنے بھائی کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور یگانگت اور محبت کی باتیں ہو رہی تھیں سلطان محمود نے کسی تقریب سے اس پرانی لڑائی کا ذکر چھیڑا اور اسمٰعیل سے پوچھا کہ اگر تمہارا اقبال یاوری کرتا اور میں تمہارے ہاتھ میں گرفتار ہو جاتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے اسمٰعیل نے جواب دیا کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ میں اگر تم پر فتح پاؤنگا تو تمھیں ایک قلعے میں نظر بند کر دونگا اور تمام سامان راحت و آرام کا اسی قلعے میں تمہارے لیئے مہیا کر دونگا سلطان محمود کو جب اپنے بھائی کا مافی الضمیر معلوم ہو گیا تو اس نے اس تذکرے کو موقوف کیا اور شاد و خوش ہو گیا چند دنوں کے بعد محمود نے امیر اسمٰعیل کو جرجان کے قلعے میں نظر بند کر دیا اور اسی قلعے میں راحت اور آرام کے تمام سامان مہیا کر

اس طرح میر اسمٰعیل کا جو خیال تھا وہ خود اس کے لیئے پورا ہوا۔

امین الملت یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی کے

عہد حکومت کے واقعات کا ذکر

تمام معتبر مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی ہر قسم کے دینی و دنیاوی سعادتوں اور خوبیوں کا جامع تھا اور اپنی عدالت سیاست شجاعت اور فتوحات کی وجہ سے دنیا کے ہر ہر گوشے میں مشہور و معروف تھا اس کی لڑائی زیادہ تر اسلام اور انصاف کے برکات پھیلانے اور ظلم کی بنیاد ڈھانے پر مبنی تھیں۔ اس کے استقلال اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں سیلاب کی طرح دوڑتا ہوا چلا جاتا تھا اور نشیب و فراز کا کچھ خیال نہیں کرتا تھا۔ انصاف کی یہ حالت تھی کہ نزدیک و دور ہر جگہ اس کی معدلت کا ڈنکہ بجتا تھا۔

لیکن باوجود اس شہرت اور نام آوری کے بعض مورخین نے اس کو حریص اور طامع لکھا ہے اور اس اولوالعزمی اور بلند حوصلگی پر بھی اسے بخیل اور ممسک ثابت کیا ہے اس ناچیز مورخ محمد قاسم فرشتہ کی یہ رائے ہے کہ ایسے بادشاہ اولوالعزم کو بخیل اور ممسک کہنا ان مورخین کی بے انصافی اور کم توجہی ہے البتہ یہ صحیح ہے کہ اُسے روپیے سے محبت تھی اور حتی الامکان روپیے کے جمع کرنے کا شائق تھا لیکن اس کے ساتھ فراخ دلی سے دولت کو خرچ بھی کرتا تھا۔ فتح بلاد مقامات ابونصر مشکاتی اور مجلدات ابوالفضل تمام معتبر کتابیں اس بات پر گواہ ہیں کہ جس قدر اہل علم شاعر اور بہادران روزگار اس کے دربار میں جمع تھے شاید ہی کسی شاہی دربار میں جمع ہوئے ہوں اور سمجھنے والے جانتے ہیں کہ اہل علم کا ایسا مجمع بلا بخشش اور عطیوں کے کہیں اکھٹا نہیں ہو سکتا۔ اہل کمال کو یہ ہمیشہ دوست رکھتا تھا اور ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتا تھا۔ مقررہ تنخواہ کے علاوہ چار لاکھ درم سالانہ

اور انھیں تقسیم کرتا تھا اور ہر طرح ان کی خاطر و مدارات کیا کرتا تھا ان اوصاف پر بھی جو یہ بادشاہ بخیل مشہور ہوا اس کی وجہ بظاہر دو واقعے معلوم ہوتے ہیں ایک فردوسی طوسی کا قصہ اور دوسرے آخر عمر میں بلا ضرورت رعایا اور دولتمندوں سے روپیہ لینا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان محمود صورت کا خوش نما اور خوب نہ تھا۔ ایک روز اس نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا اور اپنی بد صورتی پر متفکر اور رنجیدہ ہوا۔ اور اپنے وزیر سے کہا کہ مشہور ہے کہ بادشاہوں کی صورت دیکھکر انسان کی آنکھوں میں روشنی آتی ہے۔ ایک میری صورت ہے کہ جسے دیکھ کر شاید دیکھنے والوں کو تکلیف پہنچتی ہو وزیر نے کہا تمہاری صورت تو شاید ہزاروں میں کوئی ایک دیکھتا ہو لیکن تمہاری سیرت سے سبھوں کو واسطہ ہے عمدہ سیرت اختیار کرو اور اسی پر مستقل رہو لوگوں میں خود بخود محبوب اور ہر دلعزیز ہو جاؤ گے محمود کو وزیر کی یہ بات بیحد پسند آئی اور اس کے کہنے کے موافق پسندہ سیرت اس حد تک اختیار کی کہ تمام بادشاہوں سے زیادہ ہر دلعزیز و محبوب ہو گیا سلطان محمود کی ماں ایک زابلی شریف کی بیٹی تھی چنانچہ اسی وجہ سے محمود کو زابلی بھی کہتے ہیں۔ سلطان محمود شب عاشورا ۳۵۷ھ میں پیدا ہوا۔ کتاب منہاج السراج (مورخ جوزجانی) لکھتا ہے کہ سلطان محمود کے نصیبے کا ستارہ اور صاحب ملت اسلام علیہ السلام کے طالع مبارک کا ستارہ ایک ہی تھا۔ اس کے پیدا ہونے سے ایک ساعت قبل اس کے باپ سبکتگین نے خواب دیکھا کہ اس کے گھر میں آتشدان کے اندر سے ایک درخت نکلا اور اتنا بلند ہوا کہ تمام دنیا اس کے سائے میں آگئی۔ سبکتگین بیدار ہو کر اس خواب کی تعبیر سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً ایک شخص نے محمود کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی۔ سبکتگین اس خبر کو سن کر خوشی سے پھول گیا اور اس خواب سے جس کی ابتدا اور انتہا اچھی تھی خوش ہوا اور اسدیں قائم کیں اور بیٹے کا نام محمود رکھا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ لڑکا جوان ہو کر عظیم الشان فرمانروا ہوا اور اس کی سلطنت کی وسعت اتنی بڑھی کہ تقریباً تمام دنیا کے

اس کے انصاف کے سائے میں راحت و آرام پایا چنانچہ فردوسی شاہ نامے میں بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی زمانے میں امیر ناصر الدین سبکتگین نے ہندوؤں کے اس مشہور بت خانے کو جو سودرہ کے کنارے پر واقع تھا مسمار کیا اور گویا اس طرح اپنے عقیدے کے موافق اس مولود کی پیدائش کا شکریہ خدا کی درگاہ میں بجا لایا اور اپنے فرزند کے طالع کی مدد سے جو پیمبر اسلام کے طالع سے موافقت رکھتا تھا بت پرستوں کے مقابلے میں مدد حاصل کی جلوس محمودی کے پہلے ہی سال سیستان میں ایک کان سونے کی درخت کی شکل کی زمین کے اندر نمودار ہوئی جتنا اس کان کو کھودتے تھے سونا برآمد ہوتا تھا یہانتک کہ کھودتے کھودتے اس کان کا حلقہ تین گز مدور ہوگیا۔ یہ کان عرصے تک باقی رہی یہانتک کہ سلطان مسعود کے زمانے میں زلزلے کی وجہ سے معدوم ہوگئی۔ جب سلطان محمود نے بھائی کی لڑائی سے فراغت حاصل کی تو بلخ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور چونکہ خراسان کی امیر الامرائی کا منصب جو محمود اور اس کے باپ کا تمغۂ افتخار تھا اس زمانے میں بکتوزن کے سپرد ہوگیا تھا اس لیئے اس نے ایک قاصد امیر منصور کے پاس بخارا بھیجا اور اس منصب سے علیحدہ ہونے پر اظہار رنج کیا منصور نے جواب دیا کہ بلخ ترمز اور ہرات کی امیر الامرائی میں نے تمھیں عطا کردی ہے چونکہ بکتوزن اس خاندان کا قدیم ہی خواہ ہے بلا وجہ اس کو اس عہدے سے معزول کرنا مناسب نہیں ہے۔

سلطان محمود نے ابو الحسن حموی کو بہت سے تحفوں اور تبرکات کے ساتھ امیر منصور کے پاس بھیجا اور یہ پیام دیا کہ بادشاہ کی دوراندیشی سے مجھے امید ہے کہ ہماری قدیم دوستی اور اخلاص کی مضبوط بناء کم توجہی کی وجہ سے کمزور نہوگی اور میرے اور میرے باپ کے حقوق خدمت جو آل سامان کے ذمے ہیں ضائع نہونگے اور دنیا کی کوئی چیز ہماری الفت اور محبت کے رشتہ کو توڑ کر اطاعت اور فرمانبرداری کی بنیاد کو ڈھانہ سکے گی۔ جب ابو الحسن حموی بخارا پہنچا تو امیر منصور نے اس کو اپنی وزارت کے عہدے کا امید دار بنا کر اسے اپنے پاس رکھ لیا اور سلطان محمود کے سوال کا

کوئی جواب نہ دیا محمود غزنوی نے اب مجبوراً نیشاپور پر فوج کشی کی بکتوزن
کو جب اس لشکر کشی کی اطلاع ہوئی تو خود خوف کے مارے شہر چھوڑ کر
بھاگ گیا اور ایک خط کے ذریعے سے امیر منصور کو حقیقت حال کی اطلاع
دی۔ امیر منصور نے حقیقت حال سے واقف ہوتے ہی جلد جلد لشکر
تیار کیا اور جوانی کے نشے میں سرشار ہو کر سلطان محمود کے مقابلے کے
لیئے نیشاپور چلا اور سرخس میں جا کر دم لیا سلطان محمود اگرچہ یہ جانتا تھا کہ
منصور اس کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا لیکن کفران نعمت کے بد نما دھبے
سے اپنے دامن کو آلودہ کرنا اچھا نہ سمجھا اور نیشاپور کو چھوڑ کر مرغاب چلا گیا
اسی زمانے میں بکتوزن نے فایق کے مشورے سے غداری کی اور امیر
منصور کو گرفتار کر کے اس کی آنکھوں میں لوہے کی سلائی پھرائی
اور منصور کے چھوٹے بھائی عبد الملک کو جو بہت کم سن تھا تخت حکومت
پر بٹھا کر خود سلطان محمود کے خوف سے مرو بھاگ گیا۔ سلطان محمود نے
اس خبر کے سنتے ہی اس کا پیچھا کیا اور مرو پہنچکر بکتوزن اور فایق سے
معرکہ آرائی کی چونکہ ان دونوں بدنصیبوں کے سر پر کفران نعمت کا وبال
سوار تھا اور ان کو ان کی نمک حرامی کی سزا ملنی تھی اس لڑائی میں ان
کو شکست ہوئی اور فتح سلطان محمود کو نصیب ہوئی۔ فایق عبد الملک کو
ساتھ لے کر بخارا بھاگا اور بکتوزن نے نیشاپور کی راہ لی تھوڑے دنوں
کے بعد بکتوزن کے سر میں پھر لڑائی کا سودا سمایا اور اس نے بخارا پہنچکر
پراگندہ لشکر کو اکٹھا کرنا شروع کیا لیکن قبل اس کے کہ لشکر تیار ہو فائق کو
موت نے آدبایا اور اس نے دنیا سے کوچ کیا۔ فائق کے مرتے ہی
ایلک خاں کاشغر سے بخارا پہنچا اور اس نے عبد الملک اور ان کے
ہوا خواہوں کو نیست و نابود کر دیا عبد الملک کے مرتے ہی آل سامان کی
حکومت جو ایک سو اٹھائیس سال سے برابر چلی آرہی تھی ختم ہوئی۔ ان
دھندوں کے مٹ جانے کے بعد سلطان محمود اطمینان کے ساتھ بلخ اور
خراسان پر حکومت کرنے لگا۔ جب محمود کی عظمت اور شوکت کا آوازہ

دنیا کے ہر گوشے میں بلند ہوا تو خلیفہ بغداد القادر باللہ عباسی نے ایک بیش قیمت خلعت کہ اس سے پہلے ایسا خلعت کسی خلیفہ نے کسی بادشاہ کو نہ بھیجا تھا سلطان محمود کے لئے روانہ کیا اور محمود کو امین الملت یمین الدولہ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ آخر ذیقعدہ ۳۹۰ھ میں محمود بلخ سے ہرات آیا اور ہرات سے سیستان پہنچکر سیستان کے حاکم خلیف بن احمد کو اپنا اطاعت گذار بنا کر غزنی واپس گیا۔ غزنی پہنچتے ہی محمود نے ہندوستان کی طرف توجہ کی اور ہند کے چند قلعوں پر قبضہ کر کے اپنے دارالسلطنت کو واپس گیا اور عدل وانصاف کے ساتھ ایسی حکومت کی کہ خاص وعام سبھوں کے دل میں اپنی جگہ کر لی ایلک خاں نے ماوراء النہر کو آل سامان کے قبضے سے نکال کر فتح نامہ سلطان محمود کی خدمت میں بھیجا اور مملکت خراسان پر قبضہ پانے کی مبارکباد دی اس فتح نامہ اور مبارکباد کا یہ نتیجہ ہوا کہ محمود اور ایلک خاں میں دوستی کی بنیاد بہت مضبوط ہوگئی اور اس کے عوض میں سلطان محمود نے بھی ابوالطیب سہل بن سلیمان معلوکی کو جو اپنے وقت کے مشہور محدث تھے قاصد بنا کر ایلک خاں کے پاس بھیجا۔ محمود نے ایلک خاں کی ایک بیٹی کے ساتھ نکاح کرنیکی درخواست کی اور حد شمار سے زیادہ قیمتی اور نفیس یاقوت و لعل اور زمرد اور مروارید اور مونگے کی لڑیاں اور عنبر کے ڈبے اور روپیے اور اشرفیوں کے توڑے اور خوشبودار کافوری بتیاں اور دوسرے ہندوستان کے تبرکات اور عود کے درخت ہندی تلواریں اور کوہ پیکر ہاتھی زرین اور چمکدار جھول اور زیورات سے آراستہ کہ جس کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں اور تیز رفتار عدیم المثال گھوڑے بیش قیمت ساز ویراق سے لدے ہوئے بطور تحفے کے ابوالطیب کے ہمراہ روانہ کیئے امام ابوالطیب ترکستان پہنچے اور ایلک خاں کے حکم سے ترکوں نے جو اکثر مسلمان ہوچکے تھے امام کی بیحد تعظیم وتکریم کی۔ امام ابوالطیب اوزکند میں اس وقت تک مقیم رہے جبتک کہ پیام بری کا کام اچھی طرح انجام نہ دے لیا سفارت کو خیر وخوبی کے ساتھ انجام دینے کے بعد ابوالطیب ایلک خاں کے دئے

ہوئے نفیس اور نادرالوجود تحفے خالص سونا اور چاندی خطا اور ختن کے خوبرو لونڈی اور غلام قاقم و سمور اور دیگر طرح طرح کے نفائس ہمراہ لیکر سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس خدمت گزاری کے صلے میں طرح طرح کے شاہی انعامات سے سرفراز ہوئے اس کے بعد مدت دراز تک سلطان محمود اور ایلک خاں میں رابطہ اتحاد اور یگانگت قائم رہا یہانتک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ زمانے کی گردش اور غمازوں کی ہنرم کشتی سے دونوں جگری دوست ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے محمود نے اب اپنے پرانے عہد کو کہ مہمات سلطنت سے فراغت حاصل کرکے اکثر اوقات ہندوں پر حملہ کیا کرےگا پورا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور طے کیا کہ تقریباً ہر سال ایک خاص موسم میں ہندوستان پر حملہ آور ہوکر غیر مسلموں سے معرکہ آرائی کرے چنانچہ شوال ۳۹۱ھ میں غزنین سے دس ہزار سواروں کے ساتھ پشاور آیا۔ جیپال بھی بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار پیادوں اور تین سو ہاتھیوں کا ایک جرار لشکر تیار کرکے محمود کے مقابلے میں آیا ۸ محرم دوشنبہ کے دن ۳۹۲ھ میں دونوں فریق ایک دوسرے سے گتھ گئے اور ہر گروہ نے پوری مردانگی دکھائی اس لڑائی میں فتح سلطان محمود کو نصیب ہوئی اور اسلامی فاتح ہونے کی وجہ سے محمود غازی کے لقب سے مشہور ہوا۔ جیپال پندرہ آدمیوں کے ساتھ جو سب اس کے بیٹے اور عزیز تھے دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہوا ہندو فوج کے پانچ ہزار سپاہی قتل ہوئے اور باقی بدحواس ہوکر دشمن کے سامنے سے بھاگ گئے۔ اس فتح میں بہت سا مال غنیمت محمود کے ہاتھ آیا۔ منجملہ اور دوسرے چیزوں کے سولہ جڑاؤ مالے تھے جو قیدیوں کے گلے سے اتار کر محمود کی خدمت میں پیش کئے گئے جن میں سے ہر ایک کی قیمت مبصر جوہریوں نے ایک لاکھ اسی ہزار دینار آنکی۔ سلطان محمود پشاور سے پھنڈہ[۶۵] کے قلعے کو گیا اور اس کو بھی فتح کرکے مملکت اسلام میں داخل کیا جب موسم بہار قریب آیا تو محمود نے راجہ جیپال اور دوسرے قیدیوں کو اپنا باج گذار بنا کر قید سے رہا کیا اور بہت سے سرکش افغان سرداروں کو تلوار کے گھاٹ اتارا

اور بعضوں کو اپنا ملازم بنا کر غزنین کے طرف مراجعت کی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو ہندو راجہ دو بار مسلمانوں سے شکست کھائے یا ان کے قید میں گرفتار ہو وہ الٰہی قانون کے مطابق سلطنت کے قابل نہیں رہتا اور اس کے اس گناہ کو سوا آگ کے اور کوئی دوسری چیز پاک نہیں کر سکتی۔ اس قاعدے کے موافق چونکہ جیپال دو مرتبہ محمود کے مقابلے میں شکست کھا چکا تھا اس لیئے اس نے اپنے بیٹے انندپال کو اپنا ولی عہد مقرر کرکے اپنے کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا محرم ۳۹۳ھ میں محمود پھر سیستان گیا اور اس مرتبہ خلیف بن قیس کو اپنے ساتھ غزنین لے آیا اور تھوڑے دنوں کے بعد ہندوستان کی فتح کا سودا پھر محمود کے سر میں سمایا۔ ۳۹۵ھ میں محمود غزنین سے بھاطنہ[۴۶] کی طرف چلا اور ملتان کی سرحد سے گذر کر بھاطنہ میں مقیم ہوا بھاطنہ کے گرد جو شہر پناہ کھنچی ہوئی تھی وہ بیحد بلند اور مضبوط تھی اور اس کے گرد ایک خندق تھی جس کی تہاہ کا پتا نہ تھا خندق کا منہ بہت ہی چوڑا تھا بھاطنہ میں بجے راؤ[۴۷] نامی راجہ فرمانروائی کرتا تھا اور کثرت فوج اور ہاتھیوں کی طاقت اور قوت پر اس قدر مغرور تھا کہ نہ تو سبکتگین کے ہندوستانی نائبوں کو کسی خیال میں لاتا تھا اور نہ جیپال کی پوری طرح اطاعت و فرمانبرداری کرتا تھا۔ جب سلطان محمود اس کی سرکوبی کے لیئے اس طرف بڑھا تو بجے راؤ نے بھی اپنے لشکر کو جمع کرکے مسلمانوں کے مقابلے میں صف آرائی کی اور لڑائی کا بازار گرم ہوا تین روز متواتر لڑائی ہوتی رہی اور طرفین نے فتح کے لیئے جان توڑ کوششیں کیں لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا اور قریب تھا کہ لشکر اسلام کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ جائیں اور ہندوؤں کو فتح ہو کہ سلطان محمود نے اپنے لشکر میں منادی کرائی کہ آج جنگ سلطانی ہوگی لشکر کا ہر شخص جوان اور بوڑھا جان دینے کے لیئے تیار ہو جائے اور مقابلے کے لیئے میدان میں آئے۔ جب بجے راؤ کو مسلمانوں کے ارادے سے اطلاع

ہوئی تو پریشان ہو کر بت خانے میں آیا اور اپنے معبودوں سے مدد مانگی
اور اپنی فوج کو مسلح ہونے کا حکم دیا۔ لشکر کو تیار کرکے بڑی عظمت و شان
سے شہر سے نکل کر میدان جنگ میں آیا مسلمانوں نے میمنہ اور میسرہ
دونوں جانب سے ایکبارگی ہندوؤں پر حملہ کر دیا اور چاشت کے وقت
سے لے کر آفتاب ڈھلنے تک مردانگی اور شجاعت کے جوہر دکھاتے
رہے اگرچہ طرفین سے بے شمار آدمی لڑائی میں کام آ گئے لیکن پھر بھی
کسی فریق کے پاؤں میدان سے نہ اکھڑے۔ سلطان محمود نے بدحواس
ہو کر خدا کی درگاہ میں فتح کی دعا مانگی اور حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
کی روح مبارک سے مدد طلب کرکے اسلامی قلب لشکر کو اپنے ہمراہ لیا۔
اور ہندوؤں کے قلب لشکر پر حملہ کیا۔ محمود کے اس حملے سے ہندوؤں کی
فوج کا شیرازہ بکھر گیا اور ان کے قدم لڑائی سے اکھڑ گئے۔ راجہ بجے راؤ
اپنے فراری لشکر کو لے کر قلعے میں پناہ گزیں ہوا اور محمود نے اس
قلعے کا محاصرہ کرکے خندق کو پاٹنے کا حکم دیا۔ جب خندق تقریباً پٹ
گئی۔ اور بجے راؤ نے دیکھا کہ اب حریف کے ہاتھ سے چھٹکارا محال
ہے تو بدحواسی کے عالم میں لشکر کو محمود کے مقابلے میں چھوڑ کر خود اپنے
خاص ندیموں کے ہمراہ قلعے سے بھاگا اور سندھ کے ایک جنگل میں جا چھپا
محمود کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو اس نے لشکر اسلام کا ایک دستہ
بجے راؤ کے تعاقب میں روانہ کیا ان مسلمان بہادروں نے جا کر ایسا
اُسے چاروں طرف سے گھیرا کہ بجے راؤ کو سوا جان دینے کے اور کوئی
چارۂ کار نظر نہ آیا اور اس نے بدحواسی کے عالم میں اپنے ہاتھ سے خنجر
اپنے سینہ میں بھوک لیا۔ مسلمان سپاہیوں نے اس کا سر کاٹ کر محمود کے
پاس روانہ کیا اور اس کے ہمرائیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا اس فتح میں
دو سو اسی ہاتھی اور دیگر بیش قیمت چیزیں مال غنیمت ہاتھ آئیں اور بھاطنہ
مع اپنے مضافات کے اسلامی مملکت میں شامل ہو گیا۔ سلطان محمود
اس فتح کے بعد غزنین واپس گیا ۳۹۶ھ میں پھر محمود نے ملتان پر حملہ

کرنے کا ارادہ کر کے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ ملتان کا مرحوم حاکم شیخ حمید لودی امیر سبکتگین کے ہی خواہوں میں تھا اور ہر طرح پر امیر مرحوم کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا تھا شیخ حمید کے بعد اس کا بے دین پوتا ابوالفتح ملتان کا حاکم ہوا کچھ دنوں تو ابوالفتح نے بھی آبائی طریقے پر عمل کیا اور اپنے کو محمود کے حلقہ بگوشوں میں سمجھتا رہا لیکن آخر کار دین کے ساتھ حقوق خدمت سے بھی برگشتہ ہو گیا اور جب محمود نے بھاطنہ کا محاصرہ کیا تو ابوالفتح نے اپنی کورنمکی کا عملی ثبوت دینا شروع کیا اور بہت سے حرکات ناشائستہ ایسے اس سے سرزد ہوئے کہ جلد سے جلد اس کی تنبیہ کرنا ناگزیر معلوم ہوا لیکن محمود نے قصداً اس سال چشم پوشی کی اور ابوالفتح سے کچھ تعرض نہ کیا۔ دوسرے سال سلطان نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اس ناحق شناس کو اس کی بدکرداری کی مناسب سزا دے کتاب زین الاخبار کی روایت کے موافق محمود نے غیر معمولی راستے سے سفر اختیار کیا اور فوراً ابوالفتح پر حملہ کیا۔ راجہ انندپال بیچ میں حائل ہو کر محمود کا سد راہ ہوا اور اس کی کامیابی میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگا آخر کار اسلامی فوج کے مقابلے میں شکست کھا کر کشمیر کے طرف بھاگا۔ مورخ الفی کی روایت یہ ہے کہ جب ابوالفتح کو محمود کی روانگی کی خبر ہوئی تو اس نے پریشان ہو کر انندپال کو محمود کے ارادے سے آگاہ کیا اور اس سے مدد مانگی انندپال ناعاقبت اندیش نے اس مرتبہ بھی جابلانہ دلیری سے کام لیا اور لاہور سے پشاور پہنچکر اپنے امیروں کو اسلامی لشکر کے روکنے کے لیئے روانہ کیا انندپال کی اس حرکت سے سلطان بہت غضبناک ہوا اور لشکر کو حکم دیا کہ پہلے اسی ناعاقبت اندیش کے مقابلے میں صف آرا ہو کر اس کے ملک کو تاراج و تباہ کرے۔ بہادران لشکر نے سلطان کے حکم کی تعمیل کی اور دلیرانہ انندپال کے مقابلے میں آئے اور ایسی جانبازی اور سرفروشی سے لڑے کہ دشمن کی فوج کو بدحواس اور منتشر کر دیا انندپال نے جب لشکر کا یہ حال دیکھا تو اپنی جان بچا کر بھاگا۔ سلطان نے فوج کا ایک دستہ اس کے تعاقب میں روانہ کیا

جب اسلامی فوج موردہ کے مضافات میں دریائے چناب کے کنارے تک پہنچ گئی تو انندپال کے ہاتھ پاؤں اور پھول گئے اور خوف زدہ ہوکر کوہستان کشمیر میں جا چھپا۔ سلطان نے بھی اب زیادہ پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنی اصلی غرض یعنے فتح ملتان کو پیش نظر رکھ کر بہپندہ ہوتا ہوا ملتان کی طرف بڑھا۔ جب ابوالفتح نے یہ دیکھا کہ ہند کے سب سے بڑے راجہ کا محمود کے مقابلے میں یہ حشر ہوا تو خیریت اسی میں دیکھی کہ خود قلعہ بند ہو جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور نہایت منت اور عاجزی کے ساتھ سلطان محمود کی خدمت میں عفو تقصیر کی التجا کی اور اقرار کیا کہ ہر سال بیس ہزار اشرفیاں بارگاہ سلطانی میں پیش کیا کرے گا اور الحاد اور زندقہ سے توبہ کرکے شرعی احکام پر خود بھی عمل پیرا ہوگا اور انہیں قوانین کو اپنے ملک میں بھی جاری کرے گا۔ سلطان نے ابوالفتح کی التجا کو قبول کیا اور محاصرے کے آٹھویں دن مذکورۂ بالا شرائط پر صلح کرکے واپسی کا ارادہ کیا ہنوز سوار بھی نہونے پایا تھا کہ ارسلان جاذب حاکم ہرات کے تیز رو قاصد خدمت سلطانی میں حاضر ہوئے اور ایلک خاں کی حملہ آوری اور اس کی غارتگری کی سلطان کو خبر کر دی۔ سلطان محمود نے جلد سے جلد بھٹنڈا کے اہم کاموں کو سکھپال کے سپرد کئے اور خود غزنین کو روانہ ہوا۔ سکھپال دراصل ایک ہندو راجہ کا بیٹا تھا جو پشاور میں ابوعلی سیمجوری کے ہاتھ میں گرفتار ہوکر مسلمان ہوگیا تھا۔ اور جو عام طور پر اب بانشا کے نام سے مشہور ہے۔ ایلک خاں کے حملے کی روایت اور اسکی خود طویل داستان حسب ذیل ہے۔

ہم پیشتر لکھ چکے ہیں کہ ایلک خاں اور محمود میں عرصۂ دراز تک دوستی رہی اور محبت کا ارتباط قائم رہا اس ارتباط کو خسر دامادی کے رشتے نے اور مضبوط کر دیا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد مفسدوں اور غمازوں کی شرارت نے اس محبت کو دشمنی سے بدل دیا اور دونوں دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ

جب سلطان محمود نے ملتان کی طرف کوچ کیا اور خراسان سے فوج کا ایک بہت بڑا زبردست حصہ سلطان کے ہمراہ چلا گیا تو ایلک خاں کی طمع کی رگ پھڑکی اور اس نے خراسان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اپنے لشکر کے سپہ سالار سیاوش تگین کو ایک جرار لشکر کے ساتھ خراسان کی تسخیر کے لیئے بھیجا اور جعفر تگین کو بلخ کا کوتوال مقرر کیا ارسلان جاذب حاکم ہرات نے اس خبر کے سنتے ہی غزنین کے طرف کوچ کیا تاکہ وہاں پہنچکر دارالخلافت کی حفاظت کرے چونکہ خراسان کے بیشتر امراء سلطان محمود کی اس طویل غیبت سے طرح طرح کی وسوسوں میں گرفتار تھے اس لیئے انہوں نے مجبوراً ایلک خاں کی اطاعت قبول کر لی سلطان محمود نے غزنین پہنچکر ایک بہت بڑی فوج حشر انبوہ تیار کی اور بلخ کو روانہ ہوا۔ جعفر تگین سلطانی آمد کی خبر سنتے ہی بلخ سے بھاگا اور ترمز میں جاکر اس نے پناہ لی ارسلان جاذب سلطانی حکم پاتے ہی سیاوش تگین کی طرف بڑھا اور ہرات سے ماوراالنہر روانہ ہوا۔ ایلک خاں نے قدر خاں بادشاہ چین سے مدد مانگی قدر خاں پانچ ہزار سوار ہمراہ لے کر ایلک خاں کی مدد کو آیا اس نئی مدد سے ایلک خاں کا دل بڑھا اور قدر خاں کے ساتھ دریائے جیحون کے پار اترا اور بلخ سے چار کوس کے فاصلے پر سلطان محمود کے مقابلے میں خیمہ زن ہوا سلطان محمود نے خود اپنے لشکر کو اس طرح پر آراستہ کیا کہ قلب فوج پر اپنے بھائی امیر نصیر الدین حاکم جرجان اور نصر فریعون اور عبداللہ طائی کو مقرر کیا اور میمنہ پر التونتاش کو متعین کیا اور میسرہ کو ارسلان جاذب اور دیگر افغانی اور خلجی امیروں کے سپرد کیا اور پانچ سو کوہ پیکر ہاتھی صف بستہ لشکر کے سامنے کھڑے کیئے۔ دوسری جانب ایلک خاں نے اپنے لشکر کی اس طرح پر ترتیب دی کہ قلب لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور میمنہ پر قدر خاں کو اور میسرہ پر جعفر تگین کو مقرر کیا۔ دونوں لشکر سیماب وار ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سے ساری دنیا کو اپنے سر پر اٹھا لیا گرد و غبار کی وجہ سے

لڑائی کا میدان بالکل تیرہ وتار ہوگیا اور اس شدت کے ساتھ لڑائی کا بازار گرم تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی تلواروں اور نیزوں کے ضرب سے میدان میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ ایلک خاں اپنے خاصے کے غلاموں کا ایک دستہ ساتھ لے کر آگے بڑھ آیا تھا اور داد مردانگی دے رہا تھا سلطان محمود نے جب ترکوں کی یہ جانبازی اور سرفروشی دیکھی تو گھوڑے سے نیچے اترا اور جبین نیاز کو خاک پر رکھ کر الحاح وزاری کے ساتھ خدا کی درگاہ میں فتح کی دعا مانگی۔ صدقات اور خیرات کی منتیں مان کر ایک زبردست ہاتھی پر سوار ہوا اور خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے دشمن کے لشکر پر حملہ آور ہوا چونکہ رحمت الٰہی محمود کے سر پر سایہ فگن تھی اس کے ہاتھی نے پہلے ہی حملے میں ایلک خاں کے علم بردار کو سونڈ میں لپیٹ کر اوپر اچھالا اور اس کے بعد ترکوں کی لشکر کی طرف بڑھا اور بیشمار ترکوں کو ہلاک کیا جب غزنوی فوج نے اپنے بادشاہ کو اس مردانگی اور دلیری کے ساتھ دشمن کے لشکر پر حملہ آور دیکھا تو تمام فوج نے بالاتفاق حریف پر یورش کر دی اور تلوار اور نیزوں کی جانگداز ضربوں سے ترکوں کا بھیجا نکال لیا ترکوں کی فوج میں ایسی بدحواسی اور ابتری پھیلی کہ سپاہی سرداروں کو چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگے ایلک خاں اور قدرخاں نے بڑی دقتوں سے اپنی جان بچائی اور اس طرح بے تحاشہ بھاگے کہ دریائے جیحون کو پار اتر کے انھوں نے اپنے ہی ملک میں دم لیا۔ تاریخ یمینی میں مذکور ہے کہ سلطان محمود نے ارادہ کیا کہ ہزیمت دینے کے بعد ایلک خاں کا پیچھا کرے لیکن چونکہ جاڑے کا موسم تھا اور اس طرف سردی زیادہ پڑتی تھی اس لیئے اکثر امراء نے عذر کیا کہ لشکر کا بیشتر حصہ اس سردی کو برداشت نہ کر سکے گا۔ لیکن چونکہ خود سلطان محمود کو اس معاملے میں بے حد اصرار تھا۔ اس لیئے ناچار لشکر نے بھی سلطانی حکم کی تعمیل کی اور بادشاہ کے ساتھ سپاہی بھی ایلک خاں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ روانگی کی تیسری رات جنگل میں سخت برف باری ہوئی اور اتنی شدید سردی

ہوئی کہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں ٹھٹھرنے لگے بادشاہ کے لیئے ایک خیمہ کھڑا کیا
گیا اور اس قدر انگیٹھیاں سلگائی گئیں کہ اکثر حاضرین مجلس گرمی کی وجہ سے
جاڑے کے کپڑے اتارنے پر تیار ہوگئے اسی درمیان میں ایک پروردہ غلام
بادشاہ کے سامنے آیا بادشاہ نے اس سے مذاقاً کہا کہ باہر جاکر جاڑے
سے کہ کہ کیوں تو اپنی جان توڑ کر کوشش کرتا ہے ہمارا تو گرمی کے مارے
یہ حال ہے کہ کپڑے بدن سے اتارنے پر تیار ہیں پروردہ غلام فوراً باہر گیا اور
پھر لوٹ کر آیا اور ادب سے عرض کیا کہ میں نے بادشاہ کا پیغام جاڑے
کو پہنچایا۔ جاڑا یہ کہتا ہے کہ اگرچہ بادشاہ اور اس کے خاص مصاحبوں
پر میرا قابو نہیں چلتا لیکن سائیسوں اور دوسرے ملازموں کو آج کی رات
اتنا ستاؤنگا کہ کل بادشاہ اور اس کے امراء اپنے گھوڑوں کی تیمارداری
اپنے ہاتھوں سے کرینگے اور مجھ سے انھیں کسی قسم کی شکایت نہوگی بادشاہ
نے اگرچہ پروردہ غلام سے صرف ایک سادہ مذاق کیا تھا لیکن اس جواب سے
دل میں پشیمان ہوا اور واپسی کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اُسی رات ہندوستان سے
بھی یہ خبر پہنچی کہ ابسارا نے مرتد ہوکر پھر اپنا آبائی دین اختیار کرلیا ہے
اور میدان خالی دیکھ کر اُس نے بادشاہ کے عاملوں کو شہر سے باہر
نکال دیا ہے اس لیئے بادشاہ نے صبح کو فوراً ہندوستان کی طرف کوچ
کیا اور منزل بمنزل سفر کرتا رہا چند جاگیردار امیروں کو اپنے آگے ہی سے
جلد روانہ کیا تاکہ ابسارا کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے آئیں ابسارا گرفتار
ہوکر محمود کے سامنے آیا اور محمود نے چار لاکھ درم اس سے لے کر اپنے
خزانچی کو دیئے اور ابسارا کو قید کیا ابسارا نے اسی قید میں وفات پائی محمود نے
غزنین کے طرف کوچ کیا دارالخلافت پہنچکر محمود نے تھوڑے دنوں آرام
لیا چونکہ جب محمود نے تسخیر ملتان کا ارادہ کیا تھا تو انندپال سے چند ناشائستہ
حرکات عمل میں آئے تھے اس لیئے ۳۹۹ھ میں محمود نے پھر لشکر جمع کرکے
ہندوستان پر حملہ کیا اس خبر کو سن کر انندپال بدحواس ہوگیا اور محمود کے
مقابلے میں ہندوستان کے دوسرے راجاؤں سے اس نے مدد مانگی

چونکہ مسلمانوں کی مدافعت کرنا ہندوؤں کے نزدیک ثواب اور ترقی درجات کا باعث ہے اس لیئے ہندوستان کے راجاؤں نے جس میں۔ اجین۔ گوالیار کالنجر۔ قنوج۔ دہلی اور اجمیر کے راجہ بھی شامل تھے۔ انند پال کو کافی مدد دی اور دستے کے دستے فوج کے پنجاب کی طرف روانہ ہوئے اور جتنی فوج کہ امیر سبکتگین کے وقت میں جمع ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ فوج اس مرتبہ جمع کرکے انند پال کی ماتحتی میں محمود کے مقابلے کے لیئے روانہ ہوئے اور پشاور کے جنگل میں محمود کے لشکر سے جا ملے اگرچہ تقریباً چالیس روز دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں خیمہ زن رہے لیکن لڑائی کی ابتدا کسی طرف سے بھی نہ ہوئی ہندوؤں کا لشکر دن بدن بڑھتا جاتا تھا اور چاروں طرف سے ان کو تازہ مدد پہنچتی رہتی تھی یہانتک کہ کھکر کے ہندو بھی انندپال سے جا ملے اور ایسی قیامت برپا کی کہ ان کی دشمنی اور معرکہ انگیزی سے مسلمانوں میں وہ انتشار پیدا ہوا کہ عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر اپنے شوہروں کو اس لیئے روپیہ بھیجا کہ لڑائی کی ضروریات میں روپے کو صرف کرکے ہندوؤں کے مقابلے میں جان توڑ کوشش کریں جن غریب عورتوں کو اور کچھ دسترس نہ تھا وہ چرخہ کات کے اور مزدوری کرکے اپنے عزیزوں اور شوہروں کو برابر کچھ نہ کچھ مدد خرچ بھیجتی رہیں۔ محمود کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ ہندو اس مرتبہ بالکل سرفروشی کیلئے تیار ہیں تو اس نے بھی لڑائی شروع کرنے میں بیحد احتیاط سے کام لیا اور لشکر کے دونوں طرف خندق کھودنے کا حکم دیا تاکہ کسی طرف سے بھی ہندوؤں کا بس نہ چلے اس کے بعد محمود نے لڑائی شروع کی ایک ہزار تیر انداز سلطان کے حکم کے موافق آگے بڑھے اور ہندوؤں پر تیر برساتے ہوئے ان کو اپنے لشکر کے قریب سپاہیانہ حیلے سے لے آئے جب مسلمان ان سپاہیوں کے مقابلے میں آئے تو باوجود اس احتیاط کے بھی تیس ہزار کھکر کے سپاہی ننگے سر اور ننگے پاؤں ایک ہی جا ننگا از حربہ ہاتھوں میں لیئے ہوئے عین بھڑکتی ہوئی لڑائی میں لشکر کے دونوں طرف

سے یورش کر کے خندق کو پھاند گئے اور مسلمانوں کے لشکر میں گھس آئے
اور حسن خدمت کے نشے میں سرشار اسلامی سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور
تلواروں نیزوں اور بھالوں کی ضرب سے راکب و مرکب دونوں کو تہ تیغ
کرنے لگے۔ ان گھکڑی جنگلیوں نے تین چار ہزار مسلمانوں کو شہید کیا اور
اتنی گرم سرفروشی دکھائی کہ سلطان محمود نے ارادہ کر لیا کہ اس روز لڑائی کو
موقوف کر کے قیام گاہ کو واپس آ جائے کہ دفعتاً انندپال کا ہاتھی گولے اور
بارود کی آوازوں سے بھڑک کر معرکۂ جنگ سے بھاگا۔ سپاہی یہ سمجھے کہ
مسلمانوں کی تیغ زنی سے خائف ہو کر انندپال کے پاؤں میدان جنگ
سے اکھڑ گئے ہیں جب سپاہیوں نے ہندوستان کے سب سے بڑے
راجہ کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو خود بھی لڑائی سے منہ موڑ کر فرار ہوئے
عبد اللہ طائی پانچ یا چھ ہزار عربی سواروں کے ساتھ اور ارسلان جاذب
دو ہزار ترکی افغانی اور خلجی سپاہیوں کے ساتھ دو دن اور دو رات بھاگنے
والوں کے پیچھے رہے۔ اور آٹھ ہزار ہندوؤں کو ان دونوں نے قتل کیا
اور تیس عدد ہاتھی اور بیشمار غنیمت ایک جا کر کے دونوں سردار سلطان محمود
کی خدمت میں حاضر ہوئے اس فتح کے بعد سلطان نے اور مزید تقویت دین
اور اشاعت اسلام کا مصمم ارادہ کیا اور نگر کوٹ کے ہندوؤں سے لڑنے
اور وہاں کے بتخانے کو توڑنے کے لیئے روانہ ہوا۔ اس زمانے میں
نگر کوٹ کا قلعہ بھیم قلعے کے نام سے موسوم اور مشہور تھا۔ سلطان محمود
منزل بمنزل سفر کرتا ہوا نگر کوٹ پہنچا اور اس قلعے کے محاصرے کا حکم دیا۔
اور اطراف و جوانب کی غیر مسلم آبادی کو جی کھول کر تہ تیغ کیا۔ یہ قلعہ راجہ
بھیم کے زمانے میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا تھا اور ہندو اس قلعے
کو مخزن اصنام سمجھتے تھے چاروں طرف کے راجہ نقد روپیے اور اشرفیاں
جواہرات اور طرح طرح کی نفیس چیزیں نذرانے کے طور پر وہاں بھیجتے تھے
اور اس کو خدا کی بارگاہ میں بہت بڑا ذریعہ تقرب کا سمجھتے تھے۔ چونکہ اس
قلعے میں ہر طرف سے روپیہ کھنچ کر چلا آ رہا تھا اس لیئے جتنا سونا چاندی

جواہر موتی اور مونگا یہاں جمع تھا شاید ہی کبھی کسی بادشاہ کے خزانے میں اس قدر دولت اکٹھا ہوئی ہو۔ چونکہ قلعہ بہادر سپاہیوں سے بالکل خالی تھا اور وہاں کے رہنے والے زیادہ تر برہمن اور بت خانے کے پجاری تھے اس لیئے محمود کے اس جرار لشکر کا خوف ان پر چھا گیا اور اس بلند اور رفیع الشان قلعے سے الامان اور الحفیظ کی صدائیں آنے لگیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محاصرے کے تیسرے دن فریادیوں نے قلعے کا دروازہ کھول کر سلطان کی خدمت میں آکر جان کی امان طلب کی۔ محمود نے ان کی جان بخشی کی اور خود اپنے چند خاص مصاحبوں کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا سات لاکھ اشرفیاں سات سو من سونے اور چاندی کے آلات دو سو من خالص سونا دو ہزار من کھری چاندی اور بیس من طرح طرح کی بیش قیمت جواہرات جو کہ راجہ بھیم کے زمانے سے اس بتخانے میں جمع ہو رہے تھے سلطان محمود کے قبضے میں آئے۔ سلطان اس وافر دولت کو لے کر غزنین واپس گیا۔

دارالخلافت پہنچکر سنہ ھ میں محمود نے شہر کے باہر ایک بارگاہ ایستادہ کرائی اور چند سونے اور چاندی کے تخت اس بارگاہ میں بچھوائے جو مال غنیمت نگر کوٹ کی فتح میں ہاتھ آیا تھا میدان میں چن دیا گیا۔ شہریوں اور دیہاتیوں کے گروہ کے گروہ تفریح اور تماشے کے لیئے اس مال کو دیکھنے کے لیئے آتے تھے تین دن تک یہ میلا جاری رہا اور سلطان نے بشمار جشن منعقد کیئے اور نیکوں اور مستحقوں کو بخشش اور عطیوں سے مالا مال کر کے رعایا کی تالیف و قلوب میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

سنہ ۴۰۱ھ میں محمود نے غور پر لشکر کشی کی غور کا حاکم محمد بن ثوری دس ہزار سواروں کے ساتھ مقابلے کے لیئے نکلا اور طرفین سے لڑائی کا بازار گرم ہوا طلوع آفتاب سے لے کر بارہ بجے دن تک لڑائی تیزی کے ساتھ جاری رہی غوری نے اس لڑائی میں پوری مردانگی دکھائی۔ جب سلطان محمود نے غوریوں کی یہ سرفروشی دیکھی تو اپنی فوج کو حکم دیا کہ

حریف کو جنگی فریب کے جال میں گرفتار کریں اور خود دشمن کے سامنے
سے بھاگیں چنانچہ فوج نے ایسا ہی کیا اور غوریوں نے غزنی سپاہ کے
اس بھاگنے کو فرار ہزیمت سمجھ کر اپنے خود کھودے ہوئے خندق کے
پار اتر کے ان کا پیچھا کیا جب غوری سپاہ کھلے میدان میں نکل آئی تو
سلطان محمود نے گھوڑے کی باگ پھیری اور غوریوں پر یورش کر کے
فوج کے بیشتر حصے کو قتل کیا۔ غوری سپاہ محمدؒ بن سوری کو گرفتار کر کے
سلطان محمود کے سامنے لائے لیکن غوری اس ننگ کو برداشت نہ کرسکا
انتہائے رنج میں اس نے زہر آلود نگینے کو چوس کر محمود کی مجلس ہی میں
دنیا کو خیر باد کہا۔ غوری کے مرنے کے بعد ملک محمود کے تصرف میں آیا۔
تاریخ یمینی میں لکھا ہے کہ غوری اس لڑائی کے پہلے مسلمان نہوے تھے
اس فتح کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے لیکن صاحب طبقات ناصری
اور فخر الدین مبارک شاہ وغیرہ مورخین جنھوں نے کہ سلاطین غور کی تاریخیں
لکھی ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ اہل غور حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰؓ کے
زمان خلافت ہی میں مسلمان ہوچکے تھے اور بنی امیہ کے زیر حکومت جب کہ
تمام ممالک اسلام میں خاندان حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
تبرا ظاہر کیا جاتا تھا تو غور ہی ایک مایہ الافتخار ملک تھا جہاں کے باشندے
اہل بیت رسالت صلعم کی شان میں گستاخی کرنے سے پرہیز کرتے رہے
سلطان محمود اسی سال پھر غزنی سے ملتان آیا اور جبر و قہر کے ساتھ ملتان
کو فتح کر کے بہت سے قرمطیوں اور ملحدوں کو اس نے قتل کیا اور بہتوں
کے ہاتھ پیر کاٹے۔ داؤد بن نصیر کو زندہ گرفتار کر کے اپنے ہمراہ غزنین
لے گیا اور غور کے قلعے میں اسے نظر بند کر دیا چنانچہ داؤد نے اسی قلعے
میں وفات پائی۔ سنہ ۳۹۹ھ میں سلطان محمود کے دل میں پھر جہاد کی لہر اٹھی
چونکہ محمود سن چکا تھا کہ تھانیسر ہندوؤں کا کعبہ ہے اور وہاں ایک بہ اناپتخانہ
ہے جس میں بہت سے بت رکھے ہوئے ہیں اور بڑے بت کا نام جگ سوم
ہے اور اس بڑے بت کے بابت ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ اس بت کا وجود

خلقت دنیا کے ساتھ ساتھ ہی ہوا ہے اس لیئے محمود نے ارادہ کیا
کہ اب کی بار تھانیسر پر حملہ کرے جب اس حملے کی نیت سے محمود پنجاب
میں داخل ہوا تو محض اس خیال سے کہ جو صلح نامہ محمود اور انند پال
کے درمیان ہوا ہے اس کی شرائط میں کسی طرح کی بے ضابطگی نہ
پیدا ہو سلطان نے ایک قاصد انند پال کے پاس بھیجکر اس پر اپنا
ارادہ ظاہر کیا اور کہلا بھیجا کہ اب کی بار ہمارا ارادہ تھانیسر پر حملہ کرنے
کا ہے اور چونکہ پنجاب سے تھانیسر تک راستے کو تمام رکاوٹوں سے
پاک کرنا ہے اس لیئے تم اپنے کچھ معتبر آدمی ہمارے ساتھ کر دو تاکہ
جو پرگنہ تمہارا ہو وہ ہماری فوج کے تاخت و تاراج سے محفوظ رہے
انند پال نے اس حکم کی تعمیل کو اپنی بقائے دولت کا سبب سمجھکر سلطان
کی ضیافت اور مہانداری کے تمام سامان جلد جلد مہیا کر دئے اپنی
سلطنت کے سوداگروں اور بنیوں کو حکم دیا کہ مال و اسباب غلہ روغن اور تمام ضروریات
زندگی کی چیزیں سلطانی لشکر میں پہنچائیں اور لشکر کو کسی قسم کی پریشانی
نہونے پائے اور اپنے بھائی کو دو ہزار سواروں کے سرکردگی میں
محمود کی خدمت میں بھیجا۔ اور ایک عریضہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ
میں ہر طرح پر تعمیل ارشاد کے لیئے حاضر ہوں اور آپ کا سچا فرمانبردار
ہوں لیکن اس نیاز اور خلوص کی بنا پر جو مجھے سلطان سے حاصل
ہے اتنا عرض کرنے کی ضرور جراءت کرتا ہوں کہ تھانیسر کا بت خانہ
اہل شہر کا بہت بڑا معبد ہے اور اگرچہ آپ کے مذہب میں بت شکنی
نیکیوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور اپنے گناہوں کا کفارہ ہے لیکن یہ بات
قلعۂ نگر کوٹ کی بت شکنی سے آپ کو حاصل ہو چکی ہے تھانیسر کے
بت خانے کی بابت میری عرض یہ ہے کہ اگر آپ اس کی تباہی کے
عوض کوئی نعل بہا اس کا مقرر فرما کر نے میں اور یہاں کی رعایا کو اپنا
سالانہ خراج گذار بنا کر اپنے ملک کو واپس تشریف لے جائیں تو یہ کمترین
بھی اپنی التجا کے قبول فرمانے کے شکریہ میں ہر سال پچاس ہاتھی

اور دوسرے بیش قیمت تحفے خدمت سلطانی میں بھیجا کریگا۔
سلطان محمود نے جواب دیا کہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مذہب اسلام کو رواج دینے اور غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے مسمار کرنے میں ہم یہاں جتنی کوشش کریں گے اتنا ہی آخرت میں ہمیں ثواب ملے گا جب ہماری نیت یہی ہے کہ ہم بت پرستی کی رسم کو تمام ہندوستان سے مٹا دیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم تھانیسر جیسے مرکز بت پرستی سے کچھ تعرض نہ کریں اور اس کو فتح کرنے کا ارادہ فسخ کریں جب یہ خبر راجہ دہلی نے سنی تو وہ بھی اپنی پوری طاقت سے مسلمانوں سے مقابلہ کرنیکے لیئے تیار ہوا اور ہندوستان کے ہر گوشے میں جلد سے جلد یہ خبر پھیلائی کہ محمود غزنوی بے شمار لشکر ساتھ لے کر میری مملکت کے مشہور معبد تھانیسر پر حملہ کرنے والا ہے۔ اگر پیشتر ہی سے ہم اس سیلاب مصیبت کو روکنے کی تدبیر نہ کریں گے تو یہ مصیبت ملک کے ہر گوشے میں پھیل کر چھوٹے اور بڑے سب کو تباہ و برباد کردیگی میرے نزدیک مناسب یہی ہے کہ ہم سب اپنی اجتماعی قوت صرف کرکے اس آنے والی مصیبت کو دفع کریں لیکن سلطان محمود قبل اس کے کہ ہندوؤں کا لشکر اکٹھا جمع ہو تھانیسر پہنچ گیا شہر کو خالی دیکھ کر مسلمانوں نے دل کھول کر غارتگری کی محمود نے تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور بڑے بت جگ سوم کو غزنین بھیجدیا اور حکم دیا کہ یہ بت شارع عام پر رکھ دیا جائے تاکہ چلنے والوں کے پیروں کے نیچے بالکل پامال ہو جائے مورخ قندھاری کی روایت کے موافق تھانیسر کے ایک بت خانے سے ایک ٹکڑا اسرخ یاقوت کا بھی محمود کے ہاتھ لگا جس کا وزن (۴۵۰) مثقال تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس طرح کا جواہر آج تک دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا۔
اس فتح کے بعد سلطان محمود نے ارادہ کیا کہ دہلی کو مسخر کرے لیکن ارکان دولت نے عرض کیا کہ دہلی اسی وقت فتح ہو سکتی ہے کہ جب تمام صوبہ پنجاب پر اسلامی قبضہ ہو جائے۔ اور انندپال کی طرف سے

کوئی خدشہ اور خطرہ باقی نہ رہے۔ ارکان دولت کی یہ صلاح محمود نے پسند کی اور دہلی کی فتح کا ارادہ فسخ کرکے غزنین واپس گیا اور قریب دو لاکھ کے لونڈی غلام اپنے ہمراہ لے گیا مورخین لکھتے ہیں کہ ان ہندی نظربندوں کی کثرت کی وجہ سے وہاں اتنی ہندوستانی صورتیں نظر آتی تھیں کہ اس سال غزنین بھی ہندوستان ہی کا ایک شہر سمجھا جاتا تھا سلطانی لشکر کا ہر شخص کئی کئی لونڈی اور غلاموں کا مالک ہوگیا۔

۴۰۳ھ میں التون تاش سپہ سالار اور ارسلان جاذب نے غرجستان کی فتح کو مکمل کیا اور شاہ سار ابونصر حاکم غرجستان کو گرفتار کرکے غزنین لے آئے مورخین لکھتے ہیں کہ جس وقت غزنی فوج شاہ سار کو قید کرکے غزنین لا رہی تھی۔ اس وقت شاہ سار کے ایک غلام نے ارادہ کیا کہ غزنین پہنچنے سے پہلے اپنی زوجہ کو اپنے احوال سے اطلاع دے۔ اس بنا پر اس غلام نے شاہ سار سے ایک خط لکھنے کی التجا کی شاہ سار نے ہر چند خط لکھنے سے انکار کیا لیکن غلام نے ایک نہ سنی شاہ سار نے ناچار ہو کر قلم اٹھایا اور اس ضدی غلام کی طرف سے اس کی بیوی کو لکھا کہ اے نابکار قحبہ اور اے سیاہ اعمال تو یہ جانتی ہے کہ تیری بدکاریوں اور افعال بد کی خبر مجھے نہیں پہنچی ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کے حاصل کرنے میں جس طرح تو میرا مال ضایع کر رہی ہے اس کی مجھے اطلاع نہیں ہوئی ہے مگر یاد رکھ کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو رات دن شراب خواری اور بدکاری میں بسر کرتی ہے اور اس طرح میرے گھر بار کو برباد کرکے میری آبرو کو مٹی میں ملا رہی ہے اگر میں بخیر و عافیت پھر وطن واپس آیا تو تجھے تیرے اعمال بد کی سزا دونگا اور اس بدکرداری کا مزہ تجھے چکھاؤنگا اس خط کو سر بمہر کرکے شاہ سار نے خط غلام کو دے دیا۔ جب یہ خط اس غلام کی بیوی کو پہنچا اور اس کا مضمون اس نے سنا تو اس بیچاری کے حواس باختہ ہوگئے اور اس کو یقین ہوگیا کہ دشمنوں نے اس کے شوہر سے جھوٹی سچی باتیں کہہ کر اس کے کان بھر دئے ہیں اس خیال سے خوف زدہ

ہوکر وہ عورت مع چند لونڈیوں کے گھر سے نکل کر ایک کونے میں چھپ رہی جب غلام شاہ سوار کو غزنیں پہنچا کر وطن واپس آیا اور اپنے گھر گیا تو دیکھا کہ گھر کا دروازہ بند ہے اور وہاں آبادی کا نام و نشان تک نہیں غلام نے حیران ہوکر دروازہ کھولا اور دیکھا کہ بھرا ہوا گھر بالکل ویران پڑا ہوا ہے نہ بیوی کا پتہ ہے اور نہ لونڈی غلاموں کا نام و نشان ہے۔ یہ ماجرا دیکھکر غلام نے پڑوسیوں سے حقیقت حال پوچھی اور جب لوگوں نے اس خط کے فضیحت آمیز مضمون سے اُسے آگاہ کیا تو غلام بیچارہ رونے اور سر پیٹنے لگا اور ہر شخص سے یہی کہتا تھا کہ مجھے اس خط کے مضمون کی بالکل اطلاع نہیں۔ اس غریب نے ناچار ہوکر اپنی زوجہ کی جستجو شروع کی اور بہزار خرابی اس کا پتہ لگایا اور اس کو بلا کر عذر و معذرت کرکے بی بی کو اپنے سے راضی کر لیا۔ کہتے ہیں کہ جب شاہ سار پہلی مرتبہ محمود کی بارگاہ میں آیا تو بعض خوش طبع درباریوں نے غلام کے اس قصے کو محمود سے بیان کیا۔ محمود اس قصے کو سن کر مسکرایا اور کہا کہ جو شخص اپنی حد سے باہر قدم رکھتا ہے اور بزرگوں کا پاس ادب نہیں کرتا اس کا ہمیشہ یہی حشر ہوتا ہے۔

اسی زمانے میں محمود نے خلیفۂ بغداد القادر باللہ عباسی کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ چونکہ خراسان کا بیشتر حصہ غزنوی حکومت کے ماتحت ہے اس لیئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ حصۂ خراسان کا جو خلافت کا محکوم ہے وہ بھی حکومت غزنی کے حوالے کر دیا جائے۔ خلیفہ بغداد نے محمود کی اس خواہش کو مجبوراً پورا کیا اور خراسان کلیتہً غزنوی مملکت میں شامل ہوگیا۔ خراسان پر قابض ہونے کے بعد محمود نے خلیفہ سے یہ خواہش کی کہ بذریعۂ فرمان سمرقند بھی محمود کو دیدیا جائے خلیفہ نے اس التجا کو پرزور الفاظ میں مسترد کیا اور محمود کو تہدیداً لکھا کہ اگر میری مرضی کے خلاف تو سمرقند کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے گا تو تمام دنیا کو تیرے خلاف برانگیختہ کردونگا۔ محمود اس جواب سے بہت غضبناک ہوا اور خلیفہ کے

ایلچی سے جواب میں کہا کہ مجھے معلوم ہوا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں ہزاروں
کوہ پیکر ہاتھیوں سے دارالخلافت کو روند ڈالوں اور بارگاہ خلافت کی
خاک کو ان ہاتھیوں کی پیٹھ پر لاد کر غزنین لے آؤں۔ اس جواب کے
حاصل کرنے کے بعد ایلچی بغداد چلا گیا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد ایک خط
لے کر پھر غزنین آیا۔ خلیفہ کا ایلچی جب نامے کا جواب لے کر آیا تو محمود اپنی
بارگاہ میں بیٹھا اور سامنے غلام دست بستہ حاضر ہوئے اور دربار کے
سامنے قطار کی قطار کوہ پیکر ہاتھیوں کی کھڑی ہوئیں ایلچی نے محمود کے
سامنے حاضر ہو کر سربمہر نامہ پیش کیا اور کہا کہ خلیفہ نے فرمایا ہے کہ
تمہارے خط کا یہ جواب ہے۔ خواجہ ابونصر روزنی نے جو امور خارجہ
کا امیر تھا خلیفہ کا نامہ کھولا اور دیکھا کہ خط میں بسم اللہ کے بعد چند سطریں
حروف مقطعات ال م ال م میں لکھی ہوئی تھیں اور ان سطروں کے بعد
اخیر میں لکھا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَآلِہٖ
اَجْمَعِیْنَ اس انوکھے نامے کو پڑھ اور سن کر محمود اور تمام درباری حیران ہوئے اور دیر تک
سوچتے رہے کہ اس کتابت سے خلیفہ کی مراد کیا ہے اور ان مقطعات سے کس بات کی طرف
اشارہ ہے قرآن کی ہر آیت جس کو ان مقطعات سے کچھ بھی تعلق تھا پڑھی گئی اور اس
کی تعبیر پر غور کیا گیا لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ مضمون نامہ کا مطلب کیا ہے کچھ دیر کے بعد
خواجہ ابوبکر قہستانی نے جن کو اب تک دربار میں کچھ زیادہ رسوخ
حاصل نہ ہوا تھا جرأت کر کے عرض کیا کہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ
چونکہ اعلیحضرت نے امیر المومنین کو کوہ پیکر ہاتھیوں کی پامالی سے
ڈرایا تھا ممکن ہے کہ خلیفہ نے اس کے جواب میں سورہ فیل کے
طرف اشارہ کیا ہو اور ان مقطعات سے۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ
بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ مراد ہو۔ محمود نے جیسے ہی یہ تعبیر سنی بیہوش ہو گیا
اور جب ہوش میں آیا تو بہت رویا اور ایلچی سے بے حد معذرت کی
ایلچی کو بیش قیمت تحائف دے کر بغداد واپس کیا اور ابوبکر قہستانی کو
گراں بہا خلعت سے سرفراز کر کے گروہ امرا میں داخل کیا۔

سنہ ۴۰۴ھ میں محمود نے کوہ بالنات کے مشہور قلعے نندنہ پر فوج کشی کی اس زمانے میں انند پال فوت ہوچکا تھا اور اس کا بیٹا لاہور کا راجہ تھا جب اس راجہ نے لشکرکشی کی خبر سنی تو محمود سے مقابلہ کرنا اپنی طاقت سے باہر سمجھا اور چند تجربہ کار لوگوں کو قلعے میں چھوڑکر خود درۂ کشمیر میں جا چھپا۔ محمود نے قلعے کا محاصرہ کیا۔ اور نقب زنی اور نیز قلعہ کشائی کی دوسری تدبیروں سے قلعے کے تسخیر کرنے میں بیحد کوشش کی ان تدبیروں میں اتنی دیر ہوئی کہ اہل قلعہ نے عاجز ہوکر امان طلب کی اور قلعہ محمود کے سپرد کردیا محمود نے قلعے پر قابض ہوکر اپنے ایک معتمد کو اس کا حاکم بنایا اور خود درۂ کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ انند پال کے بیٹے نے جب محمود کے آمد کی خبر سنی تو وہاں سے بھی بھاگا۔ اور محمود نے درے پر قبضہ کرکے بیشمار مال غنیمت حاصل کیا اور بہتوں کو مسلمان کرکے غزنین واپس آیا۔

سنہ ۴۰۶ھ میں محمود نے کشمیر کی فتح کا ارادہ کیا حدود کشمیر میں پہنچ کر قلعۂ لوہ کوٹ کا جو بلندی اور استحکام میں بیحد مشہور و معروف تھا محاصرہ کیا۔ چونکہ قلعہ بیحد مضبوط تھا اس کے سر کرنے میں بہت دیر ہوئی اور برف باری اور جاڑے کی شدت نے غزنی فوج کو ستانا شروع کیا اور نیز اہل قلعہ کو دارالخلافت کشمیر سے مدد بھی پہنچ گئی۔ اس لیئے محمود محاصرے سے دست بردار ہوکر غزنین واپس چلا رستے میں لشکر نے راہ گم کردی اور ایک ایسی جگہ پہنچے کہ جہاں تمام جنگل پانی سے بھرا ہوا تھا جس طرف جاتے تھے پانی ہی پانی نظر آتا تھا اس پانی میں بہت سے لشکری ہلاک ہوئے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ تسخیر ہندوستان میں محمود کو سب سے پہلا حادثۂ بد جو پیش آیا وہ یہی واقعہ تھا چند دنوں حیرانی اور پریشانی کے بعد محمود نے اس پانی سے نجات پائی اور بلا کسی کاربراری کے غزنین پہنچا۔ اسی سال ابوالعباس مامون خوارزم شاہ نے محمود کو ایک نامہ لکھا اور محمود سے درخواست

کی کہ اپنی بہن کا نکاح ابوالعباس کے ساتھ کر دے محمود نے اس درخواست کو قبول کیا اور اپنی بہن کو خوارزم شاہ کے حبالہ عقد میں دے دیا۔

سنہ ۴۰۷ھ محمود کو معلوم ہوا کہ چند سرکشوں نے فتنہ برپا کیا اور خوارزم شاہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ محمود اس خبر کو سنتے ہی غزنین سے بلخ پہنچا اور وہاں سے خوارزم کی طرف روانہ ہوا جب خوارزم کی سرحد کے قریب حضر بند تک پہنچا تو اپنے ایک امیر محمدؒ طائی کو مقدمۃ الجیش بنا کر فوج کے آگے روانہ کیا اور خود ایک مقام پر ٹھہر گیا۔ ایک دن جب کہ غزنوی فوج نے ایک منزل میں قیام کیا اور تمام سپاہی صبح کی نماز میں مشغول ہوئے تو دفعتاً اہل خوارزم کے سپہ سالار خمار تاش نے کمین گاہ سے نکل کر غزنوی نمازیوں پر حملہ کیا اور بہتوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا سلطان نے نماز سے فراغت پاتے ہی ایک بہت بڑی فوج جس میں کل سپاہی اس کے خاصے کے غلام تھے اس جماعت کے تعاقب کے لئے مقرر کی یہ فوج خمار تاش کو گرفتار کر کے محمود کے سامنے لائی محمود اس کو گرفتار کر کے ہزار اسپ کے قلعے پر پہنچا اس قلعے کے قریب خوارزمی سپاہ یکجا جمع ہو کر محمود کے مقابلے میں صف آرا ہوئی فریقین میں سخت لڑائی ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خوارزم کو شکست ہوئی اور اس کا سپہ سالار البتگین بخاری قید ہوا۔ اس کے بعد محمود خوارزم پہنچا اور سب سے پہلے ابوالعباس کے قاتلوں سے قصاص لیا اور اپنے امیر حاجب التون تاش کو خطاب خوارزم شاہی دے کر خوارزم اور آورگنج کا حاکم بنایا خوارزم کی فتح کے بعد محمود بلخ پہنچا اور اپنے بیٹے امیر مسعود کو ہرات کا حاکم مقرر کیا اور ابوسہل محمدؒ بن حسین زوزنی کو مسعود کا وکیل مقرر کر کے اس کے ہمراہ بھیجا۔

اپنے دوسرے بیٹے امیر محمدؒ کو۔ محمود نے گورکان کا والی مقرر کیا اور ابوبکر قہستانی کو امیر محمدؒ کے ہمراہ روانہ کیا۔

جب محمود نے خوارزم کی مہم سے پورا اطمینان حاصل کرلیا تو اس سال موسم سرما بُست میں بسر کیا تاکہ سپاہیوں کو کچھ آرام مل جائے جاڑے کا زمانہ گذر جانے کے بعد اوایل موسم بہار سنہ ۴۰۹ھ میں جب کہ بہار کی وجہ سے آب وہوا میں اعتدال اور سبزہ دریاحین میں شگفتگی پیدا ہوتی ہے محمود ایک لاکھ سوار اپنے خاصے کے اور بیس ہزار سپاہی دیگر مطیعان اسلام میں سے جو ترکستان۔ ماوراالنہر۔ اور خراسان وغیرہ سے جہاد کی نیت سے آئے ہوئے تھے اور سلطان کے سفر کے منتظر تھے اپنے ہمراہ لے کر قنوج کی طرف چلا تاریخ میں یہ بات ثابت ہے کہ گشتاسب کے زمانے سے لے کر محمود کے عہد تک کسی بیگانہ قوم نے قنوج پر حملہ کشی نہ کی تھی۔ اتنے زمانہ دراز کے بعد محمود پہلا شخص ہے جو قنوج پر حملہ آور ہوا۔ غزنین سے قنوج تک تین مہینے کی راہ ہے اور راستے میں سات عظیم الشان دریاؤں سے عبور کرنا پڑتا ہے۔ جب محمود حدود کشمیر میں پہنچا تو کشمیر کے حاکم نے بیش قیمت تحفے اور ہدیے خدمت سلطانی میں پیش کیے اور بادشاہی عنایات سے سرفراز ہو کر محمود کے لشکر کا مقدمۃ الجیش بن کر ہمراہ روانہ ہوا۔ لشکر اسلام سفر کی منزلیں طے کرنے کے بعد قنوج پہنچا اور قلعہ پر نظر پڑی تو مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ سربفلک قلعہ استحکام اور بلندی میں تمام ہندوستان میں بے نظیر ہے۔ قنوج کے راجہ کا نام کوٹ رہ تھا اور باوجود اس کے کہ یہ راجہ اپنے وقت کا ایک عظیم الشان فرمانروا تھا لیکن سپاہ اسلام کی کثرت اور بادشاہ اسلام کی حشمت و شوکت دیکھ کر سہم گیا اور اپنے میں اس عظیم الشان لشکر کے مقابلے کی طاقت نہ دیکھ کر ایلچی سلطان کی خدمت میں بھیجے اور اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا چونکہ اس راجہ کے اقبال میں کچھ فتور آیا تھا بلاکسی جبر واکراہ کے مع اپنے بیٹوں اور درباریوں کے قلعے کے باہر آیا اور محمود کی خدمت میں پہنچ کر اس نے اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا محمود نے راجہ کورا کو خاص

عنایتوں سے سرفراز کرکے اپنے حلقہ بگوشوں میں داخل کیا۔ صاحب حبیب السیر کا بیان ہے کہ راجہ کورا اطاعت کے ساتھ اسلام بھی لے آیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قنوج میں تین روز قیام کرنے کے بعد محمود نے قلعۂ میرٹھ کے طرف باگ موڑی اس قلعے کے راجہ مسمی ہردت نے قلعے کو چند معتبر درباریوں کے سپرد کیا اور خود کسی طرف نکل گیا اہل قلعہ سپاہ اسلام کا مقابلہ نکر سکے اور دو لاکھ پچاس ہزار روپئے اور تیس زنجیر ہاتھی پیش کرکے امان کے طالب ہوئے محمود نے اس نذرانے کو قبول کیا اور ان کو امان دی۔

اس قلعے کی فتح کے بعد محمود قلعہ مہاون کی طرف جو جمنا کے کنارے واقع ہے چلا اس قلعے کے حاکم راجہ کلچند نے جب سنا کہ سپاہ اسلام قریب آگئی تو ایک ہاتھی پر سوار ہوکر چاہتا تھا کہ دریا کے اس پار اتر جائے کہ فوراً ہی بادشاہی لشکر اس کے سر پر پہنچ گیا کلچند نے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا کہ خنجر کھینچ کر پہلے اپنے زن و فرزند کے سر کاٹ ڈالے اور اس کے بعد اسی خنجر کو اپنے سینے میں بھونک کر اپنی بھی جان دیدی اس قلعے سے اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا کہ اس کی تفصیل تقریباً ناممکن ہے منجملہ اور اموال غنیمت کے اسی کوہ پیکر ہاتھی بھی تھے۔

ان مہمات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد محمود نے سنا کہ اس اطراف و نواح میں ایک شہر ہے جسے متھرا کہتے ہیں یہ شہر کرشن کی پیدائش گاہ ہے اور چونکہ ہندو کرشن کو پیغمبر بلکہ خدا کا اوتار جانتے ہیں اس لیئے متھرا کی دولت اور اس کی آبادی اپنا نظیر نہیں رکھتی اور اسقدر عجیب و غریب چیزیں اس شہر میں موجود ہیں کہ صرف دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں محمود نے یہ خبر سنتے ہی متھرا کی طرف توجہ کی اور باوجودیکہ متھرا دہلی کے راجہ کے زیر حکومت تھا پھر بھی کوئی مقابل سامنے نہ آیا۔

محمود بلا کسی زحمت کے کامیاب ہوا اور اس نے دل کھول کر

متھرا کی غارت گری کی بیشمار بت خانے جو شہر اور حوالی شہر میں معمور و آباد تھے محمود نے ان کو توڑ کر اور جلا کر بہت سا زر و جواہر حاصل کیا متھرا کی عمارتوں اور اس کے بلند بت خانوں کے دیکھنے سے محمود کی حیرت کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو محمود نے اس فتح کے بعد غزنین کے امرا کے نام لکھا تھا اس خط میں محمود نے متھرا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ اس شہر میں ایک ہزار سر بفلک محل ہیں جن میں سے اکثر سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں اور بت خانے تو اس قدر ہیں کہ میں انھیں توڑتے توڑتے تھک گیا اور ان کا شمار نہ کر سکا اگر کوئی چاہے کہ اس کے مثل عمارت بنائے تو ممکن ہے کہ دو سو برس میں ایک لاکھ اشرفی صرف کرنے کے بعد تیز اور چالاک معماروں کے ہاتھوں یہ کام انجام دے سکے مورخین لکھتے ہیں کہ علاوہ اور مال غنیمت کے پانچ طلائی بت تھے جن کی آنکھوں میں یاقوت جڑے ہوئے تھے ان کی مجموعی قیمت پچاس ہزار زر سرخ آنکی گئی دوسرے یہ کہ انھی بتوں میں سے ایک بت میں ایک ٹکڑا ارزقی یاقوت کا جڑا ہوا تھا جس کا وزن چار سو مثقال تھا جب یہ بت توڑا گیا تو اٹھانوے ہزار تین سو مثقال سونا اس سے برآمد ہوا۔ ان پانچ طلائی بتوں کے علاوہ چھوٹے اور بڑے چاندی کے سو بت اور تھے ان کو توڑنے کے بعد جو چاندی ان سے حاصل ہوئی وہ سو اونٹوں پر لادی گئی تھی۔ اس بت شکنی کے بعد محمود نے متھرا کے مشہور عمارتوں میں آگ لگادی اور بیس روز کے بعد وہاں سے روانہ ہوا۔

مورخ الفی لکھتا ہے کہ راہ میں محمود نے سنا کہ متھرا کے حوالی میں دریا کے کنارے سات قلعے ہیں جو بلندی اور استحکام میں آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ محمود نے اس خبر کو سنتے ہی ان قلعوں کی طرف باگ موڑی۔ ان قلعوں کے حاکم نے جب محمود کی آنے کی خبر سنی تو بدحواسی کے عالم میں قلعوں کو چھوڑ کر بھاگا۔ محمود نے قلعوں پر قبضہ کیا

اور ان کی عمارت اور ساخت کے دیکھنے میں مشغول تھا کہ ناگاہ اس کی نگاہ ان بت خانوں پر پڑی جن کی بنائے تاریخ چار ہزار سال بتائی جاتی تھی۔ محمود نے ان بت خانوں کو جی کھول کر لوٹا اور وہاں کے تمام اموال و متاع پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد لشکر اسلام نے قلعۂ منج کی طرف کوچ کیا۔ یہ قلعہ بہادر سپاہیوں اور رسد کے تمام لوازمات سے معمور اور آباد تھا۔ محمود نے اس قلعے کا محاصرہ کیا اور پندرہ روز لگاتار قلعہ کشائی کی تدبیریں کرتا رہا اس درمیان میں سلطان نے اہل قلعہ کو ہر طرف سے گھیر کر آمد و رفت کے تمام راستے مسدود کر دیئے جب اہل قلعہ کو معلوم ہوا کہ مسلمان بلا فتح کیئے پیچھا نہ چھوڑیں گے تو ایک جماعت کثیر نے قلعے سے اتر کر اپنے ہاتھوں خود اپنی جانیں دیں اور چند لوگوں نے اپنے بال بچوں سمیت آگ میں کود کر اپنے کو جلا دیا بقیہ اہل قلعہ جو بچ رہے تھے وہ قلعے کا دروازہ کھول کر خنجر بکف میدان میں آئے اور اس قدر لڑے کہ سب کے سب مسلمانوں کی تلوار کا لقمۂ اجل بن گئے۔ محمود نے اس قلعے کے مال و متاع پر قبضہ کر کے قلعۂ چند پال کی طرف کوچ کیا۔ چند پال نے جب دیکھا کہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنا اس کے لیئے محال ہے تو محمود کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ اپنے اہل و عیال اور بیش قیمت مال و جواہر کو اپنے ساتھ لے کر جوار کی کوہستانی چوٹیوں میں جا چھپا۔ محمود نے اس قلعے کے بھی بقیہ مال و متاع پر قبضہ کر کے اس نواح کے مغرور اور سرکش راجہ چند رائے کے راج کی طرف باگ موڑی چند رائے نے بھی چند پال کی تقلید کی اور اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر کوہستان میں پناہ گزیں ہوا۔ مورخین کہتے ہیں کہ چند پال کے پاس ایک قوی ہیکل اور کوہ پیکر ہاتھی تھا جو طاقت اور قد و قامت میں تمام ہندوستان میں ضرب المثل تھا۔ محمود نے بارہا اس ہاتھی کو خریدنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوا تھا۔ چند رائے کے بھاگنے کے بعد اتفاقاً ایک رات وہ ہاتھی بلا فیلبان کے اپنے تھان سے بھاگا اور محمود کے سراپردے کے قریب

آکر کھڑا ہو گیا۔ محمود کے چوبداروں نے بلا کسی زحمت کے ہاتھی کو پکڑ لیا اور سلطان کے حضور میں لے آئے۔ محمود اس ہاتھی کے اس طرح قبضے میں آنے سے اپنے جامے میں پھولا نہ سماتا تھا اور چونکہ محض تائید الٰہی سے بلا کسی خارجی تدبیر کے اس ہاتھی پر محمود کا قبضہ ہوا تھا اس لیئے سلطان نے اس کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منعقد کیا اور اس ہاتھی کا نام خداداد رکھا اور اسے اپنے ہمراہ لے کر اپنی مملکت کو واپس آیا۔ جب محمود غزنین پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ قنوج کے غنایم سفر کی ایک فہرست تیار ہو اور ان کی قیمت کا صحیح اندازہ کیا جائے سلطانی حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور معلوم ہوا کہ اس سفر میں بیس ہزار اشرفیاں اور کئی لاکھ روپے پچاس ہزار لونڈی غلام تین سو پچاس ہاتھی اور دوسرے ان گنتی بیش قیمت تحفے اور ہدیے محمود کے ہاتھ لگے ہیں۔ چونکہ محمود کامیاب و بامراد اس سفر سے واپس آیا تھا اس لیئے اس نے حکم دیا کہ اس عطیئے اور نعمت الٰہی کے شکرانے میں ایک جامع مسجد غزنین میں اس طرح پر تعمیر کرائی جائے کہ اصل عمارت سنگ مرمر کی ہو اور دوسرے بیش قیمت پتھر مربع مسدس مثمن اور مدور ہر شکل کے کاٹ کر عمارت میں نصب کیئے جائیں تاکہ دیکھنے والے عمارت کی خوبی اور متانت سے حیران ہوں اور صاحب عمارت کی ہمت کی داد دیں۔ اس مسجد کی تیاری کے بعد محمود نے اُسے طرح طرح کی آرائش فرش و قنادیل سے اس طرح مزین اور منور کیا کہ کثرت روشنی اور خوبیٔ آرائش سے لوگ اس مسجد کو عروس فلک کہنے لگے۔ اس مسجد سے ملحق محمود نے ایک عظیم الشان مدرسے کی طرح ڈالی اور مدرسے کے کتب خانے کو نادرالوجود اور بہترین کتابوں سے معمور اور آباد کیا۔ مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لیئے بہت سے دیہات وقف کر دیئے گئے تاکہ اس کی آمدنی طلبا اور عملہ مسجد کی رزق اور احتیاج زندگی کی متکفل ہو۔ محمود کے اس بنائے مسجد اور مدرسے کے شوق کو دیکھ کر بہ مقتضائے مثل۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔ امرا اور اعیان سلطنت کو بھی یہی شوق دامنگیر ہوا اور

تھوڑے ہی زمانے میں غزنین کے حدود میں بیشمار مدرسے مسجدیں سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہوگئیں۔
منجملہ اُن بیش قیمت چیزوں کے جو محمود کو اس سفر قنوج میں ہاتھ آئیں ایک عجیب و غریب مرغ بھی تھا جو ہئیت و صورت میں قمری کے مشابہ تھا۔ اس مرغ کی یہ خاصیت تھی کہ جس محفل میں یہ موجود ہوتا اگر اُس محفل میں کسی قسم کا زہرآلود کھانا لایا جاتا تھا تو اس پرند پر اضطراب اور پریشانی کی حالت طاری ہوجاتی اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے۔ محمود نے اس عجیب الخلقت پرند کو مع چند دیگر بیش قیمت تحفوں کے۔ خلیفہ القادر باللہ عباسی کے پاس بغداد بھیجدیا اس پرند کے علاوہ ایک پتھر بھی عجیب التاثیر محمود کے ہاتھ لگا جس کی خاصیت یہ تھی کہ کسی شخص کے بدن پر کتنا ہی گہرا زخم کیوں نہو جس وقت اس پتھر کو گھس کر زخم پر لگا دیتے تھے تو زخم فوراً مندمل ہوجاتا تھا۔
سنہ ۱۴۱۰ میں محمود نے ایک فتح نامہ جس میں اپنے تمام ہندوستانی واقعات کا تفصیلی حال درج تھا خلیفہ بغداد کے خدمت میں بھیجا۔ جس وقت یہ نامہ خلیفہ کے پاس پہنچا تو اس غرض سے ایک بہت بڑی مجلس منعقد کی کہ یہ فتح نامہ برسر ممبر خلق اللہ کو پڑھ کر سنایا جائے۔ لوگوں نے جب اس نامے کو سنا تو رواج شریعت اسلام پر خدا کا شکر ادا کیا اور کفر و ظلمت کی بیخ کنی پر اظہار مسرت کرکے محمود کی جرأت و ہمت پر آفریں کی اور آیندہ کے لیئے خدا سے اس کے حق میں نصرت اور مدد کی دعا مانگی۔
مورخین لکھتے ہیں جس روز یہ مجلس منعقد ہوئی اس روز اہل بغداد پر ذرا ذرا اس قدر مسرت اور خوش حالی طاری تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا آج کا دن بھی عید کا دن ہے اور لوگوں کی مسرت زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ اعلائے اسلام میں ممالک عرب و عجم روم و شام میں جو کارنامے صحابہ کرام نے کیئے ہندوستان میں بھی بعینہ وہی سلطان محمود سے ظاہر ہوئے جس سے محمود نے دین و دنیا دونوں جگہ سعادت حاصل کی ؛

سنہ۴۱۲ھ میں علماء اور زاہدوں کی ایک جماعت نے سلطان محمود کی خدمت میں عرض کیا کہ محمود ہر سال ہندوستان تو جا کر کفار سے جہاد کرتا ہے اور مذہب اسلام کو وہاں شائع کرتا ہے لیکن ایک زمانہ گذر گیا کہ اس کی نگاہ بیت اللہ کے راستوں پر نہیں پڑی مدتیں گذریں کہ کعبے کا راستہ بدویوں اور قرمطیوں کی راہزنی کی وجہ سے بالکل بند پڑا ہوا ہے اور مسلمان اس لوٹ مار کے خوف سے ثواب حج سے محروم ہیں ظاہر ہے کہ خلافت عباسی میں اتنی قوت اب باقی نہیں رہی کہ وہ اس مقدس راستے کو خس و خاشاک سے پاک کرے اس لیئے ضرور ہے کہ محمود ہی اس مصیبت کو دور کرنے کے لیئے آمادہ ہو۔ سلطان نے ان کی التجا کو قبول کیا اور ابو محمدؒ ناصحی کو جو سلطنت غزنویہ کا قاضی القضات تھا حاجیوں کے ایک قافلے کا امیر الحاج مقرر کیا اور بدویوں کے تالیف قلوب کے لیئے تیس ہزار اشرفیاں امیر الحاج کو دیں اور قافلے کو مکے کی طرف روانہ کیا۔ اس قافلے کے ساتھ غزنین کے بہت سے اعیان و اشراف بھی حج بیت اللہ کے لیئے روانہ ہوئے چند دنوں کے بعد یہ قافلہ اپنی منزلیں طے کرتا ہوا ایک جنگل میں پہنچا۔ اور ایک مقام پر جس کو فید کہتے ہیں یہ مقدس قافلہ پہنچا۔ بدوی اپنی عادت کے موافق سد راہ ہوئے۔ ابو محمدؒ ناصحی نے ان سے صلح کرنی چاہی اور پانچ ہزار اشرفیاں ان کے پاس اس غرض سے بھیجیں کہ قافلے کو راستہ دے دیں۔ بدویوں کے سردار حماد ابن علی نے انکار کیا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ قافلے کو لوٹ لیں جب بدویوں نے اس قافلے پر چھاپا مارا تو حاجیوں نے تیروں سے ان کو دفع کرنا شروع کیا اتفاقاً ایک مشاق ترکی غلام کا تیر حماد کے سر پر لگا اور حماد اس کے صدمے سے گھوڑے سے نیچے گرا بدویوں نے یہ دیکھکر اپنے سردار کے جسم کو زمین پر سے اٹھا لیا اور حاجیوں کے سامنے سے بھاگ گئے اس خلفشار کے بعد ابو محمدؒ ناصحی راستے کی تمام مصیبتوں کو جھیلتے ہوئے کعبے پہنچے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد

صحیح وسالم غزنین واپس آئے۔
اسی سال یعنی ۴۱۲ھ میں محمود نے سنا کہ ہندوستان کے باشندے راجہ قنوج سے بگڑ گئے ہیں اور چاروں طرف سے اس پر لعنت کی بوچھار پڑ رہی ہے اور اس قدر لوگوں نے اس کی مخالفت پر کمر باندھی ہے کہ کالنجر کے راجہ مسمی نندا نے محض اس قصور پر کہ کورا نے محمود کی اطاعت کیوں قبول کی قنوج پر لشکر کشی کر کے کورا کو قتل کر ڈالا ہے محمود نے یہ خبر سنی ہر مرتبہ سے زاید اس دفعہ لشکر فراہم کیا اور بجید ساز و سامان کے ساتھ نندا سے انتقام لینے کے لیئے ہندوستان کی طرف چلا جب اسلامی لشکر دریائے جمنا کے کنارے پہنچا تو انند پال کا بیٹا جو بارہا محمود سے شکست کھا چکا تھا۔ نندا کے مدد کے لیئے محمود کے راستے میں حائل ہوا چونکہ دریا اس زمانے میں بہت مواج اور گہرا تھا سلطانی لشکر اس کو پار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اور ہر شخص پس و پیش کر رہا تھا۔ اتفاقاً آٹھ خاصے کے غلام یکبارگی دریا کو پار کر کے ہندوؤں کے لشکر میں پہنچ گئے اور ہندی فوج کو اپنے حملے سے انہوں نے درہم برہم کر دیا۔ انند پال کا بیٹا اپنے چند خاص مصاحبوں کے ساتھ جان بچا کر بھاگا۔ یہ آٹھوں غلام ہندوؤں کے شکست دینے کے بعد قریب کے ایک شہر میں جا گھسے اور جی کھول کر انہوں نے اس شہر کو لوٹا اور وہاں کے بت خانے ڈھائے غالباً اس مقام پر یہ شبہ ہوگا کہ آٹھ آدمیوں نے کیوں کر اتنے بڑے لشکر کو ایسی فاش شکست دی ہوگی مگر یہ شبہ اس طرح پر دفعہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ آٹھ آدمی لشکر سلطانی کے آٹھ امیر ہوں اور ہر ایک اپنے لشکر کے ساتھ دریا سے پار ہو کر ہندوؤں کے مقابلے میں کامیاب ہوا ہو۔ انند پال کے قصبے کو پاک کر کے اسلامی لشکر نندا کی طرف بڑھا کالنجر پہنچ کر محمود کو معلوم ہوا کہ چھتیس ہزار سواروں، پینتالیس ہزار پیادوں اور چھ سو چالیس ہاتھیوں کا ایک جرار لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیئے موجود ہے محمود نے بلندی پر چڑھ کر

ہندی لشکر کا معائنہ کیا اور ان کی کثرت کا اندازہ کر کے اپنے اس طرح
بڑھنے پر جی میں پشیمان ہوا۔ لیکن دل مضبوط کر کے نیچے اترا اور سر نیاز
کو زمین پر رکھ کر آہ وزاری کے ساتھ خدا سے اپنی فتح کی دعا مانگی۔
جس روز کہ محمود کا لشکر کالنجر پہنچا اور محمود نے اس لشکر کا معائنہ کیا
ایسے ہی پر راست نندا کے دل میں یک بیک محمود کا خوف ایسا سمایا کہ
تمام مال واسباب میدان میں چھوڑ کر راتوں رات معرکۂ جنگ سے بھاگا
صبح کو جب محمود نے یہ خبر سنی تو ہندوؤں کے لشکر میں آیا اور قرب وجوار کے
کمین گاہوں کو اچھی طرح سے دیکھ بھال کر ہندوؤں کی طرف سے پورا
اطمینان حاصل کر لیا جب اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ دشمن پس پشت
نہیں ہے تو اس نے جی کھول کر غارت گری کی اور اس قدر مال غنیمت
مسلمانوں کے ہاتھ آیا کہ اس کی تفصیل بیان سے باہر ہے۔ کالنجر کے
قریب ایک جنگل سے پانسو اسی ہاتھی پکڑے گئے چونکہ پنجاب وغیرہ دیگر ممالک کی طرف سے
اطمینان نہ تھا محمود نے اسی قدر فتح پر قناعت کی اور غزنی واپس گیا۔

قیرات اور ناردین کی فتح

کالنجر کی فتح کے بعد محمود نے سنا کہ قیرات اور ناردین کے
باشندے اب تک مسلمان نہیں ہوئے ہیں اور باوجود اس عظیم اسلامی
سیلاب فتوحات کے یہ باشندے اب تک بت پرستی میں مبتلا اور خودسری
کے نشے میں سرشار ہیں۔ اس خبر کو معلوم کرتے ہی محمود نے لشکر کو تیاری
کا حکم دیا اور سنار ڑبھی اور سنگتراشوں کی ایک کثیر جماعت کو
لشکر کے ہمراہ لے کر بادشاہ قیرات وناردین کی طرف روانہ ہوا محمود نے
پہلا حملہ قیرات پر کیا قیرات ایک سرد مقام ہے جو ہندوستان اور ترکستان
کے درمیان واقع ہے اور سبزہ زار اور ثمرستان کی کثرت کی وجہ سے دنیا میں
بیحد مشہور ہے چونکہ قیرات کے حاکم نے مع اپنی رعایا کے اسلام

قبول کر لیا اس لیئے محمود کو اس شہر کے فتح کرنے میں زیادہ دقت نہیں اٹھانی پڑی۔ قیرات کی فتح کے بعد محمود نے خود تو وہیں قیام کیا اور حاجب علی بن ارسلان حاذب کو ناردین کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ سلطان کے حاجب نے ناردین پہنچ کر اس کو بھی فتح کیا اور بیشمار لونڈی اور غلام اور کثیر مال غنیمت پر قابض ہوا۔ جب حاجب نے ناردین کے بڑے بت خانے کو مسمار کیا تو بت خانے کے ایک حصۂ عمارت میں سے ایک رو پہلا منقوش پتھر برآمد ہوا جس سے ہندوؤں کی اس عقیدت کا پتہ لگا کہ بت خانے کی بنا کو چالیس ہزار سال کا زمانہ گذر چکا ہے۔

محمود ناردین کی فتح کی خبر سن کر خود وہاں پہنچا اور اس شہر میں ایک مستحکم قلعہ تعمیر کر کے اس نے وہاں کی حکومت علی بن قدر سلجوقی کے سپرد کی اور خود غزنین واپس آیا۔

شہر لاہور کی فتح

۴۱۲ھ میں محمود نے کشمیر کی طرف رخ کیا اور نواح کشمیر میں پہنچ کر لوہ کوٹ کا محاصرہ کیا اور ایک مہینے لگاتار اسے گھیرے رہا۔ چونکہ لوہ کوٹ کا قلعہ بیحد مضبوط تھا اس لیئے باوجود ان کوششوں کے بھی محمود اسے فتح نہ کر سکا۔ لوہ کوٹ کو اسی حالت پر چھوڑ کر محمود نے لاہور کی طرف باگ موڑی اور لاہور پہنچ کر خود تو شہر میں مقیم رہا مگر اپنے لشکر کے مختلف حصے کر کے اس نے ہر حصے کو شہر کے کسی نہ کسی طرف غارتگری کے لیئے روانہ کیا۔ سپاہیوں نے بلا کسی مزاحمت کے خوب جی کھول کر اطراف و نواح کے دیہات اور قصبات کو لوٹا اور بیشمار مال غنیمت لے کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اب انند پال کا بیٹا بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا اور اس میں یہ طاقت باقی نہیں رہی تھی کہ محمود کے جرار لشکر کا سد راہ ہو۔ یہ بوڑھا اور کمزور راجہ اجمیر بھاگا اور راجہ اجمیر کے ظل حمایت میں اس نے پناہ لی۔

سلطان محمود نے لاہور پر قبضہ کر کے اپنے ایک معتمد امیر کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور پنجاب کے دوسرے مقبوضات کی حکومت بھی متدین اور امانت دار عاملوں کے سپرد کر کے محمود نے اب غارتگری سے ہاتھ اٹھا لیا اور ملک گیری کے آئین و قواعد پر اس نے توجہ کی۔ لاہور میں ایک بڑی فوج متعین کر کے اور اس ملک کے تمام حصوں میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرانے کے بعد محمود نے اول موسم بہار میں غزنین کی طرف کوچ کیا۔

سنہ ۴۱۳ھ میں محمود نے لاہور سے راجہ نندا کے ملک کی طرف پھر توجہ کی۔ جب محمود قلعۂ گوالیار کے قریب پہنچا تو طمع نے اس کا دامن پکڑا اور محمود نے اس قلعے کا بھی محاصرہ کیا۔ چار دن کے بعد اس قلعے کے راجہ نے چرب زبان ایلچیوں کے وساطت سے پینتس ہاتھیوں کی پیشکشی پر صلح کی درخواست کی محمود نے اس صلح کو قبول کیا اور وہاں سے راجہ نندا کے ملک یعنے کالنجر پہنچا۔ نندا نے بھی تین سو ہاتھی پیش کرنا قبول کیا اور صلح کا طالب ہوا محمود نے اس شرط کو قبول کیا اور راجہ کے عہد کے موافق اس سے تین سو ہاتھی طلب کیئے راجہ نے اسلامی لشکر کا امتحان لینے کے لئے تین سو مست ہاتھی بے فیل بانوں کے قلعے سے باہر نکالکر جنگل میں چھوڑ دئے۔ محمود نے ترکوں کو حکم دیا کہ ان ہاتھیوں کو پکڑ کر ان پر سوار ہو جائیں سپاہیوں نے سلطانی حکم کی تعمیل کی اور اہل قلعہ مسلمانوں کی اس جرأت اور ہمت کو دیکھ کر بیحد متعجب ہوے۔ نندا نے ہندی زبان میں محمود کی تعریف میں ایک شعر لکھکر اس کے پاس بھیجا۔ محمود نے ہندوستان۔ عرب۔ اور عجم کے مشہور شعرا کو جو اس کے دربار میں ملازم تھے وہ شعر سنایا۔ سبھوں نے شعر کو بہت پسند کیا اور اس کی بہت تعریف کی محمود نے شعر کی خوبی اور لطافت سے خوش ہو کر پندرہ قلعوں کی حکومت کا فرمان جس میں کالنجر کا قلعہ بھی شامل تھا نندا کے پاس روانہ کیا۔ نندا نے اس فرمان کے شکریے میں بیش قیمت جواہرات اور دیگر مال و متاع سلطان کی خدمت میں پیش کیا نندا کی اس عقیدت سے

محمود بیحد خوش ہوا اور بغیر اسکے کہ اس سے کچھ بھی تعرض کرے اپنے دار الخلافت کو واپس چلا گیا۔

۴۱۵ھ میں محمود نے اپنے لشکر کی جانچ کی علاوہ اس لشکر کے جو مملکت کے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ چون ہزار سوار اور تین سو ہاتھیوں کا تخمینہ کیا گیا محمود نے اس لشکر کو ترتیب دے کر بلخ کی طرف کوچ کیا۔

محمود کا بلخ پہنچنا

جس زمانے میں محمود نے بلخ کی طرف توجہ کی اس وقت ماوراءالنہر کے باشندے علی تگین کے ظلم سے تنگ آکر فریاد کر رہے تھے جیسے ہی کہ سلطانی لشکر دریائے جیحون کے پار اترا ماوراءالنہر کے نامی سردار اور معزز روساء شہر محمود کے استقبال کے لیئے آئے اور ہر شخص نے اپنی حیثیت کے لایق تحفے اور ہدیئے سلطان کی خدمت میں پیش کیئے۔ یوسف قدر خاں جو تمام ملک ترکستان کا بادشاہ تھا محمود کے استقبال کو آیا اور بیحد تپاک اور محبت سے محمود سے ملا۔ محمود بھی اس کی ملاقات سے بیحد خوش ہوا اور اس کی ضیافت اور مہانداری میں کئی روز متواتر جشن عشرت منعقد کیا۔ ان دونوں فرمانرواؤں نے ایک دوسرے کو بیش قیمت ہدیئے اور تحفے پیش کیئے اور بیحد خلوص اور ہمدردی کے ساتھ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ علی تگین نے جب محمود کے آنے کی خبر سنی تو مارے خوف کے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ گیا محمود نے چند معتبر آدمی اس کے تعاقب میں روانہ کیئے یہ لوگ اس کو گرفتار کرکے محمود کے سامنے لائے۔ سلطان نے علی تگین کو پابہ زنجیر کرکے ہندوستان کے ایک قلعے میں نظربند کیا اور خود غزنین کے طرف واپس گیا۔

فتح سومنات

۴۱۵ھ میں محمود نے چند معتبر لوگوں سے سنا کہ اہل ہند کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کی روح بدن سے مفارقت کرنے کے بعد سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور سومنات ہر روح کو اس کے کردار اور اعمال کے مطابق دوسرا جسم بطریق تناسخ عطا کرتا ہے۔ ہندوؤں کا سومنات کے حق میں یہ بھی عقیدہ ہے کہ دریا کا مدوجزر دراصل سومنات کی عبادت ہے جو اس شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ محمود نے یہ بھی سنا کہ سومنات کے برہمن کہتے ہیں کہ جن بتوں کو محمود نے توڑا ہے ان سے سومنات ناراض تھا اور اسی وجہ سے اس نے ان بتوں کی حمایت نہیں کی ورنہ اس میں اتنی قدرت ہے کہ جسے چاہے ایک پل میں ہلاک کر ڈالے۔ محمود کو یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں کے برہمن کہتے ہیں کہ سومنات بادشاہ ہے اور دنیا کے باقی بت اس کے دربان اور حاجب ہیں۔ محمود نے جب یہ لایعنی افسانے سنے تو اس کے دل میں پھر جہاد کی لہر اٹھی اور سومنات کی فتح اور بت پرستوں کے قتل کو نیک ارادہ سمجھ کر بیسویں شعبان ۴۱۵ھ میں اپنے خاصے کے لشکر اور دوسرے تیس ہزار رضاکاروں کو جو جہاد کی غرض سے ترکستان وغیرہ سے آئے ہوئے تھے اپنے ساتھ لے کر محمود نے سومنات کی طرف سفر کیا۔ اس زمانے میں سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا جو دریائے عمان کے کنارے آباد تھا اور اس بڑے بت کی وجہ سے تمام برہمنوں اور غیر مسلموں کا کعبہ سمجھا جاتا تھا اس وقت یہ شہر بندر دیو میں ہے اور اہل فرنگ اس پر قابض ہیں۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ چند غیر مسلم حضرت رسالت پناہ صلعم کے زمانۂ مبارک میں ایک بڑے بت کو جس کا نام سومنات تھا خانۂ کعبہ سے ہندوستان لائے تھے اور اس کو اس جگہ نصب کرکے اس مقام کا

نام بھی اسی بت کے نام پر سومنات رکھا تھا۔ لیکن برہمنوں کی ابتدائی
تصنیفوں سے جو ظہور اسلام سے کئی ہزار سال پہلے لکھی گئی ہیں یہ معلوم
ہوتا ہے کہ یہ روایت غلط ہے بلکہ یہ بت کرشن کے وقت سے جس کو چار ہزار
سال کا زمانہ گذرا تمام برہمنوں کا معبود ہے اور برہمنوں کے قول کے
مطابق کرشن نے اہل دنیا سے یہیں روپوشی اختیار کی ہے۔ وسط رمضان
۴۱۵ھ میں محمود ملتان پہنچا چونکہ آگے بڑھ کر راستے میں بے آب و گیاہ
ایک جنگل پڑتا تھا محمود نے حکم دیا کہ ہر شخص چند دنوں کا پانی اور غلہ اپنے
ساتھ رکھے۔ اور خود بادشاہ نے سپاہیوں کی باربرداری کے علاوہ
بیس ہزار خاصے کے اونٹوں پر پانی اور اناج لاد کر لشکر کو آگے بڑھایا۔
جب اس خونخوار جنگل سے لشکر سلطانی گذر گیا تو محمود شہر اجمیر کی سرحد
میں پہنچا۔ چونکہ اجمیر کا راجہ محمود کی آمد کی خبر سن کر شہر کے کسی گوشے میں
چھپ رہا تھا۔ اس لئے عادت کے مطابق جی کھول کر اس شہر کی بھی
غارت گری کی گئی چونکہ محمود کا ارادہ سومنات کے تباہ کرنے کا تھا اجمیر
کے قلعے کی تسخیر میں اس نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا اور وہاں سے
آگے بڑھا۔ اثنائے راہ میں محمود کو چند قلعے اور ملے اور اگرچہ یہ قلعے
بہادر سپاہیوں اور آلات حرب سے معمور و آباد تھے لیکن چونکہ خدا کی رحمت
محمود کے سر پر سایہ فگن تھی اہل قلعہ کے دل پر محمود کا ایسا خوف چھایا کہ
بلا اس امر کے کہ یہ ہندی تلوار اور نیزے سے کام لیں سبھوں نے اپنے اپنے
قلعے مع تمام اموال و آلات حرب کے محمود کے سپرد کر دئے۔ ان قلعوں
سے فراغت حاصل کرنے کے بعد محمود ملک نہروالا میں جس کو پٹن گجرات
کہتے ہیں پہنچا چونکہ مسلمانوں کی دہشت سے اہل گجرات شہر کو پہلے ہی خالی
کر چکے تھے اس لئے محمود نے حکم دیا کہ اس شہر سے بھی غلہ لاد لیا جائے۔
اس کے بعد لشکر نے جلد جلد قطع مسافت کی اور سومنات کے کنارے پہنچے
دریا کے کنارے پہنچ کر مسلمانوں نے دیکھا کہ قلعہ بلندی میں آسمان سے
باتیں کر رہا ہے اور دریا کا پانی قلعے کی فصیل تک پہنچا ہوا ہے لشکر اسلام

نے دیکھا کہ اہل سومنات قلعے کی دیوار پر کھڑے ہوئے اسلامی لشکر کا معائنہ کر رہے ہیں اور چلا چلا کر مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہمارا معبود سومنات کشاں کشاں تم کو یہاں لایا ہے تاکہ تم سب کو یکبارگی ہلاک کرے اور اس طرح تم سے ان تمام بتوں کی تباہی کا بدلہ لے جن کو اب تک تم نے مسمار کیا ہے۔ مسلمانوں کے جرار لشکر نے اپنے باہمت بادشاہ کے حکم سے قلعے کی طرف حرکت کی اور قلعے کی دیوار کے نیچے پہنچکر لڑائی شروع کی۔ جب ہندوؤں نے مسلمانوں کی یہ دلیری اور مردانگی دیکھی تو تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیئے قلعے کی دیوار سے نیچے اترے اور قلعے کے اندر ہی اندر بت خانے میں جاکر سومنات سے فتح کی دعائیں مانگنے لگے۔ مسلمان متعدد سیڑھیاں لگا کر قلعے کے ایک حصے پر چڑھ گئے اور انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی اس دن صبح سے شام تک لڑائی کا بازار گرم رہا جب رات کی سیاہی پھیلی اور لڑائی کا میدان تاریک ہوا تو اسلامی لشکر اپنے فرودگاہ کو واپس آیا دوسرے دن صبح کو پھر اسلامی لشکر نے قلعے پر حملہ کیا اور تیروں کی بوچھاڑ اور نیزوں کی جانگداز ضربوں سے ہندوں کو قلعے کے اس حصے سے پسپا کر دیا اور روز گذشتہ کی طرح پھر سیڑھیاں لگا کر چاروں طرف سے قلعے پر حملہ آور ہوئے۔ اہل سومنات نے اپنی مختلف گروہ بندیاں کیں اور سومنات کو بغل میں دبا کر یا سومنات سے بغل گیر ہو کر روتے اور فریاد کرتے ہوئے ایک دوسرے سے رخصت ہوئے اور مارو مارو کی صدا دیتے ہوئے اتنا لڑے کہ تقریباً سب کے سب ہلاک ہوگئے تیسرے دن ہندوں کے وہ لشکر جو قلعے کے اطراف و جوانب میں اترے ہوئے تھے وہ بھی اہل قلعہ کی پشت پناہی پر آمادہ ہوگئے اور مسلمانوں کے مقابلے میں آکر میدان میں صف آرا ہوئے محمود نے اپنی فوج کے ایک حصے کو محاصرے سے روکا اور اس بیرونی لشکر کے ساتھ لڑائی میں مشغول ہوا۔ فریقین نے اپنی جان توڑ کوششوں سے میدان میں خون کی ندیاں

بہادیں اور معرکۂ جنگ کی تیزی کو دیکھ کر دیکھنے والوں کے دل پانی پانی ہونے لگے۔

پرم دیو اور وابشلیم کی فوجوں کے پے در پے آنے سے یہ وہم پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ جائیں محمود نے جب اس بات کا اندازہ کیا تو پریشان ہو کر ایک کونے میں آیا اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کے متبرک خرقے کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گرا اور بہید خلوص کے ساتھ خدا کی درگاہ میں فتح و ظفر کی دعا مانگ کر اپنی فوج میں واپس آیا۔ اور ہندوؤں پر شدید حملہ کرکے اس نے ان پر فتح حاصل کی۔ چونکہ اس لڑائی میں تقریباً پانچ ہزار اہل سومنات قتل ہوئے اس لئے بقیہ فوج اور پجاری جن کی تعداد چار ہزار تھی دریا کی طرف بھاگے اور کشتیوں پر سوار ہو کر جزیرہ سراندیپ کی طرف چلے تاکہ وہاں جاکر پناہ گزین ہوں۔ محمود نے اپنی انجام بینی سے پہلے ہی سے ان فراریوں کا انتظام کر رکھا تھا اور چند کشتیوں پر بہادران اسلام کے چھوٹے چھوٹے دستے سوار کرکے کشتیاں دریا میں چھوڑ دی تھیں تاکہ ان فراریوں کے سد راہ ہو کر انہیں بھاگنے سے روکیں چنانچہ جب وقت ہندوؤں کی کشتیاں دریا میں نظر آئیں اسی وقت مسلمانوں نے فوراً ان پر حملہ کرکے اکثر کشتیوں کو غرقاب کر دیا۔ جب ہندوؤں کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو محمود اپنے بیٹوں اور ارکان سلطنت کو ساتھ لیکر قلعے میں داخل ہوا اور قلعے کی عمارت کے ہر ہر حصے کو غور سے دیکھنا شروع کیا عمارت کی سیر و تفریح کے بعد قلعے کے اندرونی راستے سے محمود بت خانہ پہنچا اور اس نے دیکھا کہ بت خانہ اچھا خاصہ لمبا چوڑا تھا اور اس کی وسعت اتنی تھی کہ چھپن ستونوں پر اس کی چھت قائم تھی۔

بت خانے کے اندر سومنات رکھا ہوا تھا یہ بت پتھر کا تھا اور اس کا طول پانچ گز تھا جس میں سے دو گز زمین کے نیچے گڑا

ہوا تھا اور تین گز زمین سے اوپر نظر آتا تھا جب محمود کی نگاہ اس بت پر پڑی تو اسلامی جذبے نے اسے مجبور کیا اور اس نے اُسے گرز سے جو اسوقت اس کے ہاتھ میں تھا۔ سومنات پر ایسی ضرب شدید لگائی کہ اس کا منھ ٹوٹ گیا اس کے بعد محمود نے حکم دیا کہ اس بت کی جسامت سے دو ٹکڑے پتھر کے کاٹ کر غزنین بھیج دیئے جائیں اور وہاں ایک ٹکڑا جامع مسجد کے دروازے پر اور دوسرا ایوان سلطنت کے صحن میں رکھا جائے چنانچہ اُس وقت سے لے کر آج تک جس کو چھ سو سال کا زمانہ گذرا یہ دونوں پتھر غزنین میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ دو ٹکڑے اور سومنات سے جدا کر کے مدینے اور مکے بھیج دیئے گئے تاکہ شارع عام پر ڈال دیے جائیں اور مسلمان انھیں دیکھ کر محمود کی جرأت و ہمت کی داد دیں۔ تاریخ میں یہ واقعہ صحت کے ساتھ مرقوم ہے کہ جس وقت محمود نے یہ ارادہ کیا کہ سومنات کو توڑے اس وقت برہمنوں کی ایک گروہ نے ارکان دولت کے ذریعے سے محمود سے یہ التجا کی کہ وہ اس بت کو نہ توڑے اور یوں ہی چھوڑ دے جس کے معاوضے میں ہندو کثیر مقدار روپے کی خزانہ شاہی میں داخل کرینگے ارکان دولت نے ہندوؤں کی اس التجا کو محمود کی خدمت میں عرض کیا ایک زبان ہو کر سبھوں نے یہ کہا کہ اس التجا کے قبول کرنے میں ہمارا ہی فائدہ ہوگا اس لیے کہ اس بت کے توڑ ڈالنے سے نہ تو بت پرستی کی رسم اس شہر سے مٹے گی اور نہ ہمیں کوئی فائدہ ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر ہم اس کے معاوضے میں کوئی معتدبہ رقم قبول کر لیں گے تو اس سے غریب مسلمانوں کا بھلا ہوگا۔

محمود نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم کہتے ہو بالکل صحیح ہے لیکن اگر میں تمہاری رائے پر عمل کروں گا تو میرے بعد لوگ مجھے محمود بت فروش کے نام سے یاد کریں گے اور اگر میں اس کو توڑ دوں گا تو مسلمان مجھے محمود بت شکن کہیں گے مجھے تو یہ بھلا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں

مجھے محمود بت شکن کہہ کر پکاریں نہ کہ محمود بت فروش۔ درحقیقت محمود کی نیک نیتی کا نتیجہ اسی وقت ظاہر ہو گیا اس لیے کہ جب سومنات توڑا گیا تو اس کے پیٹ کے اندر سے اتنے نفیس اور بیش قیمت جواہر اور شاہوار موتی برآمد ہوئے کہ ان کی قیمت برہمنوں کی موعودہ رقم سے سو گنی زیادہ آنکی گئی ہو۔

صاحب حبیب السیر لکھتا ہے کہ تمام مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ سومنات خاص اس بت کا نام تھا جس کو ہندوستان کے باشندے تمام بتوں کا سردار مانتے تھے لیکن حضرت شیخ فریدالدین عطار کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سومنات مرکب ہے سوم اور نات سے اور نات اس بت کا نام ہے جو بت خانے میں رکھا ہوا تھا اس عاجز مورخ فرشتہ کی رائے ہے کہ جو کچھ مورخین سلف نے لکھا ہے وہ بھی صحیح ہے اور جو رائے حضرت عطار کی ہے وہ بھی مورخین سلف کے قول کے مخالف نہیں ہے۔ اس لیے کہ لفظ سومنات سوم اور نات سے مرکب ہے لیکن سوم اس بادشاہ کا نام ہے جس نے اس بت کو بنایا تھا اور نات خود اس بت کا علم ہے دونوں لفظ کثرت استعمال کی وجہ سے مثل بعلبک کے ایک ہو گئے ہیں اور یہ مفرد لفظ اس بت کا نام پڑ گیا بلکہ بت سے گذر کر بت خانہ اور شہر بھی سومنات ہی کے نام سے موسوم ہو گئے پس اس لیے اگر بت کا نام سومنات ہو تو بھی درست ہے اور تنہا نات اس کا نام سمجھا جائے تو بھی صحیح ہے۔ ہندی زبان میں نات کے معنی بزرگ کے ہیں جیسا کہ الفاظ جگناتھ وغیرہ اب تک اس زبان میں مستعمل ہیں۔ ظاہر ہے کہ جگ نات بھی جگ اور ناتھ سے مرکب ہے۔ اور جگ کے معنی خلایق کے ہیں اور نات صاحب خلائق کو کہتے ہیں لیکن اب محاورے میں ان الفاظ کے لغوی معنی کا لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ دونوں لفظ مل کر بطور اسم مفرد کے کسی خاص شخص کا نام سمجھے جاتے ہیں ؎

جب کبھی چاند یا سورج گرہن ہوتا تو تقریباً دولاکھ تئیس ہزار آدمی

سومنات کے بت خانے میں جمع ہو جاتے تھے جن میں سے اکثر دور دراز ممالک سے اپنی منتیں بڑھانے اور نذریں چڑھانے کے لیئے آتے تھے۔ وقتاً فوقتاً ہندوستان کے راجہ اس بت خانے کے اخراجات کے لیئے دیہات اور قصبات وقف کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بت خانے کی تباہی کے وقت تقریباً دو ہزار قصبوں کی آمدنی اس کے اخراجات کے لئے وقف تھی۔ اس بت خانے میں ہمیشہ دو ہزار برہمن ہر وقت سومنات کی پرستش کے لیئے موجود رہتے تھے۔ اور باوجود اس کے کہ سومنات اور نہر گنگ کے درمیان چھ سو میل کا فاصلہ تھا لیکن پجاری ہر رات سومنات کو گنگا کے تازے پانی سے دھوتے تھے۔ ان پجاریوں نے ایک سونے کی دو سو منی زنجیر بت خانے کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک باندھ رکھی تھی اور اس زنجیر میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لٹکتی تھیں عبادت کے وقت زنجیر کو ہلانے سے گھنٹیاں بجتی تھیں اور ان کی آواز سے پجاری اوقات معینہ پر بت خانے میں حاضر ہو جاتے تھے پانسو گانے بجانے والیاں اور تین سو مرد سازندے بت خانے کے ملازم تھے ان ملازمین کی کفالت موقوفہ دیہات کی آمدنی سے کی جاتی تھی۔ اسی طرح تین سو حجام جاتریوں کے سر اور داڑھی مونڈنے کے لیے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ ہندوستان کے اکثر راجہ اپنی بیٹیوں کو سومنات کی خدمت کے لیے نذر بت خانہ کر دیتے تھے اور یہ لڑکیاں تمام عمر ناکتخدا رہ کر بت خانے کی خدمات انجام دیتی تھیں۔ غرض کہ اس بت خانے سے جس قدر کہ نفیس جواہرات اور بیشمار سونا چاندی محمود کے ہاتھ لگا شاید اس سے پہلے اس کا دسواں حصہ بھی ہندوستان کے کسی بادشاہ کے خزانے میں جمع نہ ہوا ہوگا۔ تاریخ زین المآثر میں لکھا ہے کہ بت خانے کی وہ خاص جگہ جہاں سومنات رکھا ہوا تھا بالکل تاریک تھی اور جو روشنی وہاں پھیلی ہوئی تھی وہ ان گراں بہا جواہرات کی شعاعیں تھیں جو بت خانے کے قندیلوں میں جڑے ہوئے تھے۔ اسی تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ سومنات کے خزانے سے

اس قدر چھوٹے چھوٹے بت سونے اور چاندی کے برآمد ہوئے کہ ان کی قیمت کا اندازہ لگانا تقریباً محال ہے چنانچہ حکیم ثنائی فرماتے ہیں:

نظم

کعبہ و سومنات چوں افلاک / شدز محمود وازمحمدؐ پاک

این زکعبہ بتاں بروں انداخت / آں زکیں سومنات راپرداخت

غرض کہ جب محمود سومنات کی مہم سے بالکل فارغ ہو گیا تو اس نے نہر والے کے عظیم الشان راجہ پرم دیو کی گوشمالی کا ارادہ کیا۔ جس وقت محمود سومنات کے محاصرے میں مشغول تھا تو پرم دیو نے جسارت کر کے ایک لشکر سومنات کی مدد کے لیئے بھیجا تھا اور اس کے لشکر سے معرکہ آرائی کرنے میں قریب دو تین ہزار مسلمان کام آئے تھے۔ محمود کو اس کی یہ جسارت یاد تھی۔ جس کا اسے مزہ چکھانا ضرور تھا۔ سومنات کی تباہی کے بعد پرم دیو گجرات کے دارالخلافت نہر والے سے بھاگ کر کھندہ کے قلعے میں پناہ گزین تھا اور سومنات سے کھندہ تک چالیس کوس کا فاصلہ تھا۔ محمود نے اس دوری کی کچھ پرواہ نہ کی اور منزل بمنزل کوچ کرتا ہوا کھندہ کے حدود میں پہنچا۔ جب سلطانی لشکر قلعے کے قریب پہنچ گیا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ ایک بہت گہرا اور بڑا خندق پانی سے بھرا ہوا چاروں طرف سے قلعے کو گھیرے ہوئے ہے اور کسی طرف سے بھی عبور کرنے کا راستہ نہیں ہے سلطانی لشکر کے غوطہ خوروں نے ہر طرف پانی کی گہرائی کا اندازہ کیا لیکن کہیں اس کی تھاہ نہ ملی عرصے کے بعد بعض غوطہ خوروں نے محمود کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک جگہ سے عبور ممکن ہے لیکن اگر خندق کو پار کرتے وقت خدا نخواستہ پانی میں تموج پیدا ہوا تو تمام لشکر ہلاک ہو جائے گا۔ محمود نے قران شریف سے استخارہ کیا اور اجازت کے بعد خدا کی عنایت پر بھروسہ کر کے اپنے امراء سپاہیوں کے ہمراہ اس پانی میں گھوڑے ڈال دیئے اور صحیح و سلامت خندق کو پار کر کے کنارے پہنچ گیا اور قلعے پر یکبارگی حملہ کر دیا

پرم دیو اس حملہ کی تاب نہ لاسکا اور مال و اسباب کو جان کا صدقہ سمجھکر اس نے اپنا بھیس بدلا اور مسلمانوں کی آنکھ بچاکر قلعے سے بھاگ گیا۔ راجہ کے بھاگتے ہی اہل قلعہ نے قلعے کا دروازہ کھول دیا اور اسلامی فوج نے قلعے کے اندر داخل ہو کر قلعے پر اپنا قبضہ کیا اور بہتیرے غیرمسلموں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔

راجہ پرم دیو کا بھاگنا

اور اس کے مال و جواہرات پر محمود کا متصرف ہونا

پرم دیو کے بھاگنے کے بعد اہل اسلام نے قلعے پر قبضہ کیا اور ہندوؤں کی عورتوں اور بچوں کو اپنا قیدی بنالیا۔ محمود نے حکم دیا کہ راجہ کے خزانے سے تمام اموال و جواہر نکال کر خزانۂ شاہی میں جس کے دروازے پر ہمیشہ ھَلْ مِنْ مَزِیْد کا نقارا بجتا تھا داخل کیا جائے۔ محمود نے یہاں فتح حاصل کرنے کے بعد خاص نہروالا کی طرف کوچ کیا اور نہروالا پہنچکر اسے معلوم ہوا کہ باشندگان ملک کے حسن و جمال۔ زمین کی سبزہ زاری۔ آب دواں کی کثرت اور مال و متاع کی زیادتی کے اعتبار سے یہ شہر ہندوستان کا بہترین ٹکڑا ہے۔ نہروالا کی آب و ہوا اور اس کی خوبی پر محمود ایسا دالہ و شیدا ہوا کہ اس نے ارادہ کر لیا کہ چند سال یہاں قیام کرے بلکہ ایک مرتبہ اس کے دل میں یہ ولولہ اُٹھا تھا کہ نہروالا کو اپنا پایہ تخت بنائے اور غزنی سلطان مسعود کو دیدے۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ محمود کی اس خواہش کی وجہ یہ تھی کہ اسوقت نہروالا میں خالص سونے کی چند کانیں بھی تھیں اور یہی طمع تھی جس نے محمود کو نہروالا کا شیدائی بنادیا۔ ممکن ہے کہ یہ روایت صحیح ہو لیکن اس وقت تو نہروالا میں کسی کان کا وجود بھی نہیں ہے ایسا ہو سکتا ہے کہ امتداد زمانہ سے اب وہ کانیں معدوم ہوگئی ہوں جیسا کہ خود سلطان محمود ہی کے

اوایل سلطنت میں سیستان میں سونے کی کان نکلی اور اسی کے آخر زمانے میں زلزلے کی وجہ سے معدوم ہو گئی۔ اس کے بعد محمود نے چاہا کہ جزیرہ سراندیب اور پیکو اور نیز دوسرے اُن بندرگاہوں پر جن میں سونے اور یاقوت کی کانیں ہیں قبضہ کرے اُن مقامات پر قبضہ کرنے کے لیئے محمود نے حکم دیا کہ لشکر کو کشتیوں میں سوار کرا کے ان جزائر تک پہنچایا جائے تاکہ اُن ممالک کی نفیس اور بہترین چیزوں کو اپنے قبضے میں لائے لیکن ارکان دولت نے یہ عرض کیا کہ عرصے کے بعد ہم نے خراسان کو خس و خاشاک سے پاک کیا ہے اور اس نفیس جواہر پر بہت سے پیارے نفوس قربان کیئے ہیں ایسی حالت میں اس ہر دلعزیز شہر کو چھوڑنا اور گجرات کو دارالسلطنت بنانا دور اندیشی سے بالکل بعید ہے۔ محمود کو ارکان دولت کی یہ صلاح پسند آئی اور اس نے غزنین کے طرف کوچ کیا چلتے وقت محمود نے درباریوں سے مشورہ کیا کہ کسی ایسے شخص کو انتخاب کرو کہ جسے ہم ملک کا حاکم بنائیں اور یہاں کی فرمانروائی کی باگ اس کے ہاتھ میں دیدیں ارکان دولت نے باہم مشورہ کر کے محمود سے عرض کیا کہ چونکہ ہمارا گذر اب دوبارہ اس طرف نہ ہوگا لہذا بہتر یہی ہے کہ اسی شہر کے کسی شخص کو یہاں کا حاکم بنایا جائے۔ محمود نے اپنے درباریوں کی رائے سن کر باشندگان سومنات سے اس بارے میں مشورہ کیا اہل سومنات کے بیشتر معزز رئیسوں نے بھی یہی کہا کہ اس شہر کے رہنے والوں میں کوئی گروہ حسب و نسب میں دابشلیموں[۴۵] کے برابر نہیں ہے اور آج کل اس خاندان کا ایک فرد برہمنوں کے لباس میں ریاضت اور عبادت میں مشغول ہے اگر جہاں پناہ یہ ملک اس کے سپرد کردیں تو مناسب ہے لیکن اہل سومنات کے ایک گروہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ دابشلیم سخت مزاج اور سخت گیر زاہد خشک ہے جس نے چند مرتبہ ملک گیری کا ارادہ کیا اور ہر مرتبہ اپنے بھائیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا اب جان بچانے کے لیئے بت خانے میں پناہ گزین ہوا ہے اور سچے دل

سے خدا کو یاد نہیں کرتا بلکہ زمانے کے ہاتھوں مجبور ہو کر فقیر بن بیٹھا ہے اس کے علاوہ اسی کے عزیزوں میں ایک دوسرا دابشلیم ہے جو بہت عقلمند اور سمجھدار ہے اور ہندوستان کے تمام برہمن اس کے ہر قول کو حکمت اور فراست کے بیش قیمت جواہر سمجھکر قبول کرتے ہیں اور یہ شخص فلاں ملک کا حاکم بھی ہے۔ اگر بادشاہ اُس کے نام اس ملک کا فرمان حکومت صادر فرمائیں تو وہ مخلصانہ بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوگا اور اپنے حتی الوسع اس ملک کے حقوق کا تحفظ اور اہل ملک کی نگہداشت پوری طرح کرے گا اس کے علاوہ جو خراج وہ قبول کرے گا باوجود دوری راہ کے ہر سال بے کم وکاست سلطانی خزانے میں پہنچایا کریگا محمود نے کہا کہ اگر وہ خود میرے پاس آکر یہ التجا کرتا تو ممکن تھا کہ میں اس کے معروضے کو قبول کر لیتا لیکن اتنی بڑی سلطنت کو ایک ایسے شخص کے سپرد کرنا جو بالفعل ایک ملک کا بادشاہ بھی ہے اور میں نے اسے دیکھا بھی نہیں عقل و دانش سے دور اور انجام بینی سے بالکل بعید ہے۔

محمود کا دابشلیم مرتاض کو گجرات کی حکومت سپرد کرنا

مذکورہ بالا مشوروں کے بعد بالاخر محمود نے دابشلیم مرتاض کو بلایا اور نہروالا کی حکومت اس کے سپرد کی دابشلیم نے سالانہ خراج کی رقم مقرر کرنے کے بعد محمود سے کہا کہ فلاں دابشلیم جو میرا ہم قوم ہے میرا جانی دشمن ہے جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ مجھے نہروالا کا راجہ بنا کر آپ اپنے ملک کو واپس ہوگئے تو وہ مجھے کمزور سمجھکر ضرور مجھ پر لشکر کشی کریگا اور چونکہ ابھی میری حکومت کو استقلال اور قوت حاصل نہیں ہوئی وہ ضرور مجھ پر غالب آجائے گا۔ اگر بادشاہ اتنی عنایت اور مجھ پر فرمائے کہ اس دشمن کے شر سے بھی مجھے مطمئن فرمادیں تو میں اس کے شکرانے میں کابل اور زابل کے خراج کی دوگنی مقدار ہر سال سلطانی خزانے میں

داخل کرتا رہونگا۔ محمود نے کہا کہ ہم اپنے ملک سے جہاد ہی کی نیت سے نکلے ہیں اور دو سال کا زمانہ گذرا کہ ہم نے غزنی کی صورت نہیں دیکھی اگر ہم دابشلیم پر حملہ کریں گے تو زیادہ سے زیادہ چھ مہینے اور ہم کو وطن کی مفارقت برداشت کرنی پڑے گی لیکن خدا کی رضا حاصل کرنے میں دو سال اور ڈھائی سال دونوں برابر ہیں بہتر یہی ہے کہ ہم اس قصے کو بھی لگے ہاتھوں پاک کر دیں۔ محمود نے حکم دیا کہ لشکر دابشلیم کے ملک کیطرف کوچ کرے اہل لشکر نے سلطانی حکم کی تعمیل کی اور محمود نے وہاں پہنچکر تھوڑے ہی زمانے میں ملک کو فتح کر لیا اور راجہ دابشلیم کو زندہ قید کرکے دابشلیم مرتاض کے سپرد کیا۔ دابشلیم مرتاض نے محمود سے کہا کہ ہمارے مذہب میں بادشاہ کو قتل کرنا ناجائز ہے بلکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جب ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر فتح حاصل کرکے اسے گرفتار کر لیتا ہے تو فاتح اپنے تخت کے نیچے ایک تنگ و تاریک گھر بنوا کر مفتوح بادشاہ کو اس میں قید رکھتا ہے اس گھر کی دیوار میں ایک سوراخ کر دیا جاتا ہے اور اسی سوراخ سے قیدی کو روٹی اور پانی پہنچاتے ہیں اور یہ قید اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ فاتح اور مفتوح دونوں میں سے کسی ایک کا خاتمہ نہ ہو جائے چونکہ ابھی میرے پاس نہ تو کوئی ایسا قیدخانہ ہے اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے کہ دشمن کو اس طرح رکھ کر اس کی حفاظت کروں اور نیز اس کو اپنے پاس رکھنے کی صورت میں مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ آپ کے چلے جانے کے بعد کہیں ایسا نہو کہ اس کے بہی خواہ مجھ پر حملہ کرکے اس کو میرے ہاتھ سے چھین لیں اس لیئے میری التجا یہ ہے کہ اس قیدی کو بجائے میرے پاس چھوڑنے کے آپ اسے اپنے ہمراہ غزنی لے جائیں اور جس وقت میری حکومت یہاں مضبوط ہو جائے اور میں کسی شخص کو بارگاہ سلطانی میں بھیجوں اس وقت میرا قیدی میرے حوالے کر دیا جائے۔ محمود نے دابشلیم مرتاض کی اس التجا کو بھی قبول کیا اور ڈھائی برس کے بعد غزنین کو واپس ہوا۔ اس زمانے میں

پرم دیوا اور راجہ اجمیر نے پھر ایک عظیم لشکر جمع کر لیا تھا اور راستے میں ایک مقام پر سدراہ ہوئے تھے لیکن محمود نے اس وقت ان سے لڑنا خلاف مصلحت جانا اور راہ کترا کر سندھ کے راستے سے ملتان کی طرف بڑھا اس راستے میں بعض جگہ بے برگی اور بعض مقامات پر بے آبی کی وجہ سے لشکر اسلام کو ناقابل برداشت مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور بڑی مشقت کے بعد محمود ۴۱۷ھ میں غزنین پہنچا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ جب محمود سندھ کے جنگلوں سے ہوتا ہوا ملتان سے روانہ ہوا تو اس نے یہ حکم دیا کہ راہ بتانے کیلئے کوئی راہ بر بھی ساتھ لے لیا جائے۔ ایک ہندو نے یہ خدمت قبول کی اور مسلمانوں کا راہ بر بن کر لشکر کے ساتھ چلا یہ غیر مسلم راستہ بتانے والا قصداً اسلامی لشکر کو ایسے راستے سے لے چلا کہ جہاں پانی کا نام و نشاں بھی نہ تھا جب اسلامی لشکر اس جنگل میں پہنچا اور ایک شبانہ روز پانی کا ایک قطرہ بھی کہیں میسر نہ آیا تو مسلمانوں پر ایک عجیب مصیبت نازل ہوئی اور اسلامی لشکر پر وہ جنگل عرصۂ قیامت بن گیا۔ محمود نے اس ہندو سے تفتیش حال کی ہندو نے جواب دیا کہ میں سومنات کے فدائیوں میں ہوں اور تمھیں اور تمہارے لشکر کو قصداً اس جنگل میں اس لیئے لے آیا ہوں کہ تم سب کو ایسی جگہ ہلاک کروں کہ جہاں تمھیں ایک قطرہ بھی پانی کا میسر نہ ہو۔ محمود اس ہندو کے جواب سے بیحد غضبناک ہوا اور اس کو فوراً قتل کر ڈالا اور اسی شب محمود اپنے لشکر گاہ سے باہر نکل کر ایک جنگل میں آیا اور سر نیاز کو زمین پر رکھ کر خدا سے دعا مانگی کہ وہ مسلمانوں کو اس بلا سے جلد نجات دے تھوڑی ہی رات گذری تھی کہ اس جنگل میں شمال کی طرف سے ایک روشنی نمودار ہوئی محمود نے لشکر کو حکم دیا کہ اس مقام سے فوراً کوچ کرے اور اس روشنی کے پیچھے پیچھے روانہ ہو۔ لشکر نے سلطانی حکم کی تعمیل کی اور تمام رات چلنے کے بعد صبح کو پانی کے کنارے پہنچ گیا اور اس طرح بادشاہ کے خلوص اور اس کی

ارادت کی برکت سے لشکر نے بھی ورطۂ ہلاکت سے نجات پائی۔
جب دابشلیم مرتاض نے اپنی حکومت سومنات کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لیا تو اس نے چند برسوں کے بعد قاصد محمود کی خدمت میں روانہ کئے اور دابشلیم اسیر کو سزا دہی کے لئے طلب کیا۔ انھیں قاصدوں کے ہمراہ دابشلیم نے بیش قیمت جواہرات اور سالانہ خراج کی مقررہ رقم بھی محمود کی خدمت میں روانہ کی۔ سلطان کو اس قیدی کے حال پر رحم آیا اور اس کے بھیجنے میں پس و پیش کرنے لگا۔ ارکان دولت دابشلیم مرتاض کی طرف سے مطمئن تھے انہوں نے کہا کہ مشرکوں پر رحم کرنا خلاف حکم اسلام ہے اور جو کچھ کہ بادشاہ نے دابشلیم مرتاض سے کہا ہے اس کو پورا نہ کرنا شان سلطانی سے بعید ہے۔ درباریوں کے کہنے سے محمود نے اس قیدی کو قاصدوں کے سپرد کر دیا اور قاصد اسے کشاں کشاں حدود سومنات تک لائے اور دابشلیم مرتاض کو اپنے آنے کی اطلاع دی۔ اس عابد زاہد نے قیدی کے آنے کی خبر سنتے ہی اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ مقررہ زندان تیار کیا جائے اور قاعدے کے موافق خود اس کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ جب دابشلیم اس قیدی کے لینے کیلئے گیا تاکہ ایک طشت اور ایک لوٹا اس قیدی کے سر پر رکھ کر اپنے گھوڑے کے ساتھ اسے دوڑاتا ہوا لے چلے اور اسی حالت سے اسے قیدخانے تک پہنچائے۔ اثنائے راہ میں دابشلیم ایک مقام پر ٹھہر گیا اور سیر و شکار میں مشغول ہوا۔ شکار کی فکر میں اس نے اتنی دوا دوش کی کہ آفتاب کی تمازت سے پریشان ہو کر ایک درخت کے نیچے دم لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ چونکہ شکار کی دوڑ دھوپ سے دابشلیم خستہ ہو رہا تھا۔ اس لئے اسی درخت کے نیچے لیٹا اور ایک سرخ رومال اپنے چہرہ پر ڈال لیا اسی حالت میں قضائے الٰہی نے اس کی تقدیر کا پانسہ پلٹا اور ایک سخت جنگلی جانور اس سرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا خیال کر کے نیچے اترا اور ایسا جھپٹ کر رومال پر مارا کر جانور کے ناخن دابشلیم کی

آنکھوں میں گھس گئے اور اس کی آنکھیں جاتی رہیں۔ چونکہ اس زمانے میں ہندوؤں میں رواج تھا کہ کسی ساقط العضو آدمی کو اپنا فرمانروا تسلیم نہیں نہیں کرتے تھے اس لئے لشکر میں ایک شور برپا ہو گیا اور ہر شخص نے دابشلیم مرتاض کی اطاعت سے انکار کیا۔ اسی ہنگامے میں دابشلیم قیدی بھی پہنچ گیا اور چونکہ مرتاض کے بعد سوائے اس قیدی کے اور کوئی دوسرا مستحق سلطنت نہ تھا تمام ارکان دولت نے بالاتفاق اس قیدی کے سر پر فرمانروائی کا تاج رکھا اور مرتاض کے سر پر وہی طشت اور لوٹا رکھکر اسے قیدی کی طرح گھوڑے کے ساتھ دوڑاتے ہوئے زندان تک لائے اور نظربند کر دیا۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ ایک پل میں کیا سے کیا ہو گیا اور جو سزا مرتاض نے اس قیدی کے لئے تجویز کی تھی اس کا خود ہی شکار ہوا اور اس مشہور مثل کے موافق کہ۔ چاہ کندہ را چاہ درپیش۔ اپنے بھائی کی بدخواہی کی سزا خود اسی نے بھگتی مرتاض بیچارہ خون کے آنسو روتا ہوا قیدخانے میں داخل ہوا اور اپنی بدقسمتی پر تمام عمر روتا رہا۔ اس حکایت سے جو نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے اُس کے بابت شیخ سعدی نے کیا خوب لکھا ہے کہ سچ ہے کہ خدا کی مشیت ایک پل میں ایک شخص کو تخت شاہی سے اتار کر فرش خاک پر بٹھاتی ہے اور دوسرے کو مچھلی کے پیٹ میں تمام بلاؤں سے محفوظ رکھتی ہے ؎

جامع الحکایات میں لکھا ہے کہ نہروالا کے سفر میں محمود نے شہر میں ایک ایسا بت بھی دیکھا جو ہوا میں معلق کھڑا ہوا تھا اور کسی چیز پر قائم نہیں تھا۔ بادشاہ اس بات کو دیکھکر بہت متعجب ہوا اور اس نے اس کا بھید اپنے درباری حکیموں سے دریافت کیا سبھوں نے غور کے بعد یہ جواب دیا کہ اس بت خانے کی چھت اور تمام دیواریں سنگ مقناطیس کی بنی ہوئی ہیں اور بت لوہے کا ہے اور اطراف و جوانب کی قوت جاذبہ اور اس بت میں ایسا ارتباط ہے کہ ہر جانب سے قوت کشش بالکل مساوی ہے جس کی وجہ سے بت درمیان میں معلق ہے اور کسی طرف بھی جھکا ہوا نہیں ہے۔

بادشاہ نے اس بات کا امتحان کرنے کے لئے حکم دیا کہ ایک دیوار اس کی گرادی جائے جیسے ہی ایک جانب کی دیوار منہدم کی گئی بت فوراً سر کے بھل نیچے گر پڑا۔

خلیفہ بغداد کا مشتمل القاب نامہ محمود کے نام آیا

جس سال کہ محمود سفر سومنات سے کامیاب اور بامراد مراجعت کرکے غزنین واپس آیا۔ خلیفہ القادر باللہ عباسی نے ایک القاب نامہ محمود کے نام بھیجا اور اسی کے ساتھ خراسان۔ ہندوستان۔ اور نیمروز اور خوارزم کا لوائے سلطنت بھی محمود کو عطا کیا اس نامے میں خلیفہ نے خود محمود اور اس کے بیٹوں اور بھائیوں کو القاب عطا کئے تھے سلطان کو کہف الدولہ والاسلام۔ امیر مسعود کو شہاب الدولہ جمال الملت امیر محمد کو جلال الدولہ جمال الملت اور امیر یوسف کو عضد الدولہ موید الملت کے معزز خطابات دے کر محمود کو لکھا کہ جس کسی کو بھی تم اپنا ولیعہد بناؤ گے ہم بھی اس کو قبول کریں گے۔ محمود کو خلیفہ کا یہ خط بلخ میں پہنچا اور محمود (ان خطابات کا تمام اپنے مفتوحہ ممالک میں اعلان کرکے) اسی سال قوم جٹالی کو تنبیہ دینے کے لئے آگے بڑھا۔ یہ قوم کوہ جودی کے دامن میں دریا کے کنارے آباد تھی۔ جب محمود فتح سومنات کے بعد اپنے وطن کو واپس آرہا تھا تو اس قوم کے سرکشوں نے سلطانی لشکر کے سد راہ ہو کر مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ اس بنا پر ان سرکشوں کو تنبیہ دینے کے لئے محمود ایک جرار لشکر ساتھ لے کر ان پر حملہ آور ہوا۔ اور سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا ملتان تک پہنچا ملتان پہنچکر محمود نے حکم دیا کہ ایک ہزار چار سو کشتیاں بنائی جائیں اور ہر کشتی میں تین لوہے کی سلاخیں نصب کی جائیں اس طرح کہ ایک

کشتی کی پیشانی پر اور دو کشتی کے جانبین بچید مضبوطی کے ساتھ ٹھوک دی جائیں
اس کا مقصد یہ تھا کہ جو چیز ان سلاخوں کے سامنے آئے ان سے ٹکر کھاکر
ٹوٹ جائے اور خود تہ آب ہو جائے۔ جب کشتیاں تیار ہوگئیں تو ہر کشتی میں
بیس بیس آدمی بٹھلائے گئے اور ہر شخص کو تیر و کمان اور بارود کے گولے
دیدئے گئے۔ اس تیاری کے بعد کشتیاں دریا میں چھوڑدی گئی تھیں اور
جٹانیوں کے تباہ کرنے کے لئے لشکر آگے بڑھا قوم جٹان اس حملے سے باخبر
ہوچکی تھی اس قوم نے اپنے اہل وعیال کو جزیروں میں بھیجدیا اور خود تنہا
مقابلے کے لئے سامنے آئے ان جٹانیوں نے چار یا آٹھ ہزار کشتیاں دریا
میں چھوڑیں اور ہر کشتی میں ایک ایک دستہ مسلح سپاہیوں کا بٹھلاکر اسلامی
لشکر کے تباہی کے لئے آگے بڑھے جب دونوں لشکر دریا میں ایک دوسرے
سے ملے اور لڑائی کا بازار گرم ہوا تو جٹانیوں کی جو کشتی اسلامی کشتی کے
سامنے آتی تھی فوراً سلاخوں کی ضرب سے پاش پاش ہوکر غرقاب ہوجاتی
تھی اسی طرح ایک ایک کرکے غیر مسلموں کی تقریباً تمام کشتیاں ڈوب گئیں
اور جو سپاہی کہ ڈوبنے سے بچ گئے وہ مسلمانوں کے تلوار کا لقمہ اجل
بنے۔ ان جٹانیوں کو تباہ کرکے اسلامی لشکر ان کے اہل وعیال کی طرف
بڑھا اور جزیرے میں پہنچ کر مسلمانوں نے جٹانیوں کی عورتوں اور ان
کے بچوں کو اپنا قیدی بنایا۔ ان قیدیوں کو ساتھ لے کر بادشاہ سفر کی
منزلیں طے کرتا ہوا اپنے دارالخلافہ غزنین کو روانہ ہوا ؛

۴۱۸ھ میں محمود نے ابوالحرب امیر طوس ارسلان کو اضلاع باوورد کی مہم
پر متعین کیا۔ اس مہم کی غرض یہ تھی کہ ترکمانی سلجوقیوں کو جو دریائے آموچہ سے
گذر کر اس نواح میں شورش برپا کرتے تھے تباہ و برباد کردیا جائے۔
امیر طوس نے عظیم الشان لڑائیوں کے بعد فتح سے مایوس ہوکر محمود
کو لکھا کہ اس قوم کا استیصال بجز اس امر کے اور کسی طرح ممکن نہیں کہ
کہ بادشاہ خود بذات خاص ان پر حملہ آور ہو محمود نے اس مشورے پر
عمل درآمد کیا اور ایک جرار لشکر ہمراہ لے کر ترکمانیوں کے سر پر پہنچا غزنوی

لشکر نے ترکمانیوں کو منتشر کر دیا اور ان کو فاش شکست دی چونکہ سلجوقی امرا نے عراق کو آل بویہ کے قبضے سے نکال کر اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا اس لئے محمود ابی وردون سے ملک رے کو روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر رے کے تمام خزانے اور دفینے کو جو دیلم کے حاکموں نے عرصۂ دراز میں جمع کیا تھا بلا کسی محنت اور مشقت کے اس نے اپنے خزانے میں داخل کیا۔ اس کے بعد رے کے ملحدوں اور قرمطیوں میں سے ہر ایک کو جو اس ملک میں آباد تھا اور جس کا عقیدہ اسلام کے مخالف تھا محمود نے اسے قتل کیا۔ رے کی فتح کے بعد محمود نے صفہان اور رے کی حکومت امیر مسعود کے سپرد کی اور خود غزنین کو پلٹا۔ اس آخری معاودت کے تھوڑے ہی دنوں بعد محمود کے بدن میں مرض سل کا گھن لگنے لگا اور روز بروز بیماری کا غلبہ زیادہ ہوتا گیا۔ تھوڑے دنوں تو محمود نے اپنے مرض کو چھپایا اور لوگوں پر اپنے کو صحیح و سالم ظاہر کرتا رہا اسی بیماری کی حالت میں محمود بلخ پہنچا اور جب موسم بہار کا زمانہ آیا تو محمود بلخ سے غزنین روانہ ہوا لیکن مرض میں روز بروز زیادتی پیدا ہوتی گئی یہاں تک کہ اسی مرض الموت میں اپنے دارالخلافت غزنین کے اندر پنجشنبہ کے دن ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ میں محمود نے ہزاروں حسرت و آرزو کے ساتھ (۶۳) سال کی عمر میں اس دنیا کو خیرباد کہا۔ محمود کی مدت حکومت پینتیس سال بیان کی جاتی ہے جس روز محمود نے دنیا سے کوچ کیا اسی رات بارش کی حالت میں اس کی لاش قصر فیروز میں غزنین کے اندر دفن کی گئی محمود کا قد میانہ تھا قامت کے اعتبار سے خوش اندام تھا مگر اس کے چہرے پر چیچک کے داغ نمایاں تھے۔ محمود پہلا شخص ہے جس نے اپنے لئے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ تاریخ میں صحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ اپنی وفات سے دو روز پہلے محمود نے کل روپئے اور اشرفیاں اور جواہرات جو اس نے تمام عمر میں جمع کئے تھے خزانۂ شاہی سے نکلوا کر اپنے محل کے سامنے جمع کرائے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ سرخ سفید اور سبز وغیرہ اقسام کے رنگا رنگ جواہرات کی وجہ سے

صحن خانہ گلزار ارم معلوم ہوتا تھا محمود ان بیش قیمت انباروں کو حسرت سے دیکھتا اور باآواز بلند روتا تھا۔ تھوڑی دیر تک محمود اپنے خزانے کو دیکھتا اور اس کی مفارقت پر روتا رہا اس کے بعد اس نے روپے اور جواہرات کو پھر خزانے میں جمع کرا دیا۔ چونکہ اس آخری وقت میں بھی محمود نے اس خزانے میں سے کسی کو ایک حبہ نہ دیا اس لئے اس واقعے سے اور نیز اس کے مثل دیگر واقعات سے لوگ اس بادشاہ عالی نسب کو بخیل کہتے ہیں۔ اسس واقعے کے دوسرے دن جب کہ محمود محافے میں بیٹھ کر میدان کی سیر دیکھ رہا تھا اس نے ملازموں کو حکم دیا کہ شاہی اصطبل شتر خانہ اور فیلخانہ کے تمام گھوڑے اونٹ ہاتھی اور نیز دوسرے جانور سب اس کے سامنے پیش کئے جائیں۔ جب یہ جانور محمود کے سامنے آئے تو ان کو دیکھ کر تھوڑی دیر تو محمود سوچتا رہا اور اس کے بعد بے اختیار چلا چلا کر رونے لگا اور اسی گریہ کی حالت میں اپنے محل کو واپس گیا۔

ابوالحسن علی بن حسن میمندی کہتا ہے کہ ایک روز محمود نے ابوطاہر سامانی سے پوچھا کہ آل سامان نے اپنی مدت حکمرانی میں کتنے جواہرات جمع کئے تھے ابوطاہر نے جواب دیا کہ امیر نوح سامانی کے زمانے میں سات رطل نفیس جواہرات بادشاہی خزانے میں موجود تھے محمود نے یہ سن کر سجدہ کیا اور کہا کہ الحمد للہ خدا نے مجھ کو سو رطل سے بھی زیادہ بیش قیمت جواہرات عطا کئے ہیں۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ محمود نے اپنے آخری زمانے میں سنا کہ نیشاپور میں ایک بہت بڑا دولتمند رہتا ہے بادشاہ نے حکم دیا کہ وہ امیر غزنی بلایا جائے۔ بادشاہی حکم کے موافق وہ شخص غزنی آیا اور شاہی دربار میں پیش کیا گیا محمود نے اس سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تو بھی ملحد اور قرمطی ہے اس امیر نے جواب میں کہا کہ اے بادشاہ نہ میں ملحد ہوں اور نہ میں قرمطی ہوں میرا گناہ صرف یہی ہے کہ میں بہت بڑا دولتمند ہوں جو کچھ تیرا جی چاہے مجھ سے لے لے مگر مجھے بدنام نہ کر۔ محمود نے اس سے تمام دولت لے لی اور اسے ایک فرمان حسن عقیدت کا لکھ کر دیدیا۔ طبقات ناصری

میں لکھا ہے کہ محمود اس مشہور حدیث العلماء ورثۃ الانبیا کی صحت میں بیحد متردد تھا۔ اور قیامت کے آنے میں بھی اسے کچھ شکوک تھے اور نیز سبکتگین کے ساتھ اپنے نسبت فرزندی میں بھی اسے کچھ شبہ تھا ایک رات محمود مکان سے نکل کر پیادہ کہیں جا رہا تھا اور فراش طلائی شمعدان لئے ہوئے بادشاہ کے آگے آگے چل رہا تھا اس وقت ایک طالب علم مدرسہ میں بیٹھا ہوا اپنا سبق یاد کر رہا تھا چونکہ غریب طالب علم کے پاس جلانے کو تیل نہ تھا اس لئے جب کبھی وہ کچھ بھول جاتا تو ایک بنئے کے چراغ کی روشنی میں اپنی کتاب کا مطالعہ کر لیتا تھا محمود کو اس غریب طالب علم کے حال پر رحم آیا اور اس نے وہ شمعدان اسی طالب علم کو بخش دیا جس رات یہ واقعہ پیش آیا اسی شب محمود کو جناب ختم المرسلین صلعم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے محمود سے فرمایا کہ اے ناصرالدین سبکتگین کے بیٹے خدا تجھ کو دنیا اور آخرت میں ویسی ہی عزت دے جیسی کہ تو نے آج میرے ایک وارث کی قدر کی ہے۔ محمود کے تینوں شکوک ختم المرسلینؐ کے اس فرمان سے بالکل رفع ہو گئے محمود کے وفات کے دوسرے ہی سال غزنی میں ایک بہت بڑا سیلاب آیا اور شہر کی بہت سی عمارتیں مسمار ہو گئیں بہت سے بندگان خدا کی جانیں تلف ہوئیں اور جو پل عمر بن لیث صفار نے اپنے زمانہ حکومت میں دریا پر باندھا تھا وہ اس سیلاب سے ایسا منہدم ہوا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اہل بصیرت اس واقعے کو وفات محمود کی ایک بہت بڑی نشانی بیان کرتے ہیں اور اس حالت سے محمود کے عدل و انصاف پر استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ اس بادشاہ عالی جاہ کے انصاف کا یہ عالم تھا کہ اس کے عدل و انصاف کے بابت بہت سے قصے مشہور رہیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم واقعہ یہ ہے کہ ایک دن ایک سائل دادخواہی کے لئے محمود کے پاس آیا بادشاہ جب اس کی طرف متوجہ ہوا تو سائل نے جواب دیا کہ میری شکایت ایسی نہیں ہے کہ میں اسے سر دربار عرض کروں۔ بادشاہ یہ سن کر فوراً اس سائل کو اپنے ہمراہ خلوت میں لایا اور

اس سے اس کا حال دریافت کرنے لگا سائل نے کہا ایک زمانہ گذرا جب سے آپ کے خواہرزادے نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ ہر روز رات کو مسلح میرے مکان میں آتا ہے اور گھر کے اندر پہنچکر مجھ کو تو کوڑے مار کر باہر نکال دیتا ہے اور خود تمام رات میری زوجہ کو اپنے ساتھ لے کر سوتا ہے کوئی امیر ایسا باقی نہ ہوگا جس سے میں نے فریاد نہ کی ہو لیکن کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ خوف خدا سے ڈر کر میرے حال زار پر رحم کرے اور بادشاہ کو اس جانکاہ واقعے سے مطلع کرے۔ جب ان درباریوں سے میں نا امید ہوگیا تو میں نے دربار شاہی میں آنا شروع کیا اور وقت اور موقعے کا انتظار کر رہا تھا کہ کب میں بادشاہ سے اپنا حال زار کہہ سکونگا اتفاق سے اب بادشاہ نے مجھ پر توجہ فرمائی اور میں نے اپنی مصیبت کی داستان گوش گذار کر دی خدا نے آپ کو بادشاہ بنایا ہے اور رعایا اور کمزوروں کے حالات کے آپ جواب دہ ہیں اگر میرے حال پر رحم فرما کر آپ میری فریادرسی کریں گے تو فہوالمراد ورنہ معاملے کو منتقم حقیقی کے سپرد کر کے اس کے بے پناہ فیصلے تک صبر کرونگا۔ محمود پر اس قصے کا اتنا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار رونے لگا اور اس سائل سے کہا کہ اے مظلوم تو اس سے پہلے ہی میرے پاس کیوں نہ آیا اور اتنے دنوں تو نے یہ ظلم کیوں برداشت کیا۔ اس سائل نے کہا کہ اے بادشاہ عرصہ دراز سے میں یہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اپنے کو دربار سلطانی میں پہنچاؤں لیکن دربانوں اور چوبداروں کے روک تھام سے ہر روز نا کام چلا جاتا تھا خدا ہی جانتا ہے کہ آج کس تدبیر اور حیلے سے میں یہاں پہنچا ہوں۔ اور کس طرح ان چوبداروں کی آنکھ بچا کر خدمت سلطانی میں حاضر ہوا ہوں ورنہ ہم ایسے فقیروں اور غریبوں کو یہ کہاں نصیب ہے کہ جب چاہیں بے دھڑک دربار سلطانی میں حاضر ہو جائیں اور بالمشافہ بادشاہ کو اپنے درد دل کی داستان سنائیں ؛

محمود نے سایل سے کہا کہ تم اطمینان سے بیٹھو لیکن میری اس ملاقات اور گفتگو کا حال کسی سے نہ کہنا اور اس بات کا خیال رکھو کہ اب جب کبھی وہ ظالم تمہارے گھر آکر تمہاری آبروریزی کرے تو تم اسی وقت میرے

پاس چلے آؤ (میں فی الفور تمہاری دادرسی کرونگا اور اس ظالم کو اس کی بدکرداری
کا مزہ چکھاؤنگا۔ سائل نے کہا کہ اے بادشاہ مجھ ایسے فقیر کے لئے یہ کیونکر
ممکن ہوسکتا ہے کہ جب چاہوں بلاکسی مزاحمت کے خدمت سلطانی میں حاضر
ہوجاؤں۔ محمود نے یہ سن کر دربانوں کو طلب کیا اور سائل کو ان سے شناسا
کرا کے یہ حکم دیا کہ جس وقت یہ شخص ہمارے حضور میں آنا چاہے بلاکسی اطلاع
اور جدید حکم کے اُسے آنے دیں اور کسی طرح کی مزاحمت نہ کریں۔ ان دربانوں
کے چلے جانے کے بعد محمود نے اس سائل سے خفیہ طور پر کہا) کہ اگرچہ میرے
حکم کے موافق اب یہ لوگ تمہارے مزاحم نہ ہونگے لیکن پھر بھی میں احتیاطاً
تم سے کہتا ہوں کہ) اگر کبھی ایسا اتفاق ہو کہ تم میرے پاس آؤ اور یہ چوبدار میری
عدیم الفرصتی یا آرام کا بہانہ کرکے تمہیں عام دروازوں سے نہ آنے دیں یا
بیجا طور پر تمہیں ٹھہرالیں تو تم فلاں جگہ چھپ کر چلے آنا اور آہستہ سے آواز دینا
آواز کے سنتے ہی تم میرے پاس پہنچ جاؤ گے۔ اس تقریر اور فہمایش کے
بعد محمود نے اس سائل کو رخصت کیا اور خود اس کی آمد کا منتظر رہا۔ سائل اپنے
گھر واپس آیا لیکن دو راتیں اس پر آرام سے گذریں اور کوئی واقعہ ایسا پیش
نہ آیا کہ وہ محمود کے سامنے حاضر ہو۔ تیسرے رات اس سائل کا رقیب
اپنی عادت کے موافق آیا اور اس غریب کو اس کے گھر سے باہر نکال کر
خود اس کی بی بی کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔ سائل اسی
وقت دوڑتا ہوا آستانۂ شاہی پر پہنچا اور اس نے دربانوں سے درخواست
کی کہ بادشاہ کو اس کی حاضری کی اطلاع دی جائے۔ دربانوں نے اس سے
کہا کہ چوں کہ اس وقت بادشاہ بجائے دیوانخانے کے اپنے حرم سرا میں ہیں اس لئے کسی طرح کی
اطلاع دہی ممکن نہیں ہے۔ سائل وہاں سے مایوس ہوکر اسی خفیہ مقام پر
پہنچا۔ جس کی اطلاع اسے محمود نے پہلے سے کردی تھی۔ اس جگہ پہنچ کر غریب
دادخواہ نے آہستہ سے کہا کہ اے بادشاہ آپ کس کام میں مشغول ہیں۔
محمود نے آہستہ جواب دیا کہ ٹھہرو میں باہر آتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ
باہر آیا اور اس سائل کے ہمراہ اس کے گھر پہنچا وہاں پہنچ کر محمود نے

اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کا بھانجہ اس سائل کی زوجہ کو پہلو میں لئے سورہا ہے اور پلنگ کے سرہانے شمع جل رہی ہے ؂

بادشاہ نے فوراً شمع کو گل کیا اور خنجر کھینچ کر اس ظالم کا سر قلم کر ڈالا اور اس سائل سے کہا کہ اے بندۂ خدا اگر ایک گھونٹ پانی تجھے میسر ہو تو لے آ تاکہ میں اپنی پیاس بجھاؤں۔ سائل کوزہ میں پانی لایا محمود نے پانی پیا اور اپنی جگہ سے اٹھا اور اس مظلوم سے کہا کہ اے فقیر اب اطمینان کے ساتھ آرام کر۔ محمود چاہتا تھا کہ باہر جائے کہ اس دادخواہ نے اس کا دامن پکڑ کر کہا کہ اے بادشاہ تجھے اس خدا کی قسم جس نے تجھ کو اس بلند مرتبے پر سرفراز کیا ہے مجھے بتا کہ شمع کے گل کرنے اور سر قلم کرنے کے بعد پانی مانگنے اور فوراً پانی پینے میں کیا اسرار تھے اور تو نے کس طرح اس قصے کو پاک کیا ہے کہ سر قلم کرنیکے بعد مجھ سے تو نے یہ کہا کہ جا اور اب اطمینان سے آرام کر۔ محمود نے کہا کہ اے فقیر میں نے ظالم کے شر سے تجھے نجات دی اور اس کا سر کاٹ کر اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں۔ شمع کے گل کرنے میں یہ سر تھا کہ شاید روشنی میں میری نگاہ اس ظالم کے چہرے پر پڑے اور صلہ رحم مجھے انصاف سے باز رکھے اور پانی مانگنے کا سبب یہ تھا کہ جب تو نے اپنا حال مجھ سے بیان کیا تھا تو میں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک تیری دادخواہی نہ کرلونگا نہ کھانا کھاؤنگا اور نہ پانی پیونگا تین شبانہ روز تیرے انتظار میں مجھ پر بے آب و دانہ گذر چکے تھے جب میں اس ظالم کو سزا دے چکا تو چونکہ پیاس کا مجھ پر بیحد غلبہ تھا میں نے تجھ سے پانی مانگ کر اپنی پیاس بجھائی۔ ناظرین اس حکایت سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگرچہ بہت سے عدل وانصاف کے قصے بادشاہوں کے بابت تاریخوں میں مرقوم ہے لیکن ایسا قصہ کسی بادشاہ کے حالات میں نہ ملے گا واللہ اعلم بالصواب ؂

تاریخ بناۓ گیتی میں لکھا ہے کہ جب محمود خراسان گیا تو اس نے چاہا کہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کی زیارت سے فیض یاب ہوئے لیکن شوق زیارت کے ساتھ ہی یہ خطرہ اس کے دل میں گذرا کہ وہ اپنے ملک سے

اس بزرگ کی زیارت کے لئے نہیں چلا ہے بلکہ مصلحت ملکی کے لحاظ سے اس نے خراسان کا سفر کیا ہے۔ سیاست کو اصل غرض جان کر اس کے طفیل میں خاصان خدا کی زیارت کرنا پاس ادب سے دور ہے۔ اس خیال کے آتے ہی محمود نے حضرت شیخ کی زیارت کا ارادہ فسخ کر دیا اور خراسان سے ہندوستان آیا اور ہندوستان میں مہمات ملکی کو انجام دے کر پھر غزنین واپس گیا۔ غزنین پہنچتے ہی اس نے شیخ کی زیارت کا احرام باندھا اور خرقان روانہ ہوا۔ جب محمود خرقان پہنچا تو اس نے ایک شخص کو حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا اور شیخ کو یہ پیغام دیا کہ بادشاہ آپ سے ملنے کے لئے غزنین سے خرقان آیا ہے۔ اب اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ آپ بھی اپنی خانقاہ سے باہر نکلکر بادشاہ سے اسکی بارگاہ میں ملاقات کریں اور قاصد سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر شیخ اپنی خانقاہ سے باہر آنا قبول نہ کریں تو آیہ کریمہ یا ایہا الذین آمنو اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم (اے ایمان والو اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم پر حاکم ہیں) پڑھ کر شیخ کو سنائے۔ قاصد حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور محمود کا پیغام شیخ کو پہنچایا۔ شیخ نے اپنی خانقاہ سے نکلنے سے انکار کیا اور کہا کہ مجھے اس خدمت سے معذور رکھو قاصد نے محمود کی فہمایش کے موافق مذکورہ بالا آیت پڑھ کر شیخ کو سنائے۔ شیخ نے کہا کہ جا کر محمود سے کہدے کہ میں اب تک اطیعو اللہ میں اسقدر مستغرق ہوں کہ اطیعو الرسول کے مرتبے تک نہ پہنچنے کی ندامت ہے اولی الامر منکم کی طرف میں کس طرح توجہ کر سکتا ہوں۔ جب قاصد نے شیخ کا پیغام محمود تک پہنچایا تو محمود اس جواب کو سن کر بیحد رو دیا اور اس نے کہا کہ چلو ہم خود ہی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں یہ مرد خدا ایسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے غلطی سے اسے سمجھ رکھا ہے۔ یہ کہہ کر محمود اٹھا اور اس نے اپنا لباس ایاز کو پہنایا اور دس لونڈیوں کو غلاموں کے کپڑے پہنائے اور خود ایاز کے کپڑے پہن کر شیخ کی خانقاہ کی طرف چلا۔ جب یہ گروہ شیخ کی خانقاہ

میں پہنچا اور ان سے سلام علیک کی تو شیخ نے جواب سلام تو دیا لیکن تعظیم کے
لئے اپنی جگہ سے نہ اٹھے اور محمود نما ایاز کی طرف مطلقاً التفات نہ کی بلکہ
ایاز نما محمود کی طرف متوجہ ہوکر اس سے کچھ کہنے کے لئے آمادہ ہوئے۔
ایاز نما محمود نے شیخ سے کہا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے نہ تو بادشاہ
کی طرف توجہ کی اور نہ اس کی تعظیم کے لئے اپنی جگہ سے اٹھے کیا فقر کے
دام کی کل یہی کائنات ہے کہ بادشاہ سے اس طرح لاپرواہی برتی جائے۔
حضرت شیخ نے جواب دیا کہ ہاں دام تو یہی ہے لیکن تیرا مشار الیہ اس جال کا
صید نہیں ہے تو سامنے آ اس لئے کہ تو اس جال کا سب سے بڑا شکار ہے۔
محمود نے جب دیکھا کہ شیخ کا عرفان حقیقت حال کو سمجھ گیا تو مودب شیخ کے
سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ مجھ سے کچھ ارشاد فرمائے شیخ نے غلمان نما کنیزوں
کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ نامحرموں کو اس مجلس سے باہر کر سلطان نے
ان کنیزوں کو مجلس کے باہر کر دیا اور شیخ سے کہا کہ حضرت بایزید بسطامی کی
کوئی حکایت مجھے سنائیے شیخ نے کہا کہ بایزید نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھے
دیکھا وہ شقاوت کی تمام برائیوں سے محفوظ رہا۔ محمود نے کہا کہ یہ بات
سمجھ میں نہیں آتی کیا بایزید کا مرتبہ حضرت پیغمبرؐ کے مرتبے سے بھی زیادہ ہے
نبی کریمؐ کے دیکھنے والوں میں ابوجہل و ابولہب وغیرہ ویسے ہی کافر ہے
تو بایزید کے دیکھنے والوں میں ہر شقی کیونکر سعید بن سکتا ہے۔ شیخ نے
محمود کی یہ تقریر سن کر کہا کہ محمود اپنے فانی حکومت کے سطح کے اوپر پرواز
نہ کر ادب کو ملحوظ رکھکر ولایت کی حکومت میں قدم مت رکھ اور یہ سمجھ لے
کہ حضرت مصطفٰی صلعم کو سوا حضرات چاریار اور چند دیگر صحابیوں کے اور کس
نے دیکھا کیا تو نے قرآن کی یہ آیت نہیں سنی وترٰاهم ينظرون
اليك وهم لا يبصرون (اور تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو کہ وہ نگاہ
کرتے ہیں تمہاری طرف حالانکہ وہ حقیقتاً تم کو نہیں دیکھتے) محمود کو شیخ کی
یہ بات بہت پسند آئی اور اس نے کہا مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ شیخ نے جواب
دیا کہ چار چیزیں اختیار کر اول پرہیزگاری دوسرے نماز باجماعت تیسرے سخاوت

چوتھے شفقت اس کے بعد محمود نے کہا کہ میرے لئے دعا کیجئے شیخ نے فرمایا کہ میں پانچوں وقت نماز کے بعد یہ دعا کرتا ہوں کہ اللھم اغفر للمومنین والمومنات محمود نے کہا کہ یہ دعا تو عام ہے میرے لئے خاص کر دعا فرمایئے شیخ نے فرمایا کہ جا تیری عاقبت محمود ہو اس کے بعد محمود نے ایک توڑا روپیوں کا شیخ کے سامنے رکھ دیا شیخ نے جو کی سوکھی روٹی محمود کے سامنے رکھی اور محمود سے کہا کہ اس روٹی کو کھاؤ محمود اس روٹی کو چباتا تھا لیکن وہ نہ دانتوں سے کٹتی تھی اور نہ اس کے گلے سے اترتی تھی۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ روٹی تمہارے گلے میں پھنستی ہے محمود نے کہا کہ ہاں شیخ نے فرمایا کہ جس طرح ہماری یہ سوکھی روٹی تمہارے گلے سے نیچے نہیں اترتی اسی طرح تمہارا یہ توڑا ہمارے گلے سے نیچے نہیں اترتا اس کو ہمارے سامنے سے اٹھاؤ کہ ہم نے اس کو بہت پہلے سے طلاق دیدی ہے۔ محمود نے کہا کہ کوئی چیز مجھے اپنی یادگار دیجئے شیخ نے اپنا ایک خرقہ محمود کو دیا اور راستے رخصت کیا۔ جب محمود رخصت ہو کر اٹھا تو شیخ نے اس مرتبہ اس کی تنظیم کی اور سرو قد کھڑے ہو گئے۔ محمود نے کہا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ جب میں پہلے آیا تھا تو آپ نے قطعاً توجہ نہ کی تھی اور اس مرتبہ آپ میرے لئے سرو قد کھڑے ہوتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے مرتبہ تم شاہی تکبر اور امتحان کے غرور میں سرشار آئے تھے اور اب تم عاجزی اور انکسار کے ساتھ واپس جاتے ہو۔ محمود شیخ سے رخصت ہو کر غزنین واپس آیا اور شیخ کے خرقہ کو احتیاط کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔ جس وقت کہ محمود نے سومنات پر حملہ کیا اور دابشلیم اور پرم دیو کی لڑائی میں اس کو یہ اندیشہ ہوا کہ اسلامی لشکر ہندوؤں کے مقابلے میں شکست کھا جائے گا تو محمود پریشان ہو کر ایک کونے میں گیا اور شیخ کے خرقہ کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گرا اور کہا کہ اے خدا اس خرقے کے مالک کے طفیل میں مجھے ان غیر مسلموں پر فتح دے میں یہ نیت کرتا ہوں کہ جو کچھ مال غنیمت یہاں سے لے جاؤنگا اس کو فقیروں میں تقسیم کرونگا مورخین لکھتے ہیں کہ اس دعا کے مانگتے ہی آسمان کے ایک گوشے

سے تاریک ابر اٹھا اور تمام آسمان پر چھا گیا بادل کی گرج اور بجلی کی چمک سے ہندو لشکر پریشان ہو گیا اور اس تاریکی میں ہندو سپاہی ایسے حواس باختہ ہوئے کہ خود آپس ہی میں ایک دوسرے پر تیغ زنی کرنے لگے ہندو لشکر کی اس خانہ جنگی سے پرم دیو کی فوج میدان جنگ سے بھاگی اور اسلامی لشکر نے ہندوں پر فتح پائی ۔ میں نے ایک معتبر تاریخ میں یہ روایت دیکھی ہے کہ جس روز محمود نے شیخ کی خرقہ کے طفیل میں خدا سے دعا مانگ کر غیر مسلموں پر فتح پائی اسی رات محمود نے شیخ ابوالحسن کو خواب میں دیکھا کہ وہ محمود سے فرماتے ہیں کہ اے محمود تو نے میرے خرقے کی آبرو ریزی کی اگر فتح کے بجائے تو خدا سے تمام غیر مسلموں کے اسلام لانے کی دعا کرتا تو وہ بھی قبول ہوتی ؛

جامع الحکایات میں لکھا ہے کہ جب محمود حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا تو اس نے شیخ سے کہا کہ اگرچہ خراسان میں مجھے بہت سے اہم امور در پیش تھے لیکن ان سب کو چھوڑ کر میں غزنین سے خاص آپ کی زیارت کا ارادہ کر کے یہاں آیا ہوں شیخ نے کہا کہ اے محمود اگر تو نے غزنین سے میری زیارت کا احرام باندھا ہے تو کیا عجب ہے کہ اس کی برکت سے لوگ خانہ کعبہ سے تیری زیارت کا احرام باندہ کر غزنین میں آئیں ۔ سبحان اللہ محمود کی حالت کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیخ ابوالحسن خرقانی اس کے بابت یہ جملہ فرمائیں ؛

تاریخ روضتہ الصفا میں مرقوم ہے کہ ایک روز محمود اپنے محل کے بالاخانہ پر بیٹھا تھا اور میدان کی سیر کر رہا تھا کہ ناگاہ اس کی نظر ایک بے سروپا بازاری آدمی پر پڑی محمود نے دیکھا کہ یہ کوچہ گرد ہاتھ میں تین پرند لیے ہوئے کھڑا ہے ۔ جب محمود کی آنکھیں اس سے چار ہوئیں تو اس نے اپنے ہاتھوں سے کچھ اشارہ کیا محمود نے اس کی طرف سے آنکھ پھیر لی مگر اپنے دل میں یہ سوچتا رہا کہ اس اشارہ سے اس شخص کا مدعا کیا ہے تھوڑی دیر کے بعد محمود نے پھر اس بے سروپا کی طرف دیکھا اور اس نے پھر اسی طرح ہاتھوں سے اشارہ کیا ۔ اس مرتبہ محمود نے اس کو

اپنے سامنے طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں یہ پرند کیسے ہیں اور تیرے اشارہ کا مطلب کیا ہے اس نے کہا میں جواری ہوں آج میں نے بادشاہ کو غائبانہ اپنا شریک کر کے پانسہ پھینکا جس کی وجہ سے یہ تین پرند میں نے جیتے ہیں بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ یہ پرند اس سے لے لیئے جائیں دوسرے دن وہ جواری دو پرند ہاتھوں میں لیئے ہوئے پھر اسی طرح سامنے نظر آیا محمود نے دوسرے روز بھی دو پرند اس سے لے لیئے لیکن یہ سوچتا رہا کہ اس کا مقصود کیا ہے تیسرے دن پھر وہ جواری تین پرند لیکر آیا اور اسی طرح بادشاہ کے سامنے پیش کر کے چلا گیا۔ چوتھے روز جواری محمود کو خالی ہاتھ نظر آیا اور بادشاہ نے دیکھا کہ وہ سر جھکائے ہوئے رنجیدہ اور مغموم محل کے نیچے کھڑا ہوا ہے بادشاہ نے جب اس کو دیکھا تو کہا کہ معلوم نہیں آج ہمارے شریک کو کیا حادثہ پیش آیا ہے جو اس طرح غمگین اور رنجیدہ خاموش کھڑا ہے یہ کہکر محمود نے اس کو اپنے پاس بلایا اور اس کا حال پوچھا اس جواری نے جواب دیا کہ آج میں نے بادشاہ کی شراکت میں ایک ہزار دینار کی بازی لگائی تھی لیکن بدقسمتی سے پانسہ میرے خلاف پڑا محمود یہ سنکر مسکرایا اور اپنے دربان کو حکم دیا کہ پانسو دینار دیکر رخصت کرے اور اس جواری سے کہا کہ جبتک میں موجود نہ ہوں میری شراکت میں اب پھر کبھی بازی نہ لگانا۔ تاریخ حبیب السیر میں لکھا ہے کہ محمود کا پہلا وزیر ابوالعباس فضل بن احمد تھا یہ وزیر اپنی اوائل عمر میں فائق کی دربار میں عہدہ کتابت پر مامور تھا جب فائق کے اقبال پر زوال آیا تو ابوالعباس امیر ناصرالدین سبکتگین کے دربار میں پہنچا اور اس دربار میں اس نے یہاں تک رسوخ حاصل کیا کہ وزارت کے مرتبہ پر سرفراز ہوا سبکتگین کے بعد محمود نے بھی اس کو وزارت کے عہدہ پر بحال رکھا چونکہ ابوالعباس عربی زبان نہیں جانتا تھا اس لیئے تمام منشور اور فرامین جو پیشتر عربی میں لکھے جاتے تھے اس کے عہد میں فارسی زبان میں لکھے جانے لگے۔ ابوالعباس کے بعد خواجہ احمد میمندی نے پھر فرامین کو عربی میں لکھنا رائج کیا۔

ابوالعباس انتظام مملکت اور مہمات جنگ کو سرانجام دینے میں کامل دخل رکھتا تھا محمود کے عہد میں دس سال وزارت کرنے کے بعد اس کا ستارہ

گردش میں آیا اور یہ اپنے عہدے سے معزول کر دیے گئے بعض مورخین اس کے ادبار کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ محمود کو خوبرو اور حسین غلاموں کے جمع کرنے کا بیحد شوق تھا چونکہ الناس علیٰ دین ملوکہم۔ رعیت بھی اپنے بادشاہ کی پیروی کرتی ہے ابوالعباس بھی غلاموں کے خریدنے اور جمع کرنے میں بہت کوشاں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ابوالعباس نے سنا کہ ترکستان میں ایک نہایت خوبصورت غلام بک رہا ہے ابوالعباس نے اپنے ایک قابل بھروسہ ملازم کو ترکستان بھیجا تاکہ وہاں سے اس غلام کو خرید کر عورتوں کے لباس میں اسے غزنی لے آئے کسی خاص نے محمود کو اس واقعے کی اطلاع کر دی اور محمود نے ابوالعباس سے اس غلام کو طلب کیا ابوالعباس نے عذر اور بہانے سے غلام کے دینے میں انکار کیا۔ ایک دن محمود کسی بہانے سے بلا اطلاع ابوالعباس کے گھر پہنچ گیا ابوالعباس بادشاہ کو دیکھتے ہی نیازمندانہ خدمت اور ضیافت میں مشغول ہوا۔ محمود ابوالعباس کے گھر بیٹھا ہی تھا کہ وہ حسین غلام سامنے نظر آیا محمود نے جبراً اس غلام کو چھین لیا اور وزیر کو تباہ و برباد کرکے عہدہ وزارت سے معزول کیا اسی زمانے میں محمود نے ہندوستان پر لشکر کشی کی اور محمود کے بعض کمینہ خصلت اور حریص درباریوں نے مال کی لالچ میں ابوالعباس کو اتنا شکنجہ کیا کہ وہ ہلاک ہو گیا؛

ابوالعباس کے بعد خواجہ احمد بن حسن میمندی محمود کا وزیر ہوا یہ وزیر محمود کا دودھ شریک بھائی اور اس کا ہم سبق تھا اور اس کا باپ حسن میمندی سبکتگین کے زمانے میں بست کے قصبے میں بادشاہ کی طرف سے مال جمع کرنے کے لئے مقرر تھا حسن پر خیانت کا الزام لگایا گیا اور بادشاہ کے حکم سے سولی پر چڑھایا گیا۔ یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ حسن میمندی محمود کا وزیر تھا بالکل غلط ہے احمد بن حسن چونکہ خوشخط تیز طبیعت اور صاحب فہم و فراست تھا اس لئے سب سے پہلے یہ عہدہ انشا اور رسالت پر مقرر کیا گیا۔ بادشاہی عنایات سے صدر محاسبی۔ میر بخشی اور حکومت خراسان کے مختلف عہدوں پر برابر سرفراز ہوتا رہا۔ تھوڑے دن کے بعد جب محمود ابوالعباس اسفرائینی سے ناراض ہوا تو وزارت کی باگ مستقل طور پر احمد بن حسن کے ہاتھ میں آگئی احمد حسن نے اٹھارہ برس وزارت کے کام کو سرانجام دیا اور اس میں شبہہ نہیں کہ اپنے مفوضہ کام کو بیحد دیانت اور انجام دہی

کے ساتھ انجام دیتا رہا آخر کار بمقتضائے مثل ہر کمالے را زوالے میمندی کا ستارہ اقبال بھی ادبار میں آیا اور دربار کے بڑے بڑے نامی امرا حسد کی وجہ سے اس کے جانی دشمن بن گئے یہانتک کہ التونتاش سپہ سالار اور امیر علی خویشاوند جیسے نامی امرائے بادشاہ سے اس کی غیبت کی اور اس احسان مجسم شخص پر بہت سے جھوٹے الزامات لگائے۔ ان درباریوں کی باتیں محمود کے دل میں اتر گئیں اور اس نے فوراً میمندی کو وزارت کے عہدے سے معزول کر دیا۔ اور اس کو بہرام نام خواص کے سپرد کیا تاکہ وہ اس کو درہ کشمیر میں لے جائے اور ہندو کیگی نامی ایک شخص کے جو وہاں کے محبس کا نگرانکار ہے سپرد کرے۔ میمندی تیرہ سال کالنجر کے قلعے میں قید رہا لیکن آخر سلطان مسعود کے زمانے میں اس نے قید سے نجات پائی اور پھر وزارت کے عہدے پر فائز ہوا اور ۴۲۴ھ ہجری میں فوت ہوا۔

میمندی کے مرنیکے بعد محمود نے وزارت کا عہدہ احمد حسین بن میکال کو جو عام طور پر جنگ میکال کے نام سے مشہور ہے عطا کیا۔ احمد حسین اپنے بچپن کے زمانے سے محمود کا ملازم تھا اور تیزی طبیعت خوبی کلام اور خوش افعالی میں بہت نامور اور ممتاز تھا۔ احمد حسین میمندی کے بعد محمود کے وفات تک وزارت کا کام انجام دیتا رہا۔ بعض مورخین احمد حسین کے واسطے سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں محمود اپنے باپ سبکتگین کے ساتھ ابوعلی سیمجوری کے فتنے کو دفع کر رہا تھا تو اس نے سفر کی ایک منزل میں سنا کہ اس مقام سے قریب ایک فقیر رہتا ہے اور اطراف و نواح میں اپنے زہد عبادت اظہار کرامت اور پرہیزگاری میں بیحد مشہور اور معروف ہے۔ عام طور پر لوگ اس فقیر کو زاہد آہو پوش کہتے ہیں۔ چونکہ محمود کو فقیروں اور گوشہ نشینوں سے بہت عقیدت مندی تھی محمود نے اس آہو پوش سے ملنے کا ارادہ کیا اور احمد حسین سے جو فقرا کے گروہ کا منکر تھا کہا کہ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تم کو صوفیوں اور زاہدوں سے کچھ

عقیدہ اور محبت نہیں ہے لیکن میری خواہش یہ ہے کہ زاہد آہو پوش کی خدمت
میں تم بھی میرے ساتھ چلو۔ احمد حسین نے قبول کیا اور بادشاہ کے
ساتھ چلا۔ جب محمود اس فقیر کے پاس پہنچا تو زاہد سے بعید ارادت کے
ساتھ ملا اور فقیر نے بھی چند عمدہ نکتہ تصوف کے محمود کے سامنے
بیان کئے محمود فقیر کی یہ باتیں سن کر اور زیادہ اس کا معتقد ہو گیا اور
آہو پوش سے کہا کہ نقد اور جنس جو کچھ کہ ملازمین خانقاہ کے لئے ضروری
ہو ہیں اسی وقت اسے مہیا کر دوں۔ آہو پوش نے یہ سن کر اپنا ہاتھ بلند
کیا اور فوراً ہی ایک مٹھی اشرفی سلطان کے ہاتھ میں دیدی اور کہا
کہ جس کو غیب کے خزانے سے ہر وقت روپیہ اور پیسہ حاصل ہو سکے
اس کو غیر کے مال کی کیا ضرورت ہے۔ محمود نے فقیر کی اس حرکت
کو اس کی بہت بڑی کرامت سمجھی اور ان اشرفیوں کو احمد حسین کو دیا اور
اس سے کہا کہ دیکھو فقرا کو اتنی قدرت حاصل ہوتی ہے! احمد حسین نے
وہ اشرفیاں لے کر انہیں غور سے دیکھا کیا دیکھتا ہے کہ وہ تمام اشرفیاں
ابو علی سمجوری کا سکہ ہیں۔ جب محمود آہو پوش سے رخصت ہو کر باہر آیا
تو اس نے احمد حسین سے کہا کہ اس قسم کی بدیہی کرامتوں کا انکار کیونکر
کیا جا سکتا ہے احمد حسین نے کہا کہ میں اولیا اللہ کی کرامات کا منکر نہیں ہوں
لیکن اس معاملے میں مجھے اتنا عرض کرنا ہے کہ آپ کو ایسے شخص کے
مقابلے میں معرکہ آرائی کرنی ہرگز زیبا نہیں ہے جس کے نام کا سکہ
آسمان پر بھی رائج ہے۔ محمود نے جب دیکھا کہ ان اشرفیوں پر ابو علی سمجوری
کا نام کندہ ہے تو شرمندہ ہو کر خاموش ہو رہا۔ مورخ فرشتہ یہ کہتا ہے کہ
احمد حسین کا قول صحیح نہیں اس لئے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت خضر
اور دوسرے رجال الغیب خدا کے حکم سے اکثر دنیا کی چیزوں کو اس
مادی عالم سے لے کر ضرورت کے وقت اولیا اللہ کی خدمت میں پہنچا
دیتے ہیں خواہ وہ چیزیں مسکوک ہوں یا نہ ہوں اور ان چیزوں کا اس طرح پر پہنچانا
شرع سے ممنوع نہیں ہے۔ جب سلطان مسعود بادشاہ ہوا تو اس نے

احمد حسین کو اس بہانے سے کہ احمد نے مکہ معظمہ سے مراجعت کے وقت مصر کے مشہور ملحد بادشاہ کا خلعت پہن کر قرمطی باطنی ہو گیا ہے اس کو سولی پر چڑھا دیا ۔

محمود کے زمانے کے نامور شعرا

(۱) عصائیری رازی یہ شخص محمود کے زمانے میں رے سے غزنی آیا اور دارالخلافت کے شعراء کا ہمیشہ مشاعروں اور مباحثوں میں مدمقابل رہا اس نے محمود کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا جس کے صلے میں محمود نے اسے چودہ ہزار درم عطا کئے ۔

(۲) استاد اسدی طوسی۔ اسدی طوسی محمود کے زمانے کا مشہور استاد اور خراسان کے شعراء کا سرگروہ تھا اسدی طوسی سے بارہا شاہ نامے کو نظم کرنے کی فرمایش کی گئی لیکن اسدی ہمیشہ بڑھاپے اور کمزوری کا بہانا کر کے اس فرمایش کو ٹالتا رہا۔ اسدی کا دیوان اس زمانے میں کم یاب ہے۔ اور شعرا کے کلام کے مجموعے میں بھی اس کے اشعار دیکھنے میں نہیں آتے اسدی ہمیشہ اپنے مشہور شاگرد فردوسی کو شاہنامے کو نظم کرنے کی ترغیب دیتا رہا آخرکار ایسا ہی ہوا اور فردوسی نے شاہ نامے کو تمام کیا ۔

فردوسی غزنی سے بھاگ کر طوس گیا اور وہاں سے رستمدار اور طالقان سے بھی فردوسی طوسی بھاگا اور پھر طوس کی طرف واپس ہوا اس اثنا میں فردوسی بیمار پڑا اور اپنے مرنے سے پہلے اس نے اسدی کو بلایا اور اس سے کہا کہ مرنے کا وقت قریب ہے اور شاہ نامے کا کچھ حصہ باقی رہ گیا افسوس کہ یہ کتاب ناتمام رہی جاتی ہے اس لئے میں اپنے بعد کسی میں اتنی قابلیت نہیں دیکھتا کہ وہ شاہ نامے کی بقیہ نظم کو پورا کر سکے اسدی نے کہا کہ اے فرزند رنجیدہ مت ہو اگر میں زندہ رہا تو

میں اس کو تمام کر دونگا فردوسی نے کہا کہ اے اوستاد تم بڑھاپے کی وجہ سے بہت کمزور ہوگئے ہو تم سے اس مشکل کام کا سرانجام پانا دشوار ہے۔ اسدی نے کہا کہ نہیں اگر خدا نے چاہا تو میں اس کام کو پورا کر دونگا اس گفتگو کے چند ہی دنوں بعد اسدی نے قوم عرب کے عجمی فتوحات کو جس کا بیان تقریباً چار ہزار شعروں میں ہے نظم کر کے فردوسی کے زندگی میں اس کے سامنے پیش کیا۔ فردوسی اس کو سن کر بیحد خوش ہوا اور اپنے استاد کی ذہانت کی بیحد داد دی۔ مشہور ہے کہ اسدی مناظرہ کو بہت اچھا نظم کرتا تھا چنانچہ اسدی کے مناظرہ روز وشب کے اشعار بہت مشہور اور معروف ہیں ؎

(۳) مینوچہر بلخی۔ یہ شاعر بلخ کا باشندہ تھا سلطان محمود کے عہد میں غزنی ہی میں رہتا تھا اور بخلاف دیگر شعرا کے مینوچہر اپنے گھر کا بہت دولتمند تھا اور شاعری میں اسے اچھا ملکہ حاصل تھا اس کا ایک قصیدہ بیحد مشہور ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

اے نہادہ درمیان فرق جان خویشتن　　　چشم ما زندہ بجان وجان تو زندہ بتن

(۴) حکیم عنصری۔ عنصری محمود کے عہد کا ملک الشعرا تھا شاعری کے علاوہ عنصری میں اور بہت سے فضائل اور کمالات تھے مورخین لکھتے ہیں کہ دربار میں (۴۰۰) نامی شعرا کا مجمع تھا اور یہ سب کے سب عنصری کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ عنصری کو محمود کے دربار میں ایک خاص رسوخ حاصل تھا۔ آخر زمانے میں محمود نے عنصری کو ملک الشعرا کا خطاب دیا اور یہ حکم دیدیا کہ جو شاعر بادشاہ کے حضور میں کوئی نظم پیش کرنی چاہے وہ اس نظم کو پہلے عنصری کے ملاحظہ میں پیش کرے اور عنصری اگر مناسب سمجھے تو اسے بادشاہ تک پہنچائے عنصری کا ایک بڑا طویل قصیدہ مشہور ہے جس میں اس نے محمود کی تمام لڑائیوں کے واقعات کو نظم کیا ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ایک رات محمود نے عشق مجازی کے جذبہ سے ایاز کی طرف نظر کی

چونکہ محمود پر خدا کی رحمت سایہ فگن تھی فوراً ہی شرعی احکام نے اس کی تنبیہ کی اور زبان حال سے اس کہا کہ اے محمود پاک عشق کو فسق و فجور کی گندگی سے آلودہ مت کر۔ محمود فوراً ہی اس خواب غفلت سے بیدار ہو گیا اور ہوش میں آتے ہی اس نے ایاز کو ایک چاقو دیا اور اس سے کہا کہ اپنی راہزن زلفوں کو کاٹ ڈال ایاز نے پوچھا کہ زلفوں کو کتنا کتر دوں محمود نے کہا کہ سب کتر ڈال ایاز نے فوراً سلطانی حکم کی تعمیل کی اور اپنی زلفیں کاٹ ڈالیں۔ محمود کو ایاز کی اس فرمانبرداری سے مسرت ہوئی اور اس کا عشق دوچند ہو گیا اور اسے اس فرمانبرداری کے صلے میں بہت سے بیش بہا جواہرات عطا کئے اور خود اسی مستی کے عالم میں جا کر سو رہا۔ جب محمود صبح کو بیدار ہوا تو اسے رات کا وہ واقعہ یاد آیا اور اپنے اس بدسلوکی پر جو اس نے ایاز کے ساتھ کی تھی ایسا شرمندہ تھا کہ کسی پہلو اسے قرار نہ تھا۔ درباریوں میں کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ محمود سے کچھ پوچھے حاجب علی نے عنصری سے کہا کہ تم اس وقت بادشاہ کے حضور میں جاؤ عنصری محمود کے سامنے حاضر ہوا بادشاہ نے عنصری کو دیکھکر اس سے کہا کہ تم دیکھتے ہو میری کیا حالت ہے میرے مناسب حال اس وقت کچھ نظم کرو۔

عنصری نے فی البدیہ ایک رباعی نظم کی۔

رباعی

امروز کہ زلف یار در کاستن است ۔۔۔ چہ جائے بغم نشستن و خاستن است
روز طرب و نشاط و می خواستن است ۔۔۔ کاراستن سرو ز پیراستن است

بادشاہ اس رباعی کو سن کر بہت خوش ہوا اور تین مرتبہ عنصری کا منہ جواہرات سے بھرا۔ اور اس کے بعد مطربوں کو بلایا اور عیش و نشاط میں مشغول ہوا۔ عنصری نے ۴۳۱ھ میں رحلت کی۔

(۴) عسجدی۔ عسجدی اصل میں مرو کا رہنے والا تھا اس کے قصیدے بہت مشہور ہیں عسجدی بھی عنصری کا شاگرد اور محمود کا مداح تھا

اس کا ایک قصیدہ بہت مشہور ہے جس کا مطلع یہ ہے:-

تا شاہ خوردہ بیں سفر سومنات کرد کردار خویشتن را علم معجزات کرد۔

عسجدی کا دیوان کم یاب ہے مگر اس کی یہ رباعی بہت مشہور و معروف ہے:-

رباعی

از شراب مدام و لاف مشرب توبہ در عشق بتان سیم غبغب توبہ

در دل ہوسس گناہ و برلب توبہ زیں توبہ نادرست یارب توبہ

(۵) فرخی - یہ بھی عنصری کا شاگرد ہے مورخین لکھتے ہیں کہ فرخی کا باپ امیر خلف والی سیستان کا غلام تھا فرخی سیستان کے کسانوں میں سے ایک کسان کی خدمت گاری کرتا تھا اور ہر سال دو سو کیل غلہ اور سو درم اس کو اجرت ملتی تھی تھوڑے دنوں کے بعد فرخی نے بنی خلف کی ایک لونڈی کے ساتھ شادی کی اور شادی سے اس کا خرچ زیادہ ہو گیا فرخی نے اپنے مالک سے کہا کہ اب میرے اخراجات بڑھ گئے ہیں بہتر یہ ہے کہ میرے سالانہ تین سو کیل اور ڈیڑھ سو درم اب مقرر کئے جائیں کسان نے کہا کہ تم اس اجرت سے زیادہ کے بھی مستحق ہو لیکن جو کچھ میں تمھیں دیتا ہوں اس سے زیادہ دینے کی مجھ میں قدرت نہیں۔ فرخی اس سے ناامید ہو کر محمود کے بھتیجے **ابو المظفر** کی خدمت میں پہنچا اور ایک عمدہ قصیدہ اس کی مدح میں لکھ کر پیش کیا۔ ابو المظفر نے اس کے صلے میں فرخی کو ایک بیش قیمت خلعت اور بہت زیادہ زر و جواہر عطا کئے اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد فرخی محمود کی خدمت میں حاضر ہوا اور تھوڑے دنوں میں اس نے ایسی روز افزوں ترقی کی کہ آخر میں بیس غلام زرین کمر اس کی سواری کے آگے آگے چلتے تھے۔

(۶) دقیقی - یہ شاعر بہت پرانا ہے محمود کے عہد میں اسی نے شاہنامے کی ابتدا کی تھی اور کم و بیش ہزار شعر اس نے نظم بھی کئے تھے بعض مورخین لکھتے ہیں کہ فردوسی نے اسی کے ناتمام شاہنامے کو پورا کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جلال الدین جمال الملت محمد

بن محمود غزنوی

جب محمود نے دنیا کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا تو اس وقت
اس کا ایک بیٹا محمد تو گورکان میں تھا اور دوسرا بیٹا امیر مسعود صفاہان
میں مقیم تھا۔ محمود کے مرنے کے بعد اس کے داماد امیر علی بن
ارسلان نے محمود کی وصیت کے مطابق امیر محمد کو غزنی بلا کر
اس کے باپ کا جانشین بنایا۔ امیر محمد نے اپنے چچا امیر یوسف کو سپہ سالار
اور خواجہ ابو سہل احمد بن حسن ہمدانی کو وزیر سلطنت مقرر کیا۔ امیر محمد نے
(رعایا کی تالیف قلوب میں بھی بجد کوشش کی) اور شاہی خزانے
کو اعیان سلطنت اور شرفائے ملک کے لئے وقف کر دیا جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ ملک میں ہر شخص کو فارغ البالی میسر ہوئی اور رعیت اور فوج
کا ہر طبقہ راحت اور آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا لیکن (ملک
کے اس رفاہ اور بادشاہ کے ان انعاموں سے بھی خود بادشاہ کی
ہر دلعزیزی کا سکہ دلوں پر خاطر خواہ نہ بیٹھا اور) ایک بہت بڑا گروہ
امیر محمد پر اس کے بھائی امیر مسعود کو ہر طرح ترجیح دیتا رہا۔ سلطان محمود
کے مرنے کے پچاس روز بعد ابوالنجم امیر ایاز بن اسحق نے غلاموں
کو ہموار کیا اور ابو علی دایہ کو اپنا ہم خیال بنا کر دن دھاڑے شاہی
اصطبل میں گھس آیا اور خاصے کے گھوڑوں پر سوار ہو کر بست روانہ
ہو گیا۔ امیر محمد نے یہ واقعہ سنا اور ایک معتبر ہندو امیر سوبند رائے
کو ہندوؤں کی ایک بڑی فوج کا سردار بنا کر امیر ایاز کے تعاقب میں
روانہ کیا۔ فوج نے امیر ایاز کو تھوڑی ہی دور پر جا پکڑا اور طرفین میں
تلواریں چلنے لگیں۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوبند رائے ہندوؤں کی

ایک بہت بڑی جماعت کے ہمراہ لڑائی میں کام آیا۔ امیر ایاز کے ہمراہی غلام بھی ہندوؤں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ہندوؤں کی فوج میں جو سپاہی لڑائی سے بچ رہے ایاز نے ان کے سر بھی قلم کر کے امیر محمدؒ کے پاس بھجوا دیئے اور خود علی دایہ کو ساتھ لے کر آگے بڑھا یہاں تک کہ نیشاپور پہنچکر امیر مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ امیر مسعود نے ہمدان میں اپنے باپ کی خبر سن کر عراق عجم میں اپنے سخت گیر نائبوں اور عاملوں کو مقرر کیا اور خود جلد سے جلد خراسان پہنچا اور اپنے بھائی امیر محمدؒ کو اس نے اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ جو ملک سلطان مرحوم نے تمھیں عطا کئے ہیں میں ان پر قبضہ کرنا نہیں چاہتا میرے لئے میرے خود مفتوحہ ممالک یعنی جبال طبرستان اور عراق کافی ہیں میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے ممالک میں بھی یہ حکم دیدو کہ خطبے میں میرا نام تمہارے نام سے پہلے پڑھا جائے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ امیر محمدؒ اور امیر مسعود دونوں ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے اور مسعود اپنے بھائی سے چند ساعت پہلے دنیا میں آیا تھا اس لئے امیر محمدؒ کو بھائی کے مقابلے میں خوردی اور بزرگی کا چنداں خیال نہ تھا اور اپنے کو چھوٹا بھائی نہ سمجھ کر مسعود کی اطاعت بھی نہ کرتا تھا۔ جب مسعود کا خط محمدؒ کے پاس پہنچا تو محمدؒ یہ خط پڑھ کر بہت غضب ناک ہوا اور اس نے جواب میں مسعود کو سخت و سست الفاظ سے یاد کیا۔ بھائی کو خط کا جواب بھیجکر محمدؒ نے جنگ کی تیاریاں شروع کیں ہر چند ارکان دولت نے کوشش کی کہ دونوں بھائیوں میں تلوار نہ چلے اور معاملہ صلح و خوبی کے ساتھ طے ہو جائے لیکن محمدؒ نے ایک نہ سنی اور اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ امیر محمدؒ نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے غزنی سے کوچ کیا پہلی رمضان ۴۲۱ھ میں ایک مقام موضع تکیناباد میں جسے حقیقتاً نکبت آباد کے نام سے موسوم کرنا زیادہ موزوں ہے وہ اپنے فوج کے ساتھ خیمہ زن ہوا۔ رمضان کا مہینا امیر محمدؒ نے اسی مقام پر

بسر کیا جب روزں کا مہینا ختم ہوا تو عین عید کے دن امیر محمدؒ کے سر سے تاج شاہی گر پڑا۔ لوگوں نے بلا وجہ تاج سر سے گرنے کو فال بد سمجھ کر امیر محمدؒ سے کنارہ کشی کا مصمم ارادہ کرلیا۔ شوال کی تیسری رات امیر علی خویشاوند امیر یوسف سبکتگین اور امیر حسین میکال وغیرہ نامی امرا نے امیر محمد کے خلاف بغاوت کی یہ باغی امیر مسعود کی رفاقت کا دم بھرتے ہوئے امیر محمدؒ کے خیمے کے گرد جمع ہوگئے امیروں نے محمد کو گرفتار کر کے ؁۴۲۱ھ میں بلج کے قلعے میں جس کو اب اہل قندہار قلعۂ خلیج کہتے ہیں قید کردیا اور خود امیر مسعود کے استقبال کے لئے ہرات روانہ ہوئے۔ امیر مسعود ہرات سے بلخ پہنچا اور احمد حسین میمندی کو اس جرم کی پاداش میں قتل کیا کہ اس نے مکۂ معظمہ سے مراجعت کے وقت خلیفہ مصر کا گراں بہا خلعت قبول کیا تھا (مذکورہ بالا جرم محض ایک بہانہ تھا ورنہ) اصل وجہ احمد کے قتل کی یہ تھی کہ مسعود نے سنا تھا کہ محمود کی زندگی میں احمد نے سردربار یہ کہا تھا کہ جس روز امیر مسعود بادشاہ ہوجائے اس دن تم لوگ احمد کو پھانسی پر چڑھا دینا امیر مسعود نے ابوعلی خویشاوند کو بھی بیوفائی کے جرم میں قتل کیا اور امیر یوسف کو اسی جرم میں نے قید کردیا یہاں تک کہ یوسف نے اسی قید میں وفات پائی۔ مسعود کے حکم سے قیدی محمدؒ بھی نظربندی کی حالت میں اندھا کردیا گیا۔ امیر محمدؒ کی حکمرانی پورے پچاس دن بھی نہ ہوئی۔ امیر محمدؒ قلعے میں قید رہا اور مسعود کے قتل کے بعد پھر تخت سلطنت پر بیٹھا لیکن ایک سال کے بعد مودود بن مسعود کے حکم سے مارا گیا۔

شہاب الدین جمال الملت سلطان مسعود

بن محمود غزنوی

امیر مسعود بہت سخی اور بہادر تھا اس کی بہادری کا یہ عالم تھا

کہ لوگ اسے رستم ثانی کہتے تھے اس کا تیر لوہے کو چھید کر ہاتھی کے بدن
میں بیٹھ جاتا تھا اور اس کے گرز کو کوئی شخص بھی ایک ہاتھ سے اٹھا
نہ سکتا تھا چونکہ مسعود حق گوئی کی وجہ سے گفتگو میں اکثر باپ سے سخت کلامی
کر بیٹھتا تھا اس لئے محمود اسے ہمیشہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا بخلاف
اس کے امیر محمدؒ (کے محل اور بے محل بجا اور درست کہنے پر محمود ہمیشہ اس)
کی عزت اور خاطرداری کرتا تھا (دونوں بیٹوں کے اس مختلف برتاؤ
نے یہاں تک طول کھینچا کہ) آخر کار محمود نے (مسعود کی حق تلفی پر پوری طرح
کمر باندھ لی اور) خلیفہ بغداد سے سفارش کی کہ محمدؒ کا نام فرامین اور
خطبوں میں مسعود سے پہلے لکھا جائے۔

صاحب طبقات ناصری ابو نصر مشکاتی کے حوالے سے روایت
کرتا ہے کہ جب محمود کے مندرجہ بالا خط کا مسودہ دربار میں پڑھا گیا تو اسکو
سن کر تمام امرا اور ارکان دولت رنجیدہ ہوئے (اور مسعود کی حق تلفی پر
سبوں کا دل دکھا) جب مسعود باپ کی بارگاہ سے نکل کر باہر آیا تو ابونصر
بھی اس کے پیچھے پیچھے دربار سے نکلا بارگاہ سے نکلتے ہی ابونصر نے
مسعود سے کہا کہ تمہاری حق تلفی پر مجھے اور نیز تمام ارکان دولت کو بیحد رنج
ہے مسعود نے جواب میں ابو نصر سے کہا کہ اس کا غم مت کرو تم نے سنا
نہیں کہ بزرگوں کا قول ہے کہ تلوار مکتوب سے زیادہ سچی ہے لہذا در پائدارست
(یعنی سلطنت ہمیشہ زبردست تلوار کے قبضے میں رہتی ہے) ابو نصر کہتا
ہے کہ جب میں مسعود سے یہ باتیں کر کے پھر دربار میں آیا تو محمود نے مجھے
اپنے پاس بلایا اور مجھ سے پوچھا کہ تم مسعود کے ساتھ کیوں گئے تھے
اور تم میں اور مسعود میں کیا گفتگو ہوئی۔ میں نے محمود سے سارا ماجرا
بے کم و کاست بیان کیا۔ محمود نے میری اور مسعود کی تقریر سن کر کہا کہ
میں خود جانتا ہوں کہ مسعود کو ہر طرح سے محمدؒ پر ترجیح ہے اور مجھے اس
بات کا یقین ہے کہ میرے بعد سلطنت مسعود ہی کو ملے گی لیکن جو کچھ میں
کر رہا ہوں وہ محض اس لئے کہ اس غریب محمدؒ نے میری زندگی میں میرے

آداب اور حفظ مراتب کا ہمیشہ خیال رکھا ہے۔ ابو نصر لکھتا ہے کہ اس پورے واقعے میں مجھے دو باتوں پر بیحد تعجب ہوا۔ ایک تو مسعود کے اس پُرمعنی جواب پر جو میرے علم و فضل کے شایاں تھا دوسرے محمود کی ہوشیاری اور اس کے انتظام سلطنت پر کہ ادھر مجھ میں اور مسعود میں گفتگو ہوئی اور ادھر پرچہ نویسوں نے محمود کو اطلاع دیدی۔

سلطان مسعود نے سنہ جلوس میں احمد بن حسن میمندی کو جو محمود کے حکم سے کالنجر کے قلعے میں قید تھا رہا کر کے پھر دوبارہ وزیر سلطنت مقرر کیا اور امیر احمد بن نیالتگین خازن سلطنت پر تھوڑی زبردستی کر کے بہت سا مال و دولت اس سے حاصل کیا اس کے بعد مسعود نے امیر احمد کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کر کے لاہور روانہ کیا مجد الدولہ دیلمی کو جو محمود کے حکم سے ہندوستان کے ایک قلعے میں قید تھا قید سے رہا کر کے اپنے درباریوں کے زمرہ میں شریک کیا۔

مسعود کا کیچ اور مکران میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرنا

سنہ ۴۲۲ھ میں امیر مسعود بلخ سے غزنی آیا اور غزنی پہنچتے ہی اس نے کیچ اور مکران پر ایک جرار لشکر روانہ کیا ان دونوں شہروں کو فتح کر کے مسعود نے ان ممالک میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا ان شہروں کی فتح کا اجمالی حال یہ ہے کہ مسعود کے زمانے میں اس ملک کے حاکم نے دو بیٹے اپنی یادگار چھوڑ کر وفات پائی۔ حاکم مکران کا ایک بیٹا عیسیٰ اپنے باپ کے تمام متروکہ پر قابض ہو گیا (اور اس کا دوسرا بیٹا ابو العساکر ترکہ پدری سے بالکل محروم رہا) عیسیٰ نے اپنے بھائی ابو العساکر کو جبراً تمام حقوق سے محروم کر کے یک بینی و دو گوش اسے

مملکت کے باہر کر دیا ابوالعساکر نے اپنے میں بھائی سے مقابلہ کرنے کی
طاقت نہ پائی اور مسعود کی بارگاہ میں فریاد لے کر گیا اور یہ درخواست کی
کہ اگر مسعود فوج و سپاہ سے اس کی مدد کرے اور وہ اپنے آبائی ملک پر
قابض اور متصرف ہو جائے تو اپنے کو ہمیشہ مملکت غزنی کے حلقہ بگوشوں
میں شمار کرے گا اور اپنے ممالک میں خطبہ اور سکہ امیر مسعود کے نام کا
جاری کر دیگا۔ مسعود نے ابوالعساکر کی درخواست قبول کی اور ایک جرار
لشکر اس کے ہمراہ مکران کی طرف روانہ کیا مسعود نے افسران فوج کو یہ
تاکید کر دی کہ اگر عیسیٰ صلح پر آمادہ ہو جائے اور ملک کو دونوں بھائیوں
میں برابر تقسیم کرنے پر راضی ہو تو ہرگز اس سے کسی طرح کی پرخاشت نہ کی
جائے اگر اس لشکر کو دیکھ کر بھی اس کے سر سے لڑائی کا بھوت نہ اترے
تو افسران لشکر اور تمام سپاہی عیسیٰ سے لڑ کر ملک ابوالعساکر کے سپرد کر دیں
جب یہ لشکر حدود مکران میں پہنچا تو غزنی سپہ سالار نے اپنے بادشاہ
کی ہدایت کے موافق امیر عیسیٰ سے صلح کی گفت و شنید شروع
کی اور اس بات کی کوشش کی کہ معاملہ خیر و خوبی کے ساتھ طے ہو جائے
لیکن بدبخت عیسیٰ کے بُرے دن آچکے تھے اس نے ایک نہ سنی اور
صلح سے انکار کر کے لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا اگرچہ عیسیٰ کے چند
انجام بیں امرائے دولت نے اپنے امیر کی رفاقت بھی ترک کر دی
اور اس کو مجبور کر کے لڑائی سے باز رکھنا چاہا لیکن اس پر بھی امیر عیسیٰ
لڑائی کے نشہ میں ویسا ہی سرشار رہا اپنے خاص مصاحبوں کو ہمراہ لیکر
عیسیٰ لڑائی کے میدان میں آیا اور غزنی فوج کے مقابلے میں صف آرا
ہو کر اس قدر لڑا کہ خود بھی اپنے سپاہیوں کے ہمراہ لڑائی میں کام آیا۔
امیر عیسیٰ کے قتل کے بعد ابوالعساکر اپنے ملک پر قابض ہوا اور اس نے
اپنے قول کے مطابق ملک میں سکہ اور خطبہ امیر مسعود کے نام کا جاری
کیا۔ اسی سال امیر مسعود نے ملک رے۔ ہمدان اور دوسرے کوہستانی
شہروں کی حکومت تاش نامی اپنے ایک فراش کے سپرد کی تاش نے

تھوڑے ہی زمانے میں محمود کے خراسانی امرا کی جاگیریں ضبط کرکے ملک کے ان حصوں کو اپنی سلطنت میں داخل کرلیا سلطان مسعود کے حکم کے موافق امیر تاش نے علاء الدولہ کو اس کی سرکشی کی سزا دے کر ملک کو اس کے عاملوں کے قبضے سے نکال کر ان عمال کو تباہ اور برباد کیا۔

ترکمان سلجوقی کا تسلط

۴۲۲ھ میں سلطان مسعود غزنی سے صفاہان اور رے کی طرف روانہ ہوا۔ جب مسعود ہرات پہنچا تو سرخس اور بادآورد کے باشندے ترکمان سلجوقی کے جبر وظلم سے تنگ آکر اس کے پاس فریاد لے کر آئے مسعود نے عبدالرئیس بن عبدالعزیز کو ایک جرار لشکر کے ساتھ ترکمانیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ عبدالرئیس ترکمانی لشکر سے فوراً جا ملا اور کئی مرتبہ ان کے مقابلے میں صف آرا ہوا لیکن یہ تمام لڑائیاں بے سود ثابت ہوئیں اور نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ مسعود کو بے نیل و مرام غزنی واپس ہونا پڑا۔

۴۲۳ھ میں التونتاش مسعود کے حکم سے خوارزم سے ماوراءالنہر کی طرف روانہ ہوا تاکہ علی تگین کی جس نے بخارا اور ثمرقند پر قبضہ کرکے ایک تہلکہ مچا رکھا ہے مناسب سرکوبی کرے۔ مسعود نے غزنی سے بھی پندرہ ہزار سپاہیوں کا لشکر التونتاش کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ غزنوی فوج بلخ کے حدود میں التونتاش سے جا ملی التونتاش نے دریائے اموبہ کو پار کرکے پہلے بخارا پر دھاوا کیا اور اس کو فتح کرکے ثمرقند کی طرف بڑھا۔ علی تگین غزنوی فوج کی آمد کی خبر سن کر شہر سے باہر نکلا اور ایک ایسے میدان میں آکر خیمہ زن ہوا جس کی ایک طرف تو بڑی ندی بہ رہی تھی اور دوسری طرف ایک بڑا بلند پہاڑ میدان جنگ کو اپنی گود میں لئے ہوا تھا جب لڑائی کا بازار گرم ہوا تو علی تگین کے ایک دستے نے

جو کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا التونتاش کی فوج پر پیچھے سے حملہ کیا۔ اس حملے میں بشمار غزنوی سپاہی مارے گئے اور خود التونتاش نے بھی ایک کاری زخم کھایا۔ اتفاق سے یہ زخم بھی التونتاش کے بدن میں اسی مقام پر لگا جو محمود کے ساتھ جہاد ہندوستان میں منجنیق کے پتھر سے زخمی ہو چکا تھا۔ التونتاش نے زخم کا حال چھپایا اور میدان جنگ میں ایسا ثابت قدم رہا کہ کسی کو اس کے زخمی ہونے کا خیال تک نہ گذرا (التونتاش کی جرات اور مردانگی سے غزنوی سپاہ میں بھی پریشانی نہ پھیلنے پائی اور فوج نے فتح کے لئے جان توڑ کوشش کی) سپہ سالار کی اس ثابت قدمی اور مردانگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج نے بشمار دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور بقیہ سپاہیوں کو میدان جنگ سے پسپا کر دیا۔ جب علی تگین کی فوج کا کوئی سپاہی بھی سامنے نہ رہا تو سپہ سالار نے فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ غزنوی فوج اپنے فرودگاہ پر واپس آئی رات کو التونتاش نے فوجی افسروں کو اپنے پاس بلایا اور اپنے زخمی ہونے کا حال سنا کر ان سے کہا کہ اس زخم سے میرا جان بر ہونا محال ہے اب تم لوگ اپنی مصلحتوں کو سمجھ کر لڑائی کے بارے میں جو چاہو کرو۔ فوجی افسروں نے جب دیکھا کہ سپہ سالار چراغ سحری ہو رہا ہے اور صبح کو دشمن کا سامنا کرنا ہے تو بالاتفاق سبھوں کی یہ رائے ہوئی کہ مناسب شرائط پر صلح کر کے لڑائی موقوف کر دی جائے۔

ان افسروں نے علی تگین کے پاس ایک قاصد بھیجا اور اس سے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ بخارا غزنوی مملکت میں شامل کیا جائے اور سمرقند اور اس کے اطراف پر علی تگین کا قبضہ رہے۔ علی تگین نے ان شرائط کو قبول کیا اور صلح کر کے دوسرے دن سمرقند روانہ ہوا۔ التونتاش بھی اسی روز خراسان روانہ ہوا۔ روانگی کے دوسرے ہی دن راستہ میں التونتاش نے وفات پائی۔ وکیلوں اور وزیروں نے اس کی موت کو راستہ میں سپاہیوں سے چھپایا خوارزم

پہنچکر التونتاش کی موت کا اعلان کیا گیا۔ سلطان مسعود نے التونتاش کے مرنے کی خبر ملک خراسان میں سنی اور حسن خدمت کے صلے میں خوارزم کی حکومت اس کے بیٹے ہارون کو عطا کی۔

خواجہ احمد بن حسن میمندی کی وفات اور

ہندوستان پر حملہ آوری

اسی سال وزیر سلطنت خواجہ احمد بن حسن میمندی نے وفات پائی اور سلطان مسعود نے ابو النصر احمد بن محمد بن عبد الصمد کو جو ہارون بن التونتاش کا دیوان تھا خوارزم سے بلا کر وزیر سلطنت مقرر کیا ۴۲۴ھ میں سلطان مسعود نے ہندوستان پر حملہ کیا اور سرستی کے قلعے پر جو درہ کشمیر میں واقع ہے پہنچکر قلعے کا محاصرہ کر لیا اہل قلعہ پر اسلامی لشکر کا ایسا رعب چھایا کہ انہوں نے بدحواس ہو کر ایک قاصد مسعود کی خدمت میں بھیجا اور یہ درخواست کی کہ ہم اس شرط پر صلح کرنے کے لئے تیار ہیں کہ بادشاہ ہم سے کچھ تعرض نہ کرے اور ہم اس کے صلے میں اس وقت بھی ایک کثیر رقم روپیہ کی پیشکش کرتے ہیں اور اسی طرح ہر سال ایک معتدبہ رقم خراج کی خزانہ شاہی میں داخل کرتے رہینگے۔ مسعود کا ارادہ تھا کہ اس شرط پر صلح کر کے اہل قلعہ کو ان کے حال پر چھوڑ دے اور غزنی واپس جائے لیکن قبل اس کے کہ مسعود کوئی جواب حاکم کو بھیجے کہ اُن مسلمان سوداگروں کی ایک عرضی مسعود کی خدمت میں پہنچی جو اہل قلعہ کی سختیوں کا شکار ہو رہے تھے۔ اس عرضی کا مضمون یہ تھا کہ ہم چند مسلمان تاجر اپنے وطن سے نکل کر گردش تقدیر سے ان غیر مسلموں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ان ہندوؤں نے

اپنے تعصب کی وجہ سے ہم پر طرح طرح کی سختیاں کی ہیں اور ہمارا تمام مال واسباب ہم سے چھین کر ہم کو بالکل مفلس اور نادار بنا دیا ہے اب ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اگر آپ ان کے پیش کردہ شرائط پر ان سے صلح کر کے واپس چلے جائیںگے تو شاید یہ ہم کو زندہ ہی نہ چھوڑیںگے۔ ہم اپنا عرض حال کرنے کے بعد یہ بات بھی بادشاہ کے گوش گزار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اب ان ہندوؤں کے پاس سامان رسد بالکل نہیں رہا ہے اور ان میں اب پناہ گزینی کی طاقت بالکل باقی نہیں ہے اگر بادشاہ دو تین روز اور اس کا محاصرہ کئے رہیں تو یقین ہے کہ ان کی بے سر و پائی سے قلعہ بلا کسی زحمت کے فتح ہو جائیگا مسعود نے اس عرضی کو پڑھ کر صلح کا ارادہ فسخ کر دیا اور محاصرے کی سختیوں پر اور اضافہ کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ قلعے کے گرد ایک بڑی عمیق خندق کھدی ہوئی تھی اس لئے مسعود نے نیشکر سے جو اس نواح میں بکثرت پیدا ہوتا ہے خندق کو پاٹ کر اس کی سطح کو اتنا بلند کر دیا کہ فوج آسانی سے اس پر چڑھ کر قلعے تک پہنچ جائے مسلمان اسی ذریعے سے قلعے کی فصیل پر پہنچے اور قلعہ میں گھس کر انہوں نے بیدریغ ہندوؤں کو قتل کیا اور ان کے زن و فرزند کو اپنا قیدی بنا کر ان کے مال واسباب پر اپنا قبضہ کر لیا۔ سلطان مسعود نے مسلمان تاجروں کی ضبط کردہ دولت ان کے حوالے کی اور اس طرح اپنا نام نیک دنیا میں چھوڑا۔

اسی سال دنیا کے اکثر حصے میں بارش نہ ہونے سے ایک عظیم الشان قحط نمودار ہوا قحط کے جاتے ہی ایک عالمگیر وبا پھیلی۔ اس وبا سے صرف اصفہان میں ایک مہینے کے اندر چالیس ہزار آدمی ضائع ہوئے ہندوستان کے اکثر شہروں اور دیہاتوں میں تو اموات کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ کھیتی باڑی اور دیگر مختلف پیشوں کے لئے آدمی کا میسر آنا محال ہو گیا۔ نواح بغداد موصل اور جبجستان میں

مرض جدری نمودار ہوا ان شہروں میں کوئی گھر بھی ایسا نہ ہوگا کہ جس میں دو تین آدمی اس مرض کا شکار نہ ہوئے ہوں۔

۴۲۵ھ میں مسعود نے آمل اور ساری کے فتح کرنے کا ارادہ کیا اگرچہ اس ملک کے باشندوں نے اکٹھا ہوکر مسعود کے خلاف لڑائی کا بازار گرم کیا لیکن غزنوی فوج کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور فتح سلطان مسعود کو نصیب ہوئی ابا کالنجار امیر طبرستان نے ایک قاصد مسعود کی خدمت میں بھیجا اور اطاعت گزاری کا اقرار کیا اور وعدہ کیا کہ وہ اپنے سلطنت میں سکہ اور خطبہ مسعود کے نام کا جاری کردیگا۔ امیر طبرستان نے اس صلح کے بعد اپنے بیٹے بہمن اور اپنے بھتیجے شیرویہ کو گورکان روانہ کیا اور سلطان مسعود نے غزنی کی طرف کوچ کیا۔ جب مسعود نیشاپور پہنچا تو وہاں کے باشندے ترکمان سلجوقی کے ظلم سے تنگ آکر مسعود کی بارگاہ میں فریاد لے آئے اور اس سے امان طلب کی۔ مسعود نے بک تغدی اور حسین بن علی میکال کو ایک جرار لشکر کے ساتھ ترکمانیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ جب غزنوی لشکر شبید اتفاق پہنچا تو ترکمانیوں کا ایک قاصد بک تغدی کے پاس آیا اور اس نے یہ پیغام دیا کہ ترکمانی عرض کرتے ہیں کہ ہماری تمام قوم سلطنت غزنی کی تابع اور بادشاہ کی حلقہ بگوش ہے ہمارے تاخت و تاراج سے ضرور اطراف و نواح کے باشندوں کو تکلیف ہوتی ہے اگر بادشاہ کی عنایت سے ہماری زمین معاش کی حد بندی کردی جائے تو ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچیگا بک تغدی قاصدوں کے ساتھ سختی سے پیش آیا اور اس نے جواب دیا کہ ترکمانیوں سے جاکر کہدو کہ اطاعت کا اقرار کرکے آئندہ کے لئے اپنی بدکرداری سے باز آئیں اور اپنا ایک معتبر شخص مسعود کی خدمت میں بھیجکر بادشاہ کا ایک فرمان میرے نام منگائیں تاکہ میں ان سے کچھ تعرض نہ کروں اگر انہیں یہ باتیں

منظور نہیں ہیں تو پھر سوا تلوار کے ہمارے اور ان کے درمیان کوئی صلح نہیں ہے۔ ترکمانیوں نے جب یہ جواب سنا تو مجبوراً لڑائی کے لئے میدان میں آئے اور بیحد سرفروشی کے ساتھ لڑے لیکن بک تغذی کے مقابلے میں ان کے پیر نہ جمے اور شکست کھا کر سامنے سے بھاگے بک تغذی نے ترکمانیوں کا پیچھا کیا اور ان کے اہل و عیال کو اپنا قیدی بنا کر ان کے تمام مال و دولت پر بھی اپنا قبضہ کر لیا جب غزنوی سردار میدان جنگ سے پھرا تو اس کی فوج لوٹ مار کے لئے ادھر ادھر منتشر ہو گئی ترکمانی موقع پا کر درۂ کوہ سے نکلے اور بک تغذی پر حملہ آور ہوئے۔ طرفین میں تلواریں چلنے لگیں و شبانہ روز لڑائی کا بازار گرم رہا۔ چونکہ غزنوی سپاہیوں کی تعداد کم تھی ان کے پیر میدان جنگ سے اکھڑنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر بک تغذی نے حسین میکال سے کہا کہ اب زیادہ ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے بہتر ہے کہ ہم میدان جنگ کو چھوڑ کر اپنی جانیں بچائیں۔ حسین نے بک تغذی کی رائے پر عمل کرنا پسند نہ کیا بک تغذی تو میدان جنگ سے بھاگ گیا لیکن حسین میکال نے ثابت قدمی دکھائی اور اتنا لڑا کہ آخر کار دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ بک تغذی میدان جنگ سے بھاگ کر مسعود کی خدمت میں نیشاپور پہنچا اور اس سے سارا ماجرا بے کم و کاست بیان کیا۔ مسعود اس واقعے کو سن کر بیحد غمگین ہوا اور ۴۲۶ھ ہجری میں بے نیل و مرام غزنی روانہ ہوا۔

اسی دوران میں ہندوستان سے خبر آئی کہ احمد نیالتگین نے سرکشی کر کے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ مسعود نے ناتھ نامی ایک ہندو سردار کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ناتھ فوج کو ہمراہ لے کر احمد کے مقابلے میں صف آرا ہوا اور لڑائی شروع ہوئی لیکن احمد کی فوج نے پوری طرح داد شجاعت دی اور ناتھ کو قتل کر کے غزنوی فوج کو پسپا کر دیا۔ جب مسعود نے یہ خبر سنی تو تولک بن حسین کو جو ہندوؤں

کا امیر الامرا تھا بنالتگین کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ تولک نے موقع پر پہنچکر احمد کو شکست دی احمد پریشان اور بدحواس ہو کر منصورہ ٹھٹہ اور سندھ کی طرف بھاگا۔ تولک نے اس کا پیچھا کیا اور اس کے ہمراہیوں میں سے جس کسی کو پایا اس کے ناک کان کاٹ کر چھوڑ دیا احمد انتہائی پریشانی میں دریائے سندھ کے کنارے تک پہنچا اور چاہتا تھا کہ دریا کو پار کر کے صحیح و سلامت نکل جائے کہ دفعتہ دریا میں سیلاب آیا اور احمد کو بہالے گیا۔ جب پانی کے بہاؤ نے غرقاب احمد کی نعش دریا کے کنارے پھینکدی تو غزنوی فوج نے اس کا سر کاٹ کر تولک کے سامنے پیش کیا۔ تولک نے احمد کا سر مسعود کے پاس غزنی بھیجدیا ہے

۴۲۷ھ میں نیا محل غزنی میں تیار ہوا ایک جڑاؤ تخت اس محل میں بچھایا گیا اور ایک زرین تاج جس کا وزن ستر من تھا سونے کی زنجیروں میں باندھ کر اس تخت کے اوپر لٹکا دیا گیا مسعود نے جڑاؤ تخت پر جلوس کیا اور زرین تاج اپنے سر پر رکھا۔ اور دربار عام کر کے ہر کس و ناکس کو اپنی باریابی سے سرفراز کیا۔ اسی سال مسعود نے اپنے بیٹے امیر مودود کو طبل و علم عنایت کر کے بلخ بھیجا اور خود ہانسی کے قلعے کو فتح کرنے کے لئے ہندوستان روانہ ہوا۔ صاحب طبقات ناصری لکھتا ہے کہ ہانسی اس زمانے میں سوالک کا پائے تخت تھا۔ ہانسی کا قلعہ بیحد مضبوط اور پائدار تھا۔ اس قلعے کے بابت ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ یہ قلعہ کبھی کسی مسلمان بادشاہ کے فتح کئے فتح نہ ہوگا۔ امیر مسعود نے قلعے کے گرد پہنچکر اس کے سر کرنے میں بیحد کوشش کی اور چھ روز کے محاصرے کے بعد قلعہ فتح کر لیا۔ اس فتح میں بہت سا مال غنیمت مسعود کے ہاتھ آیا مسعود نے قلعہ اور مال و دولت کو اپنے معتمد سرداروں کے سپرد کیا اور خود سون پت کا قلعہ فتح کرنے کیلئے

آگے بڑھا۔ سون پت کے راجہ دیپال ہری نے جب مسعود کے آنے کی خبر سنی تو بدحواس ہوکر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اسلامی لشکر نے سون پت پہنچکر وہاں کے قلعے کو بھی سر کرلیا اور قلعے کے تمام بت خانوں کو توڑ کر کل مال و دولت پر اپنا قبضہ کیا۔ جب مسلمانوں کو دیپال ہری کے بھاگنے کی خبر ہوئی تو اسلامی لشکر اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ دیپال نے یہ خبر سن کر لشکر و مال کو تو اسی جنگل میں چھوڑا اور خود تنہا کسی طرف بھاگ کر چھپ رہا۔ مسلمانوں نے دیپال کے لشکر کو قتل و اسیر کیا اور وہاں سے ورہ رام دیو کی طرف روانہ ہوئے ؛

رام دیو اپنی آنکھوں سے دیپال کا حشر دیکھ چکا تھا اس نے عاقبت اندیشی سے کام لیا اور بہت سا مال مسعود کی خدمت میں بھیجکر یہ معروضہ کیا کہ میں بوڑھا اور کمزور ہوں اس لئے خود خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا جو کچھ پیش کش کرتا ہوں وہ قبول فرمایا جائے اور مجھے اپنے حلقہ بگوشوں میں شمار کرکے میرے حال پر رحم کیا جائے۔ مسعود نے اس کا عذر قبول کیا اور اس سے کسی طرح کا تعرض نہ کرکے سون پت واپس آیا۔ مسعود نے سون پت کی حفاظت کے لئے اپنے ایک نامی امیر کو وہاں چھوڑا اور خود سون پت کے نواح کو فتح کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ یہ ملک بھی جلد فتح ہوگئے امیر مسعود نے اطراف کے تمام ممالک پر بھی اپنا قبضہ کرکے غزنی کی طرف کوچ کیا۔ جب مسعود لاہور پہنچا تو اس نے وہاں کچھ دنوں قیام کیا اپنے دوسرے بیٹے ابوالمجدود کو وہاں کا حاکم بنا کر اُسے طبل و علم عنایت کیا اور ایاز خاص کو مجدود کا اتابک مقرر کرکے خود غزنی روانہ ہوا ؛

۴۲۸ھ میں ترکمانیوں کے فتنے کو فرو کرنے کے لئے مسعود بلخ پہنچا۔ ترکمانیوں نے جب مسعود کے آنے کی خبر سنی تو بلخ کو چھوڑکر

اُدھر اُدھر منتشر ہو گئے بلخ کے باشندے مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ مسعود کی عدم موجودگی میں طغرل نے بارہا دریا کو پار کر کے مسلمانوں کو قتل و غارت کیا ہے۔ مسعود نے اس موسم سرما میں طغرل بیگ ہی سے معرکہ آرائی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور یہ طے کیا کہ موسم بہار کے شروع میں وہ سلجوقیوں سے صف آرائی کرے گا۔ مسعود کے اس ارادے سے مطلع ہوتے ہی تمام ارکان دولت نے اس کی خدمت میں عرض کیا کہ دو برس سے سلجوقی خراسان میں لوٹ مار کر رہے ہیں اور ان کے تاخت و تاراج سے اب اہل خراسان اس قدر عاجز ہو گئے ہیں کہ آبادی کا زیادہ حصہ سلجوقیوں کی حکومت قبول کرنے پر تیار ہو گیا ہے مناسب یہ ہے کہ سب سے پہلے سلجوقیوں کی سرکوبی کی جائے اور اس کے بعد کسی دوسری طرف نگاہ دوڑائی جائے۔ بادشاہ کو اس کے اس ارادے سے پھیرنے کے لئے کہ پہلے طغرل بیگ کی سرکوبی کی جائے ایک شاعر نے ایک نظم بھی اسی مضمون کی لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کی لیکن چونکہ مسعود کا ستارہ اقبال گردش میں آ چکا تھا ارکان دولت کی رائے اور ان کے مشورے پر اس نے کچھ توجہ نہ کی اور یہ امید باندھ کر کہ طغرل بیگ کا ملک آسانی سے ہاتھ آ جائے گا مسعود نے دریائے جیحون پر پل باندھا اور دریا کو پار کر کے ماوراءالنہر پہنچا۔

چونکہ ماوراءالنہر میں کوئی حریف مقابلے کے لئے میدان میں نہ آیا اس لئے بلا کسی زحمت کے مسعود نے اُس صوبے کے بہت سے ملکوں پر اپنا قبضہ کر لیا اس سال جاڑے میں ماوراءالنہر میں شدت سے زیادہ بارش اور برف باری ہوئی جس کی وجہ سے غزنوی فوج نے اس مہم میں بہت تکلیف اور مصیبت اُٹھائی۔ اسی درمیان میں داؤد سلجوقی سرخس سے مقابلے کے لئے نکلا اور بلخ کی طرف بڑھا۔ خواجہ احمد وزیر نے بلخ سے مسعود کو اطلاع دی کہ داؤد ایک بہت بڑی

فوج کے ساتھ بلخ آرہا ہے اور میرے پاس اتنی فوج اور سامان حرب نہیں ہے کہ میں اس کا مقابلہ کرسکوں۔ خواجہ احمد کا خط پاتے ہی مسعود نے بلخ کی طرف کوچ کیا۔ مسعود کے ہٹتے ہی طغرل نے غزنی پر حملہ کردیا اور بہت سے شاہی گھوڑے اور اونٹ لوٹ کرلے گیا اس تاخت وتاراج میں طغرل نے غزنیوں کی بے حرمتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مسعود جب بلخ کے قریب پہنچا تو داؤد نے اپنی باگ موڑدی اور مرو کی طرف چلا۔ مسعود نے بلخ پہنچکر اپنے بیٹے مودود کو اپنے ساتھ لیا اور داؤد کے تعاقب میں گورکان کی طرف روانہ ہوا۔ گورکان میں چند آدمی علی تقندری کے ہاتھوں سختیاں اور مصیبتیں اٹھا رہے تھے مسعود کی آنے کی خبر سن کر یہ لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے نجات کی انہوں نے استدعا کی۔ علی تقندری عیار پیشہ اور ظالم وجابر ڈاکو تھا جو اس نواح کے لوٹ مار کر اپنی زندگی بسر کررہا تھا۔ مسعود نے اس سے اطاعت گذاری کی درخواست کی مگر اس نے قبول نہ کیا اور اسی طرح آزار پرستی پر جما رہا۔ جب تقندری نے دیکھا کہ مسعود کے تیور بدلے ہوئے ہیں تو وہ مع اپنے اہل وعیال کے قلعہ بند ہوگیا۔ مسعود نے اس قلعے کو سر کرنے کے لئے ایک دستہ فوج کا روانہ کیا۔ اس لشکر نے قلعے کے گرد پہنچکر قلعے کو آسانی سے فتح کرلیا اور علی تقندری کو گرفتار کرکے مسعود کے حضور میں لے آئے مسعود نے اس بدکردار کو اس کے اعمال کی سزا دی اور اسے پھانسی پر چڑھا دیا۔ جب ترکمانیوں نے سنا کہ مسعود ایک جرار لشکر کے ساتھ مرو آرہا ہے تو انہوں نے ایک ایلچی مسعود کی خدمت میں روانہ کیا اور اسے یہ پیغام دیا کہ ہماری قوم بادشاہ کی مطیع اور فرمانبردار ہے ہم سے جو کچھ بے عنوانیاں صادر ہوتی ہیں اس کی وجہ صرف ہماری تنگئی معاش ہے۔ اگر بادشاہ اپنی عنایت سے ہماری مد معاش کی حد بندی فرمادیں اور ہمیں اتنی جاگیر مرحمت ہوجائے کہ جس سے

ہمارے چوپایوں اور اہل و عیال کی کفایت ہو سکے تو ہم سب خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گذشتہ بداعمالیوں کی معافی کے خواستگار ہوں اور آیندہ کے لئے ان بدکرداریوں سے توبہ کریں۔ مسعود نے ترکمانیوں کی اس درخواست کو قبول کیا اور اپنا ایک قاصد ترکمانیوں کے سردار سمی بیغو کے پاس بھیجا تاکہ ترکمانی اپنے اس قول و قرار کو کسی ضمانت سے مستحکم اور مضبوط کر دیں ترکمانیوں نے بادشاہ کی خواہش کے موافق قول و قسم سے اپنے اقرار کو مستحکم کیا اور مسعود نے بھی ان کی خواہش کے مطابق ان کی مدد معاش کے لئے جاگیر مقرر کر کے ہرات کی طرف کوچ کیا۔ راستہ میں ترکمانیوں کے ایک گروہ نے مسعود کے فوج پر چھاپہ مارا۔ اور چند سپاہیوں کو قتل کر کے تھوڑا سا مال بھی لوٹ کر لے گیا۔ مسعود نے ایک دستہ فوج کا ان ترکمانیوں کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اس فوج نے ترکمانیوں کو گرفتار کر کے سب کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور ان کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے مقتولوں کا سر لیئے ہوئے مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئی مسعود نے اس گروہ کے مردہ اور زندہ سبھوں کو گدھوں پر لاد کر بیغو کے پاس روانہ کیا اور اس سے کہلا بھیجا کہ دیکھو اور ہوشیار رہو جو شخص اپنے عہد کو توڑتا ہے اس کا ہمیشہ یہی حشر ہوتا ہے۔ بیغو نے اس گروہ کی حرکت سے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور جواب میں مسعود سے کہلا بھیجا کہ میں خود اس جماعت سے بیزار تھا اور جو سزا میں ان کے لئے چاہتا تھا وہ خود بخود ان کو مل گئی۔ مسعود ہرات سے نیشاپور آیا اور وہاں سے طوس روانہ ہوا طوس کے قریب بھی ترکمانیوں کا ایک چھوٹا سا لشکر مسعود کے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ مسعود نے ان ترکمانیوں کو بھی تہ تیغ کیا اور طوس کے شہر میں داخل ہوا۔ اس وقت مسعود کو معلوم ہوا کہ باداورد کے باشندوں نے قلعہ ترکمانیوں کے سپرد کر دیا ہے مسعود نے حصار کو فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو بھی قتل کیا

اور پھر نیشاپور کی طرف پلٹا۔ مسعود نے جاڑے کا زمانہ نیشاپور ہی میں بسر کیا اور ۴۳۰ھ کے سم بہار میں طغرل کی سرکوبی کے لیئے باداورد کی طرف روانہ ہوا۔ طغرل کو جب مسعود کے آنے کی خبر ہوئی تو خوف زدہ ہو کر تزن کی طرف بھاگا۔ طغرل کے بھاگنے کی خبر سن کر مسعود نے راستہ ہی سے اپنی باگ موڑدی اور مصتہ ہوتا ہوا سرخس کی طرف چلا۔ مصتہ میں مسعود کو یہ معلوم ہوا کہ یہاں کی رعایا بھی سرکش ہو گئی ہے اور خراج ادا کرنے سے انکار کرتی ہے۔ مسعود نے مصتہ کے باشندوں کو گرفتار کر کے بہتوں کو قتل کیا اور بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انھیں عاجز اور لاچار کر دیا اور ان کے حصار کو مسمار کر کے آگے بڑھا اور دندانقان پہونچا آٹھویں رمضان ۴۳۱ھ کو اسے پھر ترکمانیوں سے پالا پڑا دشمنوں کے ایک جرار لشکر نے مسعود کو چاروں طرف سے گھیر لیا مسعود نے بھی بادل ناخواستہ لشکر کو ترتیب دیا اور لڑائی کا بازار طرفین سے گرم ہوا۔ اثنائے جنگ میں غزنوی لشکر کے اکثر سردار مسعود سے منحرف ہو کر دشمنوں سے جا ملے۔ مسعود نے جب سرداروں کی نمکحرامی کو دیکھا تو خود میدان جنگ میں آیا اور ترکمانیوں کے اکثر سرداروں کو تلوار اور نیزے سے ہلاک کر کے لڑائی کے میدان میں ایسی شجاعت دکھائی کہ شاید ہی کسی بادشاہ نے ایسی داد مردانگی دی ہو چونکہ مسعود کے برے دن آچکے تھے فوج کا وہ حصہ بھی جو دشمنوں سے نہیں ملا تھا میدان جنگ سے بھاگ کر سیدھا غزنی کی طرف چلا۔ جب مسعود کے دائیں بائیں کوئی بھی نہ رہا تو مجبوراً اس نے بھی لڑائی سے پیٹھ پھیر دی اور دشمنوں کی صفوں کو چیرتا ہوا میدان جنگ سے بھاگا۔ دشمن مسعود کو یکہ وتنہا بھاگتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن کسی میں اتنی قدرت نہ تھی کہ اس کا تعاقب کرے۔ مسعود بھاگتا ہوا مرو پہنچا۔ مرو پہنچکر اس کے فراری لشکر کا کچھ حصہ اس سے آملا۔ مسعود نے راستہ میں ان فراریوں سے کچھ تعرض نہ کیا اور غور ہوتا ہوا غزنی پہنچا۔ غزنی پہنچکر مسعود نے فراریوں کے

نامی سرداروں علی دایہ۔ حاجب شیبانی اور بک تغدی وغیرہ کو گرفتار کرکے ان سے سخت بازپرس کی اور ان سب کو ہندوستان بھیجکر ان کو مختلف قلعوں میں قید کردیا ان قیدیوں میں سے اکثر نے نظربندی ہی کی حالت میں بہت جلد وفات پائی ان فراریوں کو سزا دینے کے بعد مسعود سلجوقیوں کے دفع کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا آخرکار اس نے یہ طے کیا کہ اپنے لشکر کو ہندوستان لے جائے اور وہاں نئی بھرتی کرکے لشکر میں ایک معقول اضافہ کرے مسعود کا ارادہ تھا کہ اس طرح اپنی فوج کو قوی کرکے ترکمانیوں کے مقابلے میں صف آرا ہو اور ان کو پوری سزا دے۔

یہ طے کرکے مسعود نے اپنے بیٹے مودود کو دوبارہ بلخ کا امیر مقرر کیا اور خواجہ محمد بن عبدالصمد وزیر کو مودود کے ہمراہ روانہ کیا اور ارتگین کو بھی مودود کا صاحب مقرر کرکے چار ہزار سپاہیوں کی فوج کے ساتھ اُسے بھی بلخ کی طرف بھیجدیا۔ مسعود نے اپنے دوسرے بیٹے شاہزادہ امیر مجدود کو جو لاہور سے آیا تھا دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ ملتان روانہ کیا تاکہ وہاں کے نظام سلطنت میں کسی طرح کی خرابی اور خلل نہ واقع ہوسکے اپنے تیسرے بیٹے امیر ایزدیار کو کوہ پایہ غزنین کی طرف بھیجا تاکہ وہاں کے فرمانروا افغانی زیادہ ابھرنے نہ پائیں اور غزنوی سلطنت کے سرحدی حصے کو ان افغانوں سے کوئی صدمہ نہ پہنچ سکے۔ بیٹوں کو اطراف سلطنت میں روانہ کرکے مسعود نے باپ کا جمع کیا ہوا کل خزانہ اونٹوں پر لادا اور خزانے کو اپنے ہمراہ لے کر خود لاہور روانہ ہوا مسعود نے راستے ہی سے ایک شخص کو بھیجا تاکہ اس کے بھائی امیر محمد مکحول کو قلعے سے نکال کر مسعود کے سامنے لے آئے۔ جب مسعود رباط مارکلہ یا دریائے جہلم کے قریب پہنچا تو مسعود کے بعض معتبر غلام خزانے سے دوچار ہوئے خزانے کو دیکھ کر ان نمک حرام غلاموں کی رگ طمع پھڑکی اور انہوں نے ہی کھول کر خزانۂ شاہی کو لوٹا۔ اس درمیان میں امیر محمد بھی وہاں

پہنچ گیا۔ ان بے ایمان غلاموں نے سمجھا کہ ان کی اس ناشایستہ حرکت سے اُسی وقت چشم پوشی ممکن ہے جب کہ مسعود اپنی حکومت سے معزول کر دیا جائے۔ یہ سمجھ کر یہ کور نمک گروہ امیر محمد کے پاس پہنچا اور اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کر کے سب کے سب امیر مسعود پر ٹوٹ پڑے۔ امیر مسعود مجبوراً رباط مارکلہ میں جو دریائے سندھ کے پاس ہے قلعہ بند ہو گیا چونکہ لشکر کا چھوٹا بڑا ہر شخص اب لڑائی کی سختیوں سے بیزار اور وطن کی جدائی سے نالاں تھا۔ اس کے سب مسعود کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور رباط کے اندر گھس کر انہوں نے مسعود کو گرفتار کر کے اس کو امیر محمد کے حوالے کر دیا۔ امیر محمد نے بھائی سے کہا کہ میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا تم خود اپنی نظربندی کے لئے کوئی جگہ تجویز کر لو جہاں تم اپنے عیال و اطفال کو ساتھ لے کر زندگی کے بقیہ دن اطمینان سے بسر کر سکو۔ مسعود نے قلعہ گیری میں رہنا پسند کیا اور روانگی کی تیاریاں کرنے لگا مورخین لکھتے ہیں کہ روانگی کے وقت مسعود کے پاس ایک حبہ بھی نہ تھا۔ مسعود نے بھائی کے پاس ایک شخص کو بھیجا اور اس سے کچھ مدد خرچ طلب کیا۔ امیر محمد نے جواب میں پانسو درم مسعود کے پاس بھیجے۔ جب یہ رقم مسعود کے پاس پہنچی تو اسے دیکھ کر مسعود پر بڑا اثر ہوا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور اسی حالت میں اس کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکلے کہ سبحان اللہ کل اسی وقت میرے قبضے میں تین ہزار زر انبار اونٹ تھے اور آج میں اس روز سیاہ میں گرفتار ہوں۔ مسعود نے اسی وقت اپنے ہم نشینوں سے ہزار دینار قرض لئے اور بھائی کی بھیجی ہوئی رقم اس شخص کو جو پانسو درم لے کر آیا تھا بطور انعام عطا کی۔ امیر محمد چونکہ خود اندھا ہو چکا تھا اس لئے اس نے خود نان خشک پر قناعت کر کے سلطنت اپنے مخبوط الحواس بیٹے احمد کے سپرد کر دی۔ احمد نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی ایک روز سلیمان بن یوسف سبکتگین اور علی خویشاوند کے بیٹے کو اپنے ہمراہ لیا اور

۴۳۲ھ بلا باپ کی اجازت حاصل کیئے ہوئے قلعہ گیری میں گھس کر امیر مسعود کو
میں قتل کر ڈالا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ احمد نے مسعود کو زندہ کنوئیں میں
ڈال کر کنوئیں کو پتھر اور مٹی سے پاٹ دیا اور یا محمد کو مجبور کر کے مسعود کو قتل کرایا۔
صاحب تاریخ گزیدہ کے نزدیک مسعود نے نو سال نو مہینے حکومت کی لیکن بعضوں
کے نزدیک اس کی مدت حکومت بارہ سال ہے۔ سلطان مسعود بڑا بہادر
سخی اور خوش اخلاق تھا۔ عالموں اور فاضلوں کو بیحد دوست رکھتا تھا اور ہمیشہ
اُن کی صحبت سے فیضیاب ہوتا تھا۔ اس کے عہد کے بہت سے فاضلوں
نے اپنی تصنیفیں اس کے نام سے معنون کی ہیں چنانچہ استاد خوارزمی
ابوریحان منجم نے جو اپنے وقت کا بہت بڑا عالم اور فن ریاضیات کا بے نظیر
فاضل تھا علم ریاضی میں ایک مستند تصنیف اسی بادشاہ کے اسم گرامی پر
لکھی ہے جو قانون مسعودی کے نام سے دنیا میں مشہور ہے اور قاضی ابو محمد ناصحی
نے فقہ حنفی میں اپنی نادر الوجود کتاب کو اسی بادشاہ کے نام سے معنون
کر کے اس کا نام کتاب مسعودی رکھا ہے۔ تاریخ روضۃ الصفا میں لکھا ہے
کہ مسعود ہمیشہ محتاجوں کو صدقہ و خیرات دیا کرتا تھا چنانچہ صرف ایک مرتبہ
رمضان میں مسعود نے ایک دن میں ایک لاکھ درہم محتاجوں کو تقسیم کئے
مسعود کی حکومت کے شروع زمانے میں ممالک غزنویہ میں اتنی مسجدیں اور
مدرسے تعمیر ہوئے کہ اُن کی تعداد کا بیان کرنا بیحد مشکل ہے۔

ابو الفتح قطب الملۃ شہاب الدولہ امیر مودود بن

امیر مسعود بن سلطان محمود غزنوی

جب امیر محمد مکحول نے اپنے بھائی مسعود کے قتل کی خبر سنی
تو اس کی موت پر بہت رویا جن لوگوں نے مسعود کے قتل میں حصہ
لیا تھا محمد نے ان کو بہت لعنت ملامت کر کے امیر مودود کو بلخ میں

اور[صلہ] ایک ہاتھی کے وزن کی برابر چاندی اس تصنیف کے صلہ میں بطور انعام حاصل کی۔

سلطان مسعود نے جو صلہ اس بیش بہا تصنیف کا ابو ریحان منجم کو عطا کیا اُسے فرشتہ نے اس عبارت میں لکھا ہے کہ "فیلے از نقرہ صلہ یافت"۔ تاریخ فرشتہ کے مشہور انگریزی مترجم مسٹر برگز فرشتہ کی مذکورہ بالا عبارت کا یہ مطلب سمجھے کہ سلطان مسعود نے جو چاندی ابو ریحان کو عطا کی اس کا وزن اتنا تھا جسے ایک ہاتھی آسانی سے اُٹھا سکے اور اسی اپنے غلط قیاس کی بنا پر ہمارے معزز مترجم نے اس بیش بہا عطیہ کی قیمت کو صرف پینتیس[۳۵] ہزار روپیہ پر محدود کر کے اپنے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ رقم ابو ریحان جیسے اُستاد کی اس بہترین تصنیف کا کوئی گراں بہا عطیہ نہیں ہے۔

ہمارے معزز مترجم کو قطعی معلوم نہیں ہے کہ سلطان مسعود سے پیشتر اور اس کے بعد اکثر مسلمان فرمانرواؤں نے شعرا اور اہل علم کو اسی عطیہ سے مالا مال کیا ہے۔ اس خاص عطیہ کو کہیں تو اسلامی مورخین نے اس عبارت میں لکھا ہے کہ "فیلے از نقرہ صلہ یافت" اور کہیں اس مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے "کہ زر برابر جثہ فیل تسلیم نمود"۔ ان دونوں طرز بیان کا مطلب ایک ہی ہے یعنی شاعر یا درباری کو ایک ہاتھی کے وزن کی برابر چاندی سونا یا روپیہ صلہ میں دیا گیا۔ ہم مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ حضرت علامہ آزاد بلگرامی رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف خزانہ عامرہ سے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

جب حضرت امیر خسرو علیہ الرحمتہ نے اپنی مثنوی نہ سپہر کو سلطان قطب الدین مبارک شاہ بن سلطان علاء الدین خلجی شہنشاہ ہندوستان کے نام سے معنون کیا تو قطب الدین مبارک شاہ نے حضرت خسرو کو بھی یہی صلہ دیا کہ ایک ہاتھی کے وزن کی برابر مصنف کو زر عطا کیا گیا حضرت امیر خسرو خود اپنے قلم اور قطب الدین مبارک شاہ کی زبان سے مثنوی نہ سپہر میں اشعار مندرجہ ذیل کے ذریعہ سے اس عطیہ کا اقرار فرماتے ہیں۔ اشعار یہ ہیں :-

بتاریخ ہمچون من اسکندرے۔ کند ہر کہ آرایش دفترے ؛ ز گنج گران مایۂ بے شمار۔ دہم بار بخشش نہ آں پیل بار
مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل۔ کہ میداد مدہم ترازوے فیل ؛ شناسد کسی کش خود رہنمون۔ کہ از پیل بار است وزنش فزون

چو میراث شد پیل زر دادنم۔ نہ زیباست زیں سہلتر دادنم

جثہ فیل کو وزن کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک ہاتھی کو کشتی میں بٹھا کر کشتی پانی میں چھوڑ دی جاتی تھی۔ ہاتھی کے وزن سے جس قدر کشتی کی سطح پانی میں ڈوب جاتی تھی اُس پر ایک خط کھینچ دیا جاتا تھا اس کے بعد ہاتھی کو کشتی سے اُتار کر اُس کشتی میں سنگریزے بھر دئے جاتے تھے جب سنگریزوں کے وزن سے کشتی اُسی کشیدہ خط تک پانی میں ڈوب جاتی تھی تو سنگریزوں کو کشتی سے نکال کر اُنہیں سنگریزوں کی برابر چاندی یا سونا تول دیا جاتا تھا۔ متوسط ہاتھی کا وزن اس طریقہ پر تین سو من شاہجہانی بتایا گیا ہے۔ ایسے تین سو من چاندی کی قیمت تقریباً چودہ لاکھ روپیہ ہوتی ہے جو اس زمانہ کے ایک کروڑ روپیہ سے بھی زاید قدر و قیمت رکھتی ہے۔ طالب

ایک خط بھیجا اور اس میں مودود کو یہ لکھا کہ فلاں فلاں اشخاص نے اپنے باپ کے قصاص میں امیر مسعود کو قتل کیا ہے ان کے علاوہ دوسرں کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ مودود نے اس تعزیت نامے کے جواب میں امیر محمد کو لکھا کہ خدا امیر کی عمر میں ترقی عطا کرے اور آپ کے فرزند احمد دیوانے کو اتنی فہم و فراست دے کہ وہ دنیا کے نشیب فراز کو سمجھے۔ آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ آپ کے مخبوط فرزند نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے اور ایسے فرمانروا کا خون بہایا ہے جس کو امیر المومنین نے سید الملوک و السلاطین کا لقب عطا فرمایا تھا یہ سمجھ لیجیے کہ یہ خون اپنا رنگ لائے گا اور آپ کا مجرم بیٹا جلد سے جلد اپنی سزا کو پہونچے گا۔ مودود نے خط بھیجنے کے بعد فوراً یہ ارادہ کیا کہ باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے مارکلہ کی طرف کوچ کرے لیکن ابونصر احمد بن محمد بن عبدالصمد نے مودود کو اس ارادے سے روکا اور اس کو نشیب و فراز سمجھا کر اپنے ہمراہ غزنی لے گیا۔ مودود کے آنے کی خبر سن کر غزنی کے تمام اعیان ملک اور ارکان سلطنت اس کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے اور سبھوں نے مودود کے سامنے سر اطاعت خم کر کے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔

سنہ ۴۳۲ھ میں امیر مودود نے غزنی سے کوچ کیا۔ امیر محمد مکحول نے اپنے چھوٹے بیٹے مسمی نامی کو ایک جرار لشکر کا افسر اور سپہ سالار پشاور اور ملتان بنایا اور دریائے سندھ کو پار کر کے مودود سے لڑنے کے لئے آگے بڑھایا۔ امیر مودود بھی غزنی سے چلا اور ڈینور[۱] کے جنگل میں دونوں چچا بھتیجوں کا مقابلہ ہوا ہر فریق نے فتح کے لئے جان توڑ کوششیں کیں لیکن محمد کی تمام کوششیں بیکار گئیں اور فتح مودود کو نصیب ہوئی یہ اندھا امیر اپنے بیٹوں اور چند باقی ماندہ امیروں یعنی نوشتگین بلخی و ابوعلی خویشاوند اور سلیمان بن یوسف وغیرہ کے ہمراہ مودود کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ مودود کے افسروں نے سوا عبدالرحیم بن محمد مکحول کے

اور بقیہ تمام قیدیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ عبدالرحیم کی جان بخشی کی وجہ مورخین یہ لکھتے ہیں کہ امیر مسعود کے زمانۂ قید میں ایک دن عبدالرحیم مذکور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کے ہمراہ امیر مسعود کو دیکھنے قید خانہ گیا امیر مسعود کو دیکھتے ہی عبدالرحمٰن نے ازراہ تمسخر اس امیر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ یہ سر کلاہ امارت کے قابل نہیں رہا ہے اور بادشاہ مسعود کے سر سے ٹوپی قبیہ اتار لیا۔ عبدالرحیم نے بھائی کی اس نامعقول حرکت پر اُسے بےحد ملامت و تنبیہ کی اور اس کے ہاتھ سے ٹوپی چھین کر پھر چچا کے سر پر رکھ دی اور موافق مثل مشہور کہ جو جیسا کرے گا دیسا پائے گا ایسے نازک وقت میں اس نے موت کے پنجے سے نجات پائی۔ جب مودود اپنے باپ کے قاتلوں سے خون کا بدلہ لے چکا تو اس نے ایک جگہ جہاں اسے فتح ہوئی تھی ایک موضع آباد کیا اور وہاں ایک سرا تعمیر کرکے اس موضع کا نام فتح آباد رکھا مودود نے اپنے بھائیوں اور باپ کی لاش کی بابت حکم دیا کہ کیری سے غزنی لائی جائے اور خود بھی جلد سے جلد غزنی کی طرف چلا۔ دارالخلافت پہنچکر مودود نے ابونصر احمد اور پھر ۴۳۲ھ طاہر بن محمد مستوفی کو وزیر مقرر کیا اور اپنے ایک معتمد امیر ابونصر محمد بن احمد کو نامی ابن محمد مکحول کے مقابلے کے لئے ہندوستان روانہ کیا۔ ابونصر نامی کے مقابلے میں غالب آیا اور امیر محمد کا یہ باقی ماندہ فرزند بھی میدان جنگ میں مارا گیا۔ نامی کے قتل کے بعد سوا مودود کے چھوٹے بھائی مجدود بن مسعود کے اور کوئی مدعی سلطنت باقی نہ رہا۔ چونکہ مجدود نے باپ کے قتل کے بعد ملتان کی سکونت ترک کردی تھی اور لاہور پہنچکر ایاز خاص کی مدد اور مشورے سے اس نے دریائے سندھ سے لے کر ہانسی اور تھانیسر تک اپنا قبضہ کرکے ایک اچھی خاصی طاقت بہم پہنچالی تھی اس لئے مودود نے چاہا کہ اس خدشے کو بھی جلد سے جلد دفع کردے یہ سوچکر اسی سال مودود نے ایک جرار لشکر مجدود کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ مجدود اس زمانے میں ہانسی میں مقیم تھا اور اس

قیام کی غرض یہ تھی کہ موقع پاکر دارالملک دہلی کو بھی فتح کر کے اپنی حکومت کو پورے طور پر مستقل اور پائدار بنائے۔ مجدود نے جب اس لشکر کی آمد کی خبر سنی تو خود بھی ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے ہانسی سے روانہ ہوا اور قبل اس کے کہ مسعود کا لشکر شہر لاہور کے قلعے پر قابض ہو مجدود چھٹی ذالحجہ کو لاہور پہنچ گیا مجدود کے لشکر کی کثرت اور قوت دیکھ کر مودود کی سپاہ گھبرا گئی اور قریب تھا کہ یہ ہیبت اس درجہ ترقی کرے کہ مودود کا لشکر منتشر ہو جائے اور فوج کے افسر اور امرا مجدود کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطاعت قبول کرلیں کہ دفعتہً تقدیر نے پانسہ پلٹ دیا اور عین عید قربان کی صبح کو مجدود اپنے بستر خواب پر مردہ پایا گیا۔ مجدود کی اس مرگ مفاجات کی ظاہری وجہ کچھ بھی معلوم نہ ہوئی اور سوا دست قضا کے کوئی دنیاوی ہاتھ اس فعل کا مجرم نہ ثابت ہوا۔ مجدود کے مرنے کے چند ہی دن بعد ایاز نے بھی دنیا کو خیر باد کہا۔ اور مجدود کے تمام مفتوحہ ممالک بلا کسی زحمت کے مودود کے قبضے میں آگئے امیر مودود کی طاقت سے خوف زدہ ہو کر ماوراالنہر کے حاکموں نے بھی مودود کی اطاعت قبول کرلی۔ باوجود مودود کی اس قوت اور ہمت کے سلجوقی اپنے ارادے سے باز نہ آئے اور اگرچہ مودود نے اس قوم کو اپنا بنانے کے لئے سلجوقیوں کے سردار جعفر بیگ کی بیٹی سے نکاح بھی کرلیا لیکن یہ جنگجو فرقہ اس پر بھی مودود سے بیگانہ اور ہمیشہ اس کا مخالف ہی رہا۔

۴۳۵ھ میں دہلی اور ہندوستان کے دوسرے ہندو راجاؤں نے ایکا کر کے ہانسی اور تھانیسر کے تمام مقامات پر قبضہ کرلیا ان مقامات سے غزنوی افسروں کو شہر بدر کر کے ہندو فوج نگر کوٹ کے طرف روانہ ہوئی۔ نگر کوٹ پہنچکر ہندوؤں نے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور چار مہینے تک برابر قلعے کو گھیرے رہے۔ اس درمیان میں مسلمانوں نے بارہا لاہور سے مدد مانگی لیکن چونکہ اس زمانے میں کچھ ایسے اتفاقات

پیش آئے اور کچھ ایسی رکاوٹیں پیدا ہوئیں کہ مسلمانوں کی کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ آخرکار نگرکوٹ کی اسلامی فوج فاقہ کشی اور محاصرے کی مصیبتوں سے تنگ آکر ہندو فوج کا مقابلہ نہ کرسکی اور ہانسی اور تھانیسر کی طرح نگرکوٹ پر بھی ہندوؤں کا قبضہ ہوگیا ہندوؤں نے نگرکوٹ کو پھر بت پرستوں کا تیرتھ بنایا اور شہر میں جابجا نئے بت نصب کرکے از سرنو اس شہر میں بت پرستی کو رائج کیا نگرکوٹ میں بت پرستی کے رائج ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ جب دلی کے راجہ نے دیکھا کہ غزنوی سلطنت کی بنیاد ہل گئی ہے اور حکومت میں کمزوری اور ادبار کے نشانات نمایاں ہوگئے ہیں تو اس نے ایک متعصب برہمن کی مدد اور راہنمائی سے یہ چال چلی کہ ایک دن صبح کو اپنے تمام درباریوں کو جمع کرکے اُن سے کہا کہ کل رات خواب میں نگرکوٹ کے بت نے مجھے جو ہدایت کی چاہتا ہوں کہ تم سب کو اس کا وہ حکم سنا دوں۔ ہمارے معبود کا فرمان یہ ہے کہ اب تک میں غزنی میں مقیم تھا میرا قیام وہاں محض اسی وجہ سے تھا کہ اسلامی حکومت کی بنیاد کو کمزور اور مسلمانوں کو تباہ اور برباد کردوں اب میں اپنا کام پورا کرچکا اور یہ چاہتا ہوں کہ پھر اپنے اصلی مرکز کی طرف پھروں اور اپنے پوجنے والوں کو خدا پرستوں پر غالب کروں۔ میرے بندوں کو چاہیے کہ اپنے پاس سمجھ کر مسلمانوں کے مقابلے میں جان دینے کو تیار ہوجائیں اور میری مدد پر بھروسہ کرکے اپنے تمام ملکوں کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال لیں۔ راجہ کی یہ تقریر رعایا کے دل میں اتر گئی اور سبھوں نے مسلمانوں سے لڑنے کا مصمم ارادہ کرکے جشن عیش و عشرت منعقد کیا اس خوشی کے دن کو ایک بہت بڑا تہوار سمجھ کر ہندوؤں نے ناچ و رنگ میں اپنا دن تمام کیا۔ رعایا کو اس ارادہ پر مصمم کرکے راجہ دہلی کو ایک نئی ترکیب سوجھی۔ دہلی کے اس راجہ نے فوراً چند معتبر سنگ تراشوں کو بلاکر حکم دیا کہ جلد سے جلد ایک سنگی تصویر

ایسی تیار کریں جو ہو بہو نگر کوٹ کے بت کی تمثال معلوم ہو۔ سنگ تراشوں نے فوراً اپنا کام شروع کر دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے ایسا بت تیار کیا جو نگر کوٹ کی بت سے بالکل مشابہ معلوم ہوتا تھا دہلی کا راجہ اس بت کو اپنے ساتھ لے کر دوسرے راجاؤں کے ہمراہ ہانسی اور تھانیسر پر قبضہ کرتا ہوا نگر کوٹ پہنچا اور قلعے کے ایک نواح میں خیمہ زن ہوا اُسی دن رات کو راجہ نے اپنے نئے تراشیدہ بت کو اس چالاک برہمن کے حوالے کیا اور کہا کہ جب خدا کی مخلوق نیند میں غافل ہو تو اس بت کو باغ میں کسی عمدہ جگہ نصب کر دے۔ برہمن نے راجہ کے حکم کے موافق اس تراشیدہ تمثال کو باغ کے ایک منظر عام پر نصب کر دیا اور خود لوگوں کی نگاہیں بچاتا اپنی جگہ واپس آیا۔ صبح تڑکے جب باغبان اپنا کام کرنے کے لئے باغ کے اندر گئے تو اُن کی نگاہ اس تمثال پر پڑی چونکہ سبھوں کی آنکھیں نگر کوٹ کی بت سے اچھی طرح آشنا تھیں دیکھتے ہی سب پہچان گئے اور خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور باہم مبارک باد دینے لگے باغبانوں کے ذریعے سے یہ خبر فوراً لشکر میں پھیلی لشکریوں نے اس خبر کو سنتے ہی مسرت کے نعروں سے میدان کو سر پر اٹھا لیا۔ جب راجہ نے دیکھا کہ اس کے بھولے سپاہی دھوکے میں آگئے تو اپنے بیٹوں عزیزوں اور نامی امیروں کو اپنے ساتھ لے کر خود بھی ننگے پاؤں باغ کی طرف دوڑا۔ باغ کے اندر پہنچ کر راجہ نے بے اختیار اپنا سر بت کے پیروں پر رکھ دیا اور اپنے عقیدے اور حوصلے کے موافق اس تشریف آدری کے شکریہ میں نذریں چڑھا کر باغ کے باہر آیا اور رعایا سے کہا چونکہ ہمارا معبود صرف ایک رات میں اتنی مسافت طے کر کے غزنی سے ہندوستان آیا ہے اس لئے تکان سفر کی وجہ سے بہت خستہ ہے آج ہمارا معبود آرام کرے گا اور کل اپنے تمام بندوں کو اپنی باریابی کی عزت بخشے گا۔ تمام ہندوؤں نے راجہ کے اس قول پر آمنا اور صدقنا کی آوازیں بلند کیں اور نذریں اور منتیں مان کر

خوشی خوشی اپنے قیام گاہ کو واپس آئے دوسرے دن تمام ہندو سپاہی اور رعایا اپنے معبود کے حضور میں حاضر ہوئے اور اس قدر سونا چاندی اور جواہرات جاتریوں نے اس بت پر چڑھایا کہ غالباً محمود کی روح کو چین نہ آیا ہوگا اور ضرور بے قرار ہو کر غزنی سے ہندوستان روانہ ہوئی ہوگی راجہ کا برہمن مشیر پجاری بن کر بت کے پاس کھڑا ہوا جو ہندو بت پر نذر چڑھانے کے لئے اس کے پاس آتا تھا اس سے یہ برہمن کہتا تھا کہ تمہارے معبود کا حکم ہے کہ جس طرح ممکن ہو قلعے کو جو تمہارے دیوتا کا مسکن ہے مسلمانوں کے قبضے سے نکال کر پھر اُسے اپنے معبود کی زیارت گاہ بنا دو۔ ہندوؤں میں ہر شخص نے فرداً فرداً بت کا یہ حکم برہمن سے سن کر اقرار کیا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں صف آرا ہو کر قلعے کو خدا پرستوں کے قبضہ سے نکال لے گا۔ زیارت کے ختم ہوتے ہی تمام ہندو سپاہیوں نے ایک دل ہو کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا چار مہینے کی سختیاں اور مصیبتیں جھیل کر اپنی بار بار کی گزارشوں کے بعد لاہور کی مدد سے مایوس ہو کر قلعہ ہندوؤں کے سپرد کیا اور خود لاہور روانہ ہو گئے مسلمانوں کے جانے کے بعد دہلی کے راجہ نے محمود کے مسمار کردہ بتخانے کی مرمت کی اور بت کو اس کی اصلی جگہ پر نصب کر کے بت پرستی کا بازار گرم کیا۔ نگرکوٹ کے فتح کی خبر کے ساتھ ہی ساتھ بت کی تشریف آوری کا مصنوعی فسانہ بھی ہندوستان کے ہر گوشے میں مشہور رہا اطراف و نواح کے ہندو خوش اور مسرور ہو کر جاترا کے لئے نگرکوٹ کی طرف روانہ ہوئے اس مرتبہ نگرکوٹ میں پہلے سے بھی زیادہ میلے کا ہجوم ہوا اور ہندوؤں کی خوش عقیدگی سے اس مصنوعی بت کی اتنی پوجا ہوئی کہ اصلی بت کو یہ پرستش کبھی میسر نہ ہوئی تھی۔ ہندوؤں کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر بڑے کام کے کرنے میں اس بت سے مشورہ لیتے ہیں اور اگر بت اجازت دیتا ہے تو اس کام کو کرتے ہیں ورنہ اپنے ارادے کو فسخ کر دیتے ہیں اس زمانے میں ہندوؤں کی صحبت سے اس نواح کے بعض جاہل مسلمان بھی نذریں چڑھاتے ہیں اور بت پرستوں کی طرح یہ جھوٹے خدا پرست بھی اس بے شعور

پتھر سے اپنے مقصدوں اور ارادوں کے پورا ہونے کی فال لیتے ہیں۔ ان واقعات کے ساتھ ہی ساتھ پنجاب کے اُن راجاؤں نے بھی جو مسلمانوں کے خوف سے جنگلوں میں جا چھپے تھے غزنوی خلفشار سے فائدہ اٹھایا تین زبردست راجہ ایک دل اور ایک زبان ہو کر دس ہزار سواروں اور بیشمار پیادوں کا ایک جرار لشکر ساتھ لے کر لاہور کی طرف بڑھے لاہور پہنچتے ہی ان راجاؤں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت پنجاب میں چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں قائم ہو گئی تھیں اور مسلمان جاگیردار امیر مودود سے منحرف ہو کر چھ سات مہینے سے باہمی خانہ جنگی میں مشغول تھے جب ہندوؤں نے لاہور کا محاصرہ کیا تو ان خوابیدہ مسلم امیروں کی آنکھیں کھلیں ان امیروں نے آپس میں اتحاد کر کے مودود کی اطاعت کا بالاتفاق اقرار کیا اور ایک متحدہ لشکر لے کر ہندوؤں کے مقابلے کے لئے شہر سے باہر نکلے ہندو راجاؤں نے جب مسلمانوں میں یک دلی اور یک جہتی دیکھی اور ان کی نگاہ اسلامی لشکر پر پڑی تو خوف زدہ ہو کر بلا لڑے میدان جنگ سے ہٹ گئے۔

سنہ ۴۳۴ہجری میں مودود نے ارتگین حاجب کو طخارستان[۱۱۱] روانہ کیا۔

جب ارتگین طخارستان پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ داؤد ترکمانی کا بیٹا[۱۱۲] ارمن تک آ گیا ہے ارتگین نے یہ سنتے ہی ترکمانیوں پر لشکر کشی کی ترکمانیوں کے سردار نے جب سنا کہ غزنوی لشکر اُس کی سرکوبی کے لئے آ رہا ہے تو خوف زدہ ہو کر اس نے لشکر کو تو میدان میں چھوڑا اور خود تن تنہا جنگل کی راہ لی۔

ارتگین نے ارمن پہنچکر ترکمانیوں کے لشکر پر دھاوا کیا اور سپاہیوں کو قتل و غارت گری سے شکست دے کر بلخ پہنچا۔ ارتگین نے بلخ پر بھی قبضہ کیا اور وہاں سکہ اور خطبہ امیر مودود کے نام کا جاری کر کے چاہتا تھا کہ آگے بڑھے کہ دفعتاً ترکمانیوں کا لشکر اس کے مقابلے کے لئے بلخ کے قریب پہنچ گیا۔ ارتگین نے اپنے میں اس لشکر کے مقابلے کی طاقت نہ دیکھی اور امیر مودود سے مدد مانگی۔ مودود نے ارتگین کی التجا پر توجہ نہ کی ارتگین نے

لاچار ہو کر بلخ سے کوچ کیا اور پنجہیر کابل ہوتا ہوا غزنی پہنچا۔

۴۳۵ھ میں مودود نے چند مفسدوں کی غمازی سے ابو علی کوتوال غزنی کو نظر بند کر دیا لیکن اس کی بے گناہی ثابت ہونے کے بعد اُسے قید سے رہا کر کے پھر دیوان مملکت اور کوتوال غزنی مقرر کیا۔ مودود نے سوری بن المعتز کو بھی جو عرصہ دراز سے حضرت امام علی رضاؑ کی مزار کا خادم تھا قید کر دیا سوری نے اسی حالت قید میں وفات پائی۔ غمازوں نے ارتگین حاجب کی طرف سے بھی مودود کو ایسا برگشتہ کیا کہ اس نے اپنے سامنے ارتگین کی بھی گردن ماردی۔ اسی سال ترکمانیوں کے سر میں غزنی کی فتح کا سودا سمایا۔ اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے ترکمانیوں کا ایک لشکر بست کے قریب پہنچکر خیمہ زن ہوا۔ مودود نے ان کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیا ترکمانی اس لشکر سے شکست کھاکر ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔

۴۳۶ھ میں خواجہ طاہر وزیر نے وفات پائی اور خواجہ ابوالفتح عبدالرزاق بن احمد بن حسن میمندی وزیر سلطنت مقرر کیا گیا اسی سال مودود نے طغرل حاجب کو بست کی طرف روانہ کیا طغرل نے سیستان پہنچکر ابوالفضل کے بھائی اور ابوالمنصور زنگی کو نظر بند کر لیا طغرل ان دونوں قیدیوں کو اپنے ہمراہ لے کر غزنی واپس آیا۔

۴۳۷ھ میں سلجوقی پھر غزنی کی طرف بڑھے بست کو طے کر کے سلجوقی رباط امیر تک پہنچے اور انہوں نے رباط کو غارت و تباہ کیا طغرل ایک جرار لشکر لے کر غزنی سے ان کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھا اور جلد سے جلد سلجوقیوں سے جا ملا دونوں فریق ایک دوسرے سے گتھ گئے اور لڑائی کا بازار گرم ہوا آخر کار غزنوی فوج غالب آئی اور ترکمانی شکست کھاکر میدان جنگ سے بھاگے۔ اس فتح کے بعد طغرل نے گرم سیر[۱] قندہار کا رخ کیا اور وہاں پہنچکر اس ملک کے ترکمانیوں کو جو سرخ کلاہ کے نام سے مشہور تھے قتل اور اسیر کر کے مظفر و منصور

غزنی واپس آیا۔

۴۳۸ھ میں امیر مودود نے طغرل کو ایک جرار لشکر کا سردار بنا کر پھر اسے بست روانہ کیا جب طغرل تکیا باد پہنچا تو دفعتہً اس کے دماغ میں خودسری کا مادہ ہو گیا اور مودود سے انحراف کرنے لگا جب مودود کو طغرل کے حالات کا علم ہوا تو اس نے چند معتبر لوگوں کو اس کے پاس دل دہی کے لئے روانہ کیا اور اسے اپنے حضور میں طلب کیا۔ طغرل نے جواب میں کہا کہ چونکہ امیر کے حاشیہ نشین اس وقت میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اس لئے میں بارگاہ سلطانی میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ طغرل کا یہ جواب سن کر مودود نے علی بن خادم ربیع کو دس ہزار سواروں کے ساتھ طغرل کی تنبیہ کے لئے روانہ کیا۔ علی بن ربیع فوراً طغرل کے سر پر پہنچ گیا طغرل اس کے آنے سے ایسا بدحواس ہوا کہ اپنے سپاہیوں کو چھوڑ کر مع چند خاص مصاحبوں کے میدان سے بھاگ گیا۔ علی بن ربیع نے فوراً طغرل کی بے سر فوج پر دھاوا کیا اور ان میں سے چند لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ غزنی لے آیا۔ اسی سال مودود نے حاجب بزرگ امیر باستگین کو غور کی طرف روانہ کیا جب باستگین غور کے قریب پہنچا تو ولدہچی غوری کو اپنے ساتھ لیا ہوا حصار ابوعلی کی طرف بڑھا حصار پر پہنچکر باستگین نے اس کو بھی فتح اور غوریوں کے سردار ابوعلی کو بھی گرفتار کر لیا۔ یہ حصار ایسا مضبوط تھا کہ امیر حاجب سے پہلے سات سلول تک کسی سے سر نہ ہوا تھا۔ باستگین نے ولدہچی اور ابوعلی کی گردنوں میں طوق گرفتاری ڈالا اور انہیں اپنے ہمراہ غزنی لے آیا مودود نے فوراً ان دونوں سرکشوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد اسی سنہ میں مودود نے باستگین کو ترکمانوں کے سالار بہرام نیال کے مقابلے میں روانہ کیا بست کے قریب دونوں لشکروں میں مٹھ بھیڑ ہوئی اس لڑائی میں بھی باستگین غالب آیا اور ترکمانی شکست کھا کر میدان جنگ

سے بھاگ گئے۔

۴۳۹ھ میں امیر قزدار نے بغاوت کی باستگین فوراً اس کے سر پہ پہنچا اور قزدار کے مقابلے میں صف آرا ہو کر باغیوں کو شکست دی۔ قزدار نے تھوڑے دنوں کے بعد مودود کی اطاعت کا اقرار کر کے سالانہ خراج دینا قبول کیا۔ باستگین قزدار سے اس طرح صلح کر کے غزنی واپس آیا۔

۴۴۰ھ میں امیر مودود نے اپنے دونوں بڑے بیٹوں ابوالقاسم محمود اور منصور کو ایک ہی دن خلعت سے سرفراز کر کے طبل و علم عطا کیا اور محمود کو لاہور اور منصور کو برشور کی طرف روانہ کیا۔ اسی کے ساتھ مودود نے غزنی کے کوتوال ابوعلی کو بھی فوجدار بنا کر ہندی باغیوں کی سرکوبی کے لیئے ہندوستان روانہ کیا ابوعلی پہلے پشاور آیا اور جب اس نے قلعہ ماہتیلہ کا رخ کیا تو اس قلعے کا باغی حاکم خوف زدہ ہو کر تنہا بھاگ گیا۔ ابوعلی نے اس قلعے پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوؤں کے سالار بیجی رے کو جو محمود کی زندگی میں وفاداری کے ساتھ خدمت گزاری کر چکا تھا اور محمود کی وفات کے بعد آزردہ ہو کر غزنی سے بھاگ آیا تھا اور کشمیر کے دروں میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا بلایا اور اس کے زخمی دل پر مرہم رکھنے کے لیئے ایک شخص کو بھیجا اس طرح بیجی رے کو اپنے پاس بلا کر اس کی حفاظت پر قول و قرار کیا اور اسے مودود کے پاس غزنی روانہ کر دیا۔ جب یہ بوڑھا سالار مودود کے حضور میں حاضر ہوا تو مودود نے بھی اس کے حسن خدمات کا لحاظ کر کے اس پر مہربانی کی اور موت کے خوف کو اس کے دل سے دور کر کے اس کو بالکل مطمئن کر دیا جس زمانے کہ ابوعلی کوتوال سندھ میں تھا اس وقت اس کے دشمنوں نے موقع پا کر اس کی طرف سے مودود کے کان ایسے بھرے کہ بادشاہ کو اس کا آزاد اور با اختیار رہنا مصلحت کے خلاف معلوم ہونے لگا جب ابوعلی کوتوال بہت سا مال و دولت لے کر

غزنی واپس آیا تو مودود کا دل اس سے برگشتہ ہو چکا تھا۔ ابو علی کے پہنچتے ہی مودود نے اسے نظر بند کر کے اُسے میرک بن حسین وکیل کے حوالے کر دیا قید کے چوتھے ہی دن دشمنوں نے ابو علی کو قتل کر دیا۔ چونکہ ان حاسد امیروں نے بغیر مودود کے حکم کے اس قتل کا ارتکاب کیا تھا اس لیئے اپنے جرم کو ہر طرح چھپانے کی کوشش کرتے اور ہر روز بادشاہ کو سفر کی ترغیب دیتے رہتے۔ اس ترغیب کا منشاء یہ تھا کہ ان قاتلوں کا جرم تھوڑے دنوں اور بادشاہ پر ظاہر نہ ہو اور مودود سفر کے مشغلوں میں مصروف ہو کر ابو علی کو بالکل بھول جائے۔ آخرکار یہ امیر اپنے ارادے میں کامیاب ہوئے اور مودود نے ان کی صلاح سے کابل کی طرف کوچ کیا کابل پہنچکر مودود نے ارادہ کیا کہ خراسان جائے اور اس ملک کو ترکمانیوں کے پنجے سے آزاد کرے۔ مودود خراسان کے ارادے سے آگے بڑھا لیکن جب سجاوند[۱۱۸] اور لہوکردہ کے نواح میں پہنچا تو اس نے سانکوت[۱۱۹] کے قلعے کی طرف باگ موڑ دی تاکہ گئے ہاتھوں اس قلعے کو بھی تاراج کرتا چلے۔ سانکوت پہنچکر مودود کو قولنج کا مرض پیدا ہوا اور بیماری روز بروز ترقی کرنے لگی۔ یہ مرض اتنا بڑھا کہ مودود نے آگے بڑھنے کا ارادہ فسخ کیا اور امیر عبدالرزاق کو سلجوقیوں کے مقابلے میں سیستان روانہ کر کے خود عماری میں سوار ہو کر غزنی کی طرف واپس آیا۔ غزنی پہنچتے ہی عین بیماری کی حالت میں مودود نے میرک وکیل کو حکم دیا کہ ابو علی کو قید خانے سے رہا کر کے اُسے مودود کے سامنے حاضر کرے۔ میرک نے حیلہ سازی کر کے ایک ہفتے کی مہلت لی لیکن یہ ہفتہ گزرنے نہ پایا کہ مودود نے ۲۴ رجب [۱۲۰]۴۴۱ھ میں وفات پائی مودود نے نو سال حکومت کی بعض مورخین لکھتے ہیں کہ جس سال مودود نے دنیا کو خیرباد کہا اُسی سال ماوراءالنہر اور بامیہ[۱۲۱] کے تمام سرداروں نے بالاتفاق یہ طے کر لیا تھا کہ مال اور لشکر سے مودود کی مدد کر کے خراسان کو ترکمان سلجوقی کے فتنے سے پاک کر دیں گے لیکن چوں کہ

سلجوقیوں کا ستارۂ اقبال بلندی پر آرہا تھا یہ امیر اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوسکے ۔

ابو جعفر مسعود بن مودود بن سلطان محمود غزنوی

جب مودود نے وفات پائی تو علی بن ربیع نے جس کے سر میں حکومت کا سودا عرصے سے سمایا ہوا تھا مودود کے چہار سالہ فرزند مسعود کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ باستگین حاجب نے جو سلطان محمود کے امیروں میں تھا اس جانشینی پر علی بن ربیع کی ہم نوائی نہ کی اور فیصلہ جنگ پر ٹھہرا۔ غزنی کے تقریباً تمام لوگ ہتیار لگا کر باستگین کے دروازہ پر آکر جمع ہو گئے۔ سلطان مسعود بن محمود کے تمام بیٹوں میں اس وقت صرف ابوالحسن غزنی میں موجود تھا۔ علی بن ربیع نے یہ سمجھ کر کہ ابوالحسن ہی اس وقت اس کے نوعمر مالک کا رقیب بن کر اس کی ساختہ حکومت کو درہم برہم کرسکتا ہے چاہا کہ ابوالحسن کو جلد سے جلد فنا کردے ابوالحسن کو علی بن ربیع کے اس ارادے کی فوراً اطلاع ہو گئی اور وہ اپنی جان بچا کر بھاگا اور باستگین کے پاس آکر اس نے پناہ لی۔ باستگین نے ابوالحسن کے پہنچتے ہی تمام ارکان سلطنت کے اتفاق سے مسعود بن مودود کو پانچ یا چھ روز کی بادشاہت کے بعد تخت سے اتار کر اس کے چچا ابوالحسن علی بن مسعود کو غزنوی تاج و تخت کا وارث و مالک تسلیم کر لیا۔

ابوالحسن علی بن مسعود بن سلطان محمود غزنوی

پہلی شعبان جمعہ کے دن ۴۴۱ھ میں ابوالحسن بن مسعود نے تخت سلطنت پر جلوس کیا اور جعفر بیگ کی بیٹی سے جو مودود کے نکاح میں تھی عقد کر لیا۔ علی بن ربیع نے جب دیکھا کہ مسعود بن مودود تخت سے اتار دیا گیا اور ابوالحسن کے وقت میں اس کی جان کی خیر نہیں ہے تو میرک وکیل کے مشورے سے جس قدر زر و جواہر اٹھا سکا ساتھ لے کر اپنے غلاموں کے ہمراہ پشاور بھاگ گیا۔ پشاور پہنچکر ملتان اور سندھ تک اپنا قبضہ کر لیا اور باغی افغانوں کو نیچا دکھا کر خود مختاری کا ڈنکا بجانے لگا۔ ابوالحسن نے مردان شاہ اور ایزدشاہ اپنے دونوں بھائیوں کو جو قلعہ نائی[1201] میں قید تھے غزنی بلا کر عزت اور حرمت کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔ چونکہ عبدالرشید بن محمود غزنوی کے خروج کی خبریں برابر دارالخلافت میں آرہی تھیں اور ابوالحسن کو ہر وقت جان حکومت دونوں کا دغدغہ لگا ہوا تھا اس لئے اس نے خزانے کا دروازہ کھول دیا اور رعایا اور سپاہیوں کی دلجوئی اور خاطر داری اپنی بخشش سے کرنے لگا۔ تقدیر نے ابوالحسن کی اس جود و سخا کو بھی اس کے لئے کار آمد نہ ثابت ہونے دیا سال کے ختم پر عبدالرشید غزنی آپہنچا اور ابوالحسن کو شکست دے کر خود تاج و تخت کا مالک بن بیٹھا اور کچھ دنوں عیش و عشرت میں زندگی بسر کی ابوالحسن نے دو سال حکومت کرنے کے بعد خاک نشینی اختیار کی ؛

زین الملت سلطان عبدالرشید بن سلطان محمود غزنوی

عبدالرشید کی ولدیت میں بڑا اختلاف ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ

یہ بادشاہ سلطان محمود غزنوی کا صلبی فرزند ہے۔ عبدالرشید امیر مودود کے حکم سے لبست اور اسفراین کے درمیان جو قلعہ ہے اس میں قید تھا۔ عبدالرزاق احمد حسن میمندی نے راستے میں مودود کی وفات کی خبر سنی میمندی نے سیستان کی مہم کو ملتوی کیا اور تکیا باد پہنچا تکیاباد میں تھوڑے دنوں قیام کر کے میمندی نے آخر ۴۴۱ھ میں خواجہ ابوالفضل، رشید بن التونتاش اور توشگین حاجب وغیرہ کی رائے سے امیر مودود کی وصیت کے مطابق رشید کو قید خانے سے نکال کر سلطنت غزنی کا وارث تسلیم کیا اور عبدالرشید اور دیگر ارکان دولت کو اپنے ساتھ لیکر میمندی نے فوراً غزنی کی طرف کوچ کیا۔ ابوالحسن عبدالرشید کی آمد کی خبر سن کر اسقدر خوف زدہ ہوا کہ بلا صف آرائی اور شمشیر زنی کے تخت سلطنت چھوڑ کر بھاگا۔ عبدالرشید نے میدان خالی پایا اور بلا کسی دردسری کے اُس نے آبائی تخت حکومت پر جلوس کیا اور حکمرانی کے احکام نافذ کرنے لگا۔ سب سے پہلے عبدالرشید نے ابوالحسن کو گرفتار کر کے قلعۂ دندی[۱۲۱] رو میں نظربند کیا اور اپنے حسن تدبیر سے علی بن ربیع کو جس نے ہندوستان پر پورا تسلط حاصل کر لیا تھا اور غزنوی فرمانرواؤں کے سامنے آنا کسی وجہ سے پسند نہیں کرتا تھا اپنے حضور میں طلب کر کے اُسے اپنی طرف سے مطمئن کیا۔ ابن ربیع کے قبضے کو اس طرح پاک کر کے رشید نے ہندوستان کے حالات پر توجہ کی اور توشگین حاجب کو ہندوستان کا سپہ سالار بنا کر اُسے ایک جرار لشکر کے ساتھ لاہور روانہ کیا۔ توشگین نے لاہور پہنچکر قلعہ نگر کوٹ کا رخ کیا اور پانچ چھ روز کے محاصرے کے بعد قلعے کو غیر مسلموں کے قبضے سے نکال کر پھر اُسے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔ ابن ربیع کو لاہور روانہ کرنے کے بعد دوکے سلطے طغرل حاجب کو بھی ایک بڑی فوج کا سردار بنا کر سیستان روانہ کیا۔ طغرل نے سیستان پہنچکر اُسے فتح کیا اور اس ملک میں ایسے پیر جمائے کہ اس کے سر میں سلطنت کا سودا اچھی طرح سما گیا۔ ملک گیری کی طمع میں اس کورنمک نے کفران نعمت کا بھی کچھ لحاظ نہ کیا اور جانباز سپاہیوں کی ایک فوج ہمراہ لے کر غزنی پر دھاوا کر دیا عبدالرشید نے اس کے ارادے سے مطلع ہو کر ناچار قلعے میں پناہ لی۔ طغرل نے قلعے کو سر کیا اور عبدالرشید اور

دوسرے غزنوی خاندان کے نوار اکین کو تہ تیغ کیا طغرل امیر مسعود کی بیٹی سے نکاح کرکے غزنوی تاج و تخت کا مالک بن بیٹھا اور اپنی اس نمک حرامی کی وجہ سے تاریخ میں ہمیشہ کے لئے طغرل کافر نعمت کے نام سے خلائق میں روشناس ہوا۔ طغرل نے حکومت کی باگ ہاتھ میں لیتے ہی توشتگین کرخی کو جو عبدالرشید کے حکم سے لاہور سے واپس ہوکر پشاور میں مقیم تھا ایک محبت آمیز خط لکھ کر اس کو اپنے ہی خواہوں میں داخل کرنے کی تدبیریں کیں لیکن توشتگین نے وفاداری کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اس خط میں طغرل کو بجد سخت و سست الفاظ لکھ کر اس کافر نعمت کو اس کی نمک حرامی پر بجد لعنت و ملامت کی۔ طغرل کو اس کے خط کا جواب دے کر توشتگین نے ایک خفیہ خط مسعود کی بیٹی کو لکھا اور شاہزادی کو طغرل کے قتل کی ترغیب دی۔ شاہزادی کے علاوہ توشتگین نے اُن امیروں کو بھی جو غزنوی خاندان کے پروردہ اور محمود کے حلقہ بگوش تھے خطوط بھیجکر اُن امیروں کو طغرل کی کورنمکی پر چشم پوشی کرنے سے بجد ملامت اور سرزنش کی۔ توشتگین کا خط پاتے ہی ہر امیر کے رگوں میں شرافت اور محبت کا خون جوش کھانے لگا اور سبھوں نے بالاتفاق طغرل کے قتل کا فیصلہ کرلیا۔

نوروز کے دن جب طغرل محمود کے تخت پر بیٹھا دربار عام کر رہا تھا تو مذکورہ بالا امیروں نے دفعتاً اُس کافر نعمت آقاکش کا ایک ہی وار میں کام تمام کردیا طغرل کے قتل کے چند دن بعد توشتگین بھی غزنی پہنچ گیا اور اس نے غزنی کے امرا و اراکین کو ایک جا جمع کرکے یہ طے کیا کہ امیر ناصرالدین سبکتگین کی باقی ماندہ اولاد کی تلاش و جستجو کرکے جو اُن میں سب سے بہتر ہو اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا جائے۔ اس فیصلے کے مطابق سبکتگینی شاہزادوں کی تلاش کی گئی اور بڑی جستجو کے بعد شاہزادہ فرخ زاد۔ ابراہیم شاہ اور شاہ شجاع تین شاہزادے غزنوی الاصل مختلف قلعوں میں نظر بند پائے گئے ان تینوں شاہزادوں میں قرعہ شاہزادہ فرخ زاد کے نام پڑا

اور تمام ارکین سلطنت نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کرکے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ کسی نے ایک دن طغرل سے پوچھا کہ امارت کو چھوڑ کر بادشاہت کا سودا کس طرح اس کے سر میں سمایا طغرل نے جواب دیا کہ جب عبدالرشید مجھے سیستان بھیج رہا تھا تو میرے ہاتھ پر رکھ کر وہ مجھ سے عہد و پیمان کر رہا تھا۔ اس حالت میں میں نے دیکھا کہ خوف کی وجہ سے بادشاہ کے جسم میں لرزہ پڑ گیا ہے اور اس کا ہاتھ کانپ رہا ہے۔ بادشاہ کو میں نے اس طرح لرزاں اور ہراساں دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ یہ شخص حکمرانی کے لائق نہیں اور یہی خیال کر کے میں نے خود حکمرانی کی کوشش کی اور اپنے ارادے میں کامیاب ہوا عبدالرشید نے ایک سال سے کچھ کم حکومت کی۔

جمال الدولہ فرخ زاد بن سلطان مسعود

بن سلطان محمود غزنوی

سلطان فرخ زاد نے تخت حکومت پر قدم رکھا تو حکومت کی باگ توستگین کرخی کے ہاتھ میں آگئی۔ غزنی کے اس عظیم الشان انقلاب کی خبر سنتے ہی داؤد سلجوقی نے غزنی پر دھاوا کیا۔ توستگین کرخی بھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ مملکت کے بہترین جانبازوں کی ایک جرار فوج لے کر سلجوقی کے مقابلے کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہوئے اور ہر فریق نے دوسرے کے قتل اور غارت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ صبح تڑکے سے لے کر شام تک سپاہیوں کے ہاتھ نہیں رکے اور ہر گروہ کے دل میں سوا اپنے حریف کو فنا اور برباد کرنے کے اور کوئی دوسرا خیال نہ تھا۔ اگرچہ فریقین میں سے کسی جانب سے کوئی کمی نہیں ظاہر ہوئی لیکن بارہ گھنٹے کی جانگداز اور شر انگیز معرکہ آرائی کے بعد سلجوقیوں کے پیر میدان جنگ سے اکھڑنے

لگے سپاہیوں کو بدحواس دیکھ کر داؤد بھی پریشان ہو گیا اور بالآخر جان بچا کر میدان جنگ سے بھاگا۔ توستگین کرخی نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ اُن فراری سلجوقیوں کا تھوڑی دور تک تعاقب کیا اُن کے مال اور باربرداری کے جانوروں پر قبضہ کر کے غزنوی سپہ سالار مظفر و منصور شہر میں داخل ہوا اس فتح نے فرخ زاد کی سلطنت کو اتنا پائدار اور مستقل کر دیا کہ غزنوی لشکر فوراً بڑے تزک و احتشام سے خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ سلجوقیوں کی طرف سے کلیارق نام ایک امیر خراسان پر حکومت کر رہا تھا۔ غزنوی فوج کی آمد کی خبر سن کر کلیارق بھی ایک جرار لشکر ساتھ لے کر اُن کے مقابلے کے لئے آگے بڑھا اور تھوڑی دیر چلا تھا کہ غزنوی فوج سے اس کا سامنا ہو گیا فریقین میں تلواریں چلنے لگیں اور اس میں شبہ نہیں کہ دونوں فریق کے سپاہیوں کی جانبازی اور سرفروشی سے لڑائی کا بازار ایسا گرم ہوا کہ اس کا ذکر حد بیان سے باہر ہے۔ اس جنگ میں بھی فتح کا سہرا غزنویوں کے سر رہا اور کلیارق مع چند دیگر سلجوقی سرداروں کے حریف کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ جب سپہ سالا کی گرفتاری کی خبر داؤد سلجوقی نے سنی تو اُس نے اپنے بیٹے الپ ارسلان کو فرخ زاد کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ توستگین کرخی اس فوج سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں صف آرا ہوا لیکن اس مرتبہ فتح سلجوقیوں کو نصیب ہوئی اور غزنی کے چند نامی امیر سلجوقیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے۔ الپ ارسلان بڑے جاہ و حشم سے اپنے ملک کی طرف پھرا۔ فرخ زاد نے اس معرکہ کی یہ حالت دیکھی تو اس نے کلیارق اور نیز دوسرے سلجوقی قیدیوں کو بیش قیمت خلعت پہنا کر سبھوں کو قید سے رہا کر دیا۔ جب سلجوقیوں کو فرخ زاد کی اس عنایت اور انسانی ہمدردی کا علم ہوا تو انہوں نے بھی اس مہربانی کے معاوضہ میں غزنوی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ فرخ زاد کی ولدیت میں اختلاف ہے روضۃ الصفا میں اس کو مسعود کا بیٹا بتایا

گیا ہے اور احمد اللہ مستوفی نے اس کو سلطان عبدالرشید کا فرزند قرار دیا ہے۔ فرخ زاد نے چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۵۰ھ میں بعارضہ قولنج دنیا سے رحلت کی فرخ زاد کی وفات سے ایک سال قبل ایک دن اس کے سرکش غلاموں کی ایک جماعت نے اپنے آقا کے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور موقع پاکر حمام میں گھس کر فرخ زاد پر حملہ آور ہوئے۔ فرخ زاد نے اس نمک حرام گروہ کے ارادے سے مطلع ہوتے ہی ایک تلوار اپنے ہاتھ میں اٹھائی اور اتنی دیر تک ان سرکشوں پر شمشیر زنی اور اپنی مدافعت کرتا رہا کہ حمام کے باہر دوسرے شاہی خادموں کو اس واقعے کی اطلاع ہوگئی یہ بادشاہی ملازم فوراً حمام میں گھس آئے اور انہوں نے غلاموں کو قتل کرکے بادشاہ کی جان بچائی مورخین لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد سے موت کے وقت تک فرخ زاد ہمیشہ اپنی موت کو یاد کرتا تھا اور ہر وقت دنیا کی خواہش اور اس کی محبت سے اپنی بیزاری ظاہر کرتا رہا۔ فرخ زاد کے ابتدائی زمانے میں حسن بن مہران اس کا وزیر رہا لیکن فرخ زاد کے آخر زمانے میں ابوبکر بن صالح وزیر سلطنت مقرر کیا گیا۔

ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان

مسعود غزنوی

جب سلطان فرخ زاد نے وفات پائی تو اُس کا بھائی ابراہیم بن مسعود اُس کا جانشین ہوا۔ سلطان ابراہیم بہت نیک اور پرہیزگار فرمانروا تھا۔ عین عالم شباب میں اس نے دنیاوی لذات کو ترک کردیا تھا۔ رجب اور شعبان کے دونوں مہینے بھی اُس کے لئے رمضان کا مہینہ تھے۔ کیونکہ تین ماہ متواتر یہ نوجوان فرمانروا روزے رکھتا

اور سلطنت کے کام سے جو وقت بچتا اُسے خدا کی عبادت میں صرف کرتا تھا۔ رعایا کی نگہداشت اور ان کی مرفہ الحالی کی ہر وقت اُسے فکر رہتی تھی۔ ملک پر عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرتا اور محتاجوں کو صدقات اور خیرات تقسیم کیا کرتا تھا۔ جامع الحکایات میں مذکور ہے کہ ہر سال ایک دن بادشاہی محل میں مجلس وعظ و نصیحت منعقد ہوتی تھی اور امام یوسف سجاوندی علیہ الرحمۃ اپنے موثر تقریروں سے بادشاہ اور حاضرین مجلس کو مستفید فرماتے تھے۔ بادشاہ امام موصوف کے علم و فضل اور ان کے اتقا اور پرہیزگاری کا اتنا خیال کرتا تھا کہ دوران گفتگو میں امام ہر طرح کی باتیں بادشاہ سے بلا خوف و خطر کہہ دیتے تھے بلکہ اکثر بادشاہ کو اس کی غلطیوں پر درشت اور سخت الفاظ میں آگاہ کرتے تھے مگر ان کے اس برتاؤ سے یہ حق پسند فرمانروا کچھ بھی آزردہ نہ ہوتا تھا؛

سلطان ابراہیم خط نسخ بہت اچھا لکھتا تھا۔ تمام زمانہ حکومت میں اپنا یہ شعار رکھا کہ ایک سال ایک قران اپنے قلم سے لکھ کر مکۂ معظمہ بھیجتا تھا، اور دوسرے سال دوسرے مصحف کی کتابت کر کے مدینہ منورہ بھجوا دیتا تھا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ ابراہیم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے چند قران کتب خانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ابتک بحفاظت رکھے ہوئے ہیں۔ چونکہ ابراہیم فطرتاً بیحد نیک اور خلق خدا پر بہت مہربان تھا، اس نے اپنے ابتدائی زمانے میں سلجوقیوں سے اس معاہدے پر صلح کر لی تھی کہ فریقین میں سے کوئی گروہ دوسرے پر حملہ آور نہو، اور رعیت کو جو خدا کی بیش بہا ودیعت ہے ملک گیری کی طمع پر بھینٹ چڑھا کر تباہ و برباد نہ کرے۔ ابراہیم نے ملک شاہ سلجوقی کی بیٹی سے اپنے فرزند مسعود کا عقد کر کے اس معاہدے کو اور مستحکم اور پائدار بنا دیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ قبل اس صلح نامے کے ایک مرتبہ سلجوقی نے غزنی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ابراہیم اس خبر کو سن کر بیحد پریشان ہوا، اور سلجوقی امیروں کے نام خطوط بھیجے، اور

اُن سب کو یہ لکھا کہ مجھے یہ معلوم کر کے بیحد خوشی ہوئی کہ تم سب نے اپنے بادشاہ کو غزنی کے سفر پہ تیار کرنے میں بڑی کوشش اور جانفشانی کی ہے۔ مجھے تمہارا یہ طریقہ بہت پسند آیا، جس طرح تم نے بادشاہ کو اس سفر پہ آمادہ کیا ہے، اسی طرح اس بات کی بھی کوشش کرو کہ تمہارا بادشاہ جلد سے جلد غزنی پہنچ جائے۔ تاکہ ہم سب پوری طرح ملک شاہ سے نجات پا جائیں۔ اس کارگذاری کے صلے میں، میں تمہاری مقرر کردہ رقومات کو دوچند کر دونگا، اور تمھیں شاہی انعامات سے مالامال کر دونگا۔ ابراہیم نے یہ خطوط اپنے ایک خادم کے سپرد کیے اور اُسے یہ ہدایت کی کہ ملک شاہ کو شکار کا بیحد شوق ہے، تو موقع کا منتظر رہ، جب بادشاہ کسی طرف شکار کھیلنے جائے تو تو اُس کے پیچھے پیچھے اُسی شکارگاہ میں پہنچ جا، سلجوقی پیادے تجھے پکڑ کر بادشاہ کے حضور میں لے جائیں گے، اور جب بادشاہ تجھ سے کچھ دریافت کرے تو پہلے کچھ حیلہ و بہانہ کر کے یہ خطوط بادشاہ کو دیدینا اس کارروائی سے ابراہیم کی غرض یہ تھی کہ اُس کے نوشتہ خطوط اُس وقت ملک شاہ کے ہاتھ لگیں، جب مکتوب الیہ امرا میں سے کوئی اُس کے پاس موجود نہ ہو۔

اتفاق سے جس زمانے میں ملک شاہ قصبۂ اسفرائین[۱۲۲] میں خیمہ زن تھا۔ ایک دن اپنی عادت کے موافق وہ شکار کے لئے جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ ابراہیم شاہ کا قاصد بھی موقع پاکر اُسی جنگل میں پہنچا، اور لوگ اُسے پکڑ کر ملک شاہ کے سامنے لے گئے۔ جب ملک شاہ نے قاصد سے اُس کا حال پوچھا، تو یہ ابراہیم کا پڑھایا ہوا طوطا اِدھر اُدھر کی گپ بازی کرنے لگا۔ ملک شاہ نے اُسے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ جب اس مصنوعی مخبوط کی پیٹھ کوڑوں سے زخمی ہوئی تو اُس نے ناچار اقرار کیا، اور کہا کہ میں ابراہیم شاہ کا ایلچی ہوں، مجھے میرے بادشاہ نے اسی لشکر میں بھیجا ہے۔ اور چند سلجوقی امیروں کے نام میری معرفت خطوط روانہ کئے ہیں۔ ملک شاہ نے اس سے وہ خطوط ضبط کر لئے، اور اُن کو پڑھ کر فوراً اس نے اپنے ملک کی طرف کوچ کر دیا۔ اپنی دارالحکومت میں پہنچکر ملک شاہ نے اس راز کی تحقیقات شروع کی، اور بالآخر اُسے یہ یقین ہو گیا کہ اُس کے اُمرا ابراہیم کے مقاصد سے بالکل بے خبر ہیں۔ اور یہ محض ابراہیم کی ایک چال تھی،

جس کے ذریعے سے اُس نے اپنے ملک کو جنگ کی مصیبتوں سے نجات دینے میں پوری کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اس واقعے کے بعد ملک شاہ اکثر یہی کہتا تھا کہ اگرچہ ابراہیم شاہ نے یہ حیلہ اس لئے کیا کہ اُسے یقین تھا کہ اگر غزنوی اور سلجوقی فوجوں کا مقابلہ ہوگا تو غزنوی فوج میدانِ جنگ سے بھاگ جائے گی۔ اور فتح سلجوقیوں کو نصیب ہوگی، لیکن چوں کہ اُسنے دام تزویر میں پھنسا کر مجھ کو میرے ارادے سے روک دیا ہے، اس لئے اب ایک طرح کی فتح ابراہیم ہی کو نصیب ہوئی اور شکست مجھے حاصل ہوئی۔

جب ابراہیم شاہ سلجوقیوں کی طرف سے بالکل مطمئن ہوگیا تو اُس نے ایک لشکر ہندوستان روانہ کیا۔ اس فوج نے ہندوستان پہنچکر ہند کے اکثر ان حصوں پر فتح حاصل کی جو اب تک اسلامی اثر سے بالکل بے نیاز تھے۔

۴۷۲ھ میں ابراہیم شاہ خود ہندوستان پہنچا اور اُس نے پنجاب کے مشہور قلعے اجودھن کو جو اب پٹن حضرت فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ کے نام سے مشہور ہے اور لاہور سے ننّو کوس کے فاصلے پر آباد ہے محاصرہ کرکے سر کیا۔ اجودھن کو فتح کرنے کے بعد ابراہیم نے پنجاب کے سب سے بڑے قلعۂ روپال[۱۲۳] کی طرف کوچ کیا۔ یہ قلعہ پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر آباد تھا اور قلعے کے ایک جانب دریا لہریں لے رہا تھا اور دوسری طرف ایک گنجان جنگل واقع تھا۔ اس جنگل میں اس قدر خودرو درخت تھے کہ اُن کے باہمی اتصال سے آفتاب کی کرن بھی شاخوں سے پھوٹ کر زمین تک نہ آسکتی تھی۔ ان میں سے اکثر درختوں پر زہر آلود سانپ بھی ہر وقت لپٹے رہتے تھے۔ اور قلعے کے نیچے کسی طرف بھی ٹھہرنے اور کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی۔ قلعے کی حالت اور اس کے گرد و نواح کی مصیبتیں ہر حملہ آور کو خوف زدہ کرکے، اس کی ہمت توڑنے کے لئے کافی تھیں۔ لیکن ابراہیم شاہ نے استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا اور جوانمردی کے ساتھ تمام مصیبتیں جھیل کر تھوڑے زمانے کے محاصرے کے بعد قلعہ فتح کر لیا۔

قلعہ روپال کو فتح کرنے کے بعد ابراہیم شاہ نے قریب کے ایک مشہور رنجیر[?] سلطے شہر پر حملہ کیا۔ یہ شہر دَرہ[۱۲۴] کے نام سے مشہور تھا۔ اور اس میں خراسانی نسل کے لوگ آباد تھے۔ درہ کے عام موجود [illegible] خراسانیوں [illegible] جن کو

افراسیاب نے خراسان سے جلا وطن کر کے ہندوستان کی سرحد پر آباد کیا تھا۔ ابراہیم کی حملہ آوری کے وقت اگرچہ درہ خود تو بیحد آباد اور معمور تھا، لیکن اس کے باشندے بت پرستی اور دوسرے طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ اس شہر میں ایک حوض تھا، جس کا قطر ایک میل تھا، اور اس کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ تھاہ کا بالکل پتہ نہ چلتا تھا۔ اس حوض میں پانی اس کثرت سے جمع ہوتا تھا کہ باوجود اس کے کہ شہر کے جانور اور باشندے سب سال بھر اس کے پانی سے سیراب ہوتے تھے، لیکن پھر بھی پانی کم نہ ہوتا تھا۔ چونکہ شہر کو تقریباً چاروں طرف سے گنجان جنگل گھیرے ہوئے تھے، اس لئے شہر کی آمد و شد کا راستہ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔

شاہانِ گزشتہ نے اس جماعت کو اپنا مطیع اور باجگذار رہنا ناممکن و محال سمجھ کر کبھی ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ لیکن محمود سے اولوالعزم فاتح کا جانشین ان مصیبتوں سے ذرا بھی پریشان اور بدحواس نہ ہوا، اور اس نے اس شہر کو بھی اسلام آباد بنانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ابراہیم نے جنگل کی تمام مصیبتوں کو بڑی پامردی کے ساتھ برداشت کیا۔ اور کئی ہزار تبر بردار پیادوں کو حکم دیا کہ وہ لشکر کے آگے آگے درختوں کو کاٹتے ہوئے چلیں۔ جنگل کا راستہ اس طرح برابر صاف ہوتا جاتا تھا۔ اور غزنوی سپاہی اور شاگرد پیشہ آسانی کے ساتھ قطع مسافت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب یہ جانباز لشکر درہ کے قریب پہنچا، تو برسات کا موسم شروع ہو گیا اور موسلادھار بارش ہونے لگی۔ برسات کی وجہ سے سرحد ہی پر قیام کرنا پڑا، اور اگرچہ برساتی سیلاب کی وجہ سے لشکر کو بیحد تکلیف اٹھانی پڑی، لیکن ابراہیم شاہ کی پیشانی پر بل نہ آیا، اور وہ اسی طرح قلعے کی فتح پر تلا رہا تین مہینے کے بعد بارش ختم ہوئی اور لشکر شہر کے کنارے پہنچا۔ ابراہیم شاہ نے شہر کے کنارے خیمہ زن ہو کر پہلے چند لوگوں کو شہر میں بھیجکر باشندگان شہر کو اسلام کی دعوت دی، لیکن بادشاہ کا یہ پیغام بالکل بے سود ثابت ہوا، اور درے کے باشندے اسی طرح اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ ابراہیم نے مایوس ہو کر ان پر حملہ کیا اور شہر کو فتح کر کے ایک لاکھ لونڈی اور غلام اور دوسرے بیش قیمت مال غنیمت لے کر واپس ہوا۔

بعض تاریخوں میں منقول ہے کہ ایک دن سلطان ابراہیم غزنی کی

شاہ راہ پر سوار جا رہا تھا۔ اس زمانے میں کسی شاہی عمارت کی تعمیر ہو رہی تھی، اور ایک کمزور حمال ایک بڑا اور بھاری پتھر سر پر رکھے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ مگر پتھر کے بوجھ سے یہ غریب بالکل دبا جاتا تھا۔ ابراہیم کو یہ حال دیکھ کر حمال پر رحم آیا اور اُس نے اس غریب مزدور سے کہا کہ پتھر کو زمین پر پھینک دے۔ حمال نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی، اور پتھر کے جانگداز بوجھ سے نجات پائی۔ ابراہیم نے اُس پتھر کو اُسی جگہ چھوڑ کر قصر شاہی کی راہ لی۔ پتھر اُسی طرح میدان میں پڑا رہا۔ سوار اور پیادے سب اُس راہ سے گزرتے وقت اُس پتھر سے ٹھوکر کھاتے تھے۔ راہ گیروں کی یہ تکلیف دیکھ کر ایک امیر نے ابراہیم شاہ سے کہا کہ اگر حکم ہو تو وہ پتھر بیچ راہ سے اٹھا کر گوشے میں رکھوا دیا جائے۔ اور رعایا کو روزانہ کی تکلیف سے نجات ملے۔ ابراہیم نے جواب میں کہا کہ میں ایک مرتبہ ایک شخص سے کہہ چکا ہوں کہ پتھر کو زمین پر پھینک دے، اگر اب دوسرے سے کہونگا کہ اُسی پتھر کو اُس جگہ سے اُٹھا لے تو میرے قول کا اعتبار اٹھ جائے گا اور مجھے لوگ متلون سمجھیں گے اور رعایا کا یہ خیال اپنے با اقتدار حاکم کے بارے میں کسی طرح بھی مصلحت کے موافق نہیں ہے، مورخین نے لکھا ہے کہ یہ پتھر بہرام شاہ کے آخر عہد تک اُسی جگہ پڑا رہا، اور ابراہیم شاہ کے احکام کی اُس کے بعد بھی اتنی وقعت تھی کہ اتنے زمانے تک کوئی شخص بھی مرحوم فرمانروا کے حکم کے خلاف عمل پیرا نہ ہوا۔ سلطان ابراہیم بہت کثیر الاولاد تھا، اُس کے چھتیس ۳۶ بیٹے اور چالیس بیٹیاں تھیں۔ بادشاہ نے اپنی بیٹیوں کو ملک کے مشہور سادات اور علما کے حبالہ عقد میں دیا؛

ابراہیم کے سنہ وفات اور مدت حکومت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس نے اکتیس ۳۱ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۸۱ھ میں رحلت کی، اور بعضوں کا بیان ہے کہ بیالیس ۴۲ سال حکومت کر کے ۴۹۲ھ میں ابراہیم نے دنیا کو خیرباد کیا۔ ابراہیم کے ابتدائی زمانۂ حکومت میں ابوسہیل خجندی اور خواجہ مسعود رنجی وزیر تھے، لیکن آخر زمانے میں وزارت کا کام عبدالحمید احمد بن عبد الصمد کے سپرد ہوا۔ اس وزیر کی مدح میں ابوالفرج کا قصیدہ مشہور ہے، جس کا مطلع یہ ہے۔

ترتیب فضل و قاعدۂ جود و رسم داد عبدالحمید احمد عبدالصمد نہاد

ابوالفرج سلطان کا ہم عصر تھا۔ اس کو بعض مورخین سیستانی اور بعض غزنوی کہتے ہیں۔ عنصری اسی مشہور اُستاد کا شاگرد ہے۔ ابوالفرج نے مشہور سامانی امیر ابوعلی سیجوری کے زمانے میں اپنی استادی کا ڈنکا بجایا اور ہمیشہ اسی خاندان کا مداح رہا۔ یہ شاعر بہت بلند مرتبہ اور صاحب حشمت وجاہ تھا۔ آل سامان ہمیشہ اس کو اپنے عطیوں سے مالامال کرتے رہے۔ ابوالفرج فن شاعری کا بڑا ماہر اور متبحر تھا۔ اُس کی ایک کتاب بھی فن عروض وشاعری میں موجود ہے۔ اُس کے اشعار کا یہ پایہ ہے کہ بڑے بڑے نامی مصنف اپنی تصنیفات میں اُس کے اشعار سے سند پیش کرتے ہیں۔ ابوالفرج کا یہ قطعہ بیحد مشہور ہے :-

عنقائے مغرب ست دریں دور خرمی خاص از برائے محنت وغم زاد آدمی
ہرچند گرد عالم صورت برآمدم غمخوار آدم آمد بیچارہ آدمی
ہر کس بقدر خویش گرفتار محنت است کس را نداده اند برات مسلمی

علاءالدولہ مسعود بن ابراہیم بن مسعود غزنوی

سلطان مسعود بہت سخی اور نیک خصلت تھا۔ اُس نے ملک پر عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرکے اُن تمام برائیوں کو جو تباہی کا باعث ہوسکتی تھیں، ملک سے دور کیا۔ مسعود نے عہد ابراہیم کے اُمرا کو برقرار اور ان کی جاگیروں کو اُسی طرح بحال رکھا۔ اور سلطان سنجر کی بہن مہد عراق سے نکاح کرکے سلجوقیوں کے ساتھ رشتۂ اتحاد کو اور مستحکم کیا۔ اور حاجب طغا جاگیر دار لاہور کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کرکے ہند پر فوج کشی کرنے کا اُسے حکم دیا۔ طغا نے دریائے گنگا اتر کر شمالی ہندوستان کے اُن قطعات اور ممالک میں غارتگری کی جہاں محمود غزنوی کے سوا کسی اسلامی بادشاہ کے لشکر کا گزر بھی نہ ہوا تھا۔ حاجب ان ممالک کو لوٹ کر صحیح وسلامت واپس آیا۔ سلطان مسعود نے سولہ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۰۸ھ ہجری میں رحلت کی اور اپنے دوران حکومت میں بلا کسی فتنہ وفساد کے حکمرانی کرتا رہا۔

تاریخ گزیدہ میں مرقوم ہے کہ مسعود کے بعد اُس کا بیٹا کمال الدولہ شیرزاد اُس کا جانشین ہوا۔ لیکن ایک برس کے بعد اپنے بھائی ارسلان شاہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس مورخ کے علاوہ تمام مورخین مسعود کے بعد بلا واسطہ ارسلان شاہ کو بادشاہ تسلیم کرتے ہیں ۔

سلطان الدولہ ارسلان شاہ بن سلطان

مسعود بن سلطان ابراہیم غزنوی

ارسلان شاہ نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی اپنے بھائیوں کو نظر بند کر دیا۔ اُس کے مصیبت زدہ بھائیوں میں صرف بہرام اپنی جان بچا کر بھاگا، اور اُس نے سلطان سنجر کے پاس پناہ لی۔ اس زمانے میں سنجر اپنے بھائی محمد سلطان بن ملک شاہ کی طرف سے خراسان کا حاکم تھا۔ ارسلان شاہ نے ہر چند سنجر کو خطوط لکھے، اور ہر طرح تہدید اور عاجزی سے بہرام کو طلب کیا، لیکن سنجر نے ایک نہ سنی۔ اور ارسلان کی خواہش کے بالکل خلاف بہرام کی مدد کا مصمم ارادہ کر لیا، اور ایک جرار لشکر تیار کر کے بہرام کے ساتھ خود بھی غزنی پر حملہ آور ہوا۔ ارسلان نے سنجر کی اس معاندانہ کارروائی کی سلطان محمد سے شکایت کی اور درخواست کی کہ محمد اپنے بھائی کو ارسلان سے جنگ کے ارادے سے روکے۔ سلطان محمد نے ہر چند کوشش کی کہ صلح ہو جائے اور بہرام اور ارسلان میں تلوار نہ چلے، لیکن اس کوشش کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب ارسلان کو سلطان محمد کی طرف سے بالکل ناامیدی ہو گئی تو اُس نے اپنی ماں مہد عراق کو جو سنجر کی حقیقی بہن تھی، دو لاکھ دینار اور دوسرے بیش قیمت تحفوں کے ساتھ سلطان سنجر کی خدمت میں بھیجا اور اُس سے صلح کا طالب ہوا۔ مہد عراق خود اپنے ظالم بیٹے کے ظلم سے تنگ تھی، اور اپنے دوسرے بیٹوں کی تباہی پر خون کے آنسو رو رہی تھی، اس مصیبت زدہ ملکہ نے بھائی کے پاس پہنچتے ہی ارسلان کے مظالم کی داستان کھول دی اور بجائے اُس کو نرم کرنے کے۔ اس سے غزنی پر حملہ کرنے کا اصرار کیا۔ ارسلان شاہ کو جب

ماں کی طرف سے بھی مایوسی ہوگئی تو اُس نے چار و ناچار جنگ کی تیاریاں شروع کردیں اور تیس ہزار سواروں اور بیشمار پیادوں اور ایک سو ساٹھ کوہ پیکر ہاتھیوں کا ایک جرار لشکر تیار کرکے غزنی سے ایک کوس کے فاصلے پر سنجر کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ بہرام کا لشکر بھی فوراً مقابلے کے لئے سامنے آیا اور سنجری اور غزنوی تلواریں اپنے اپنے دشمنوں کا کام تمام کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر تو دونوں فریق میدانِ جنگ میں جمے رہے۔ لیکن آخر کار ابوالفضل بادشاہ سیستان کی مردانگی سے سنجری لشکر حریف پر غالب آنے لگا۔ اور غزنویوں کے پیر میدان جنگ سے اکھڑنے لگے۔ ارسلان شاہ شکست کھا کر ہندوستان کی طرف بھاگا۔ اور سلطان سنجر مظفر اور منصور غزنی میں داخل ہوا۔ سنجر نے غزنی میں چالیس روز قیام کرکے وہاں کی حکومت بہرام کے سپرد کی، اور خود خراسان واپس ہوا۔ ارسلان نے سنجر کی واپسی کی خبر سن کر ہندیوں کی ایک فوج تیار کی اور غزنی پر حملہ آور ہوا۔ بہرام ارسلان کے حملے کی تاب نہ لاسکا اور بامیان[۱۳۶] کے قلعے میں پناہ گزین ہوگیا۔ قریب تھا کہ ارسلان، بہرام کو ہمیشہ کے لئے فنا کرکے غزنی پر پھر قابض ہوجائے کہ دفعتہً سلطان سنجر کا جرار لشکر اُس کے سر پر آپہنچا فوج کے آتے ہی ارسلان کے ہوش بجا نہ رہے اور وہ خوف زدہ ہوکر افغانوں کی طرف بھاگا۔ سنجری فوج نے ارسلان کا پیچھا کیا، اور اُسے گرفتار کرکے بہرام کے حوالے کیا۔ بہرام نے فوراً اس ظالم کی گردن ماردی۔ ارسلان نے تین سال حکومت کرنے کے بعد ستائیس سال کی عمر میں رحلت کی ۔

طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ ارسلان کا سہ سالہ عہد حکومت آسمانی بلاؤں اور ناگہانی مصیبتوں کی وجہ سے بھی غزنی کے لئے تباہ کن ثابت ہوا، چنانچہ ایک مرتبہ اس کے عہد میں بجلی کی کوند اور آگ کی بارش سے غزنی کے بہت سے گھر اور بازار تباہ اور برباد ہوگئے ۔

معزالدولہ بہرام شاہ بن مسعود بن سلطان ابراہیم

بہرام شاہ بڑا صاحب حشمت اور شوکت فرمانروا تھا۔ یہ بادشاہ علماء اور

فقراء کی صحبتوں میں بیٹھتا، اور اُن سے اخلاق حسنہ سیکھتا تھا۔ ہر صاحب علم اور ماہر شخص کی بہرام قدر کرتا تھا۔ اس کی علم پروری اور مردم شناسی کی بدیہی دلیل یہ ہے کہ اُس کے زمانے کے اکثر متبحر مصنفوں نے اپنی تصانیف بہرام کے نام معنون کی ہیں حضرت شیخ نظامی کی مشہور مثنوی "مخزن الاسرار" کا عنوان اسی بادشاہ کے نام سے مزین ہے۔ اس عہد کے مشہور شاعر سید حسن غزنوی نے بہرام کے جلوس کی تہنیت میں ایک قصیدہ لکھ کر سلطان سنجر کی خدمت میں پیش کیا۔ جس کا مطلع یہ ہے :-

منادی بر آمد ز ہفت آسمان   کہ بہرام شاہ ہست شاہ جہاں

کلیلہ و دمنہ کا پہلا فارسی ترجمہ بھی بہرام ہی کے عہد میں کیا گیا اور ترجمہ اس کے نام سے معنون ہوا۔ کلیلہ اور دمنہ کے بابت یہ مشہور ہے کہ ہندوستان کے راجہ نے یہ کتاب اور بساط شطرنج اور اس کے مہرے تحفے کے طور پر نوشیرواں کی خدمت میں روانہ کئے۔ حکیم بزرجمہر نے بڑی محنت سے ہندی زبان سے پہلوی میں اس کتاب کا ترجمہ کیا اور شطرنج کی بساط پر مہروں کو جمانے اور اُن کی چال پر بہت غور و فکر کر کے شطرنج کھیلنے کا طریقہ دریافت کیا۔ شطرنج کی حقیقت دریافت کرنے کے بعد بزرجمہر نے ہندی قاصد کے مقابلے میں بساط کو جمایا۔ پہلی مرتبہ بازی قائم رہی، لیکن دوسری مرتبہ بزرجمہر نے ہندی کو مات دی۔ اور اس کھیل کے مقابلے میں چوسر ایجاد کر کے، نوشیرواں کی طرف سے راجہ کی خدمت میں تحفہ روانہ کیا۔ ہندوستان کے باشندے چوسر کی نوعیت کو نہ دریافت کر سکے، اور آخر کار مجبور ہو کر ہندی حکماء نے عجمی قاصد سے اس کی حقیقت دریافت کی مورخین لکھتے ہیں کہ شطرنج اور چوسر کی حقیقت پر غور کرنے سے ہندیوں اور عجمیوں کے عقائد کا پورا پتہ چلتا ہے۔ شطرنج کے استخراج سے ہندیوں کا منشا یہ ہے کہ دنیا کی نیکی اور برائی دونوں خود انسان ہی کی طرف منسوب اور اس عالم کے تمام کام انسان کی کوشش پر موقوف ہیں۔ دنیاوی اموریات میں قضا و قدر کے ہاتھ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ازدیاد جاہ، ترقی درجات، اور تحصیل علم وغیرہ میں انسان خود جیسی کوشش کریگا ویسا ہی پھل پائیگا۔ انسان کی دنیاوی زندگی میں آسمانی تاثیرات اور کواکب کی گردش بیکار اور غیر موثر ہے۔ چونکہ ہندیوں کا یہ عقیدہ عجمیوں کے ایمان کے خلاف ہے، اس لئے بزرجمہر نے اس کے جواب میں چوسر ایجاد کر کے ہندی حکماء کے

پاس بھیجا۔ چوسر کے طریقۂ عمل میں اس بات کی طرف اشارہ مقصود تھا کہ انسان کی خود ذاتی کوشش کو دنیا کے کاموں میں دخل نہیں ہے، بلکہ دنیا کے ہر کام میں زبردست حصہ دست قضا کا ہے۔ ہر کام میں اگر تقدیر، تدبیر کی موافقت کرتی ہے تو کام بنتا ہے۔ ورنہ اس کوشش میں انسان کو ناکامی ہوتی ہے۔ نرد کے تختے کی قطع آسمان کی سی ہے۔ اور پانسوں اور نقطوں کو سیاروں سے مناسبت ہے۔ آسمان اور سیاروں کی مناسبت سے مراد یہ ہے کہ جو نقش قلم قدرت نے انسان کی پیشانی پر کھینچا ہے اُس کے موافق دنیا میں انسان کو اپنی سعی اور کوشش کے پانسے پھینکنے پڑتے ہیں۔ بزرجمہر کی ترجمہ کردہ کتاب عرصے تک صرف عجمیوں میں مقبول رہی، لیکن رفتہ رفتہ اس کی مقبولیت کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔ خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں ابن المقفع نے فارسی سے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد بہرام کے عہد میں ابن المقفع کے عربی ترجمے کا پھر معارف فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ سلطان حسین مرزا کے زمانۂ حکومت میں ملا حسین واعظ نے بہرامی نسخے کی مغلق وادق عبارت کو سلیس اور شستہ فارسی کے قالب میں ڈھالا۔ اور جابجا سے عربی اشعار کو حذف کرکے موجودہ نسخے کی ترتیب دی، جو آج کل انوار سہیلی کے نام سے مشہور ہے۔

بہرام شاہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں کئی مرتبہ ہندوستان پر چڑھائی کی اور ہر مرتبہ ہندی باغیوں اور سرکشوں کو نیچا دکھایا۔ اور ان کو قرار واقعی سزا دی ۵۱۲ھ میں بہرام پہلی مرتبہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا، اور اس نے محمد باہیلم کو جو سلطان ارسلان شاہ کا مقرر کردہ ہندی سپہ سالار تھا، اور ارسلان کے بعد غزنوی حکومت سے برگشتہ ہوکر مخالفت کا ڈنکہ بجا رہا تھا ستائیس رمضان کو نظر بند کر دیا، لیکن تھوڑے زمانے کے بعد بہرام نے باہیلم کا قصور معاف کیا، اور اس کو دوبارہ ہندوستانی فوج کا سپہ سالار بنا کر خود غزنی واپس آیا۔ باہیلم نے اس عنایت اور مہربانی کا کچھ بھی پاس و لحاظ نہ کیا، اور بہرام شاہ کے واپس ہوتے ہی اُس نے ناگور[1] کا قلعہ تعمیر کرکے اپنے اہل و عیال کو توحفاظت کے ساتھ اُس قلعے میں چھوڑا۔ اور خود غزنی، عجمی، افغانی اور خلجی سپاہیوں کا ایک جرار لشکر ساتھ لے کر سرکشانِ ہندوستان کی تنبیہ کے لیئے آگے بڑھا۔ ہندوستان کے باغیوں کو مغلوب کرنے میں باہیلم نے

پوری کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہیلم کا غرور بڑھ گیا اور نخوت کے نشے میں چور ہو کر اس نے علانیہ ملک گیری اور مستقل حکمرانی کی تیاریاں شروع کردیں بہرام شاہ اس کور نمک کی حالت سن کر غزنی سے ہندوستان آیا۔ باہیلم کافر نعمت نے بھی لڑائی کا مصمم ارادہ کیا۔ اور اپنے دسوں بیٹوں کو ہمراہ لے کر جو سب کے سب کسی نہ کسی حصۂ ملک کے امیر تھے، اپنے محسن آقا کے مقابلے کے لئے آ گئے ٹرسالستان کے قریب دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی، اور طرفین میں ایسی گھمسان لڑائی ہوئی جس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے مل سکتی ہے۔ اگرچہ باہیلم کا لشکر بیحد سرفروشی کے ساتھ لڑ رہا تھا لیکن چونکہ اُن کے سردار کے سر پر کفران نعمت کا وبال سوار تھا، اور اُسے اس کی شامت اعمال کی سزا ملنی ضروری تھی، غزنوی فوج کا اُن پر غلبہ ہونے لگا اور باہیلم کے سپاہی میدان جنگ سے منھ موڑنے لگے۔ باہیلم نے جب لشکر کا یہ حال دیکھا تو اپنے دو بیٹوں اور چند حاشیہ نشینوں کے ساتھ معرکۂ جنگ سے بھاگا، اثنائے گریز میں قضا نے باہیلم کو ایک گہرے دلدل میں ایسا گرایا کہ راکب و مرکب دونوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ بہرام شاہ نے باہیلم کے قضیے سے فراغت حاصل کرکے حسین بن ابراہیم علوی کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اور خود صحیح و سالم غزنی واپس آیا۔ بہرام شاہ نے آخری زمانۂ حکومت میں اپنے داماد قطب الدین سوری کو شہر غزنی میں سزائے موت دی۔ مقتول قطب الدین کا بھائی سیف الدین سوری، اپنے برادر حقیقی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے غزنی پر حملہ آور ہوا بہرام شاہ سیف الدین کے حملے کی تاب نہ لاسکا، اور غزنی سے کرمان کو چلا گیا۔

یہ کرمان وہ ایرانی کرمان نہیں ہے جس کا تاریخوں میں اکثر ذکر آتا ہے بلکہ یہ کرمان غزنی اور ہند کے درمیان ایک پہاڑی ملک ہے، جس کو افغانوں نے حملہ آوروں کی زد سے محفوظ سمجھ کر اپنا مسکن بنا رکھا تھا۔ سیف الدین نے میدان خالی پاکر غزنی پر اپنا پورا قبضہ کرلیا۔ اہل غزنی پر پورا بھروسہ کرکے سیف الدین خود وہیں مقیم رہا۔ مگر اس نے اپنے بھائی علاؤ الدین کو تمام غوری اُمرا اور فوجی افسروں کے ساتھ اپنے ملک کو واپس کردیا۔ سیف الدین اپنے زمانۂ قیام میں غزنویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا، اور بوجہ بیدست و پائی کے غوریوں کو یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ

غزنویوں پر کسی طرح کا ظلم کریں۔ غزنی کے باشندے اس حسن سلوک کی وجہ سمجھ چکے تھے۔ اس لئے وہ بظاہر تو سیف الدین کی ہواخواہی کا دم بھرتے تھے لیکن خفیہ بہرام شاہ سے خط وکتابت کر رہے تھے۔ غزنویوں نے اس سیاسی چال کو اتنا طول دیا کہ جاڑے کا موسم آگیا۔ اور غورستان کے راستے بالکل برف سے چھپ گئے۔ بہرام شاہ نے جو موقع اور محل کا انتظار کر رہا تھا، ایک جرار لشکر افغانی خلجی اور دوسرے صحرانشین فرقوں کا تیار کر کے غزنی پر حملہ کر دیا۔ سیف الدین اسی دھوکے میں پڑا ہوا تھا، اور غزنی کے باشندوں کو اپنا ہی خواہ سمجھ رہا تھا۔ اس نے بہرام کی لشکر کشی کی خبر سنتے ہی غزنویوں سے لڑائی کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ غزنویوں نے پورے نفاق سے کام لیا۔ اور بجائے اس مشورۂ نیک کے کہ سیف الدین اپنے ملک کو واپس جائے۔ اسے بہرام کے مقابلے میں جنگ آزمائی کی صلاح دی۔ سیف الدین نے اس مشہور مقولہ "المستشار مؤتمن" پر عمل کیا اور غزنویوں کا ایک لشکر ساتھ لے کر شہر سے باہر نکلا اور بہرام کے مقابلے میں خیمہ زن ہوا۔ ابھی لڑائی شروع نہ ہوئی تھی کہ غزنویوں نے سیف الدین کو خواب غفلت سے بیدار کیا، اور اسے گرفتار کر کے بہرام شاہ کے حوالے کر دیا۔ بہرام شاہ نے حکم دیا کہ سیف الدین کا منہ کالا کر کے اسے ذلت اور رسوائی کا ایک سانگ بنایا جائے۔ اور ایک کمزور اور ناتوان گائے پر سوار کر کے تمام شہر میں اس کی تشہیر کرائی جائے۔ سیف الدین بیچارہ اس کمزور گائے پر سوار تھا، اور غزنی کے لڑکے بلکہ بوڑھے بھی اس کے پیچھے تالیاں بجاتے، فقرے کستے اور گالیاں دیتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑتے تھے۔ اس تشہیر کے بعد بہرام شاہ نے سیف الدین کا سر تن سے جدا کر کے، قلم کردہ سر، سلطان سنجر کی خدمت میں بھیجدیا۔ اور سیف الدین کے وزیر مجد الدین کو بھی اس نے تلوار کے گھاٹ اتارا۔ جب علاؤالدین نے بھائی کا یہ دردناک واقعہ سنا تو اس کے دل ودماغ سے دھواں اٹھنے لگا۔ اور اسی پیچ وتاب میں ایک جنگجو لشکر تیار کر کے اس نے غزنی پر حملہ کر دیا۔ بہرام اور علاؤالدین کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی یا نہیں، اس بارے میں دو روایتیں مذکور ہیں۔ صحیح روایت تو یہ ہے کہ معرکہ آرائی کی نوبت نہیں آئی۔ اور قبل اس کے کہ علاؤالدین غزنی پہنچے، بہرام شاہ کا پیمانۂ عمر

لبریز ہوگیا، اور مہمات سلطنت کا بار بہرام کے بیٹے خسرو شاہ کو اٹھانا پڑا۔ لیکن عام طور پر مورخین میں شہرت یہی ہے کہ معرکہ آرائی کی نوبت آئی اور بہرام شاہ علاؤ الدین سے شکست کھا کر ہندوستان بھاگا۔

تفصیل یہ ہے کہ جب بہرام نے علاؤ الدین کی آمد کی خبر سنی تو لشکر جمع کر کے ایک قاصد کے ذریعے سے علاؤ الدین کو یہ پیغام بھیجا کہ تیری خیر اسی میں ہے کہ اپنے ارادے سے باز آ کر غورستان پلٹ جا۔ تجھے معلوم ہونا چاہئیے کہ غزنوی حکومت کے مقابلے میں صف آرا ہونا، بہت دشوار ہے۔ زمانہ جانتا ہے کہ شاہان غزنی کی بارگاہ پر لاکھوں جوانان جنگی، اور ہزاروں کوہ پیکر ہاتھی، حریفوں اور سرکشوں کی پامالی کے لئے کمربستہ کھڑے رہتے ہیں۔ تجھے چاہئیے کہ اپنے انجام پر غور کرے اور میرے مقابلے میں تلوار نہ اٹھائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری ناعاقبت اندیشی سے خاندان غور کا نام لیوا بھی دنیا میں باقی نہ رہے۔

علاؤ الدین نے یہ پیغام سن کر قاصد سے کہا کہ بہرام سے جا کر کہدے کہ جو سلوک اس نے ایک شہزادے کے ساتھ کیا ہے وہ خود غزنی کے ادبار کی کافی دلیل ہے۔ دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ ایک بادشاہ دوسرے پر فتح بھی پاتا ہے، اپنے حریف کو گرفتار بھی کرتا ہے، اسے قتل بھی کرتا ہے، لیکن یہ حرکت جو بہرام نے اپنے تاجدار حریف کے ساتھ کی ہے، شاید دنیا میں کسی باحمیت فرمانروا نے اپنے مغلوب ہم نشین کے ساتھ نہ کی ہوگی۔ مجھے اس بات کا یقین کامل ہے کہ زمانہ خود بہرام سے بدلہ لے گا، اور اسے اپنے ناشائستہ حرکت کی سزا میرے ہاتھوں ملیگی اپنے کج خصلت بادشاہ سے کہہ دے کہ کوہ پیکر ہاتھیوں پر ناز نہ کرے، اگر وہ صاحب فیل ہے تو میں مالک خرمیل ہوں (غوریوں کے لشکر میں دو سپاہی تھے، جن کو خرمیل کہتے تھے۔ یہ سپاہی کسی چیز سے نہ ڈرتے تھے، اور اپنی قوت اور طاقت کی وجہ سے فیل آسمان شکوہ کو بھی مغلوب کر دیتے تھے۔ ان میں سے ایک کو خرمیل بزرگ اور دوسرے کو خرمیل کوچک کہتے تھے) قاصد جواب لے کر پھرا اور اس نے علاؤ الدین کا پیغام بہرام شاہ کو سنایا تو بظاہر اس دندان شکن جواب کا کوئی اثر بہرام پر ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن اس کا دل خوف سے کانپ اٹھا، اس سوال و جواب

کے بعد شمشیر زنی کی نوبت آئی، دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے سپاہیوں نے تلواروں کی کھچا کھچ اور تیروں کی سناسن سے لڑائی کے میدان کو سر پر اٹھالیا دونوں خرمیل بھی میدان میں آئے۔ خرمیل بزرگ نے دشنہ سے ایک نامی ہاتھی کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ لیکن خرمیل کو بچنے کا موقع نہ ملا۔ اور ہاتھی زخمی ہوکر اسی پر گرا۔ ہاتھی کے ساتھ خرمیل خود بھی فنا ہوگیا۔ خرمیل کوچک نے دوسرے ہاتھی کو پھاڑ کر اس کو ہلاک کیا اور خود بڑی دقتوں سے ہاتھی کے پنجے سے صحیح و سالم نکل بھاگا۔ جب غوریوں نے دیکھا کہ ہاتھیوں کا وجود ان کے لئے گائے اور بھینس کے برابر ہے تو اور بڑھے۔ اور علاؤالدین نے اپنے لشکر کو ساتھ لے کر بہرام شاہ پر یکبارگی یورش کی۔ اس حملے سے غزنویوں کے پیر اکھڑ گئے۔ اور بہرام شاہ کا بہادر بیٹا دوست شاہ جو فوج کا سپہ سالار تھا غوریوں کے ہاتھ سے میدان جنگ میں مارا گیا۔ بہرام شاہ جوان بیٹے کا یہ حشر دیکھ کر بدحواس ہوگیا اور غم کی وجہ سے اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ غزنوی سپاہی ایک ایک کر کے میدان جنگ سے منہ موڑنے لگے۔ بہرام شاہ فوج کی ابتری اور بیٹے کی موت سے بہدست و پا ہوکر میدان جنگ سے ہندوستان کی طرف بھاگا۔ اور فتح غوریوں کو نصیب ہوئی۔ چونکہ بہرام شاہ پر غم کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا وہ اس صدمے کی تاب نہ لاسکا۔ اس واقعے کے چند ہی روز بعد پینتیس ۳۵ سال حکومت کرکے بہرام نے دنیا سے رحلت کی بہرام کی وفات کا صحیح ترین سال ۵۴۷ھ ہے

بہرام کے عہد کے مشہور شاعر ابوالمجد مجدود بن ادم الغزنوی المعروف بہ حکیم سنائی تھے

حکیم سنائی کسی زمانے میں دوسرے شعراء کی طرح امراء اور بادشاہ کی مدح سرائی کرکے کسب معاش کیا کرتے تھے۔ ان کے دنیا سے کنارہ کش ہوکر متوکل علی اللہ ہونے کا قصہ نفحات الانس میں اس طرح مذکور ہے کہ ایک زمستان میں محمود غزنوی فتوحات ملکی کے لئے غزنی کے باہر کسی مقام پر خیمہ زن تھا۔ حکیم سنائی ایک قصیدہ محمود کی مدح میں لکھ کر اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے اپنے وطن سے شاہی لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں حکیم سنائی ایک بھٹی کے دروازے پر پہنچے دیکھا کہ ایک مجذوب رند مشرب شراب خواری میں مشغول ہے۔ حکیم سنائی نے سنا کہ مجذوب اپنے ساقی سے کہتا ہے کہ اے محبوب، محمود کی نابینائی اور ناعاقبت اندیشی

کا جام مجھے پلا۔ ساقی نے مجذوب سے کہا کہ محمود ایک سچا مسلم فرمانروا ہے۔ اور خدا کے حکم کے موافق غیر مسلموں سے جہاد کر رہا ہے، تم محمود کے حق میں اس قسم کے کلمات کیوں استعمال کر رہے ہو، اُس مست رند نے جواب دیا کہ محمود کی ناعاقبت اندیشی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس قدر ملک اس وقت اُس کے قبضے میں ہے اُس کا انتظام تو کر نہیں سکتا، اور دوسرے ممالک کے فتح کی طمع اور حرص کر رہا ہے۔ مجذوب نے یہ کہہ کر ساقی کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ لے لیا اور اُسے چڑھا گیا پہلے ساغر کو چڑھا کر مجذوب نے دوبارہ ساقی سے کہا کہ سنائی کی نابینائی کا پیالہ مجھے پلا۔ ساقی نے اس مرتبہ بھی پیالہ بھر کر مجذوب سے کہا کہ سنائی لطیف مزاج اور فاضل شاعر ہے۔ ایسے شخص کو ان الفاظ سے یاد کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مجذوب نے جواب دیا کہ اے نادان سنائی کو لطافت طبع اور بصارت قلب سے کیا علاقہ، اگر اُسے کچھ بھی سمجھ ہوتی تو ایسے مشاغل میں مصروف ہوتا جو دین اور دنیا میں اُس کے کام آتے۔ اُس کا تو یہ حال ہے کہ چند لاف اور گزاف کے تخیلات کو نظم کر کے امیروں اور بادشاہوں کی آستانہ بوسی کیا کرتا ہے، اُسے اب تک یہ معلوم نہ ہوا کہ خدا نے اُسے کس کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ مجذوب کے یہ الفاظ سننا تھا کہ سنائی کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اسی وقت وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر گوشۂ عبادت میں خلوت گزین ہو گئے۔ مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اس واقعے کی صحت میں اُسے کچھ کلام نہیں ہے، لیکن حکیم سنائی کا محمود کے عہد میں ترک تعلق کرنا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا اس لئے کہ محمود غزنوی کی وفات سنہ ۴۲۱ھ میں بالاتفاق ثابت ہے اور حکیم سنائی بہرامی عصر کے شاعر ہیں۔ بلکہ یہاں تک معلوم ہے کہ حکیم صاحب نے اپنی مشہور نظم (حدیقہ) کو سنہ ۵۲۵ھ میں ختم کر کے بہرام کے نام سے اُسے معنون کیا ہے۔ ان دونوں سنوں پر غور کرنے سے سنائی کی توبہ کا محمود کے عہد میں واقع ہونا غیر ممکن سا معلوم ہوتا ہے۔ میرا قیاس یہ ہے کہ یہ واقعہ سلطان مسعود کے عہد کا ہے، کتابت کی غلطی سے بجائے مسعود کے محمود کا نام مندرج ہو گیا ہے، واللہ عالم بالصواب۔ حکیم سنائی کی سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ صاحب تاریخ گزیدہ کے نزدیک اس حکیم نے بہرام کے اخیر عہد حکومت میں وفات

پائی اور بعضوں کے نزدیک اُن کا سنہ وفات ۵۲۵ھ ہے اور یہی سنہ حدیقہ کی تکمیل کا ہی سال ہے؛

ظہیر الدولہ خسرو شاہ بن بہرام شاہ

صحیح روایت جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہ ہے کہ بہرام شاہ نے غزنی ہی میں وفات پائی۔ اور اس کا بیٹا خسرو شاہ اس کا جانشین ہوا۔ خسرو شاہ کے تخت پر قدم رکھتے ہی علاؤالدین غوری کی لشکر کشی کا شور اٹھا۔ خسرو شاہ نے ایسے زمانۂ پرآشوب میں اپنا قیام غزنی میں خلاف مصلحت سمجھکر ہندوستان کی راہ لی اور غزنی سے منتقل ہو کر لاہور آیا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہیں قیام پذیر ہوا۔ علاؤالدین نے میدان خالی پاکر غزنی پر اپنا قبضہ کیا۔ اور غزنی کی در و دیوار سے بھائی کے خون کا بدلہ لینے لگا۔ علاؤالدین نے اپنے غم و غصے کی آگ اسطرح بجھائی کہ اس نے غزنی پہنچتے ہی اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ غزنی اور اہل غزنی کی تباہی اور بربادی میں کچھ تامل نہ کریں۔ جنگجو سپاہیوں کو بادشاہ کا اتنا حکم کافی تھا۔ ان بے رحموں نے شہر کے مکانات جلانے اور اہل شہر کو قتل و غارت کرنے میں سات دن برابر صرف کئے۔ اسی قتل کے دوران میں کسی نے علاؤالدین سے یہ بھی کہہ دیا کہ جب سیف الدین کو ذلت اور رسوائی کا سوانگ بنا کر شہر میں اس کی تشہیر کی جارہی تھی تو غزنی کی عورتیں بھی دف اور باجے بجاتی ہوئی سواری کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں اور سیف الدین سے تمسخر اور اس کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتی تھیں۔ علاؤالدین نے یہ سنتے ہی حکم دیا کہ پردہ نشینان غزنی کی بھی گردنیں ماری جائیں۔ سپاہیوں نے اس بیکس فرقے کے قتل میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور مردوں کی طرح لاکھوں بے دست و پا عورتیں بھی غوریوں کی تلواروں کا لقمۂ اجل بن گئیں۔ غزنی اور اہل غزنی پر یہ ستم ڈھاکر علاؤالدین نے غور کی طرف رخ کیا۔ راستے میں جہاں کہیں کوئی عمارت یا نشان اولاد سبکتگین کا نظر آتا تھا اُسے فوراً تباہ اور برباد

کر دیا تھا۔ علاؤالدین نے سید مجدالدین کے انتقام میں سادات غزنوی کے ایک بہت بڑے گروہ کو اس طرح نیست و نابود کیا کہ توبروں کو خاک سے بھر کر ان کی گردنوں میں آویزاں کرایا، اور فیروزہ کوہ پران سیدوں کو لے جا کر وہاں ان کو قتل کیا۔ ان بے گناہوں کے خون سے توبرے کی مٹی کا خمیر کیا گیا اور یہ خون فیروزہ کوہ کے برجوں میں کام میں لایا گیا۔ علاؤالدین کے ان مظالم نے اُسے جہاں سوز کے لقب سے دنیا میں مشہور کیا، اور اس لقب نے اس قدر شہرت پکڑی کہ اس کے نام کا جزو بن کر ہمیشہ کے لئے زبان زدِ خلایق ہو گیا۔ علاؤالدین کی واپسی کے بعد بہرام نے اپنے آبائی ملک پر قبضہ کا ارادہ کیا، اس امید پر کہ سلطان سنجر سے اس مہم میں اُسے کافی مدد ملے گی، فوج و لشکر کو ہمراہ لے کر خسرو شاہ غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ بدقسمتی سے اسی زمانے میں سلطان سنجر کو غزالی ترکوں نے گرفتار کر کے غزنی پر دھاوا کیا تھا اس لئے خسرو شاہ کو بے نیل مرام لاہور واپس آنا پڑا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ غوریوں نے دس سال کے بعد غزنی کو ترکوں سے چھین لیا اور اس کے بعد خسرو کے امیروں نے غزنی پر قبضہ کیا۔ بعض تاریخوں سے پتا چلتا ہے کہ جب خسرو شاہ نے علاؤالدین جہاں سوز کے خوف سے ہندوستان میں آ کر پناہ لی تو علاؤالدین تکیا باد اور قندہار کو فتح کر کے ان شہروں کی حکومت سلطان غیاث الدین محمود کے سپرد کی، اور خود غور واپس گیا۔ علاؤالدین کی واپسی کے بعد خسرو شاہ ایک جرار لشکر لے کر غزنی کی طرف بڑھا۔ علاؤالدین نے خسرو کی آمد کی خبر سن کر چاہا کہ اس شرط پر صلح ہو جائے کہ خسرو شاہ تکیا باد کے شہر اور قلعے سے دست بردار ہو کر غزنی کی حکومت پر قناعت کرے، لیکن خسرو نے اس شرط کو نامنظور کیا۔ علاؤالدین نے اس انکار کے جواب میں یہ رباعی لکھ کر خسرو کی خدمت میں بھیجدی :-

اول پدرت نہاد کیں را بنیاد	تا خلق جہاں جملہ بہ بیداد افتاد
ہاں تا ندہی زبہر یک تکیا باد	سر تا سر ملک آل محمود بباد

خسرو شاہ کو چونکہ سلطان سنجر کی مدد کا پورا بھروسہ تھا اس نے اس تہدید پر مطلق توجہ نہ کی اور علاؤالدین کے پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے سے قطعاً انکار کیا خسرو

کی بدقسمتی سے سلطان سنجر پر ترک مسلط ہوگئے اور علاؤالدین کے خوف سے اُسے شہر لاہور واپس آنا پڑا۔ اس واقعے کے بعد علاؤالدین غزنی پر قبضہ کرکے غورستان واپس گیا۔

خسرو شاہ نے سات سال حکومت کرنے کے بعد ۵۵۵ھ میں لاہور میں وفات پائی۔

ختم الملوک خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی

جب خسرو شاہ نے لاہور میں دنیا سے رحلت کی تو اس کا بیٹا خسرو ملک اس کا جانشین ہوا۔ خسرو ملک نے لاہور کو اپنا پایۂ تخت بنا کر عدل و انصاف کے ساتھ ملک پر حکمرانی کی۔ اس بادشاہ نے لاہور میں اپنی حکومت کو پائدار بنا کر، ابراہیم و بہرام کے مفتوحہ ہندی ممالک کو جو غزنوی حکومت کے دائرہ اقتدار کے باہر ہو چکے تھے، پھر اپنے قبضے میں کیا۔ شہاب الدین غوری کی چشم طمع صرف غزنی کی دولت سے پر نہ ہوئی، اور اس نے چاہا کہ ہندوستان پر حملہ کرکے ہند کے غزنوی ممالک پر بھی قابض ہو جائے۔ اس ارادے کو پورا کرنے کے لئے شہاب الدین ہند پر حملہ آور ہوا اور ۵۷۶ھ میں اُس نے افغانستان۔ پشاور۔ ملتان اور سندھ کو فتح کرکے لاہور پر چڑھائی کی۔ خسرو ملک شہاب الدین کا مقابلہ نہ کرسکا اور لاہور کے قلعے میں پناہ گزین ہوگیا۔ شہاب الدین غوری خسرو ملک کے خورد سال فرزند اور لاہور کے ایک ہاتھی کو گرفتار کرکے غورستان واپس گیا۔ ۵۸۰ھ میں غوری نے پھر لاہور پر حملہ کیا۔ خسرو ملک اس مرتبہ بھی قلعہ گزین ہوا اور غوری نے لاہور کے اطراف و جوانب کو جی کھول کر لوٹا، اور سیالکوٹ کا قلعہ تعمیر کرکے اُس نے وہاں کی حکومت اپنے ایک افسر کے سپرد کی اور خود پھر غورستان کو واپس گیا۔ غوری کے لوٹتے ہی خسرو ملک نے گکھڑوں کو ہموار کیا اور اُن کی مدد سے اُس نے سیالکوٹ کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ لیکن اس محاصرے سے قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ اور خسرو ناکام واپس ہوا۔ خسرو ملک کی اس حرکت پر شہاب الدین نے لاہور کی فتح کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس مرتبہ غوری نے

سیاسی چال سے کام لیا اور بجائے دشمنی کے خسرو ملک سے ظاہرا دوستی کا اظہار کیا۔ شہاب الدین نے یہ چال چلی کہ خسرو ملک کے گرفتار فرزند ملک شاہ کو آزاد کرکے لوازمۂ بادشاہی کے ساتھ اُسے باپ سے ملنے کے لیے چند امیروں کے ہمراہ لاہور روانہ کیا غوری نے اپنے امیروں سے تاکید کردی کہ راستہ بھر ملک شاہ کو شراب کے نشے میں اتنا مخمور رکھیں کہ وہ جلد قطع مسافت نہ کرسکے اور لاہور پہنچنے میں معمول سے زیادہ دیر ہو جائے۔

خسرو شاہ بیٹے کی آمد کی خبر سن کر جامے میں پھولا نہ سماتا تھا اور غوری کی دوستی پر بھروسہ کرکے دشمن سے بے خوف و خطر راحت و آرام کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ غوری امیر شہاب الدین کی ہدایت کے موافق آہستہ خرامی سے راستہ طے کر رہے تھے۔ اور ابھی ملک شاہ بیچارہ راستے ہی میں تھا کہ شہاب الدین غوری دوسری راہ سے جلد جلد قطع مسافت کرکے بائیس ہزار کی جمعیت سے خسرو ملک کے سر پر ایک رات آ پہنچا۔ رات کو لاہور کے کنارے خیمہ زن ہوگیا۔ دوسرے دن صبح کو جب خسرو ملک خواب غفلت سے بیدار ہوا تو اُس نے دیکھا کہ ساحل دریا دشمنوں کی فوج کا خیمہ گاہ بنا ہے۔ خسرو ملک نے ناچار ہو کر غوری سے امان طلب کی اور بلا کسی مزاحمت کے لاہور پر بھی شہاب الدین کا قبضہ ہوگیا۔ خسرو ملک اٹھائیس سال حکومت کرنے کے بعد خاک نشین ہوا اور اُس کے کنارہ کش ہوتے ہی غزنی کی عظیم الشان حکومت خاندان محمودی سے قبیلۂ غور میں منتقل ہوگئی۔

دوسرا مقالہ

سلاطین دہلی کے حالات میں

سلاطین دہلی کے حالات لکھنے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلم فرمانرواؤں کا مختصر حال اور دار الخلافت ہند دہلی کی بنا اور سلاطین غور کی کیفیت اجمالی طور پر بتا دی جائے اور اس کے بعد اس مقالے کے اصل مقصد یعنی ذکر سلاطین دہلی کی طرف توجہ کی جائے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم مقدمۂ کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ حکمائے ہند نے زمانے کو چار مختلف دوروں پر تقسیم کیا ہے جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

ست جگ - تریا جگ - دواپر جگ اور **کلجگ** - اہل ہند کے اعتقاد کے موافق زمانۂ بعثت نبی صلعم تک کلجگ کے تین ہزار اور کچھ اوپر سات سو برس گزرے ہیں۔ ہندوؤں نے ہر جگ کی مختلف تاثیرات اور خواص مقرر کئے ہیں، اور ان کا عقیدہ ہے کہ جب کلجگ کی مدت تمام ہو جاتی ہے تو پھر ست جگ کا از سر نو آغاز ہو جاتا ہے اور اسی طرح برابر ان چاروں زمانوں کا یکے بعد دیگرے دورہ ہوا کرتا ہے۔ ہر دور کے اختتام سے مراد قیامت ہے ورنہ در اصل عالم قدیم ہیں اور یہ جگ غیر فانی ہیں۔ اس مسلمہ اعتقاد کے خلاف بعض برہمن یہ بھی کہتے ہیں کہ کائنات فانی ہے، اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ دنیا نابود ہو جائیگی لیکن اس قلیل گروہ کے پاس حدوث عالم کی کوئی مستقل دلیل نہیں ہے برہمنوں کا عقیدہ ہے کہ ہر جگ میں کسی نہ کسی پیغمبر یا رشی نے کوئی نہ کوئی

کتاب اپنے زمانے کے موافق تصنیف کی ہے، اور باوجود اس قدر امتداد زمانہ کے وہ تمام کتابیں اب تک محفوظ ہیں۔ اہل ہند بھی چین، خطا اور ختن کے غیر مسلموں کی طرح چونکہ طوفان نوح کے قطعی منکر ہیں، اسلیئے اکثر تقویم پارینہ کی حفاظت پر ہندوؤں کو اور بھی زیادہ اصرار ہے۔ ہندیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اول ست جگ کی ابتدا سے اس وقت تک دنیا میں برابر بنی آدم ہی آباد رہے ہے۔ بعض ہندو حکما، حدوث عالم کا زمانہ ست جگ اول میں مقرر کرتے ہیں، ہندی حکما کہتے ہیں کہ ہر جگ میں آدم و حوا مختلف وصفوں میں پیدا ہوتے ہیں اسی وجہ سے بعض زمانے میں انسان بلند دراز عمر عظیم الجثہ ہوتے ہیں۔ اور بعض قرن کے آدمیوں کا قد چھوٹا اور جسم پتلا ہوتا ہے۔ انسان کی خلقت کا یہ اختلاف اشجار اور نباتات میں بھی سرایت کرتا ہے اور ہر دور کے نباتات دوسرے دور سے قد و قامت اور رنگ و بو میں بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ انہیں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ برہمن اور کھتری ابتدائے آفرینش سے موجود ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ دوسری ذاتیں سوم کلجگ آخری اور چہارم کلجگ کے ابتدائی زمانہ میں کثرت سے پیدا ہوتی رہیں۔ چنانچہ راجپوتوں کا فرقہ دواپر جگ کے آخری زمانے میں پیدا ہوا اور اوائل کلجگ میں اسکی کثرت ہوئی ہندوؤں کی دوسری ذاتیں اوائل کلجگ میں بہت زیادہ پیدا ہوئیں، جس کی شرح یہ ہے کہ ہر جگ میں بیشمار بڑے بڑے راجہ ہندوستان کے مختلف حصوں پر فرمانروائی کرتے تھے۔ جیساکہ مہابھارت مترجمہ عہد اکبری میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان راجاؤں میں ایک کھتری راجہ جرجودھن آخر دواپر جگ میں ہندوستان کے بہت بڑے حصے پر حکمرانی کرتا تھا۔ اس راجہ کا پایہ تخت ہستناپور تھا جو دہلی کے نواح میں آباد تھا۔ کشن جو ہندوؤں کا پیغمبر ہے اسی راجہ کا ہم عصر ہے۔ جرجودھن کے پانچ حقیقی چچیرے بھائی تھے جو تاریخ میں پانڈوؤں کے نام سے مشہور ہیں۔ چونکہ پانڈوؤں کے چہرے سے اقبال مندی اور شجاعت کے جوہر نمایاں تھے۔ اس لیئے اُن کی آئندہ ترقی اور ہر دل عزیزی کے پریشان کن خیال نے جرجودھن کو اپنے چچا کی اولاد کا دشمن بنا دیا۔ جرجودھن

دن رات پانڈووں کی تباہی اور بربادی کی تدبیریں سوچا کرتا تھا۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی۔ آخر کار جرجودھن نے پانڈووں کو قمار بازی کے جال میں پھنسایا اور ایک دن ان کے ساتھ جوا کھیلنے لگا۔ پانڈے برابر بازی ہارتے رہے اور جب تمام منقولہ جائداد ختم ہوگئی تو پانچوں بھائیوں کے پانچ پرگنے، اندرپت، سون پت، پانی پت، تپت، باک پت، یکے بعد دیگرے بازی لگائی گئی۔ چونکہ پانڈووں کا ستارہ گردش میں تھا یہ پرگنے بھی ایک دوسرے کے بعد ان کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ جرجودھن نے پانڈووں کو مفلس اور مجبور بنا کر اخیر میں اُن کی آوارہ وطنی پر کمر باندھی، اور آخری بازی اس شرط پر لگائی کہ اب کے بار جو فریق بازی ہارے وہ اپنا تمام ملک و مال چھوڑ کر بارہ برس تک جلاوطنی اختیار کرے کہ تمام لوگ اُس کے حال سے واقف اور آگاہ رہیں۔ اس کے بعد اور ایک برس ایسی گمنامی کی زندگی بسر کرے کہ کسی کو اُس کے نام و نشان کا پتہ نہ لگے۔ یہ آخری پانسہ بھی پانڈووں کے خلاف پڑا اور پانچوں بھائیوں کو مجبوراً جلاوطن ہونا پڑا۔ پانڈواں اپنے وطن سے جدا ہو کر دکن میں آئے اور بارہ سال برابر اسی نواح میں غریبانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ دریودھن کے ہی خواہ برابر اُسے پانڈووں کے حالات سے مطلع کرتے رہتے تھے۔ بارہ برس گزرنے کے بعد پانڈووں کو ایک سال گمنامی میں زندگی کاٹنی تھی۔ اس لیئے ان پانچوں بھائیوں نے اپنی وضع تبدیل کر کے دکن کے موجودہ عادل شاہی پرگنہ میں جسے پاٹین کہتے ہیں اپنی سکونت اختیار کی اور یہاں انھوں نے اس طرح بے نام نشان زندگی بسر کی کہ ہر چند دریودھن نے ان کی تلاش اور جستجو کی لیکن کہیں ان کا پتہ نہ چلا۔ جب یہ ایک سال جو قبل کے بارہ برس پر بھی بھاری تھا خیر و خوبی سے گزر گیا تو پانڈواں بدن سے مسافرت اور غربت کی گرد جھاڑ کر وطن پہنچے، اور اپنے ملک میں داخل ہوتے ہی دریودھن سے سلطنت کی واپسی کی درخواست کی۔ دریودھن ان حریفوں کے صحیح و سلامت پہنچنے سے بیحد غمگین ہوا۔ اور چونکہ ما قبل کی تمام کارروائیوں سے اس کا اصلی مقصد صرف پانڈوؤں کی تباہی اور بربادی تھا۔ اُس نے کہلا بھیجا

اگر پانچوں بھائی پانڈواں اپنی خیر چاہتے ہیں تو فوراً ملک کے باہر چلے جائیں ورنہ ہر وقت اپنی موت کا انتظار کریں۔

یہ پانچوں بھائی دریودھن سے مایوس ہو کر متھرا پہنچے اور وہاں انھوں نے ہندوؤں کے مشہور پیغمبر کرشن کے دامن میں پناہ لی۔

کرشن نے دریودھن سے پانڈوؤں کی سفارش کی لیکن دریودھن پر دنیا کی طمع اس قدر غالب تھی کہ ہندوؤں کے سب سے بڑے اوتار کرشن کی بات کا بھی اس پر اثر نہ ہوا جب دریودھن کسی طرح بھی اپنے وعدے کے ایفا پر راضی نہ ہوا تو آخر کار فیصلہ ایک عظیم الشان جنگ پر ٹھہرا۔ طرفین سے بے شمار سپاہی اور ارکان سلطنت کام آئے لیکن چونکہ حق کا ساتھی خدا ہے، دریودھن اس لڑائی میں مارا گیا اور پانڈوؤں کو فتح نصیب ہوئی۔ یہ پانچوں بھائی ہندوستان کے عظیم الشان راجہ ہوئے اور تقریباً تمام ہندوستان پر انھوں نے حکمرانی کی جب پانچوں پانڈے یکے بعد دیگرے دنیا سے اٹھ گئے تو ان کی اولاد بھی پشتہا پشت فرماں روائی کے ڈنکے بجاتی رہی۔

جب دواپر جگ کا زمانہ ختم ہوا تو کلجگ کے کسی زمانے میں یہ حکومت خاندان راجگاں سے نکل کر ان کے غلاموں اور متعلقین میں منتقل ہوئی اور ملک کے ہر گوشے میں طائف الملوکی پھیل گئی۔ رفتہ رفتہ ان غلاموں کی قوت کم ہوتی گئی اور آخر کار ایک وقت ایسا آیا کہ سلطنت بالکل ان کے ہاتھوں سے نکل کر اجین کے مشہور راجہ بکرماجیت کے قبضے میں چلی گئی۔

بکرماجیت نے ہندوستان کی طائف الملوکی کے فتنے کو فرو کیا، اور رفتہ رفتہ دریودھن کے تمام مقبوضہ ممالک کو فتنہ پردازوں کے قبضے سے نکالا اور دکن کو بھی اپنے ملک میں شامل کر لیا۔ بکرماجیت کے آخری زمانے میں ایک ستائیس سالہ برہمن سالباہن نے دکن میں سر اٹھایا اور تمام دکن پر اس نے سکہ جما لیا۔ بکرماجیت سالباہن کے مقابلے کیلئے چلا اور نربدا کو پار کیا برہمن بھی راجہ کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ اس لڑائی میں بکرماجیت مارا گیا اور فتح سالباہن کو نصیب ہوئی۔ بکرماجیت کے قتل کے بعد سالباہن چاہتا تھا

کہ نربدا کو پار کر کے ہندوستان کے بکرمی ملکوں کو بھی اپنے زیرنگیں کرے کہ
دفعتہً دریا میں سیلاب آیا اور بیشمار سپاہی اور باربرداری کے جانور اس طغیانی
کے نذر ہو گئے۔ سالباہن اپنے اس ارادے پر بہت شرمندہ ہوا اور اس نے
دکن پر قناعت کر کے اجین کی حکومت بکرماجیت کے بیٹے کو سپرد کر دی۔

اہل ہند اپنا سنہ جلوس بکرماجیت سے شمار کرتے ہیں۔ اور ہجرت
نبوی صلعم کے وقت سنہ بکرمی کے چھ سو اکیس سال گزر چکے تھے۔ مورخین
ہندوستان لکھتے ہیں کہ بکرماجیت کے بعد ایک مدت تک خاندان راؤ میں
ہندوستان کی حکومت رہی لیکن رفتہ رفتہ کھتریوں کا زور کم ہوتا گیا اور کھتریوں
کی اولاد یعنی راجپوت حکومت پر غالب آتے گئے۔ یہاں تک کہ یہ
گروہ ایک ایک کر کے ہندوستان کے بہت سے ممالک پر قابض ہو کر
خودمختاری کا ڈنکا بجانے لگا۔

راجپوتوں کا اقتدار روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ بکرماجیت کے
عہد میں ان میں سے بعض دولتمند اور صاحب حکومت ہو گئے تھے بکرمی
عہد کے ان مقتدر راجپوتوں نے اپنے دوسرے ہم خاندان افراد کی تربیت
اور نشوونما میں بڑی کوشش کی، اور تھوڑے ہی زمانے میں یہ فرقہ کھتری
راجاؤں کے لشکر اور دربار پر بالکل چھا گیا۔ اس تسلط کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان
راجپوتوں میں جو مدبر اور اہل سیاست تھے انھوں نے کھتری فرمانرواؤں
سے آزاد ہو کر زبردست خودمختار سلطنتیں قائم کر لیں۔ دوسرے باجگزار
راجپوت بھی اپنی کوششوں اور آزاد راجپوت ریاستوں کی مدد سے کھتری
حکومت کا جوا اپنی گردن سے پھینکتے رہے، یہاں تک کہ اسلامی فتوحات کے
آغاز یعنی محمود غزنوی کے پیشتر ہندوستان کے تمام ممالک پر راجپوت ہی حکمراں
ہو گئے۔ ہندوستان میں اسلامی سیلاب فتوحات کے آتے ہی ان راجپوتوں
کی ناؤ ڈگمگانے لگی اور محمود اور اس کی اولاد کے پے در پے حملوں نے
ان کی حکومت کے جہاز کو بالکل غرقاب کر دیا۔ غزنوی فاتحین نے **سرہند**
تھانیسر اور ہانسی وغیرہ کے مشہور مقامات اور قلعوں پر قبضہ کر کے لاہور

اور اس نواح کے دوسرے راجاؤں کو بالکل پسپا کر دیا۔ سبکتگین فرماں روا اجمیر اور دہلی کے راجاؤں کی سرکوبی کی بھی فکر کر رہے تھے کہ دفعتاً انکی سلطنت پر زوال آگیا اور اُن کے اس ارادے کو سلطان شہاب الدین غوری نے پورا کیا۔ جو ہندو راجہ کہ غوری کی ضرب سے بچ رہے ان کو دہلی گجرات اور مندو کے اسلامی فرماں رواؤں نے تباہ کر دیا۔ غوریوں کے بعد تیموری بادشاہوں نے راجپوت راجاؤں کو کسان اور مزدور بنایا۔ غرضکہ ان غیر مسلم حکومتوں پر پے در پے ایسی شدید ضربیں لگتی گئیں کہ اسوقت زمانۂ حکومت جہانگیر بادشاہ غازی میں سوا رانا کے راجپوت کے دوسرے ہندو فرمانرواؤں کا ہندوستان میں نام و نشان تک نہیں ہے لیکن سنا گیا ہے کہ بادشاہ غازی نے ان دنوں اس رانا پر بھی فوجکشی کی ہے۔

شہر دہلی کی بناء کا ذکر

سنہ ۴۴۰ھ کے متبرک مہینوں میں سے کسی ایک مہینے میں وادیتھ راجپوت نے جو تورانی (تنوار) کے قبیلے سے تھا ایک نیا شہر اندرپت کے پہلو میں بسایا۔ چونکہ اس نو آباد شہر کی مٹی اس قدر ڈھیلی تھی کہ آہنی میخیں استحکام کے ساتھ زمین میں نصب نہیں کی جا سکتی تھیں۔ اس لیے یہ نیا شہر دہلی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ وادیتھ راجپوت کے آٹھ تورانی فرمانرواؤں نے دہلی پر حکومت کی جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

راجہ بھوج۔ راجہ ادھرن۔ سپد صندل۔ دیبک۔ رتنگر۔ آہنگر۔ مدن پال اور سالباہن۔ تورانیوں کے زوال سلطنت کے بعد دہلی کی حکومت راجپوتوں کے بہترین گروہ چوہانیوں کے ہاتھ میں چلی گئی جب چوہانی راجاؤں میں مانک دیو۔ دیوراج۔ راول دیو۔ جاہر دیو۔ سہر دیو نوبت بہ نوبت حکومت کر چکے تو دہلی کے چھٹے اور آخری فرمانروا راجہ پتھورا کی باری آئی۔ اس راجہ کو شہاب الدین غوری جیسے بہادر اور مستقل مزاج سے

مقابلہ پڑا۔ لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پتھورا معرکۂ جنگ میں مارا گیا اور آخر ۵۸۸ھ کے اخیر میں دہلی کی حکومت چوہانیوں سے نکل کر غور کے اسلامی فرمانرواؤں کے ہاتھ میں چلی گئی۔

سلاطین غور کے نسب کی بابت تمام مورخین کی تقریباً یہی رائے ہے کہ یہ فرقہ ضحاک بادشاہ کی نسل سے ہے۔ غوریوں کا مختصر حال یہ ہے کہ جب فریدوں بادشاہ ایران نے ضحاک پر فتح حاصل کی تو خاندان ضحاک کے تمام ارکان تو مقتول اور آوارہ وطن ہو گئے لیکن دو بھائی **سوری** اور **سام** فریدوں کے دربار میں حاضر ہو کر ایرانی حکومت کے ملازم ہوئے تھوڑے دنوں تو ان بھائیوں نے فریدوں کے دربار میں زندگی بسر کی لیکن بعد کو فریدوں کو اپنا خاندانی دشمن سمجھ کر سوری و سام دونوں اپنے ہوا خواہوں کے ایک گروہ کیساتھ **نہاوند** کی طرف بھاگ گئے اور وہاں پہنچ کر انھوں نے اپنے مسکن کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ سوری قبیلے کا سردار بنا اور سام نے فوج کی کمان ہاتھ میں لی۔ دونوں بھائیوں نے یگانگت اور اتحاد کے رشتے کو اور مضبوط کیا۔ اور سوری کی بیٹی کی شادی سام کے فرزند مسمی شجاع کے ساتھ کر دی گئی۔ اس شادی کے تھوڑے دنوں بعد سام نے دنیا سے رحلت کی اور شجاع اپنے چچا کے زیر سایہ راحت و آرام سے زندگی بسر کرتا رہا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد شجاع کے اس زمانۂ عشرت کو حاسدوں کی غمازی نے مکدر بنا دیا اور اس کی طرف سے سوری کے ایسے کان بھرے کہ سوری نے مصمم ارادہ کر لیا کہ بیٹی کو شجاع سے علیحدہ کرا کے بھتیجے کو آوارہ وطن کر دے۔ سوری کے اس ارادے کی خبر اسکی بیٹی کے کانوں تک پہنچی اور اس نے شوہر کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا۔ ایک رات شجاع نے شاہی اصطبل میں جا کر دس راس تیز رفتار گھوڑے اور اونٹوں کی چند قطاریں منتخب کیں۔ اور اپنے زن و فرزند کو گھوڑوں پر سوار کرایا اور نقد دولت جو کچھ جلدی میں لے سکا اونٹوں پر لاد کر غورستان کی طرف بھاگا۔ غورستان کے ایک مستحکم اور مضبوط مقام میں پہنچ کر شجاع نے قیام کیا۔ اس مقام کے استحکام سے شجاع اس قدر مطمئن ہوا کہ خوشی میں اس کے منہ سے یہ کلمہ نکلا کہ زومندیش الیعنی

اب اُس چیز سے مت ڈرو) اس فقرے کو ادا کرنے سے شجاع کے مسکن کا نام بھی زومندیش پڑ گیا۔ شجاع نے اس جگہ چند قلعے تعمیر کر لئے۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اس نے اتنی قوت بہم پہنچائی کہ ایک عرصے تک ایرانی فوج سے برابر معرکہ آرائی کرتا رہا۔ لیکن شجاع کو بھی آخر نیچا دیکھنا پڑا اور اس نے ایرانی سلطنت کی باجگذاری قبول کر لی۔ فریدوں کے حلقہ بگوشی سے شجاع کو اندرونی انتظام کا اچھا موقع ہاتھ آیا اس کے حسن سلوک کی خبریں سُن سُن کر ضحاک کی اولاد بھی چہار طرف سے سمٹ کر شجاع کے دامن میں پناہ گزین ہوتی گئی شجاع کے بعد اس کے جانشینوں میں بھی یکے بعد دیگرے سرداری برابر چلی آئی یہاں تک کہ اس قوم کے اسلام لانے کے وقت شنسب کی نوبت آئی۔ حضرت علی مرتضیٰ کے عہد خلافت میں **غوریوں** کا سردار شنسب بن حریق مع اپنے تمام قبیلے کے مسلمان ہوا حضرت امیر نے بھی شنسب اور اس کی قوم کے حسن عقیدت سے خوش ہو کر غوریوں کی حکومت کا فرمان اپنے ہاتھ سے لکھ کر شنسب کو مرحمت فرمایا۔ مورخین نے شنسب کا نسب نامہ اس طرح ضحاک سے ملایا ہے کہ **شنسب** بن حریق بن نہیق بن میشی بن زوزن بن حسین بن بہرام بن حجش بن نہیہن بن ابراہیم بن سعد بن اسد بن شداد بن نظام بن مہشاد بن نریمان بن فریدوں بن سام بن سفید اسپ بن ضحاک بن شہران بن سیذبن ساح بن مرنتاش بن ضحاک الملک۔ چونکہ غوریوں میں شنسب ہی پہلا شخص ہے جو مشرف اسلام ہوا اس لئے سارا قبیلہ **شنسبی** کے نام سے مشہور ہو گیا بنی امیہ کے زمانہ حکومت میں جب اولاد علی علیہ السلام پر تبرہ بازی کی جاتی تھی تو شنسبی اس ناشائستہ حرکت میں پہلے ہی سے حصہ لیتے تھے لیکن غورستان کے شنسبی ہمیشہ اس نازیبا حرکت سے پرہیز کرتے رہے بلکہ انہوں نے ہمیشہ اہل بیت کی تعظیم و توقیر میں اپنی جانیں قربان کیں چنانچہ جب ابومسلم مروزی نے اعدائے اہل بیت پر خروج کیا تو فولاد شنسبی نے پوری طاقت سے ابومسلم کی مدد کی اور دشمنان سادات کی بربادی میں اس نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ہارون رشید کا معصر غوری فرمانروا یحییٰ بن نہاتان بھی شنسبی تھا جس کا نسب نامہ حسب ذیل ہے

یحییٰ بن نہاتان بن درمش بن درمش بن پرویز بن شنسب یحییٰ کا پوتہ سوری بن محمد صفاریہ عہد حکومت میں ایک مشہور شخص تھا۔ اس سوری کا بیٹا محمد بن سوری سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا۔ محمد شفیسی محمود کی اطاعت نہیں کرتا تھا۔ محمود نے شفیسی پر لشکر کشی کی اور اُسے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ محمد کو نظر بند کر کے محمود نے غور کی سلطنت محمد کے بیٹے ابو علی کے سپرد کی ابو علی محمود کا مطیع اور فرمانبردار باجگذار تھا لیکن اس کی سلامت روی غوریوں میں پھیلتی نہ معلوم ہوئی اور آخر ابو علی کے بھتیجے عباس بن شنسب بن محمد نے زبردستی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ عباس بڑا ظالم فرمانروا تھا۔ اس کے ظلم اور شومئی اعمال کی سزا بلائے آسمانی ہو کر ملک پر نازل ہوئی اور سات برس کامل غورستان میں ایک قطرہ بھی پانی کا نہیں برسا۔ اس خشک سالی سے لاکھوں انسان اور جانور بھوک پیاس سے راہئ عدم ہوئے عباس ناعاقبت اندیش نے ابراہیم غزنوی کے مقابلے میں سر اٹھایا چونکہ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ضرور ملنی تھی عباس بھی اُسی بدکرداریوں کا شکار ہو کر غزنوی فوج کے ہاتھ گرفتار ہوا۔ سلطان ابراہیم نے غور کی حکومت عباس کے بیٹے محمد بن عباس کے سپرد کی اس محمد کا بیٹا قطب الدین حسن ہندوستان کے غوری فرمانرواؤں کا جد اعلےٰ ہے۔

قطب الدین اور اُس کی اولاد کی داستان بیحد دلچسپ ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے قطب الدین نے اپنے زمانے میں کسی دشمن پر حملہ کیا اور حریف کے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر لیا لیکن قطب الدین کا وقت آچکا تھا عین حالت محاصرے میں کسی مخالف سپاہی کا تیر قطب الدین کی آنکھ میں لگا اور اس ضرب سے قطب الدین نے وفات پائی۔ غورستان کے مشہور قلعوں پر غزنویوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس ہنگامے میں قطب الدین کا بیٹا سام ہندوستان کی طرف بھاگا سرزمین ہند میں پہنچکر سام نے تجارت شروع کی۔ ایک مدت تک سام ہندوستان میں تجارت کرتا رہا آخر کار حب الوطنی کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوا یہ جذبہ رفتہ رفتہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ سام نے مجبوراً اپنے اہل وعیال کے ساتھ وطن کے اشتیاق میں دریا کا سفر اختیار کیا ان مسافروں کی کشتیاں تھوڑی ہی دور چلی ہونگی کہ باد مخالف کے جھونکے شروع ہوئے۔ ہوا کی تیزی

لحظہ بہ لحظہ بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ دریا میں تلاطم پیدا ہو گیا اور ان مشتاقان وطن کی کشتیاں پارہ پارہ ہو کر غرق ہو گئیں۔ سام اور اس کے تمام ہمراہی دریا کے نذر ہو گئے۔ ان غربت زدوں میں سام کے ایک فرزند اعزالدین حسن کے ہاتھ کسی شکستہ کشتی کا تختہ ہاتھ لگ گیا مشہور ہے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے اعزالدین نے اُس تختے کو تھام لیا اور اسی کے سہارے دریا میں تیرنے لگا۔ اتفاق سے کشتی میں ایک شیر بھی تھا۔ کشتی کے تباہی کے وقت شیر کے پنجے میں بھی اسی تختے کا ایک کونہ آ گیا۔ شیر بھی اس مہلک سفر میں اعزالدین کا ساتھی ہوا۔ تین دن و رات اسی عالم میں گذر گئے اور بیچارہ اعزالدین بھوکا پیاسا تختے سے لگا ہوا دریا میں بہتا چلا جاتا تھا۔ تین دن کے بعد خدا نے یہ مصیبت دور کی اور وہ تختہ کنارے آ لگا۔ شیر نے تو کود کر جنگل کی راہ لی اور اعزالدین نے اپنی جان کی سلامتی کا شکر خدا کی درگاہ میں ادا کیا۔ اعزالدین کو دریا کے کنارے سواد شہر کے علامتیں نظر آئیں یہ غریب مسافر اٹھا اور شہر کی طرف روانہ ہوا چونکہ مصیبت اور فاقہ کشی کی تکلیف سے پاؤں میں قوت نہ رہی تھی شہر میں پہنچتے پہنچتے آفتاب غروب ہو گیا اعزالدین مسافروں کی طرح رات کو ایک دکان میں پڑ کر سو رہا۔ چوکیداروں نے اُسے چور سمجھ کر کوتوال کے سامنے پیش کیا۔ کوتوال نے بلا تفتیش حال کئے اعزالدین کو قید خانے میں پابزنجیر کر دیا بیچارہ پورے سات برس کامل قید خانے میں نظر بند رہا۔ سات برس کے بعد اعزالدین کے ستارے کی نحوست دور ہوئی اور حاکم شہر ایک مرض مہلک میں مبتلا ہوا حاکم نے مرض سے شفا پانے کے لئے قیدیوں کو زندان سے آزاد کیا اور اعزالدین بیچارے کو پھر آزادی کی زندگی نصیب ہوئی۔ قید خانے سے چھوٹ کر اعزالدین نے سیدھے غزنی کی راہ لی۔ راستہ میں اعزالدین کو ڈاکوؤں کا ایک گروہ ملا۔ ڈاکوؤں نے اعزالدین کو بلند و بالا اور قوی دست دیکھ کر زبردستی اُسے اپنے گروہ میں شامل کر لیا۔ جس رات اعزالدین ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہوا اُسی کی صبح کو سلطان ابراہیم کی فوج نے جو عرصے سے ان ڈاکوؤں کی تاک میں تھی ان چوروں کو گرفتار کیا۔ اعزالدین غریب ایک قید سے چھوٹ کر دوسری

قید میں گرفتار ہوا۔ یہ قیدی سلطان ابراہیم کے حضور میں پیش کئے گئے۔ بادشاہ نے ان چوروں کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ قیدی ایک قطار میں کھڑے کردئے گئے اور جلاد ایک ایک کی گردن اڑانے لگا۔ جب جلاد حسین کی آنکھ پر پٹی باندھنے لگا تو اعزالدین نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور آسمان کی طرف سر اٹھاکر کہا کہ اے خدا میں جانتا ہوں کہ تو کبھی غلط راستے نہیں چلتا مجھے یقین ہے کہ تیری ذات ظلم وجور سے بالکل پاک ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میں کیوں بے گناہ مارا جاتا ہوں جلاد نے حسین کی یہ باتیں سن کر اُس سے کہا کہ اے مکار خدا کے سامنے بیگناہوں کی طرح فریاد کرتا ہے حالانکہ تجھ سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوسکتا ہے۔ برسوں تو نے بندگان خدا پر ظلم کیا بادشاہ کی اطاعت سے انحراف کرتا رہا کیا ایسے کردار پر بھی تو اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے اعزالدین نے اپنی ساری داستان جلاد کو سنائی اور اُسے یقین دلا دیا کہ خدا کا فریادی حقیقتاً بے گناہ ہے۔ جلاد کو اعزالدین کے حال پر رحم آیا اور اُس نے مظلوم قیدی کے قتل سے ہاتھ اٹھالیا۔ دوسرے ڈاکوؤں کو قتل کرکے جلاد نے اعزالدین کی داستان ایک امیر کی معرفت بادشاہ کے گوش گزار کرائی۔ سلطان نے اعزالدین کو اپنے سامنے بلایا اور اس کی سرگذشت پوچھی۔ اعزالدین نے اپنی ساری مصیبت کی داستان ابراہیم کو سنائی۔ سلطان ابراہیم کو اس کے حال پر رحم آیا۔ اور اس نے اعزالدین کو شریف صورت اور ہونہار سمجھ کر مقربان سلطنت کے گروہ میں داخل کیا تھوڑے ہی زمانے کے بعد اعزالدین نے ابراہیم کی مزاج میں رسوخ پیدا کرلیا ابراہیم شاہ نے اعزالدین کو امیر حاجب مقرر کرکے اپنے ایک عزیز قریب کی بیٹی اعزالدین کے حبالۂ عقد میں دیدی اس عقد کے بعد اس کا مرتبہ روز بروز دربار شاہی میں بڑھتا گیا اعزالدین درجہ بدرجہ ترقی کررہا تھا کہ دفعتہً سلطان ابراہیم نے وفات پائی اور مسعود بن ابراہیم باپ کا جانشین ہوا۔ یہ نیا زمانہ اعزالدین کے لئے اور زیادہ مبارک ثابت ہوا مسعود نے تخت پر بیٹھتے ہی اُس کو غور کا حاکم مقرر کیا۔ اعزالدین کے نسب میں اختلاف ہے۔ بعض مورخین اسے قطب الدین کا فرزند لکھتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک اعزالدین قطب الدین کا پوتا اور اس کے بڑے فرزند سام کا بیٹا ہے۔

غزنوی خاندان کی بیوی سے اعز الدین کے گھر میں سات بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں (۱) ملک فخر الدین مسعود ملک بامیان (۲) قطب الدین محمد داماد بہرام شاہ غزنوی (۳) شجاع الدین علی جو عین عالم شباب میں فوت ہوا (۴) ناصر الدین محمد حاکم ولایت زمین دار و (۵) سیف الدین سوری (۶) بہاؤ الدین سام (۷) علاؤ الدین حسین المشہور بہ جہاں سوز۔ اعز الدین اپنی تمام عمر سلطان سنجر اور سلاطین غزنوی کا مطیع اور فرمانبردار رہا۔ مرنے کے بعد اس کے ساتوں فرزندوں نے جو تاریخ میں ہفت اختر کے نام سے مشہور تھے اپنے دو جتھے قائم کر لئے۔ پہلا جتھا ملوک بامیان کا ہے جو عام طور پر طخارستان اور ملک مباطلہ کے نام سے مشہور ہیں۔ دوسرا جتھا ملوک غور اور غزنی کہلاتا ہے اس دوسرے جتھے کا پہلا فرمانروا بہرام شاہ کا داماد قطب الدین محمد ہے جو تاریخ میں ملک الجبال کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسی غوری امیر نے فیروزہ کوہ کو بنا کر اور مضبوط کر کے اپنا دار الخلافت بنایا اور دار الخلافت کے دونوں طرف دو دو کوس حصار کھینچکر اس محصور میدان کو اپنی شکار گاہ مقرر کیا۔ اس شکار گاہ میں قطب الدین نے جا بجا قلعے تعمیر کرائے اور تمام لوازمات شاہی مہیا کر کے غزنی پر لشکر کشی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ قطب الدین کے اس ارادے سے بہرام شاہ آگاہ ہو گیا۔ مگر بہرام نے قطب الدین کو کسی بہانے سے غزنی بلا کر ایک قلعے میں قید کر دیا اور نظر بندی کی حالت میں ابراہیم کے حکم سے قطب الدین کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ قطب الدین کو زہر دئے جانے کے واقعے نے غوری اور غزنوی خاندانوں میں عداوت کا بیج بو دیا اور دونوں خاندان ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے۔ غوری امیروں میں سیف الدین پہلا شخص ہے جس نے بذات خود سلطان کا لقب اختیار کیا۔ سیف الدین بھی اپنے بیگناہ بھائی قطب الدین کے ساتھ غزنی گیا ہوا تھا جب بھائی ہلاک ہو گیا تو سیف الدین غزنی سے بھاگ کر غور پہنچا۔ اور بہرام شاہ سے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے لشکر جمع کر کے غزنی پر حملہ آور ہوا بہرام شاہ سیف الدین کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکا اور غزنی چھوڑ کر ہندوستان بھاگا۔ سیف الدین نے میدان خالی پا کر غزنی کے تخت سلطنت پر جلوس کیا اور اہل غزنی پر بھروسہ

کرکے اپنے بھائی بہاؤالدین کو غوری امیروں اور جانباز افسروں کے ساتھ غورستان
روانہ کردیا جب جاڑے کا زمانہ شروع ہوا۔ اور غورستان کے تمام راستے برف سے
پوشیدہ ہوگئے تو غزنویوں نے موقع پاکر بہرام شاہ کو پھر غزنی بلایا۔ بہرام جلد سے جلد
غزنی پہنچ گیا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس نے سیف الدین سوری اور اس کے وزیر
مجدالدین کو بیحد ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کرایا۔ جس عداوت کا بیج قطب الدین
کے قتل نے بویا تھا۔ اُسے سیف الدین کے خون نے بابرگ وبار کردیا۔ بہاؤالدین
پدر سلطان غیاث الدین نے اپنے بھائی سیف الدین کے بیگناہ مارے جانے پر
لشکر کشی کی لیکن ابھی حملے کی نوبت نہ آئی تھی کہ بہاؤالدین نے ایک زہریلی پھوڑے
کی وجہ سے وفات پائی۔ بہاالدین کے مرنے کے بعد اعزالدین کے سب سے مشہور
فرزند علاؤالدین نے اپنی جہاں سوزی سے غوری خاندان کا نام دنیا میں مشہور کردیا
یہ جہاں سوز فرمانروا بہرام شاہ پر غالب آیا اس نے غزنی پر قبضہ کرکے محمود مسعود اور
ابراہیم کی قبروں کے سوا تمام آل سبکتگین کی قبریں کھدوائیں اور اُن کی ہڈیوں
کو آگ میں جلایا۔ علاؤالدین شاہ اس سفاکی کے بعد غورستان واپس آیا اور
اپنے دونوں بھتیجوں یعنی غیاث الدین اور شہاب الدین پسران بہاؤالدین کو سنجہ
کی حکومت عطا کی یہ دونوں بھائی بڑے بہادر اور سخی تھے ان کے زیر حکومت
ممالک کی آمدنی ان کے مصارف کو کفایت نہ کرتی تھی اور اطراف وجوانب کے
سپاہی ان کی سخاوت کا آوازہ سُن سُن کر ان کے شہر کی طرف کھچے چلے آتے
تھے۔ دونوں بھائی ہر دلعزیزی اور سخاوت کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہو رہے
تھے۔ حاسدوں نے غیاث اور شہاب کی اس شہرت کو ایک خطرہ بنا کر
علاؤالدین کو ان دونوں سے بدظن کردیا۔ اور علاؤالدین نے ان دونوں
بے گناہوں کو جرجستان کے قلعے میں نظربند کردیا۔ علاؤالدین نے غرور کے نشے
میں سرشار ہوکر سلطان سنجر کی اطاعت سے بھی انکار کردیا۔ اعزالدین جو سالانہ رقم
سنجری خزانے میں بھیجا کرتا تھا علاؤالدین نے اس کو بھی بند کردیا۔ اور اسی
ایک بے عنوانی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بلخ اور ہرات کو سنجری حکومت سے چھین کر
اُن دونوں شہروں پر قبضہ کرلیا۔ سلطان سنجر نے علاؤالدین کی زیادتیاں

دیکھ کر اس پر فوج کشی کی۔ علاؤالدین اس لڑائی میں سنجر کے ہاتھ میں گرفتار ہوا اور ایک مدت تک سنجری لشکر میں بے نواؤں کی طرح گشت لگاتا رہا۔ سنجر کو آخر علاؤالدین پر رحم آیا۔ اور اس نے اس ناعاقبت اندیش کو پھر غور کا حاکم بنایا تھوڑے ہی دنوں بعد ۵۵۱ھ میں علاؤالدین نے وفات پائی۔ علاؤالدین کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین محمد باپ کا جانشین ہوا۔ سیف الدین نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی اپنے چچیرے بھائیوں غیاث الدین و شہاب الدین کو قلعے سے رہا کر کے پھر انہیں سنجہ کا حاکم مقرر کیا۔ تخت نشینی کے ایک سال کچھ مہینے بعد سیف الدین غزنیوں کی لڑائی میں مشغول ہوا اور عین معرکہ جنگ میں اپنے ہی ایک سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سیف الدین کے قتل کے بعد غیاث الدین محمد فیروزہ کوہ پہنچا۔ غیاث الدین نے اپنے ہاتھ میں حکومت کی باگ لی اور اپنے بھائی شہاب الدین کو جو دراصل غور کا فرمانروا تھا۔ اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ غیاث الدین نے تھوڑی ہی دنوں میں خراسان اور ہندوستان کو فتح کر کے ان ممالک میں اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا غیاث الدین نے ۵۹۹ھ میں وفات پائی۔

سلطان معز الدین بن بہاالدین محمد سام

المشہور بہ سلطان شہاب الدین غوری

ملک سیف الدین کے بعد غیاث الدین غور کا بادشاہ ہوا غیاث الدین نے اپنے بھائی شہاب الدین کو بلاد گرم سیر کے مشہور مقام تکیا باد میں چھوڑا اور خود سلطنت کے دیگر ممالک کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ شہاب الدین اپنے مستقر تکیا باد سے ہمیشہ غزنی پر حملہ آور ہوا کرتا تھا۔ اس حملے کا مقصد یہ تھا کہ غزنی جو پھر آل سبکتگین کے قبضے میں چلا گیا تھا محمود کی اولاد سے چھین کر غور کی سلطنت میں داخل کر لیا جائے۔ شہاب الدین نے بارہا کوشش کی کہ غزنی پر قابض ہو

لیکن ہر مرتبہ ناکامی ہوئی بسنہ ۵۶۹ھ میں غیاث الدین نے خود غزنی پر دھاوا کیا اور غزنی کو خسرو ملک کے امیروں سے چھین کر اسے غورستان کا ایک صوبہ قرار دیا اور غزنی کی حکومت شہاب الدین ہی کو سپرد کر دی بسنہ ۵۷۲ھ میں شہاب الدین نے بھائی کے حکم سے ملتان پر لشکرکشی کی۔ ملتان اور اس کے نواح کو قرامطہ کے قبضے سے نکال کر شہاب الدین نے اچھ پر حملہ کیا اچھ[۱۳۲] کا راجہ شہاب الدین کی آمد کی خبر سن کر قلعہ بند ہو گیا۔ شہاب نے قلعے کے گرد خیمے نصب کرائے اور دو چار روز تو قلعے کی فتح کی کوشش کرتا رہا لیکن کچھ عرصے کے بعد شہاب الدین کو معلوم ہوا کہ لڑائی اور محاصرے سے قلعہ اور صاحب قلعہ پر غالب آنا محال ہے اور تاوقتیکہ کوئی چال نہ چلی جائے یہ مہم کارآمد نہ ہو گی شہاب الدین نے ایک قاصد راجہ کی بی بی کے پاس بھیجا اور اُسے پیغام دیا کہ اگر تیری کوشش سے قلعہ فتح ہو جائے تو میں اس کے صلے میں تجھے ملکہ بناؤنگا رانی پہلے ہی سے شہاب الدین کے نام سے کانپتی تھی اور اُسے یقین تھا کہ اس لڑائی کا نتیجہ شہاب الدین کی فتح ہو گی۔ رانی اچھ شہاب الدین کے دام مکر میں گرفتار ہو گئی اُس نے قاصد سے کہا کہ میرا سن و سال اب ملکہ بننے کا نہیں ہے میری بیٹی البتہ اس قابل ہے کہ ایسے اولوالعزم بادشاہ کی ملکہ بنے۔ میں بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرونگی اور اس کے صلے میں بادشاہ میری بیٹی کو ملکہ بنائے اور قلعے پر قابض ہو کر میرے مال و متاع سے کچھ تعرض نہ کرے۔ شہاب الدین نے رانی کی شرطیں قبول کریں۔ رانی نے دو ہی ایک دن میں شوہر کا کام تمام کر کے شہر کو شہاب الدین کے حوالے کر دیا۔ شہاب الدین نے راجہ کی بیٹی کو مسلمان کر کے اس کے ساتھ اپنا نکاح کیا۔ اس عقد سے فراغت حاصل کر کے شہاب الدین نے رانی اچھ اور اُس کی بیٹی کو غزنی بھیج دیا کہ اُنہیں ارکان اسلام اور قرآن کی تعلیم دیجائے۔ شہاب الدین نے گو اس شوہر کش رانی سے اپنا کام نکال لیا تھا۔ لیکن دل میں اس کی بے وفائی پر جو رانی نے اپنے شوہر کے ساتھ کی تھی اُس سے بیحد ناراض تھا۔ اور ان دونوں ماں بیٹیوں پر بھروسہ نہ کرتا تھا۔ رانی اچھ تھوڑے ہی دنوں کے بعد راہی عدم ہوئی۔ بیٹی نے بھی سلطان

کی ملکہ بن کر فائدہ نہ اٹھایا اور غم و غصے میں بسر کر کے دو برس کے بعد جلد ہاں کے پاس پہونچ گئی۔ شہاب الدین نے اُچھ اور ملتان کی حکومت علی کرمارچ کے سپرد کی اور خود غزنی واپس آیا۔ ۵۷۴ھ میں شہاب الدین ملتان اور اُچھ آیا اور ریگستان کے راستے سے اس نے گجرات کا رخ کیا۔ اس وقت گجرات کا حاکم بہرم دیو کا پروتا رائے بھیم دیو تھا۔ بھیم دیو شہاب الدین کے مقابلے میں صف آرا ہوا شدید معرکہ آرائی کے بعد مسلمانوں کو شکست ہوئی اسلامی سپاہی کثرت سے مارے گئے اور شہاب الدین بڑی وقت سے میدان جنگ سے نکل کر غزنی پہنچا۔ ۵۷۵ھ میں شہاب الدین نے پشاور کے اُن مقامات پر جو تاریخ میں بکرام۔ پرشور اور فرسور کے نام سے مشہور تھے حملہ کر کے اُن شہروں کو بھی فتح کر لیا۔ اس فتح کے دوسرے سال شہاب الدین نے لاہور پر دھاوا کیا۔ لاہور کا حاکم اُس وقت خاندان غزنی کا آخری چراغ یعنی خسرو ملک تھا۔ خسرو ملک جس کی حکومت کی بنیاد کو دہلی اور دوسرے ہندوستانی راجاؤں کی مخالفت اور افغانوں کی دست برد نے بہت کمزور کر دیا تھا شہاب الدین کے مقابلے کے لئے تیار نہ ہوا اور ناچار قلعہ بند ہو گیا چند مرتبہ نامہ و پیغام کے بعد آخر شہاب الدین نے صف آرائی کا ارادہ ترک کیا۔ خسرو ملک نے اپنے خورد سال بیٹے ملک شاہ کو مع ایک عدیم المثال ہاتھی کے شہاب الدین کے پاس بطور ضمانت کے بھیج دیا۔ شہاب الدین بھی الصلح خیر النعم (یعنی صلح سب سے اچھا کام ہے) پر کاربند ہوا اور خسرو ملک سے رخصت ہو کر غزنی واپس گیا۔

۵۷۶ھ میں شہاب الدین نے سندھ کے مشہور شہر دیبل پر لشکر کشی کی اور دریائے سندھ کے تمام ساحلی مقامات پر اپنا قبضہ کر لیا اور اس فتح کے بعد بھی بہت سا مال غنیمت لے کر وطن کو واپس ہوا۔ ۵۸۰ھ میں شہاب الدین لاہور پہنچا خسرو اب کی مرتبہ پھر قلعہ بند ہو گیا۔ شہاب الدین نے لاہور کے تمام اطراف و نواح کو جی کھول کر لوٹا اور راوی اور چناب کے درمیان سیالکوٹ کا قلعہ تیار کر کے قلعے کی حکومت حسین خرمیل کے سپرد کی اور خود غزنی واپس آیا۔ شہاب الدین کی واپسی پر خسرو ملک کو اچھا موقع ہاتھ آگیا اور گھکروں اور

ہندوؤں کیساتھ سیالکوٹ کے قلعے کا محاصرہ کرلیا خسرو ملک نے ہرچند قلعے کی سر کرنے کی کوشش کی لیکن قلعہ فتح نہ ہوسکا اور ناچار اُسے ناکام واپس ہونا پڑا۔ خسرو کی اس حرکت سے شہاب الدین بہت غضبناک ہوا ۵۸۲ھ میں شہاب الدین ایک جرار فوج لے کر لاہور پر حملہ آور ہوا خسرو ملک اس مرتبہ بھی قلعہ بند ہوا چند روز تو خسرو ملک شہاب الدین سے نجات پانے کی تدبیر سوچتا رہا لیکن جب اُس نے دیکھا کہ اس مرتبہ غورستان کے شیر سے بچنا محال ہے تو قلعے کا دروازہ کھول دیا اور عاجزانہ شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور بحید عزت اور احترام کے ساتھ اُسے شہر میں لے آیا شہاب الدین نے لاہور کو بھی حاکم ملتان علی کرماچ کے سپرد کیا اور خسرو شاہ اور اُس کے بیٹے کو غیاث الدین کے پاس فیروزہ کوہ پر روانہ کیا اور خود غزنی واپس آیا۔ سلطان غیاث الدین نے خسرو اور اس کے بیٹے کو جرجستان کے ایک قلعے میں نظر بند کر دیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد خوارزم شاہ کا حادثہ پیش آیا غیاث الدین نے خسرو کو بھی سازش میں مشتبہ سمجھ کر تمام غزنوی قیدیوں کو قتل کر کے خاندان محمودی کا چراغ بالکل گل کر دیا ۵۸۷ھ میں شہاب الدین نے پھر ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس حملے میں شہاب الدین نے پتھنڈہ کے قلعے کو جو اُس کے زمانے میں ہندوستان کے عظیم الشان راجاؤں کا تخت گاہ بن گیا تھا۔ اجمیر کے راجہ سے چھین کر اس پر اپنا قبضہ کر لیا۔ شہاب الدین نے پتھنڈہ کی حکومت ملک بہاؤالدین طوقی کے سپرد کر کے ایک ہزار چالیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ اُسے تو پتھنڈہ میں چھوڑا اور خود واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔ شہاب الدین پابہ رکاب ہی تھا کہ اسے خبر پہونچی کہ رائے پتھورا اپنے بھائی کھانڈے رائے والی دہلی سے مل گیا ہے اور ان دونوں راجاؤں نے ہندوستان کے دوسرے ہندو فرمانرواؤں کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا ہے۔ اور اُن سب کو اپنے ہمراہ لے کر پتھورا اور کھانڈے رائے دو لاکھ سواروں اور تین سو ہاتھیوں کی ایک جرار فوج کے ساتھ پتھنڈہ کے قلعے پر قبضہ کرنے کے لئے آرہے ہیں اس خبر کو سن کر شہاب الدین نے اپنی روانگی ملتوی کر دی اور خود بھی لشکر لے کر پتھورا کے

مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ دریائے سرستی کے کنارے موضع تراین میں جو آج کل
تراوری کے نام سے مشہور اور دہلی سے چالیس کوس کے فاصلے پر آباد ہے
دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی جب لڑائی کا بازار گرم ہوا تو ہندوؤں کی
سرفروشی سے مسلمان سپاہیوں کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑنے لگے اور
شہاب الدین کا میمنہ اور میسرہ بالکل خالی ہوگیا اور صرف قلب لشکر میں کچھ
سپاہی باقی رہ گئے فوج کی یہ ابتری دیکھ کر شہاب الدین کے ایک امیر نے
اس سے کہا کہ ہماری فوج کے میمنہ اور میسرہ دونوں گروہ کے جو امیر کہ خاندان
غور کے پروردہ تھے منتشر اور بدحواس ہوکر میدان جنگ سے بھاگ گئے ہیں مقدمہ
لشکر کے افغانی اور خلجی امیر بھی جو ہمیشہ دون کی لیا کرتے تھے آج معرکۂ جنگ
میں ثابت قدم نہ رہ سکے میری رائے یہ ہے کہ بادشاہ بھی میدان جنگ سے
اب کنارہ کشی کرکے اس وقت لاہور کی طرف کوچ فرمائیں۔ شہاب الدین کو
اس امیر کی یہ رائے پسند نہ آئی اور اس نے جرات سے کام لیا۔ قلب لشکر کے
سپاہیوں کو ہمراہ لے کر شہاب الدین نے دشمن پر حملہ کیا اس معرکہ میں شہاب الدین
ایسی مردانگی دکھاتا رہا کہ دوست دشمن سب اس کے ثنا خوانی کر رہے تھے
شہاب الدین لڑائی میں مصروف ہی تھا کہ ناگاہ کھانڈے رائے والی دہلی
کی نگاہ اس پر پڑی۔ کھانڈے رائے نے اپنا ہاتھی شہاب الدین کی طرف
بڑھایا۔ شہاب الدین نے بھی اپنا نیزہ سنبھالا اور کھانڈے رائے کی طرف چلا
ہاتھی کے قریب پہنچکر شہاب الدین نے ایک زبردست ضرب ہاتھی کے منھ پر
لگائی۔ نیزہ ہاتھی کے منھ میں گھس گیا اور اس کی ضرب سے ہاتھی کے دانت
ٹوٹ گئے۔ کھانڈے رائے نے پوری مردانگی سے کام لیا اور ہاتھی کے اوپر
ہی سے شہاب الدین کے بازو پر تلوار کا ایک کاری زخم لگایا اس زخم سے
شہاب الدین تیورا گیا اور قریب تھا کہ غش کھا کر گھوڑے سے نیچے گر سکے کہ
ایک خلجی سپاہی بادشاہ کی یہ حالت دیکھتے ہی اُس کے پیچھے گھوڑے پر بیٹھ
گیا یہ سپاہی شہاب الدین کو اپنی گود میں سنبھال کر میدان جنگ سے بھاگا
سپاہی بھاگتا ہوا فراری امیروں کے پاس پہنچا جو میدان جنگ سے بھاگ کر

بیس کوس کے فاصلے پر خیمہ زن تھے لشکر میں شکست اور بادشاہ کی عدم حضوری کی وجہ سے جو شور مچا ہوا تھا وہ کم ہوگیا۔ شہاب الدین نے ہندوستانی ممالک کی حکومت اپنے معتمد امیروں کے سپرد کی اور خود غور واپس گیا۔ اپنے فراری امیروں میں افغانوں سے تو اُس وقت کچھ تعرض نہ کیا مگر غورستان پہنچکر غوری اور خلجی امیروں پر سخت عتاب کیا۔ اور ان کو یہ سزا دی کہ توبرے میں کچے جو بھروا کر ان کی گردنوں میں لٹکوائے اور اسی ہئیت کذائی سے ان کو شہر کے گرد تشہیر کرایا۔ شہاب الدین کا حکم تھا کہ جو امیر اپنے توبروں کے کچے جو نہ کھائے اُس کا سر فوراً قلم کردیا جائے۔ امیروں نے جان کی سلامتی کو غنیمت سمجھ کر توبروں کے جو اپنے پیٹ میں بھرے اور اس عذاب سے نجات پائی۔
زین الماثر میں شہاب الدین کے زندہ بچ کر نکل جانے کا قصہ اس طرح مرقوم ہے کہ کھانڈے رائے کے ہاتھ سے زخمی ہوکر شہاب الدین زمین پر گرا۔ چونکہ ہندو سپاہی شہاب الدین کو اچھی طرح نہ پہچانتے تھے اس لئے غورستان کا شیر میدان جنگ میں دن بھر زخمی پڑا رہا اور کسی نے اُس کی طرف توجہ نہ کی جب آفتاب غروب ہوگیا تو تھوڑی رات گذرنے کے بعد شہاب الدین کے غلاموں کا ایک گروہ لڑائی کے میدان میں اپنے مالک کو ڈھونڈتا ہوا اُس جگہ پر سے گذرا جہاں غوری فرمانروا زخمی پڑا تھا۔ اس وقت شہاب الدین کے ہوش و حواس کچھ درست ہو گئے تھے غلاموں کی آواز پہچان کر ان کو اپنے پاس بلایا اور اپنا سارا حال ان سے بیان کیا وفادار غلام اپنے آقا کی سلامتی جان سے بیحد خوش ہوئے اور شہاب الدین کو اپنے کندھوں پر سے کر فراری امیروں کی طرف روانہ ہوئے۔ غلام کندھا بدلتے ہوئے چلے جاتے تھے اور شہاب الدین اسی طرح زخمی ان کے کاندھوں پر سوار تھا اس سفر میں پوری رات بسر ہوگئی اور صبح تڑکے بادشاہ اپنے فراری امیروں میں جا ملا۔ امیروں میں پہنچکر شہاب الدین نے وہی کیا جو اوپر مذکور ہوچکا ہے بہر حال جو روایت صحیح ہو۔ اصل مقصد یہ ہے کہ شہاب الدین شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگا اور رائے پتھورا نے فوراً ہی بتہندہ کا محاصرہ

کر لیا پتھورا نے تیرہ مہینے کامل قلعے کا محاصرہ جاری رکھا ضیاء الدین تولکی نے محاصرے کی مصیبتوں سے تنگ آکر پتھورا سے صلح کر لی۔ اور قلعے پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا شہاب الدین غور سے غزنی روانہ ہوا غزنی پہنچ کر اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے اس نے دوسری جرار فوج تیار کرنی شروع کی دن کا چین اور رات کا آرام اُس نے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ شکست کے دوسرے ہی سال ایک لاکھ سات ہزار ترکی خلجی اور افغانی سردار اور سپاہیوں کا جرار لشکر لیکر شہاب الدین ہندوستان کی طرف روانہ ہوا چونکہ سرداروں سے بادشاہ کا دل صاف نہ تھا اُس نے اس مرتبہ لشکر کشی کے بارے میں کسی سے مشورہ نہیں کیا شہاب الدین کے اس لشکر کے جاہ و حشمت کا یہ عالم تھا کہ متعدد فوجی افسر جنگی زیورات اور مرصع ٹوپیوں سے خود فرمانروا معلوم ہوتے تھے۔ جب یہ حشر انبوہ لشکر پشاور کے نواح میں پہنچا تو غورستان کے ایک بوڑھے امیر نے جسے بادشاہ کی خدمت میں کسی قدر رسوخ حاصل تھا شہاب الدین سے دست بستہ سوال کیا کہ اب تک جاں نثاروں کو یہ نہ معلوم ہوا کہ جہاں پناہ کا ارادہ کیا ہے اور کس دشمن جہنم نصیب کی سرکوبی کے لئے اتنا بڑا لشکر ہمراہ لے کر سفر کی زحمت گوارا فرمائی ہے شہاب الدین نے جواب دیا کہ تجھے نہیں معلوم کہ جس دن سے میں نے ہندوؤں کے ہاتھ سے شکست کھائی ہے اس روز سے آج تک نہ میں نے اپنی بی بی کا منھ دیکھا ہے اور نہ بدن سے کپڑے اُتارے ہیں یہ سارا سال مجھے رنج و اندوہ میں گزرا ہے جن خلجی اور غوری امیروں نے میرے حقوق خدمت کو بھول کر مجھے میدان جنگ میں تنہا چھوڑا تھا ان کا سلام تک میں نے بند کر دیا ہے ان نمک پروردہ امیروں کی نمک حرامی اور ناحق شناسی کی وجہ سے مجھ کو ان سے کچھ امید نہیں ہے لیکن خدا کے بھروسے پر میں اس لشکر کو ہمراہ لے کر ہندوستان پر حملہ کرنے جاتا ہوں۔ بوڑھے امیر نے بادشاہ کی تقریر سن کر کہا کہ خدا ہمارے مالک کو کامیاب اور دشمن کو تباہ اور برباد کرے مجھے امید ہے کہ امیروں کی گذشتہ غفلت کی اس مرتبہ خوب تلافی ہو گی اور فوجی افسر ناحق شناسی کے بدنما دھبے کو اپنے خون سے دھو کر ہمیشہ کے لئے

اپنا نام نیک دنیا میں چھوڑ جائیں گے۔ اس قدیم نمکخوار کی استدعا ہے کہ بادشاہ اپنے امیروں کا قصور معاف فرما کر انہیں باریابی کا شرف عطا کرے بادشاہ کا یہ سلوک امیروں کو خود بخود درست کر دے گا اور وہ جان و دل سے اس امر کی کوشش کریں گے کہ گذشتہ بدنامی کو نیک نامی سے بدل کر اپنے مالک کا حق نمک ادا کریں شہاب الدین کو امیر کی یہ تقریر پسند آئی اُس نے فوراً دربار عام کیا اس دربار میں شہاب الدین نے معتوب امیروں کو بیش بہا خلعت اور مرصع خنجر عطا کئے اور ان امیروں کی گذشتہ غفلت کو معاف کر کے انہیں آیندہ احتیاط کے لئے تاکید کی۔ دوسرے دن شہاب الدین نے اس مقام سے کوچ کیا۔ شاہی لشکر منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا ملتان پہنچا ملتان پہنچکر شہاب الدین نے اُن امیروں کے مرتبہ میں بہت زیادہ اضافہ کیا جنہوں اُس کی عدم موجودگی میں خیر خواہی اور نمک حلالی کو ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا اور اس پر آشوب زمانے میں بھی اطراف و نواح کے راجاؤں کے مقابلے میں لاہور کے اسلامی سپہ سالار کو ہمیشہ مدد دیتے رہے تھے۔ جب شاہی لشکر نواح لاہور پہنچا تو شہاب الدین نے قوام الملک رکن الدین حمزہ کو جو غوری دربار کا بہت مقرب اور مشہور امیر تھا اجمیر بھیجا اور اس کے ذریعے سے اجمیر کے راجہ اور شہر کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی پتھورا نے اسلام اور بادشاہ اسلام کو سخت وحشت الفاظ سے یاد کیا اور قوام الملک کو دربار سے واپس کر دیا اور تمام ہندوستان کے راجاؤں کو اپنی مدد کے لئے خطوط لکھ کر روانہ کئے۔ ان راجاؤں نے پتھورا کی آواز پر لبیک کہی اور خط پاتے ہی ہر راجہ اپنے ملک سے پتھورا کی مدد کے لئے روانہ ہوا تھوڑے ہی دنوں میں تمام ہندی فرمانروا پتھورا کے گرد جمع ہو گئے پتھورا تین لاکھ راجپوت اور افغانوں کا ایک جرار لشکر ساتھ لے کر شہاب الدین کے مقابلے کے لئے آگے بڑھا ۵۸۸ھ میں دونوں فریق نہر سرستی کے کنارے موضع تراین میں خیمہ زن ہوئے۔ شہاب الدین کا مقابلہ ہوتے ہی ڈیڑھ سو راجپوت راجاؤں نے بہادری کا ٹیکہ اپنے ماتھے پر لگایا اور دشمن کے مقابلے میں دلیری اور جرأت سے کام لینے اور مسلمانوں کو تباہ

اور برباد کرنے کی سب نے قسمیں کھائیں۔ ان ہندو راجاؤں نے باہم یہ عہد کیا
کہ جب تک دشمن کو تباہ نہ کر لیں گے تلوار کو میان میں نہ رکھینگے اور اس
معرکہ کارزار میں وہ جوہر دکھائینگے کہ ہمیشہ کے لئے نام نیک دنیا میں باقی رہے
چونکہ ایک مرتبہ راجہ شہاب الدین کے مقابلے میں فتح مند ہو چکے تھے اس
لئے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے قسموں کے بعد ان میں آپس میں
یہ طے پایا کہ لڑائی شروع ہونے سے قبل ایک تہدید نامہ شہاب الدین
کے پاس بھیجا جائے۔ اس قرارداد کے موافق ایک خط شہاب الدین کو
لکھا گیا جس کا مضمون یہ تھا۔ ہم ہندو راجاؤں کی کثرتِ فوج کا حال تو تمہیں
معلوم ہی ہو گیا ہوگا جس قدر فوج اس وقت ہمارے ساتھ ہے وہی دشمن
کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے لیکن اس پر بھی فوج کی روزانہ آمد سے
میدان جنگ کی زمین تھرّا رہی ہے اگر تمہیں اپنی جان عزیز نہیں ہے تو
اپنے غریب سپاہیوں پر رحم کرو ہم نے اپنے معبودوں کے سامنے قسم
کھائی ہے کہ اگر تم اپنے ارادے پر پشیمان ہو کر پلٹ جانے کا ارادہ کرو تو
ہم تمہارے سدِّ راہ نہ ہونگے ہم تم پر رحم کھا کر تمہیں واپسی کی صلاح دیتے
ہیں ورنہ یاد رکھو کہ کل صبح کو تین ہزار ہاتھیوں اور بے شمار سوار (۳ لاکھ) توپچی پیادوں
کی جمعیت سے ہم میدان جنگ کو عرصۂ قیامت بنا دیں گے اور تمہیں شکست
کھا کر بے عزتی کے ساتھ لڑائی کے میدان سے بھاگنا پڑیگا۔ شہاب الدین
نے ہندو راجاؤں کا خط پڑھ کر جواب میں انھیں لکھا کہ مجھے اس بات کا یقین
ہے کہ آپ کی تحریر ہمدردی اور محبت سے بھری ہے میں اس پر کاربند ہونے
کے لئے بالکل تیار ہو جاتا لیکن مجبوری یہ ہے کہ میں اپنے بھائی کا محکوم
ہوں اور انھیں کے حکم سے میں نے لشکر کشی کی ہے۔ اگر مجھے اتنی مہلت
ملے کہ میں کسی معتبر قاصد کو بھائی کے پاس بھیجکر آپ کے زور و قوت اور اپنی
کمزوری کا پورا حال ان تک پہنچا سکوں تو یقین ہے کہ اس شرط پر صلح ہو جائے
کہ سرہند۔ پنجاب۔ اور ملتان پر غوری قبضہ رہے اور بقیہ ہندوستانی شہر
آپ کے زیر حکومت چھوڑ دئے جائیں ہندو راجاؤں نے شہاب الدین کے

جواب کو اسلامی لشکر کی کمزوری اور پریشانی پر محمول کیا اور اپنی قوت کے نشے میں سرشار ہو کر راجہ مسلمانوں کی زد سے بالکل غافل ہو گئے جب شہاب الدین نے سمجھ لیا کہ ہندو راجہ خواب غفلت میں مبتلا اور عیش و عشرت میں مشغول ہیں تو اس نے رات ہی رات اپنا لشکر تیار کر لیا اور صبح تڑکے جب راجپوت سپاہی قضائے حاجت اور غسل کے لئے باہر نکلے تو شہاب الدین نے میدان جنگ میں پہنچکر فوراً ان کے مقابلے میں صف آرائی شروع کر دی ہندو سردار اگرچہ اس بلائے ناگہانی سے پریشان ہوئے لیکن جس طرح اُن سے ممکن ہوا خود بھی جلد سے جلد مسلح ہو کر شہاب الدین کے مقابلے میں آ کھڑے ہوئے شہاب الدین کو ہندوؤں کی بہادری اور سرگرمی کا حال معلوم تھا اُس نے اپنی فوج کے چار حصے کئے اور ہر حصے کو یہ تاکید کی کہ نوبت بہ نوبت ہندوؤں سے لڑائی کا بازار گرم کرے شہاب الدین نے ہر حصے کے سردار اور اس کے ماتحت سپاہیوں کو یہ ہدایت کر دی کی جب ہندی ہاتھیوں کی صفیں اور سوار اسلامی لشکر پر حملہ آور ہوں تو یہ لوگ جنگی حیلہ سازی سے اپنے کو فراری ثابت کریں اور میدان جنگ سے منہ موڑ کر ہندوؤں کے مقابلے سے بھاگیں۔ جب ہندو سپاہی ان کا پیچھا کرتے ہوئے اپنی حد سے تھوڑی دور نکل آئیں تو یہ لوگ پلٹ کر ہندوؤں پر حملہ آور ہوں اور تلوار اور نیزوں کی جانگداز ضرب سے دشمن کا خاتمہ کر دیں۔ شہاب الدین کی فوج نے اُس کی ہدایت کے موافق صبح سویرے سے لے کر عصر تک دشمن سے لڑائی کا بازار گرم رکھا لیکن اتنی سر توڑ کوششوں پر بھی ہندوؤں کے پاؤں میدان جنگ سے نہ اُکھڑے جب شہاب الدین نے دیکھا کہ دن بیکار تمام ہوتا ہے تو اُس نے خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے بارہ ہزار جرار سواروں کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا۔ شہاب الدین اور خرمیل وغیرہ امیروں کے حملوں سے دشمنوں کے قدم میدان جنگ سے اُکھڑ گئے اور ان کی صفیں درہم برہم ہونے لگیں فوج میں ابتری پھیل گئی اور سپاہی میدان سے منہ موڑنے لگے ہندو افسروں نے پریشانی کے عالم میں جنگ مغلوبہ کر دی لیکن اس بدحواسی کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا اور کھانڈے راؤ اور دوسرے راجپوت فرمانروا

دیکھتے ہی دیکھتے تلواروں کے نذر ہو گئے۔ پتھورا اپنی باقی فوج کو لے کر بھاگا لیکن تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ دریائے سرستی کے کنارے دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ شہاب الدین نے راجہ پتھورا کو قتل کر دیا۔ اور سرستی۔ ہانسی سمانہ اور کہرام وغیرہ کے مشہور قلعوں پر اپنا قبضہ کر لیا۔ ہندو سرداروں کو قتل اور پسپا کر کے شہاب الدین اجمیر میں داخل ہوا اجمیر اور اس کے نواح پر قبضہ کر کے بہت لوگوں کو گرفتار کیا اور راجہ کولہ پسر رائے پتھورا کو اپنا باجگذار بنا کر خود دہلی کی طرف چلا دہلی کے راجہ نے شہاب الدین کے ساتھ عاجزانہ برتاؤ کیا اور بیش قیمت تحفے نذر کر کے راجہ نے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ شہاب الدین نے دہلی کے حدود سے کوچ کیا اور ملک قطب الدین ایبک کو جو اس کا غلام تھا کہرام کا حاکم بنا کر خود شمالی ہند کے کوہستانی ممالک کی غارت گری میں مشغول ہوا اور ان کوہستانوں کو تاراج کر کے غزنی واپس گیا۔ شہاب الدین کے جانے کے بعد قطب الدین ایبک نے اسی سال میرٹھ اور دہلی کے قلعوں پر لشکر کشی کر کے ان دونوں مقامات کو بھی پتھورا اور کھانڈے رائے کے عزیزوں کی حکومت سے علیحدہ کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۵۸۹ھ میں قطب الدین نے کول کا قلعہ سر کیا اور اسی سال دہلی کو دارالخلافت بنا کر تمام اطراف و جوانب کے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ قطب الدین ان مقبوضہ ممالک میں اسلامی قانون کو رائج کر کے خود دہلی واپس آیا تھوڑے ہی دنوں کے بعد شہاب الدین غزنی سے پھر ہندوستان چلا۔ اس مرتبہ شہاب الدین نے قنوج کا رخ کیا راجہ جے چند والی قنوج کچھ اوپر دو سو ہاتھیوں کے ساتھ شہاب الدین کے مقابلے کے لئے آگے بڑھا چندوار اور اٹاوہ کے نواح میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ جے چند اسلامی لشکر کے ہراول ملک قطب الدین کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور کوہ پیکر ہاتھیوں کی قطاروں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگا۔ جے چند کے فرار ہونے کے بعد شہاب الدین حصار اسنی میں داخل ہوا یہ حصار جے چند کا مامن اور بے شمار خزانہ سے معمور تھا شہاب الدین نے حصار کے تمام مال و متاع پر قبضہ کر کے بنارس کا رخ کیا ہندوؤں کے اس تیرتھ میں قدم رکھتے ہی شہاب نے مسلمانوں کی خاطر گھر اور مسکن بنانے کے لئے ایک ہزار بت خانوں کو

مسمار کیا۔ قلعہ کول کی تسخیر کے بعد ہندوستانی ممالک کی حکومت شہاب الدین نے ایبک کے سپرد کی اور خود دارالخلافت کو واپس گیا اسی زمانے میں راجہ پتھورا کے ایک عزیز مسمی ہیمراج نے پتھورا کے بیٹے پر لشکر کشی کر کے اجمیر کو اس کے قبضے سے نکال لیا۔ اجمیر پر قبضہ کر کے بھیمراج نے قطب الدین سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کی ۵۹۱ھ میں قطب الدین نے بھیمراج پر حملہ کیا۔ بھیمراج نے بھی ایک جرار فوج ساتھ لے کر قطب الدین کا مقابلہ کیا ایک شدید معرکے کے بعد بھیمراج میدان جنگ میں مارا گیا۔ اور اجمیر پر بلاواسطہ مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس مہم سے فراغت حاصل کر کے قطب الدین نے نہروالا پر لشکر کشی کی اور بھیم دیو والی گجرات کو شکست دیکر گویا اس طرح شہاب الدین کا بدلہ لیا اور پتھورا کو مدد دینے کا پورا مزا چکھایا نہروالہ کی فتح کے بعد قطب الدین بہت سامال غنیمت لے کر غزنی گیا اور سلطانی عنایتوں سے سرفراز ہو کر تھوڑے دنوں کے بعد پھر دہلی واپس آیا۔ ۵۹۲ھ میں شہاب الدین کے دل میں پھر لڑائی کی لہر اٹھی اس مرتبہ شہاب الدین نے ہندوستان پہنچکر تہنکر کے قلعے کو جو آج کل بیانہ کے نام سے مشہور ہے سر کر کے اس قلعے کی حکومت بہاؤالدین طغرل کے سپرد کی طغرل کو قلعہ گوالیار کی فتح کی ہدایت کر کے شہاب الدین نے پھر غزنی کی طرف کوچ کیا قلعہ گوالیار کی فتح کے بعد حوالی اجمیر کے سرکردہ راجپوت پھر قطب الدین کے مقابلے میں صف آرا ہوئے ۵۹۳ھ ہجری میں ہندوؤں کو شکست ہوئی اور نہروالہ پر بھی مسلمانوں کا پورا قبضہ ہو گیا۔ ۵۹۹ھ میں کالنجر اور بدایون کے قلعے بھی مسلمانوں کے زیر حکومت آ گئے اس زمانے میں شہاب الدین طوس اور سرخس کے معاملات کو سلجھا رہا تھا کہ دفعتًہ اس نے غور کے اصلی فرمانروا یعنی اپنے بھائی غیاث الدین کے وفات کی خبر سنی۔ شہاب الدین اس خبر کو سن کر بادغیس پہنچا اور بھائی کی پوری ماتم داری کرنے کے بعد اس نے خراسان کو آل سامان میں اس طرح تقسیم کیا کہ اپنے چچیرے بھائی ملک ضیاء الدین کو جو غیاث الدین کا داماد تھا فیروزہ کوہ اور غورستان کا حاکم مقرر کیا۔ بست۔ فرح۔ اور اسفرائن کی حکومت سلطان محمود بن غیاث الدین کے حوالے کر کے ہرات اور اس کے مضافات کی حکومت اپنے بھانجے ناصر الدین کے سپرد کی اور خود

بادغیس سے غزنی پہنچ کر اپنے بھائی کی وصیت کے موافق تخت بادشاہی پر جلوس کیا
اسی دوران میں شہاب الدین نے سنا کہ حاکم مرو محمد خمر بیگ کو دشمنوں نے قتل
کر ڈالا۔ سنہ ۶۰۰ھ میں شہاب الدین نے خوارزم پر حملہ کیا خوارزم شاہ شہاب الدین کے
مقابلے میں صف آرا نہ ہو سکا اور ناچار قلعہ بند ہو گیا۔ شہاب الدین اس نہر کے کنارے
خیمہ زن ہوا جو دریائے جیحون کے پانی سے سیراب ہو کر خوارزم اور خلیج کے شرقی
جانب بہتی تھی کچھ دنوں شہاب الدین دشمنوں سے مردانگی کے ساتھ لڑتا رہا
اور اس لڑائی میں چند نامی غوری امیر بھی کام آئے لیکن جب اس نے سنا کہ بادشاہ
خطا کا سپہ سالار قرابیگ خاں اور سلطان عثمان بادشاہ سمرقند دونوں خوارزم شاہ
کی مدد کے لئے آ رہے ہیں تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے قرابیگ اور سلطان عثمان
سے خوف زدہ ہو کر شہاب الدین نے زاید از ضرورت اسباب اور سامان سلطنت
میں آگ لگا دی اور خود خراسان کی طرف بھاگا خوارزم شاہ نے شہاب الدین کا
تعاقب کیا اور اس کے پیچھے ایسا پڑا کہ شہاب الدین کو پلٹ کر خوارزم شاہ کے مقابلے
میں صف آرائی کرنی پڑی اس لڑائی میں شہاب الدین کو شکست ہوئی اور غورستان
کا شیر ہاتھی گھوڑے خزانہ سب کچھ چھوڑ کر جنگل کی طرف بھاگا شہاب الدین ابھی
راستے ہی میں تھا کہ قرابیگ اور سلطان عثمان نے اسے آگھیرا اندخود میں
دونوں فریق ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ شہاب الدین نے اس معرکہ میں
بڑی دلیری سے کام لیا اور باوجودیکہ فوج بہت کم رکھتا تھا پھر بھی حریف کے
گلہ بہ گلہ لڑتا رہا مگر جب دشمنوں کی زیادتی نے اس کے سپاہیوں کے بہت
بڑے حصے کو فنا کر دیا اور صرف سو آدمی اس کے ہمراہ رہ گئے تو اس وقت
شہاب الدین کے حواس باختہ ہوئے اور مجبوراً اس نے قلعہ اندخود[۱۴۲] میں پناہ
لی۔ وہیں ایک روز کے بعد سلطان عثمان کی وساطت سے صلح ہو گئی اور
شہاب الدین نے اندخود کا قلعہ قرابیگ کے حوالے کیا اور خود غزنی کی طرف
مراجعت کی۔ جس وقت شہاب الدین خوارزم شاہ کے سامنے سے بھاگا تو ایک
نمک حرام کو ناحق شناسی کا موقع اچھا ہاتھ آیا۔ اس احسان فراموش غلام
نے یہ سمجھ کر کہ اس کے مہربان آقا کی اب خیر نہیں ملتان کا رخ کیا ایبک سہا

منشاء یہ تھا کہ سندھ اور اُس کے نواح پر اپنا قبضہ کر کے خود مختاری کا ڈنکہ بجائے
ملتان پہنچکر ایبک نے امیر داد حسین کوتوال ملتان کو مکر کے جال میں گرفتار کیا
داد حسن سے ملتے ہی ایبک نے کہا کہ مجھے شہاب الدین نے حکم دیا ہے کہ
سلطنت کے سیاسی راز حکومت تمہارے گوش گزار کر کے ملک کے تازہ حوادثات
سے تمہیں آگاہ کروں میر داد حسن غریب اس مکار کی باتوں میں آگیا اور اس نے
مجلس کو فوراً اغیار سے خالی کر دیا ایبک نے میر داد سے ادھر اُدھر کی باتیں
شروع کیں اور جب دیکھا کہ کوتوال گفتگو میں سرگرم ہے تو اپنے ایک ترکی غلام
کو جو پہلے سے اس کام کے لئے آمادہ تھا اشارہ کیا غلام نے اشارہ پاتے ہی
میر داد پر تلوار کا وار کر کے اُس غریب کو قتل کر ڈالا۔ میر داد کا کام تمام کر کے ایبک
نے لوگوں میں مشہور کیا کہ میر داد کا قتل شہاب الدین کے حکم سے ہوا ایبک نے
اپنی امارت کا ایک جعلی فرمان لوگوں کو دکھا کر قبۃ الاسلام یعنی شہر ملتان پر فوراً
قبضہ کر لیا۔ شہاب الدین کے قتل کی جھوٹی خبر نے بے انتہا فروغ پایا کہ کوہ جود
وغیرہ ملکوں کے کھکروں کے سردار مسمی سُرکہ نے بھی حکمرانی پر کمر باندھ کر [illegible]
لاہور پر حملہ کیا سُرکہ کے اس حملے سے دریائے جہلم اور سودرہ کے تمام درمیانی
شہروں میں لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی شہاب الدین اندخود کے قلعے کو قراتگین خان
کے حوالے کر کے غزنی پہنچا اور دارالخلافت پہنچکر اُسے معلوم ہوا کہ اُس کے
غلام ایلدگز نے غزنی پر قبضہ کر لیا ہے شہاب الدین نے چاہا کہ قلعہ میں داخل ہو
لیکن غلام نے قدم رکھنے کی اجازت نہ دی اور اپنے آقا سے لڑنے پر تیار ہوا
شہاب الدین نے ایلدگز سے اُس وقت لڑنا مناسب نہ سمجھا اور غزنی سے
ملتان روانہ ہوا ملتان پہنچکر شہاب الدین کو دوسرے غلام کی نمک حرامی کا
حال معلوم ہوا اور سنا کہ ایبک نے میر داد کو دھوکہ سے قتل کر کے ملتان پر
قبضہ کر لیا ہے جب شہاب الدین کو معلوم ہوا کہ ایبک اس کی اطاعت کرنے
سے انکار کرتا ہے تو اُس نے ملتان پر حملہ کیا ایک ہی حملے میں ملتان کا قلعہ
سر ہو گیا۔ اور ایبک شہاب الدین کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا شہاب الدین
نے سرحدی ممالک کے سپاہیوں کا ایک جرار لشکر لے کر غزنی کا رُخ کیا۔

اس درمیان میں ایلدگز کے سر سے خود مختاری کا نشہ اتر چکا تھا ایلدگز نے اس مرتبہ آقا کے مقابلے میں صف آرائی نہ کی بلکہ غلاموں کی طرح حاضر ہو کر اپنی قصور کی معافی کا شہاب الدین سے خواستگار رہوا۔ غزنی کے دوسرے امرا نے بھی بادشاہ سے ایلدگز کی سفارش کی شہاب الدین نے ایلدگز کا قصور معاف کیا اور غزنی میں داخل ہو کر سلطنت کے اہم کاموں میں مشغول ہوا اسی درمیان میں خوارزم شاہ کا ایلچی دربار میں حاضر ہوا اور شہاب الدین اور خوارزم شاہ کے درمیان صلح ہو گئی۔ ایبک اور ایلدگز کے جھگڑوں کو پاک کر کے شہاب الدین نے کھکروں پر لشکر کشی کی قطب الدین بھی اس کی مدد کے لئے دہلی سے آ گیا کھکروں کو مناسب سزا دینے کے بعد شہاب الدین لاہور آیا اور یہاں اُس نے قطب الدین کو تو دہلی رخصت کیا اور خود انتظام سلطنت کے لئے لاہور میں قیام پذیر ہوا۔ لاہور کے قیام میں شہاب الدین کو معلوم ہوا کہ غیر مسلم کھکروں نے جو دریائے سندھ سے لے کر کوہ سوالک کے دامن تک آباد ہیں۔ اس زمانے میں بہت سر اٹھایا ہے۔ اُن کھکروں کا تعصب اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ قرب و جوار کی آبادی ان کے شدید ستم سے نالاں ہے اور خاص کر پشاور اور اس کے گرد و نواح کے مسلمان تو ان کے بیرحمانہ سلوک سے اپنی جان سے بیزار ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ان لامذہب کھکروں کا برتاؤ غریب خدا پرستوں کو اطمینان سے پنجاب میں سفر بھی کرنے نہیں دیتا۔ یہ کھکر کسی مذہب کے پابند نہیں ہیں۔ لڑکیوں کے ساتھ اس قوم کا سلوک بہت برا ہے۔ ان کا دستور ہے کہ جب ان کے کسی گھر میں لڑکی جوان ہو جاتی ہے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر باپ یا بھائی مکان کے دروازے پر لا کر کھڑا کرتے ہیں۔ لڑکی کو دروازے پر کھڑا کر کے اُس کی خریداری کے لئے راہ گیروں کو بلاتے ہیں اگر خوش قسمتی سے کوئی راہ رو اس لڑکی کا خریدار ہو جاتا ہے تو بیٹی کو خریدار کے سپرد کر دیتے ہیں ورنہ اُس بے زبان عورت کو تلوار کے بھینٹ چڑھا کر خود اُس کے بار سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اس قوم کی یہ بھی رسم تھی کہ ایک عورت کئی شوہروں کی زوجہ رہ سکتی تھی جو شوہر اُس عورت کے

گھر جاتا تھا وہ اپنا کچھ نشان خلوت خانے کے باہر چھوڑ جاتا تھا اگر اس کی موجودگی میں دوسرا خاوند آجاتا تو فوراً شوہر اول کی موجودگی کا اُسے علم ہو جاتا تھا اور وہ عورت کے مکان سے واپس چلا جاتا۔ ایذا رسانی اس فرقے کا بہترین کام تھا خصوصاً مسلمانوں کا ستانا ان کا سب سے زیادہ دل خوش کن مشغلہ تھا۔

یہ قوم عرصے تک اسی وحشیانہ تمدن کے ساتھ اپنی زندگی گزارتی رہی یہانتک کہ سلطان شہاب الدین کے آخری زمانے میں ایک پاکباز مسلمان ان کے ہاتھ میں گرفتار ہوا اس خدا پرست نے اسلام کے طریقۂ عبادت اور اس مذہب کی چند اہم خصوصیتیں کھکروں کے سامنے بیان کیں۔ چونکہ اس قوم کی ہدایت کا وقت آچکا تھا کھکروں کے رئیس کو اسلامی طریقہ بیحد پسند آیا اس رئیس نے اس غریب ہادی سے پوچھا کہ اگر میں مسلمان ہونے کیلئے شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوں تو وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ اس مسلمان نے جواب دیا کہ میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ اس حالت میں بادشاہ تجھ سے بیحد خوش ہوگا۔ اور اس کوہستان کی حکومت تیرے ہی سپرد کر کے تجھے اس ملک کا حاکم مجاز تسلیم کرے گا۔ رئیس نے اسلام لانا قبول کیا اس مسلمان نے کل ماجرا لکھکر شہاب الدین کی خدمت میں ایک عریضہ روانہ کیا شہاب الدین نے یہ خط پاتے ہی ایک مرصع کمربند اور بیش بہا خلعت کھکری رئیس کو بھیجا اور اُسے اپنے دربار میں طلب کیا رئیس شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا اور کوہستانی ممالک کی حکومت کا فرمان دربار شاہی سے اپنے نام لے کر اپنے ملک کو واپس آیا۔ وطن پہنچکر اس نو مسلم رئیس نے اپنی قوم کی بیشتر حصے کو مسلمان کیا چند کھکر جو دور دراز ملکوں میں آباد تھے وہ اسی طرح اپنے آبائی دھرم پر قائم رہے۔

اسی سال شہاب الدین نے تراہیہ کے لوگوں کو جو غزنی اور پنجاب کے درمیان کوہستان میں واقع ہے توجہ کی اور جہاں قہر کی ضرورت تھی وہاں تلوار سے اور جہاں لطف کی ضرورت تھی وہاں مہر سے کام لے کر اس ملک کے باشندوں کو مسلمان کیا غرض ان دونوں قوموں کے افراد ملا کر تقریباً چار لاکھ غیر مسلم

دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ دونوں نہ تھے اس وقت تک جو کہ ۱۰۱۰ھ ہے اسلام پر ثابت قدم اور ایمان کے پختہ اور اطاعت گذار مسلمان ہیں۔ ہندوستان کے تمام خرخشوں کو پاک کرکے سولہویں رجب ۶۰۲ھ کو شہاب الدین نے لاہور سے غزنی کی طرف کوچ کیا چلتے وقت شہاب الدین نے ایک فرمان والی بامیان ملک بہاؤالدین کے نام اس مضمون کا روانہ کیا کہ ابکی بار ترکستان کی غیر مسلم آبادی پر لشکر اسلام کا دھاوا ہے شہاب الدین نے والی بامیان کو اس بات کی شدید تاکید کی کہ حدود بامیان کے تمام لشکروں کو جمع کرکے فوراً کوچ کرے اور دریائے جیحون کے کنارے خیمہ زن ہو کر دریا پر پل باندھ دے تاکہ دریا کو پار کرتے وقت اسلامی لشکر کو تکلیف نہ ہو۔ دوسری شعبان ۶۰۲ھ کو شہاب الدین دریائے سندھ کے کنارے پہنچا اور ایک مقام پر جسے برمہیک کہتے ہیں خیمہ زن ہوا۔ جس دن شہاب الدین نے برمہیک میں قیام کیا اسی کے دوسرے روز بیس کھکر جو اپنے عزیزوں کے قتل اور ان کی خانہ بدوشی اور دین فروشی کی وجہ سے شہاب الدین سے بیحد جلے ہوئے تھے ایک دل اور ایک زبان ہو کر بادشاہ کے قتل پر آمادہ ہو گئے ان کھکروں نے بادشاہ اسلام کو مارنے کے لئے اپنی جانیں وقف کر دیں۔ یہ غیر مسلم سرفروش کسی تدبیر سے شاہی خیمے تک پہنچ گئے اور کوچ کے وقت جبکہ فراش بادشاہی سراپردہ اتار رہے تھے یہ کھکر بادشاہ کی خوابگاہ پہچان گئے اور شعبان کی تیسری رات کو ایک نے بڑھ کر شاہی دربان کو چاقو سے زخمی کیا اور بھاگا اس چوبدار کے زخمی ہوتے ہی تمام آدمیوں میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ شاہی خدمتگار بھی سراپردہ کو چھوڑ کر اس چوبدار کے گرد جمع ہو گئے جب کھکروں نے دیکھا کہ میدان خالی ہے اور شاہی محافظ اپنے آقا کی طرف سے بالکل بے خبر ہیں تو یہ گروہ سراپردے کو چاک کرکے ہاتھوں میں چھرے اور دشنے لئے ہوئے شاہی خوابگاہ میں گھس گیا۔ دو تین ترکی غلام جو بادشاہ کے حضور میں کھڑے تھے وہ اس بلائے ناگہانی کو دیکھتے ہی خوف کے مارے بے حس و حرکت کھڑے رہ گئے شہاب الدین سونے کے لئے تیار ہی تھا کہ ان ظالموں نے اس پر حملہ کیا اور چھروں سے بائیس

کاری زخم بادشاہ کے جسم پر لگائے اور ایسے عالیجاہ بادشاہ کا کام تمام کردیا[۱۴۷] شہاب الدین کی شہادت کا تاریخی قطعہ حسب ذیل ہے

شہادت ملک بحر و بر معزالدین ۔ کز ابتدائے جہاں مثل او نیامد یک
سوم زغرہ شعبان بسال ششصد و دو ۔ فتاد در رہ غزنین بمنزل دمیک

غزنی کی ابتدائے حکومت سے لے کر سنہ شہادت تک کچھ اوپر بتیس[۱۴۸] سال فرمانروائی کی۔ اس بادشاہ نے صرف ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی شہاب الدین کی شہادت کے بعد اس کے وزیر موید الملک بن خواجہ محمد سجستانی نے چند غدار کھکروں کو گرفتار کر کے ان کو تہ تیغ کیا۔ موید الملک نے تمام غوری امیروں اور فوجی افسروں کو اپنا ہم خیال بنا کر خزانہ شاہی کی حفاظت کے بارے میں ان سب سے شدید قسم لی۔ سلطانی غلام خزانے کے لوٹنے پر جو چار ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا بالکل تیار ہو گئے تھے موید الملک نے ان کو ڈرا دھمکا کر اس ارادے سے انہیں باز رکھا۔ خزانے کی طرف سے اطمینان کر کے موید الملک بادشاہ کی نعش کو بڑی شوکت و حشمت کے ساتھ اٹھا کر غزنی لے چلا۔ شہاب الدین کے امیر اور فوجی افسروں میں دو گروہ تھے ایک گروہ ترکی امیروں کا جس کا سرغنہ خود موید الملک تھا اور دوسرے گروہ میں کل غوری امیر شامل تھے ترکی گروہ چاہتا تھا کہ شہاب الدین کا جانشین غیاث الدین محمد ہو۔ غوری افسر شہاب الدین کے بعد بہاؤالدین کی تخت نشینی کے خواہاں تھے۔ اثنائے راہ میں دونوں فریقین میں اختلاف رائے کا اظہار ہوا اور جب یہ سب سرفج فرسادر[۱۴۸] کے نواح میں پہنچے تو ان امیروں کی مخالفت نے زیادہ طول کھینچا۔ موید الملک اور اس کا ترکی گروہ چاہتا تھا کہ کرمان کے راستے سے سفر کی منزلیں طے کی جائیں اس میں مصلحت یہ تھی کہ شہاب الدین کے جاں نثار غلام تاج الدین ایلدگز[۱۴۹] والی کرمان سے ملتے ہوئے اور اسے اپنا ہم خیال بناتے ہوئے چلیں۔ غوری امیر اس راستے سے چلنا چاہتے تھے جو بامیان سے نزدیک ہو۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ بامیان پہنچ کر خزانہ بہاؤالدین کے سپرد کر کے اس کو غوری سلطنت کا وارث تسلیم کریں اس راستے کی بحث نے اس قدر طول کھینچا کہ قریب تھا کہ فریقین میں تلوار

چل جائے مگر موید الملک نے دوراندیشی سے کام لیا۔ یہ انجام اندیش وزیر خود غوری امیروں کے پاس گیا اور اس نے بیحد نرم مگر پرزور الفاظ میں یقین دلایا کہ اس وقت شیوران اور کرمان کے راستے سے لشکر کا سفر کرنا ہر طرح قرین مصلحت ہے۔ غوری امیروں نے موید الملک کی بات مان لی اور اسلامی لشکر بادشاہ کا جنازہ لئے ہوئے کرمان کی طرف چلا۔ اس سفر میں وزیر نے افغانوں اور تراہیہ کے غیر مسلم باشندوں کے ہاتھ سے بیحد تکلیف اٹھائی۔ جب یہ لشکر کرمان کے نواح میں پہنچا تو تاج الدین ایلدگز سلطانی محافے کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ محافہ پر نظر پڑتے ہی تاج الدین ایلدگز نے اپنے مالک کے آداب اور مجرے کے لئے گردن جھکائی۔ اس مشتاق دیدار غلام نے چاہا کہ آقا کے شرف دیدار سے بہرہ اندوز ہو اور اس نے بڑھ کر محافے کا پردہ اٹھایا لیکن بجائے اپنے آقا کی جیتی جاگتی تصویر کے مالک کی خون آلودہ لاش پر اس کی نظر پڑی۔ بادشاہ کو مقتول دیکھ کر ایلدگز نے گریبان چاک کر ڈالا اور اس کے ماتم میں فریاد وزاری کرنے لگا۔ مجلس ماتم کو ختم کر کے اسلامی لشکر آگے بڑھا اور بائیس شعبان کو سپاہی اپنے مالک کا لاشہ لئے ہوئے غزنی میں داخل ہوئے۔

شہاب الدین کی لاش اس خطیرہ میں دفن کی گئی جو اس نے اپنی بیٹی کے لئے بنوایا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ غزنی کا خزانہ بیشمار روپے اور اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا منجملہ دوسرے جواہرات اور نقدی کے پانچ سو من الماس خزانہ میں موجود تھا۔ شہاب الدین نے ہندوستان پر تین دھاوے کئے۔ دو حملوں میں تو اسے شکست ہوئی مگر تیسرے حملے میں اس نے اپنے حریفوں کو بالکل پامال کیا۔ شہاب الدین خدا ترس اور عادل حکمراں تھا۔ باوجود ایک مقتدر فرمانروا ہونے کے یہ بادشاہ ہمیشہ علماء اور اولیا کی صحبت میں بیٹھتا اور ان کی عزت اور خدمت کرنا دارین کی بھلائی جانتا تھا۔

سلطان قطب الدین ایبک المشہور بہ لکھ بخش

قطب الدین ایبک میں بہت سی عمدہ خصلتیں اور پسندیدہ صفتیں موجود

تھیں۔ قطب الدین کی طبیعت ہمیشہ سے جہانداری اور حکمرانی کے لئے موزوں تھی۔ اس بادشاہ کو سیاست کے قواعد اور حکومت کے قوانین اچھی طرح معلوم تھے اور لشکر کشی اور دشمن کی سرکوبی میں اُسے ید طولی حاصل تھا قطب الدین کی سرگذشت یہ ہے کہ ایک سوداگر اُسے ترکستان سے نیشاپور لایا بچپن ہی کے زمانے میں سوداگر نے قطب الدین کو قاضی فخر الدین ابن عبدالعزیز کوفی کے ہاتھ جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے فروخت کیا۔ چونکہ خدا کو ایک دن اس لڑکے کو بڑا آدمی کرنا منظور تھا بچپن ہی سے بزرگی اور برتری کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔ قاضی فخر الدین نے اپنے بیٹوں کے ساتھ قطب الدین کو بھی تعلیم دلانی شروع کی۔ قطب الدین نے تھوڑے ہی دنوں میں علم دین اور رسم الخط وغیرہ سے بخوبی آشنا ہو کر داب اور کمالات میں بھی اچھی مہارت حاصل کر لی۔ قاضی فخر الدین نے تمام عمر قطب الدین کو اپنے سے جدا نہیں کیا اور مثل بیٹوں کے اس کی پرورش و پرداخت کرتے رہے۔ قاضی صاحب کے مرنے کے بعد ایک سوداگر نے قطب الدین کو قاضی کے کسی بیٹے سے خریدا اور تحفے کے طور پر سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے قطب الدین کو اس سوداگر سے بہت بڑی رقم پر خریدا۔ چونکہ قطب الدین کے ہاتھ کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی تھی بادشاہ اور درباری اسے ایبک شل کہنے لگے رفتہ رفتہ یہ لقب اُس کے نام کا جزو ہو گیا قطب الدین بیحد سلیقہ اور خلوص کے ساتھ شہاب الدین کی خدمت گذاری کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں اُس نے بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا ایک رات شہاب الدین نے جشن کی مجلس منعقد کی یہ بزم شہاب الدین کے خاص مقرب اور محبوب درباریوں سے بھری تھی اس مجلس میں بادشاہ نے اپنے تمام درباریوں کو خلعت اور انعام تقسیم کیا سب سے زیادہ گراں بہا اور قابل قدر انعام قطب الدین کے حصے میں آیا جب یہ مجلس جشن ختم ہوئی تو قطب الدین نے جو کچھ بادشاہ سے پایا تھا اُسے فراشوں اور خدمت گاروں میں تقسیم کر دیا ؛

قطب الدین کی اس سخاوت کی خبر شہاب الدین کے کانوں تک بھی پہنچی۔ بادشاہ قطب الدین کی اس داد و دہش سے بہت خوش ہوا اور درباری امرا کی صف میں داخل کرکے اُس کی جگہ تخت شاہی کے سامنے مقرر کی۔ قطب الدین کا ستارۂ اقبال روز بروز ترقی کرتا گیا یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں امیر آخوری کے مرتبے تک پہنچ گیا۔ جب غور، غزنی اور بامیان کے بادشاہوں نے اتحاد کرکے خوارزم پر حملہ کیا تو قطب الدین بھی اپنے بادشاہ کے ساتھ تھا۔ قطب الدین ہر روز چارہ کی تلاش میں جنگل جایا کرتا تھا۔ ایک روز جنگل میں دریائے مرو کے نواح میں قطب الدین سے سلطان شاہ کی فوج کا مقابلہ ہو گیا۔ قطب الدین نے اگرچہ اس لڑائی میں بیحد مردانگی سے کام لیا لیکن چونکہ اس کی فوج بہت کم تھی آخر کار وہ سلطان شاہ کے ساتھیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ خوارزم کے سپاہی قطب الدین کو سلطان شاہ کے سامنے لے گئے۔ سلطان شاہ نے قطب الدین کو ایک لوہے کے پنجرے میں قید کر دیا۔ جب غوری اور خوارزمی فوجوں کا باضابطہ مقابلہ ہوا اور سلطان شاہ حاکم غزنی سے شکست کھا کر بھاگا تو غزنوی سپاہی قطب الدین کو اسی پنجرے میں قید اونٹ پر بٹھا کر شہاب الدین کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے قطب الدین کو اس عندلیبی قید سے آزاد کرکے اُس کے گلے میں موتیوں اور جواہرات کے ہار پہنائے۔ ۵۸۸ھ میں جب شہاب الدین نے راجگان اجمیر اور دہلی پر فتح پائی تو کہرام اور سمانہ کو قطب الدین کی جاگیر مقرر کرکے قطب الدین کو ہندوستان کا سپہ سالار بنایا۔ قطب الدین نے اس جلیل القدر عہدے کی خدمت اچھی طرح انجام دی۔ کہرام اور سمانہ کے تمام اطراف اور قلعہ میرٹھ پر قبضہ کرکے قطب الدین نے دہلی پر لشکر کشی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب قطب الدین نے لڑائی کی ابتدا کی تو ہندو راجپوت بھی اس کے مقابلے میں صف آرا ہوئے ایک شدید خونریزی کے بعد ہندوؤں کو شکست ہوئی اور راجپوت راجہ قلعہ بند ہو گئے قطب الدین نے قلعے کو گھیر لیا اور محاصرے کی سختیوں پر برابر اضافہ کرتا رہا۔ ہندو راجاؤں نے محاصرہ کی طرح طرح کی تکلیفوں سے تنگ آکر قطب الدین سے امان طلب کی اور قلعہ اس کے سپرد کر دیا۔

۵۸۹ھ میں ایک راجپوت سردار مسمی جیتوان نے جو حاکم نہروالہ کا عزیز قریب تھا ہانسی پر لشکر کشی کی اور قلعے کے نیچے پہنچکر خیمہ زن ہوا۔ ہانسی کا اسلامی صوبہ دار نصیر الدین اس لشکر سے مقابلہ نہ کر سکا اور مجبوراً قلعہ بند ہوگیا قطب الدین اس لشکر کشی کی خبر سنتے ہی ہانسی روانہ ہوا اور قلعے کے نیچے پہنچکر اس نے راجہ جیتوان کو شکست دی۔ راجہ میدان جنگ سے بھاگا اور نہروالہ پہنچکر اُس نے پناہ لی۔ ۵۹۰ھ میں قطب الدین نے دریا کو پار کر کے کول پر اپنا قبضہ کیا اور بیشمار مال غنیمت لے کر واپسی کی تیاریاں کر رہا تھا کہ اُس نے سنا کہ شہاب الدین بنارس اور قنوج پر حملہ کرنے کے لئے غزنی سے ہندوستان آرہا ہے۔ قطب الدین اپنے آقا کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھا اور کچھ دور چلکر بادشاہ سے جا ملا۔ بادشاہ کے حضور میں پہنچکر قطب الدین نے ایک ہزار عربی گھوڑے ہاتھیوں کی ایک زنجیر طلائی اونٹوں کی ایک زنجیر نقرئی اور پچاس ہزار سوار اس مہم کی مدد کے لئے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کئے شہاب الدین اس ہدئے سے بیحد خوش ہوا اور خلعت سے سرفراز کر کے قطب الدین کو پیشرو لشکر مقرر کیا۔ قطب الدین سلطانی لشکر کے آگے آگے روانہ ہوا بادشاہ بھی اپنی فوج کے ساتھ پیچھے آرہا تھا۔ تھوڑی دور چل کر قطب الدین کا جے چند والی بنارس کی فوج سے مقابلہ ہوگیا قطب الدین نے اس لشکر کو شکست دے کر سامنے سے بھگا دیا۔ اس لشکر کی شکست کی خبر سن کر جے چند خود میدان میں آیا لڑائی شروع ہوئی اور اسلامی سپاہیوں کے تیروں کی بوچھار ہندؤں پر ہونے لگی۔ ایک جانگداز تیر جے چند کی آنکھ میں لگا۔ تیر آنکھ کے ڈھیلے میں پورا بیٹھ گیا اور جے چند تیر کھا کر ہاتھی سے نیچے گرا اور گرتے ہی تمام ہوگیا۔ راجہ کے زمین پر گرتے ہی سپاہی میدان جنگ سے بھاگے اور قطب الدین کو فتح نصیب ہوئی۔ جے چند کی کسی کو خبر نہ تھی اور نہ اُس کی لاش کا میدان میں کہیں پتہ لگتا تھا۔ بڑی تلاش کے بعد اس کی لاش اس پتہ سے ملی اور پہچانی گئی کہ بڑھاپے کی وجہ سے اُس کے دانت سونے کے تاروں اور کیلوں سے باندھ دئے گئے تھے قطب الدین کے معرکہ

سر کرتے ہی شہاب الدین بھی پہنچ گیا دشمن کی تباہی پر بادشاہ نے خدا کی درگاہ میں شکریہ ادا کیا اور فوج کو ہمراہ لے کر بنارس میں داخل ہوا۔ بنارس سے لیکر سرحد بنگالہ تک تمام شہروں کو شہاب الدین نے تاراج کیا اور ایک ہزار بت خانے ڈھائے۔ شہاب الدین نے بنارس کی حکومت حسام الدین اوغلبک کے سپرد کی اور خود نفیس اور بیش قیمت جواہرات اور دوسرے طرح طرح کے مال و متاع چار ہزار اونٹوں پر لاد کر غزنی واپس گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ بنارس میں دربار عام کے دن ہاتھیوں کی قطار بادشاہ کے روبرو پیش کی گئی۔ جو ہاتھی بادشاہ کے سامنے سے گزرتا تھا وہ فیلبان کے اشارے سے بادشاہ کو سلام کرتا تھا۔ ان ہاتھیوں میں ایک سفید ہاتھی بھی تھا جب یہ سفید ہاتھی شہاب الدین کے سامنے سے گذرا تو قاعدہ کے موافق اس کے فیلبان نے بھی سلام کرنے کے لئے ہاتھی کو اشارہ کیا لیکن اس شوخ جانور نے اس اشارے کی کچھ پروا نہ کی ہرچند فیلبان نے اس کو آنکس مارے لیکن ہاتھی نے کسی طرح سلام نہ کیا بلکہ بے وجہ آنکس کھا کر ایسا غضب ناک ہوا کہ قریب تھا فیلبان کو ہلاک کر ڈالے کہ شہاب الدین نے اپنے سامنے سے اُسے رخصت کر دیا۔ شہاب الدین فیل سفید کو خود لے گیا اور بقیہ ہاتھیوں کو قطب الدین کے حوالے کیا اس کے بعد شہاب الدین غزنی روانہ ہوا بادشاہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ قطب الدین کا نقش وفا پھر بادشاہ کے دل میں ابھرا اور اس نے راستے ہی سے فیل سفید کو بھی مع فرمان فرزندی قطب الدین کے پاس بھیجدیا۔ یہ ہاتھی قطب الدین کی وفات تک اس کے پاس رہا قطب الدین کے مرنے کے تیسرے دن یہ ہاتھی بھی دنیا سے رخصت ہوا۔ قطب الدین کے بعد سے اسوقت تک کسی بادشاہ دہلی کے آستانے پر سفید ہاتھی نہیں بندھا اور اطراف و جوانب کے فرمانرواؤں کے بابتہ بھی یہ ثابت نہیں ہوئی کہ کسی سرکار میں یہ نادر الوجود جانور پایا گیا ہو جس زمانے میں مورخ خوش قسمتی سے بادشاہ جمجاہ سلطان ابراہیم عادل شاہ کے نمکخواروں میں داخل ہو کر سلطنت بیجاپور کا ملازم ہوا اُس وقت البتہ میں نے معتبر سوداگروں سے سنا کہ فرمانروائے

جزیرہ پیگو کے سرکار میں ہمیشہ دو فیل سفید بند ہے رہتے ہیں۔ ان ہاتھیوں کے
بابت مشہور ہے کہ جب تک یہ دونوں ہاتھی زندہ رہتے ہیں اُس وقت تک
پیگو کے جنگلی بن میں سفید ہاتھی کا نام و نشان نہیں ملتا جب ان ہاتھیوں میں سے
کوئی ایک مرجاتا ہے تو اُس کی جگہ پر کرنے کے لیئے فوراً کوئی سفید ہاتھی
جنگل میں نمودار ہوتا ہے اور شکاری اس کو گرفتار کرکے شہر کے اندر
لے آتے ہیں۔ [155] شہاب الدین کے غزنی واپس جانے کے بعد قطب الدین
نے چند روز حصار اسنی میں قیام کیا۔ اور اُس کے اطراف کا معقول انتظام
کرکے قطب الدین دہلی واپس چلا قطب الدین حصار سے تھوڑی ہی دور پہنچا
تھا کہ اُس نے سنا کہ اجمیر اور دہلی دونوں جگہ لڑائی اور فتنے کی آگ بھڑک اُٹھی
ہے۔ ایک طرف تو ہیمراج [156] راجپوت نے رائے پتھورا کے بیٹے راجہ کولہ [157] پر لشکر کشی
کرکے اس کو اجمیر سے نکال دیا ہے۔ اور کولہ نے میدان سے بھاگ کر رنتھمبور
میں پناہ لی ہے دوسری طرف جھترائے [158] ایک بڑی فوج لے کر دہلی پر دوبارہ
قبضہ کرنے کو اپنے شہر سے روانہ ہوچکا ہے اور یہ لشکر دہلی کے قریب پہنچ گیا ہے
اور اُس کے غیر مسلم سپاہی جی کھول کے اطراف و نواح کو لوٹ رہے ہیں۔
قطب الدین ان پریشان کن خبروں کو سن کر ذرا بھی ہراسان نہ ہوا بلکہ اُس نے
بیس ہزار جانباز سپاہیوں کا اپنی فوج سے انتخاب کیا اور اس جرار لشکر کو ساتھ
لے کر قطب الدین جھترائے کے مقابلے کے لیئے آگے بڑھا۔ جھترائے قطب الدین
کی آمد کی خبر سنتے ہی اجمیر بھاگا قطب الدین نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور
جھترائے کے اجمیر پہنچتے ہی اُس کے سر پر سوار ہوگیا۔ ہیمراج راجہ اجمیر شہر سے
باہر نکلکر قطب الدین کے مقابلے میں صف آرا ہوا لیکن دشمن سے شکست کھاکر
میدان جنگ میں ہلاک ہوا اور اجمیر پر دوبارہ اسلامی قبضہ ہوگیا۔ اور ہندوؤں کا
یہ مرکزی شہر ہمیشہ کے لیئے مسلمان حاکموں کا صدر مقام قرار پایا۔ ۵۹۱ھ میں
قطب الدین نے نہروالہ پر فوج کشی کی۔ بھیم دیو راجہ نہروالہ کا سپہ سالار مسمی
جیتوان جو حصار نہروالہ کے نیچے خیمہ زن تھا اسلامی لشکر کے پہونچنے کی خبر سن کے
قلعہ چھوڑ کر بھاگا۔ قطب الدین نے جیتوان کا پیچھا کیا اور تھوڑی دور پر اُسے

جا پکڑا ۔ جیتوان نے بدحواسی کے عالم میں قطب الدین سے لڑائی شروع کر دی لیکن میدان جنگ میں قطب الدین کے ہاتھ سے مارا گیا ۔ جیتوان کے قتل کی خبر سن کر بھیم دیو نہر والہ سے بھاگا اور اپنی حکومت کے سرحدی مقام پر کسی جگہ اس نے پناہ لی ۔ قطب الدین نے بیشمار مال غنیمت لے کر نہر والہ سے کوچ کیا اور جلد سے جلد ہانسی پہنچا ۔ ہانسی پہنچکر قطب الدین نے قلعہ کی تعمیر کی اور کہرام کو فتح کرتا ہوا دہلی آیا ۔ اسی درمیان میں حوالی رنتھنبور کے حاکم قوام الملک رکن الدین حمزہ نے قطب الدین کو خبر دی کہ راجہ اجمیر کا بھائی جو شکست کھا کر جنگل میں بھاگ گیا تھا پھر کچھ فوج جمع کر کے ہانسی پر حملہ آور ہوا ہے اور راجہ کولہ کا اس نے محاصرہ کر لیا ہے ۔ چونکہ راجہ کولہ اسلامی باجگذار تھا قطب الدین نے فوراً اس کی مدد پر کمر باندھی اور فوج ہمراہ لے کر ہانسی روانہ ہوا ۔ ہندو راجہ قطب الدین کی آمد کی خبر سن کر فرار ہوا کولہ نے قلعے سے نکل کر کچھ نقدی دولت اور تین زرین خیمے قطب الدین کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کئے ۔ قطب الدین کولہ کے ہدیے کو قبول کر کے پھر دہلی واپس آیا ۔ کتاب تاج المآثر میں جو قطب الدین ہی کے نام پر معنون اور اسی کے حالات پر مشتمل ہے لکھا ہے کہ اجمیر پر دوبارہ قبضہ کر کے قطب الدین نے نہر والہ اور رنتھنبور کو فتح کیا ۔ ان فتوحات کے بعد قطب الدین دہلی واپس آیا دہلی پہنچکر اس نے ایک عریضہ سلطان شہاب الدین کی خدمت میں بھیجا جس میں قطب الدین نے اپنی فتوحات کے مفصل حالات درج کئے ۔ شہاب الدین اپنے بادشاہ سطوت غلام کے کارناموں سے اس قدر خوش ہوا کہ مشتاق دیدار ہو کر اس کو غزنی طلب کیا ۔ قطب الدین نے فرمان شاہی پاتے ہی غزنی کا رخ کیا اور تھوڑے دنوں میں شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۔ بادشاہ نے قطب الدین کو شاہی انعام و اکرام سے مالامال کر کے ہندوستان واپس جانے کی اجازت دی ۔ قطب الدین پابہ رکاب ہی تھا کہ دفعتہً بیمار ہو گیا اس بیماری میں اس کے جان کے لالے پڑ گئے لیکن مالک کی دعا اور شاہی طبیب کی دوا سے پھر صحیح و تندرست ہو کر ہندوستان کی طرف چلا ۔ کرمان پہنچکر قطب الدین نے کچھ دنوں وہاں قیام کیا اور شہاب الدین کے حکم کے

مطابق تاج الدین یلدوز کی بیٹی سے نکاح کرکے دہلی روانہ ہوا۔ دہلی پہنچ کر قطب الدین نے اسلامی طرز کے مطابق شہر کی آئینہ بندی کی اور جشن عشرت منعقد کرکے درباریوں اور دوسرے حقداروں کو انعام واکرام سے مالا مال کیا ۵۹۲ھ ہجری میں قطب الدین کی بناکردہ جامع مسجد دہلی میں بالکل تیار ہوگئی۔ قطب الدین نے خانۂ خدا کو تیار کرکے بیانہ کے قلعے کے سر کرنے کے تیاریاں شروع کردیں لیکن ہنوز دہلی کے باہر قدم نہ رکھا تھا کہ شہاب الدین غوری کی آمد کی خبر اُس کے کانوں تک پہنچی۔ قطب الدین نے بیانہ کی تسخیر تھوڑے دنوں ملتوی کی اور شہاب الدین کے استقبال کے لئے ہانسی روانہ ہوا شہاب الدین نے بھی قطب الدین کو اسپ وخلعت سے سرفراز فرمایا حسن اتفاق سے شہاب الدین کے اس سفر کا مقصد بھی وہی تھا جو قطب الدین کے مرکوز خاطر تھا۔ آقا اور خادم دونوں ساتھ ساتھ بیانہ کی تسخیر کے لئے ہانسی سے روانہ ہوئے۔ بیانہ کا قلعہ سر ہوا اور شہاب الدین نے وہاں کی حکومت اپنے ایک ترکی غلام بہاء الدین طغرل کے سپرد کی۔ بادشاہ کو بیانہ میں چھوڑ کر قطب الدین نے گوالیار کا رخ کیا۔ گوالیار کا راجہ سلکمن نام برسرپیکار نہ ہوا بلکہ اسلامی طاقت کا اندازہ کرکے بیش قیمت تحفے قطب الدین کی خدمت میں پیش کئے اور سالانہ خراج دینا قبول کیا۔ بیانہ اور گوالیار کے فتح کے بعد شہاب الدین نے غزنی کا سفر کیا اور قطب الدین دہلی واپس آیا۔ قطب الدین دہلی پہنچا ہی تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ نتران کے راجپوت نہر والہ کے راجہ سے مل گئے ہیں اور ہندوؤں کی اس متفقہ فوج کا ارادہ ہے کہ اجمیر پر حملہ کرکے اس کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال لیں۔ نہر والہ کا لشکر ابھی پہنچا بھی نہ تھا کہ قطب الدین نے نتران پہنچکر راجپوتوں سے لڑائی چھیڑ دی۔ اس لڑائی میں قطب الدین کا گھوڑا زخمی ہوکر گرا سردار کے گرتے ہی اسلامی سپاہیوں کے دل ٹوٹ گئے۔ سپاہیوں نے بڑی مشکل سے قطب الدین کو دوسرے گھوڑے پر سوار کیا اور اجمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ ہندو اپنی اس فتح کی خوشیاں مناہی رہے تھے کہ نہر والہ کا لشکر بھی اُن کی مدد کو پہنچ گیا۔ ہندوؤں کے یہ دونوں لشکر آگے بڑھے اور اجمیر سے تین کوس کے

فاصلے پر خیمہ زن ہوئے ہندو فوجوں نے کئی مہینے لگاتار لڑائی کا سلسلہ جاری رکھا اسی درمیان میں قطب الدین کی مجبوری اور ہندوؤں کی شورہ پشتی کی خبر شہاب الدین غوری کے کانوں تک پہنچی۔ شہاب الدین نے فوراً اسلام خان اسد الدین۔ ارسلان خلج۔ نصیر الدین حسین۔ اعز الدین۔ مویدا و رشرف الدین وغیرہ نامی امیروں کو ایک جرار لشکر کے ساتھ قطب الدین کی مدد کے لئے ہندوستان روانہ کیا۔ یہ جانباز لشکر غزنی سے ہندوؤں کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھا اُدھر جاٹوں نے ان راجپوتوں کے ہاتھ پاؤں سرد کر دئے۔ ہندوؤں نے زیادہ ٹھہرنا مصلحت نہ سمجھا اور اُن کی فوج کا ہر گروہ اپنے اپنے اصل مقام کو واپس گیا۔ قطب الدین کو اس نئی فوج کی آمد اور ہندوؤں کی واپسی سے بڑی تقویت ہوئی اور اُس نے ہندو دشمنوں کی سرکوبی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ قطب الدین کا سب سے بڑا دشمن گجرات کا راجہ تھا اس لئے اس نے پہلا دھاوا اسی راجہ پر کیا۔ صفر ۵۹۳ھ ۱۱۹۶ء میں قطب الدین اجمیر سے نہر والہ روانہ ہوا۔ راستے میں ہوتلی اور نزول کے قلعے سر کرتا ہوا قطب الدین آگے بڑھ رہا تھا کہ اُس نے سنا کہ دالن والیسی راجپوت نے نہر والہ کے راجہ سے سازش کر لی ہے اور اسلامی لشکر کا سد راہ ہو کر ابوگڈھ کے قلعے کے نیچے اور بلدہ سروہی کے مضافات میں لڑنے کو تیار رہے۔ قطب الدین نے ہندوؤں کے اس لشکر ہی طرف رُخ کیا۔ اور دروں اور جانگداز راستوں سے راہ طے کرتا ہوا ہندوؤں پر حملہ آور ہوا اور ایسی شمشیر زنی کی کہ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے پچاس ہزار آدمی قتل ہو گئے قطب الدین نے اپنی پہلی شکست کا پورا بدلہ لیا اور بیس ہزار لونڈی غلام اور بشیمار مال غنیمت حاصل کر کے گجرات کی طرف بڑھا۔ گجرات پہنچکر قطب الدین بے دھڑک شہر میں داخل ہوا اور جی کھول کر اُس نے شہر کو لوٹا۔ قطب الدین نے شہر کو خوب تاراج کر کے نہر والہ کی حکومت اپنے ایک نامی امیر کے سپرد کی اور خود اجمیر ہوتا ہوا دہلی واپس آیا۔

دار الخلافت پہنچکر قطب الدین نے چند خوبصورت کنیزیں اور غلام اور بیش قیمت تحفے شہاب الدین کی خدمت میں غزنی روانہ کئے اور دہلی میں

ایک بہت بڑا جشن فتح منعقد کر کے اس عالی حوصلہ صوبہ دار نے عام نوابوں اور درباریوں کو خلعت اور انعامات سے اور فقرا اور مساکین کو صدقہ اور خیرات سے مالامال کر دیا۔ ۵۹۹ھ میں قطب الدین نے کالنجر پر حملہ کیا کالنجر کا راجہ بھی قطب الدین کے مقابلے میں صف آرا ہوا ہندو راجہ قطب الدین سے شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا۔ اس انجام بین راجہ نے مال کار پر غور کیا اور اپنی اس بے محل جسارت پر بہت نادم ہوا اور اپنے اسلاف کے طریقہ پر عمل کیا اور جس طرح کہ اس کے بزرگ سلطان محمود کے باجگذار تھے اسی طرح وہ خود بھی قطب الدین کا باجگذار ہو گیا جس روز صبح کو راجہ تحفے اور ہدیے لے کر قطب الدین کی بارگاہ میں آنے والا تھا اس سے ایک شب قبل راجہ نے دفعتہً وفات پائی اور سلجھا ہوا معاملہ تھوڑے دنوں کے لئے پھر الجھ کر رہ گیا۔ راجہ کے وکیل مسمی جدہ دیو نے اپنے مالک کے طرز عمل پر چلنا پسند نہ کیا قلعہ کے استحکام پر مغرور ہو کر جدہ دیو نے قطب الدین کے مقابلے میں جارحانہ اور مدافعانہ ہر طرح کی کارروائیاں شروع کر دیں۔ چونکہ قطب الدین کا ستارۂ اقبال عروج پر تھا اور اس کے دشمن کے برے دن آ چکے تھے دفعتہً چشمہ خشک ہو گیا۔ اہل قلعہ نے پانی کی مصیبتوں سے تنگ آ کر قطب الدین سے امان طلب کی اور قلعے پر اسلامی قبضہ ہو گیا۔ کالنجر کے خزانے پر قطب الدین نے قبضہ کیا اور پچاس ہزار قیدیوں کو گرفتار کر کے سبھوں کو مسلمان کیا۔ کالنجر کو فتح کر کے قطب الدین نے مہوبہ پر جو بلدہ کالپی کا دارالخلافت تھا دھاوا کیا۔ مہوبہ کے قلعے کو سر کر کے اسلامی لشکر نے بداؤن کا رخ کیا اور اس شہر کو بھی فتح کر کے قطب الدین نے چاہا کہ آگے بڑھے کہ بہار سے محمد بختیار خلجی اس کی خدمت میں پہنچا۔ بختیار خلجی نے بیش قیمت تحفے اور طرح طرح کے جواہرات قطب الدین کی خدمت میں پیش کئے قطب الدین نے اب زیادہ آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور دہلی واپس آیا خوارزم کے حادثہ کے بعد شہاب الدین غوری کھکروں کی سرکوبی کے لئے پھر ہندوستان آیا قطب الدین اور شمس الدین التمش بادشاہ کے ہمرکاب ہوئے بادشاہ کے ان دونوں چہیتے غلاموں نے جس مردانگی اور دلیری کے ساتھ کھکروں کو شکست دی

وہ شہاب الدین کے تذکرے میں مفصّل مرقوم ہے۔ گکھڑوں کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کرکے قطب الدین دہلی واپس آیا اور شہاب الدین غزنی روانہ ہوا۔ راستے میں شہاب الدین شہید ہوا اور اس کا بھتیجا سلطان محمود بن سلطان غیاث الدین غورستان کے تخت حکومت پہ بیٹھا۔ سلطان محمود نے چچا سے بھی زیادہ قطب الدین کی عزت افزائی کی۔ محمود نے تخت پہ بیٹھتے ہی قطب الدین کو ملک سلطان بنا دیا اور خط آزادی کے فرمان کے ساتھ ہی ساتھ چتر اور امارت بادشاہی کے لوازمات بھی اس کے لئے ہندوستان روانہ کئے۔ قطب الدین نے اس خلعت اور فرمان کا لاہور تک استقبال کیا اور اپنے مالک کے گھرانے سے اپنی وفاداری کی یہ قدر دیکھ کر پھولا نہ سمایا۔ محمود کا خلعت لے کر قطب الدین نے اٹھارویں ذلیقعدہ سنہ ۶۰۲ھ میں بمقام لاہور تخت سلطنت پہ جلوس کیا۔ اپنی خود مختاری اور محمود غوری کے فرمان کا عام اعلان کرکے قطب الدین لاہور سے دہلی واپس آیا۔ قطب الدین کے لاہور سے ہٹتے ہی تاج الدین یلدوز کو تسخیر پنجاب کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ تاج الدین نے غزنی سے لاہور پہ دھاوا کیا۔ اور وہاں کے حاکم کو شہر بدر کرکے خود لاہور پر قابض ہو گیا۔ قطب الدین اس خبر کے سنتے ہی لاہور پہنچا۔ سنہ ۶۰۳ھ میں شہاب الدین کے پروردہ نعمت ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہوئے۔ ایک شدید معرکہ کے بعد تاج الدین کو شکست ہوئی۔ تاج الدین میدان جنگ سے بھاگا اور توران و کرمان ہوتا ہوا کوہستانی ممالک میں جا چھپا۔ قطب الدین معرکہ سر کرنے کے بعد غزنی پہنچا۔ غزنی کے تخت سلطنت پہ جلوس کرکے قطب الدین نے مجلس عشرت منعقد کی اور دشمن کے خیال اور آسمانی گردش سے بالکل بے خبر ہو کر ساغر و شراب کے شغل میں دن و رات زندگی بسر کرنے لگا۔ اہل غزنی قطب الدین سے زیادہ تاج الدین کے بہی خواہ تھے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ قطب الدین بادہ نوشی میں سرشار اور دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہے تو تاج الدین کے عزیزوں اور بہی خواہوں نے اسے تمام حالات کی اطلاع دے کر غزنی پہ دھاوا کرنے کی صلاح دی۔ تاج الدین پہلے ہی سے اس تاک میں تھا غزنوی سرداروں کا خط پاتے ہی وہ ایک جرار لشکر

لیکر غزنی پر حملہ آور ہوا۔ تاج الدین کے سر پر پہنچتے ہی قطب الدین کی آنکھیں کھلیں لیکن اب وقت اتنا نہ رہا تھا کہ قطب الدین اپنے زبردست حریف سے لڑنے کے لئے تیار ہو۔ اس بدحواسی میں قطب الدین سنگ سوراخ کی راہ سے شاہی محل سے نکل کر بھاگا اور لاہور پہنچکر اُس نے دم لیا۔ قطب الدین کو یلدوز کی طرف سے ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا دشمن کو دست درازی سے روکنے کے لئے قطب الدین نے چند سال لاہور میں قیام کیا اور اپنی فطری جود و سخاوت سے اہل لاہور کو شاہی انعامات سے مالا مال کرتا رہا۔ سنہ ۶۰۷ھ میں ایک دن قطب الدین چوگان بازی کر رہا تھا۔ اتفاقاً وہ گھوڑے سے گرا زین کا کوہہ گھوڑے کی پیٹھ سے پھسل کر قطب الدین کے سینے پر آپڑا۔ قطب الدین نے اسی ضرب سے وفات پائی۔

دہلی کے سنہ فتح سے لیکر آخر عمر تک تین سال کچھ مہینے قطب الدین نے ہندوستان پر حکومت کی۔ اس مدت حکمرانی میں چار برس کا زمانہ اُس کا شاہی عہد شمار کیا جاتا ہے۔ اس بادشاہ کا نام بہادری و داد و بخشش و سخاوت میں اب تک ہندوستان میں ضرب المثل ہے۔ اکثر اوقات قطب الدین لکھوکھا روپئے اپنے بہی خواہوں اور حلقہ بگوشوں کو دے دیتا تھا محتاجوں اور مستحقوں کو اُن کے حوصلے سے زیادہ انعام واکرام بخشتا تھا قطب الدین کی جود وسخا نے اُس کے نام کو لک بخش کے حاتمانہ لقب سے آج تک دنیا میں زندہ رکھا ہے۔ اس زمانے میں بھی لوگ جس شخص کو بڑا سخی سمجھتے ہیں اُسے عام طور پر کل قطب الدین یعنی قطب الدین زمانہ کہتے ہیں عہد قطبی کے مشہور فاضل بہاء الدین نے قطب الدین کی مدح میں ایک مشہور قصیدہ کہا ہے جس کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں ؎

اے بخشش لک تو درجہاں آوردہ — کاں راکف تو کار بجان آوردہ
از رشک کف تو خون گرفتہ دل کاں — ورلعل بہانہ درمیان آوردہ

چونکہ قطب الدین کے علاوہ شہاب الدین غوری کے چار غلام اور ہندوستان کے فرمانروا ہوئے ہیں اس لئے مناسب ہے کہ اُن کا بھی تھوڑا تھوڑا حال

اس کتاب میں درج کردیا جائے۔

سلطان تاج الدین یلدوز

مورخین لکھتے ہیں کہ شہاب الدین غوری کو خدا نے صرف ایک بیٹی دی تھی اس لئے اس کو ترکی غلاموں کے خریدنے اور اُن کو فرزندانہ پرورش و پرداخت کرنے کا بڑا شوق تھا ایک دن ایک مقرب امیر نے جو بادشاہ کی خدمت میں تھوڑا بہت گستاخ تھا شہاب الدین سے کہا کہ کیا اچھا ہوتا کہ خدا بادشاہ کو کوئی اولاد نرینہ عطا کرتا تاکہ کسی ناگزیر واقعہ کے پیش آنے کے بعد وہی اولاد تخت سلطنت کی وارث ہوتی شہاب الدین نے اس امیر کو جواب دیا کہ عام طور پر بادشاہوں کے چند فرزند ہوتے ہیں جو باپ کے بعد حکومت کے مالک قرار دیے جاتے ہیں لیکن میرے کئی ہزار سعادت مند بیٹے ایسے موجود ہیں جو میرے بعد حکومت کی باگ ہاتھ میں لے کر عرصے تک میرا نام دنیا میں زندہ رکھیں گے۔ ناظرین اگر غور سے دیکھیں تو درحقیقت وہی ہوا جو اس نیک دل بادشاہ کی زبان سے نکلا تھا (تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ شہاب الدین غوری کے نازپروردہ لے پالکوں نے جس سطوت اور دبدبے کے ساتھ ہندوستان پر حکمرانی کی ہے اُس سے نہ صرف فرمانرواؤں کا بلکہ اُن کے شفیق آقا کا نام نیک بھی دنیا میں ہمیشہ کے لئے یادگار رہ گیا)

شہاب الدین کے مذکورہ بالا فرزندوں میں سے ایک سلطان تاج الدین یلدوز ہے۔ شہاب الدین نے اسے بچپن ہی کے زمانے میں ایک سوداگر سے خریدا تھا۔ تاج الدین کے حسن صورت اور پاکیزہ اخلاق نے شہاب الدین کو اس کا دلدادہ بنا دیا۔ بادشاہ کے عام نازپروردہ فرزندوں میں تاج الدین کو ایک امتیاز حاصل تھا۔ جب تاج الدین جوان ہوا تو

بادشاہ نے اس کے چہرے سے برتری اور اولوالعزمی کے نمایاں نشان دیکھ کر اُس کو اپنے نامی امیروں کے زمرے میں داخل کیا اور شیوران اور کرمان کے ممالک اُس کی جاگیر میں مقرر کئے۔ تاج الدین اپنی جاگیر میں قیام رکھتا تھا جب کبھی شہاب الدین ہندوستان پر حملہ آور ہو کر شیوران و کرمان کے راستے سے گزرتا تھا تو یلدوز ہمیشہ شاہی لشکر کی ضیافت اور مہمانداری کی خدمت بجالاتا تھا اور فوجی امیروں اور افسروں کو ایک ہزار کلاہ و قبا بطور انعام و اکرام برابر عطا کیا کرتا۔ تاج الدین یلدوز کی دو بیٹیاں تھیں بادشاہ کے حکم سے اُس نے اپنی ایک بیٹی قطب الدین ایبک کو اور دوسری ناصر الدین قباچہ کو بیاہ دی۔ ان بیٹیوں کے علاوہ خدا نے یلدوز کو دو فرزند بھی عطا کئے تھے۔ ان بیٹوں میں ایک نے بچپن ہی میں وفات پائی۔ اس لڑکے کی وفات کا عجیب قصہ ہے اور اس کے واقعہ موت سے خود یلدوز کے حسن سیرت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یلدوز نے اپنے اس محبوب فرزند کو ایک معلم کے سپرد کیا۔ ایک روز اُستاد شاہزادے سے خفا ہوا اور اُس نے کوڑا اٹھا کر شاہزادے کے سر پر مارا۔ چونکہ شاہزادے کا وقت آچکا تھا کوڑے کی ضرب سے فوراً اس کی روح پرواز کر گئی۔ یلدوز کو اس واقعہ کی خبر ملی اور وہ فوراً مکتب میں آیا۔ اُستاد کو اپنی حرکت پر نادم و رنجور دیکھ کر یلدوز نے معلم سے کہا کہ قبل اس کے کہ اس واقعے کی خبر شاہزادے کی ماں کو پہنچے تم جلد سے جلد اس شہر سے نکل جاؤ اور کسی دوسری جگہ اپنا قیام اختیار کرو ورنہ تمہیں بھی اس موت کی پاداش میں کنار اجل سے ہم آغوش ہونا پڑیگا معلم نے یلدوز کا شکریہ ادا کیا اور اُس کی ہدایت کے موافق کسی گوشے میں چھپ کر اپنی جان بچائی۔

جب شہاب الدین غوری اپنے آخری زمانے میں کرمان آیا تو اُس نے یلدوز کو ملبوس شاہی سے سرفراز کر کے نشان لشکر مرحمت کیا۔ شہاب الدین کا جی بھی چاہتا تھا کہ اُس کے بعد غزنی کی سلطنت کا وارث تاج الدین یلدوز ہو حسن اتفاق سے وہی ہوا جو اس نیک نیت فرمانروا کا

منشا تھا۔ جب شہاب الدین نے وفات پائی تو غزنوی اور ترکی امیروں نے
چاہا کہ سلطان محمود بن سلطان غیاث الدین کو بلاد گرم سیر سے بلا کر شہاب الدین
کا جانشین بنائیں۔ ان امیروں نے اس مضمون کی ایک عرضداشت بھی
سلطان محمود کی خدمت میں بھیجی محمود نے اس معروضہ کے جواب میں کہا
کہ مجھے میرا آبائی ملک فیروزکوہ تمام دنیا سے زیادہ عزیز اور بہتر ہے میں
اس کو چھوڑ کر غزنی آنا نہیں چاہتا۔ ان امیروں کو خط کا جواب دے کر
سلطان محمود نے خط آزادی کے ساتھ حکومت غزنی کا فرمان تاج الدین
یلدوز کے نام روانہ کیا اور اس طرح گویا اپنے مرحوم چچا کا منشا پورا کیا۔
سلطان محمود کا فرمان پاتے ہی تاج الدین یلدوز نے غزنی کے تخت سلطنت
پر جلوس کیا اور اطراف و جوانب کے شہروں پر بھی پورا قبضہ کر کے مہمات سلطنت
کے انجام دینے میں مشغول ہوا تھوڑے دنوں بعد تاج الدین کے سر میں
فتوحات ہندوستان کا سودا سمایا اور اس نے لاہور پر لشکر کشی کی قطب الدین
ایبک نے تاج الدین کا مقابلہ کیا حدود پنجاب میں ایک سخت معرکہ کے بعد
یلدوز شکست کھا کر بھاگا اور غزنی پر بھی قطب الدین کا قبضہ ہو گیا کچھ عرصے
کے بعد غزنی پر تاج الدین کا پھر قبضہ ہو گیا اپنی حکمرانی کے زمانے میں تاج الدین
نے ایک مرتبہ سلطان محمود کی مدد سے ہرات پر لشکر روانہ کیا اور اعز الدین حسین
خرمیل کو شکست دے کر اس کے مقابلے میں بھی کامیاب ہوا۔ تاج الدین
نے ایک مرتبہ سیستان پر بھی دھاوا کیا لیکن صرف محاصرے ہی کی نوبت
آئی تھی کہ بادشاہ سیستان نے یلدوز سے صلح کر لی۔ تاج الدین سیستان
سے غزنی آرہا تھا کہ راستے میں نصیر الدین میرشکار یلدوز کے مقابلے میں
صف آرا ہوا۔ اس معرکہ میں نصیر الدین کو شکست ہوئی اور یلدوز کامیاب
اور صحیح و سالم دار الخلافت واپس آیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد غزنی پر
خوارزم شاہ کا قبضہ ہو گیا اور یلدوز نے شنوران و کرمان میں پناہ لی
اور اپنی پرانی ہی جاگیر پر تھوڑے دنوں قانع رہا۔ لیکن ہندوستان کی
زرخیز سرزمین نے یلدوز کو گوشۂ قناعت میں رہنے نہ دیا۔ ممالک ہندوستان

کی فتح کا خیال خام اپنے دماغ میں پکا کر یلدوز نے التمش کے مقابلے میں لشکر کشی کی۔ یلدوز کی آمد کی خبر سن کر التمش بھی آگے بڑھا۔ ترائن کے نواح میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی میں شمس الدین کو فتح ہوئی اور یلدوز دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہوا اور اسی قید کی حالت میں اُس نے وفات پائی۔ یلدوز نو سال سلطنت کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوا۔

ناصر الدین قباچہ

اس بادشاہ کا تذکرہ سلاطین سندھ کے احوال میں کیا جائیگا۔

اختیار الدین محمد خلجی

اس فرمانروا کے حالات سلاطین بنگالہ کے احوال میں لکھے جائنگے

بہاء الدین طغرل

بہاء الدین طغرل غورستان کا فرمانروا شہاب الدین غوری کا نامی امیر اور ممتاز غلام تھا شہاب الدین کے زمانہ حیات ہی میں مرتبہ بہ مرتبہ ترقی کرتے کرتے امارت کے عظیم الشان منصب تک پہنچ گیا تھا بہاء الدین طغرل بہت سے شاہانہ صفات اور عمدہ اخلاق کا مجموعہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ شاہی آغوش کے پروردہ فرزندوں میں طغرل کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ ۵۹۲ھ میں شہاب الدین نے بھکر کا قلعہ (جو اب بیانہ کے نام سے مشہور ہے) فتح کر کے اس کی حکومت بہاء الدین کے سپرد کی اور خود گوالیا

کی طرف بڑھا گوالیار پہنچکر شہاب الدین کو معلوم ہوا کہ معرکہ آرائی سے قلعے کا سر کرنا بہت دشوار ہے۔ شہاب الدین نے تیغ زنی سے ہاتھ اٹھاکر قلعے کا محاصرہ کیا اور تھوڑے دنوں لگاتار محاصرے کی سختیوں پر اضافہ کرتا رہا۔ قلعہ بندی کی مصیبتوں سے تنگ آکر گوالیار کے دور اندیش ہندو راجہ نے شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر قیمتی اور گراں بہا تحفے پیش کئے اور شہاب الدین کو اپنی حدود سلطنت سے واپس کر دیا۔ شہاب الدین تو نذرانہ کی بیش بہا رقم حاصل کر کے غزنی روانہ ہو گیا لیکن طغرل نے بیانہ میں ایک مضبوط قلعہ بنا کر وہیں سکونت اختیار کی۔ شہر کے محاصرے سے دست بردار ہو کر طغرل اکثر اوقات بیانہ سے حدود گوالیار پر حملہ کر کے قرب و جوار کے شہروں کو تاخت و تاراج کیا کرتا تھا۔ اس لوٹ مار کی بڑی وجہ یہ بھی کہ شہاب الدین چلتے وقت طغرل سے کہہ گیا تھا کہ اگر گوالیار کا قلعہ فتح ہو جائے گا تو بیانہ کی طرح وہاں کی حکومت بھی طغرل کے سپرد کر دی جائے گی۔ طغرل نے ایک عرصے تک لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھا لیکن اس تاراجی سے قلعے کی بنیاد نہ ہلی اور ہندو اسی طرح پناہ گزیں رہے۔ طغرل نے یہ دیکھکر کہ اب دست و برد سے کام چلنا مشکل ہے گوالیار سے دو کوس کے فاصلے پر ایک جدید اور مضبوط قلعہ بنایا اور اپنی فوج کے ساتھ اسی قلعے میں قیام پذیر ہوا۔ طغرل نے شہر کے گرد و نواح پر ایک سال کامل دھاوے کئے اور اہل قلعہ کو بالکل عاجز اور مجبور کر دیا۔ قلعہ کے باشندوں نے طغرل کی سختیوں سے بیزار ہو کر اپنے چند قاصد بیش قیمت تحفے کے ساتھ قطب الدین ایبک کے پاس بھیجے اور قلعہ اس کے سپرد کر دیا۔ طغرل کو جب یہ معلوم ہوا کہ قلعے پر اس کے رقیب قطب الدین کا قبضہ ہو گیا تو رقابت کی آگ حسد کی ہیزم کشی سے اور زیادہ مشتعل ہوئی۔ طغرل اور قطب الدین کی عداوت نے یہانتک طول کھینچا کہ قریب تھا کہ ایک ہی آغوش تربیت کے دو پروردہ نعمت آقا میدان جنگ میں آکر ایک دوسرے کے خون سے حسد کی بھڑکی ہوئی

کو بجھائیں کہ دفعتاً موت نے طغرل کو کنار لحد میں سلا کر اس عظیم الشان جھگڑے کا خاتمہ کر دیا۔ سلطان کوٹ کا مشہور حصار بہاء الدین طغرل کی یادگار اب تک موجود ہے۔

آرام شاہ قطب الدین ایبک

قطب الدین کی وفات کے بعد آرام شاہ نے امرائے سلطنت کے اتفاق رائے سے باپ کی جگہ تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

آرام شاہ میں چونکہ جہانداری کی قابلیت بالکل نہ تھی ایک ہی سال کے اندر قطبی نظام سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ملک میں ایسی طائف الملوکی پھیلی کہ ایک طرف تو ناصر الدین قباچہ نے سندھ پہنچکر ملتان۔ اوچہ۔ بکھر اور سیوران وغیرہ نامی شہروں پر قبضہ کر لیا اور دوسرے طرف بنگال میں خلجی امیروں نے مطلق العنانی اختیار کی مسلمان امیروں کی خودسری دیکھکر بعض ہندو راجہ بھی خود مختاری کا دم بھرنے لگے اور سلطنت کے ہر علاقہ کے ہر مقام پر فتنہ اور فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ بادشاہ کی ناقابلیت اور سلطنت کی ابتری دیکھ کر امیر علی اسمٰعیل۔ امیر داؤد دیلمی وغیرہ نامی امیر جو آرام شاہ کے بہی خواہ اور اس کی جانشینی کے بانی تھے اپنی ناعاقبت اندیشی پر بہت پشیمان ہوئے۔ ان امیروں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ آرام شاہ کو حکومت سے معزول کریں اور شمس الدین التمش کو جو قطب الدین کا داماد اور پروردہ نعمت فرزند تھا بدایوں سے دہلی بلاکر قطب الدین کا جانشین بنائیں۔ امیروں نے شمس الدین کو خط لکھکر اسے دہلی بلایا۔ شمس الدین ان امرا کا خط پاتے ہی دہلی پہنچا اور سلطنت پر قابض ہوگیا۔ آرام شاہ ان امیروں کے ارادے اور شمس الدین کے آنے کی خبر سے مطلع ہوکر شہر سے باہر نکل کر نواح دہلی میں مقیم تھا۔ شمس الدین کی حکومت کی خبر پاتے ہی آرام شاہ نے اپنے باپ کے بہی خواہ افسروں اور سپاہیوں کو طلب کیا اور ان سے

مدد مانگی۔ قطب الدین کے چند امیر آرام شاہ کی مدد پر آمادہ ہو گئے۔ آرام شاہ ایک جرار لشکر ہمراہ لے کر دہلی پر حملہ آور ہوا۔ شمس الدین نے دہلی کے میدان جنگ میں آرام شاہ کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں شمس الدین کو فتح ہوئی اور آرام شاہ میدان جنگ سے بھاگا۔ اس فتح کے بعد التمش ہندوستان کا مستقل فرمانروا ہو گیا۔ آرام شاہ نے کچھ کم ایک سال حکمرانی کی۔

سلطان شمس الدین التمش

طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ شمس الدین التمش [۱۶۸] ترکان قراختائی کے ایک بڑے گھرانے کا فرزند ہے۔ التمش کا باپ مسمی ایلم خان قبیلہ البری کا سردار تھا ایلم خاں نے اپنی ثروت و دولت اور نیز اپنے حاشیہ نشینوں اور خدمت گاروں کی کثرت کی وجہ سے اطراف و نواح میں خاصی شہرت حاصل کر لی تھی (التمش کی صورت و سیرت کی خوبیوں نے ایلم خاں کو اپنے تمام بیٹوں میں التمش ہی کا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ایلم خاں کی یہ محبت اس کے دوسرے بیٹوں اور پوتوں کو اچھی نہ معلوم ہوئی۔ التمش کے حاسدوں نے بھی اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو برادران یوسف نے پیغمبر کنعان کے محبوب فرزند کے ساتھ کیا تھا) التمش کے بھائیوں یا بھتیجوں نے اس یوسف ترکستان کو بھی گلہ بانی کے بہانے سے یعقوب البری کے کنار محبت سے جدا کر کے ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ سوداگر التمش کو بخارا لے گیا اور اس نے صدر جہاں بخاری کے ہاتھ معقول رقم پر فروخت کیا۔ تھوڑے دنوں التمش اس کے گھر میں ناز و نعمت سے پرورش پاتا رہا لیکن تقدیر نے اسے صدر جہاں کی آغوش سے بھی جدا کر کے ایک سوداگر مسمی حاجی جمال الدین صاحب چست قبا کے حوالے کیا۔ حاجی جمال التمش کو غزنی لایا۔ چونکہ اس وقت تک اہل غزنی نے التمش کا سا کوئی

خوبرو ترکی غلام نہ دیکھا تھا سوداگر کے پہنچتے ہی التمش کے حسن و جمال کا
غزنی میں ہر جگہ چرچہ ہونے لگا۔ شاہی درباریوں نے التمش کا ذکر
شہاب الدین غوری سے بھی کیا۔ شہاب الدین نے التمش کی قیمت مقرر
کرنے کا حکم دیا۔ حاجی جمال کے پاس التمش کے علاوہ ایبک بھی تھا دونوں
غلاموں کی قیمت دو ہزار دینار آنکی گئی۔ شہاب الدین نے ایک ہزار دینار
پر دونوں کو خریدنا منظور کیا۔ حاجی جمال نے اپنے غلاموں کو اس قیمت
پر بیچنے سے انکار کیا۔ شہاب الدین نے سوداگر کے گستاخانہ انکار سے
خفا ہو کر حکم دے دیا کہ کوئی شخص ان غلاموں کو نہ خریدے۔ حاجی جمال
ایک سال غزنی میں ٹھہر کر بے نیل مرام بخارا واپس آیا۔ تھوڑے دنوں
بخارا میں قیام کرکے حاجی جمال نے دوبارہ غزنی کا رخ کیا حاجی کے
شہر میں پہنچتے ہی اہل غزنی پھر التمش کے گھر کا طواف کرنے لگے ہر دولتمند
یہی چاہتا تھا کہ التمش کو اپنے کنار عاطفت میں پائے لیکن بادشاہ کے
خوف سے کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حاجی سے بیع و شرا کی کچھ گفتگو کرے
حاجی جمال بیچارہ خوف سے دم بخود تھا کہ دفعتاً التمش کا ستارۂ اقبال چمکا
اور قطب الدین ایبک راجہ نہروالہ کو شکست دے کر نصیر الدین خرمیل کے
ہمراہ غزنی آیا۔ قطب الدین نے التمش کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر
شہاب الدین سے اُس کے خریدنے کی اجازت چاہی۔ شہاب الدین
نے کہا کہ چونکہ میں نے ایک بار اس غلام کو خریدنے سے لوگوں کو منع کر دیا ہے
اب میرے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ اپنی بات کو بدلوں اور غزنی کے بازار میں
غلام کے بکنے کی پھر اجازت دوں۔ سوداگر دہلی جاکر تمہارے ہاتھ اپنی گراں بہا
جنس کی سوداگری کرے۔ سلطان قطب الدین نے تھوڑے دنوں غزنی
میں قیام کیا اور نظام الدین وزیر کو بعض اہم کام انجام دینے کے لئے وہاں
چھوڑ کر خود دہلی واپس آیا۔ غزنی سے چلتے وقت قطب الدین نے وزیر
سے تاکید کر دی کہ اپنے ہمراہ حاجی جمال کو بھی دہلی لیتا آئے۔ نظام الدین
غزنی کے کار سلطنت کو انجام دے کر حاجی کے ہمراہ دہلی آیا۔ قطب الدین نے

حاجی جمال کے دونوں ترکی غلاموں کو ایک لاکھ جیتل کے عوض خرید کیا قطب الدین نے ایبک کا نام طغاخ رکھا اور دوسرے کو التمش کے نام سے موسوم کیا ایبک کو تو قطب الدین نے امیر بھٹنڈہ مقرر کیا اور التمش کو اپنا بیٹا بنا کر مقرب درباریوں میں داخل کیا۔ ایبک قطبی یلدوزی جنگ میں قطب الدین کی طرف سے لڑکر معرکہ جنگ میں کام آیا التمش اپنے مالک کے کنار عاطفت میں رہا اور میر شکار کے مرتبے پر فائز ہوا۔ قطب الدین کو التمش پر اتنا بھروسہ ہو گیا کہ گوالیار کو فتح کر کے اس نے وہاں کی حکومت بھی التمش کے سپرد کر دی تھوڑے دنوں بعد التمش برن اور اس کے نواح کا جاگیر دار ہو کر بداؤن کا حاکم مقرر کیا گیا۔ جب شہاب الدین غوری کھکروں کی سرکوبی کے لئے ہندوستان آیا تو قطب الدین بھی شاہی حکم سے ایک جرار لشکر کے ساتھ شہاب الدین کی مدد کے لئے پنجاب روانہ ہوا۔ قطب الدین کی روانگی پنجاب کی خبر التمش نے بھی سنی اور اپنی بداون کی جرار فوج کو اپنے ہمراہ لے کر جلد سے جلد پہنچ گیا اور خود بھی قطب الدین کے ہمراہ روانہ ہوا پنجاب کی اس لڑائی میں التمش نے اپنی فطری بہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے اور یہ ثابت کر دیا کہ اسلامی لشکر کے فوجی افسروں میں اس ترکی نژاد اور نوعمر امیر کا کوئی ہمسر نہیں۔ کھکروں کی فوج دریا کے اس پار تھی اور ہندو سپاہیوں پر اسلامی لشکر کا کچھ قابو نہ چلتا تھا۔ التمش نے مردانہ وار دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور دریا کو پار کر کے دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ شمسی تلوار کی گرم بازاری سے اس لڑائی میں دس بارہ ہزار ہندو کام آئے۔ اور کھکروں کی فوج پسپا ہو کر میدان سے بھاگی۔ شہاب الدین نے التمش کی جوانمردی دیکھ کر اسے شاہی انعامات عطا کئے اور قطب الدین سے سفارش کی کہ التمش کا خط آزادی لکھ کر آزادی کا اعلان کرے اور بہترین طریقہ پر التمش کی تربیت کی جائے۔ قطب الدین نے اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کی اور التمش کی گردن طوق غلامی کے بوجھ سے ہمیشہ کے لئے ہلکی کر دی التمش نے درجہ بدرجہ ترقی کر کے بہت جلد امیر الامرائی کا عظیم الشان مرتبہ حاصل کیا

قطب الدین ایبک کو خدا نے تین بیٹیاں دی تھیں جن میں ایک التمش کو بیاہی گئی اور دو نوبت بہ نوبت ناصر الدین قباچہ کے حبالہ عقد میں آئیں۔ قطب الدین کی وفات کے بعد امرائے دہلی نے التمش کو تخت نشینی کے لئے دہلی آنے کی دعوت دی۔ التمش بدایون کے اعیان ملک اور لشکر کے ساتھ دہلی آیا اور تخت سلطنت پر جلوس کر کے شمس الدین کے خطاب سے موسوم ہوا۔ التمش ۶۰۷ھ میں تخت پر بیٹھا اور تخت سلطنت پر قدم رکھتے ہی اُس نے قطبی عہد کے امیروں اور درباریوں کو رعایت اور مہر انگیز برتاؤ سے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ گزشتہ عہد کے تقریباً تمام امیر التمش کا کلمہ پڑھنے لگے صرف جاندار[162] دں کا سردار البتہ نخوت کے نشہ میں سرشار بغاوت انگیزی کا جویا رہا۔ اس سردار نے چند معزی اور قطبی امیروں کو اپنے سیاسی جال میں پھانس کر دہلی کے اطراف سے ایک اچھی خاصی جمعیت اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لی۔ اور نواح دہلی کے ایک میدان میں آکر التمش کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ چونکہ التمش کے سر پر اقبال سایہ فگن تھا جاندار کو شکست ہوئی جاندارو کے دو ترکی افسر اقسنقر اور فرخ شاہ میدان جنگ میں کام آئے۔ ترکی جاندارو کا سردار اپنے خاص مصاحبوں کو ساتھ لے کر لڑائی کے میدان سے بھاگا شمسی افسروں نے ان باغیوں کا پیچھا کیا اور تھوڑے ہی زمانے میں اُن سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا۔ اس فتح کے بعد التمش کا کوئی دشمن نہ رہا اور سلطنت ہمیشہ کے لئے مدعیان حکومت کے خرخشوں سے پاک ہو گئی۔

اسی زمانے میں جالور[163] کے حاکم مسمی اڈیبہ نے بغاوت کی۔ اڈیبہ نے مقررہ خراج کی رقم دینے میں تساہلی کی اور اس کے تیور سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ عنقریب شاہی قوت کا مقابلہ کرنے والا ہے۔ التمش نے مالوا پر لشکر کشی کی اور راجہ کو مغلوب کر کے اُسے اپنا مطیع اور باجگزار بنایا۔ اڈیبہ سے رقم خراج اور پیشکش لے کر التمش دہلی آیا۔ اس فتح کے بعد سلطان تاج الدین یلدوز نے جو محمود غوری کے فرمان پر غزنی کا فرمانروا تسلیم کر لیا گیا تھا چتر و

علم التمش کے لئے ہندوستان بھیجا۔ التمش نے حکومت غزنی کے پاس ادب کے خیال سے یلدوز کے ان عطیوں کو بسروچشم قبول کیا۔ اس واقعے کے تھوڑے دنوں بعد یلدوز نے خوارزمی فوج سے شکست کھائی اور کرمان و شیوران میں پناہ گزین ہوکر ہندوستان کی زرخیز زمین پر نگاہ دوڑائی ۶۱۲ھ میں یلدوز نے پنجاب اور تھانیسر پر اپنا قبضہ کرلیا۔ ہندوستان کے سرحدی ممالک پر قابض ہونے کے بعد یلدوز نے چند قاصد التمش کے پاس بھیجے یلدوز نے ان قاصدوں کی زبانی التمش سے کچھ ایسی تحریک کی جس سے التمش کے نام و نمود پر حرف آنے کا قوی احتمال تھا۔ التمش یلدوز کے پیام سے غصے میں آیا اور اس نے فوراً پنجاب پر لشکر کشی کردی۔ ترائن کے حدود میں دونوں لشکروں کا مقابلہ میں ہوا۔ ایک شدید خونریزی کے بعد یلدوز کو شکست ہوئی تاج الدین کے چند نامی سردار شمسی سپاہ کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ شمس الدین یلدوز کے ہمراہ دہلی واپس آیا۔ یلدوز بدایون کے قلعے میں نظر بند کیا گیا۔ اور اس نے اسی قید میں مرض الموت یا زہر سے وفات پائی۔

۶۱۴ھ میں التمش اور اس کے ہم زلف یعنی قطب الدین ایبک کے دوسرے داماد ناصر الدین قباچہ میں لاہور کے ایک حصے کے بابت جھگڑا ہوا۔ اس جھگڑے نے یہاں تک طول کھینچا کہ دریائے پنجاب کے کنارے اور منصوریہ کے نواح میں دونوں رقیبوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ ہوا اس لڑائی میں بھی قباچہ میدان جنگ سے بھاگا اور فتح التمش کو نصیب ہوئی ۶۱۵ھ میں قباچہ نے حوالی غزنی کے ان خلجی سرداروں پر جو حوالی سندھ کو اپنی غارت گری سے تباہ اور برباد کیا کرتے تھے فتح حاصل کرلی۔ خلجی سرداروں نے قباچہ سے شکست کھاکر التمش کے دامن میں پناہ لی۔ التمش نے خلجیوں کی مدد کی اور ایک جرار لشکر لے کر قباچہ پر حملہ آور ہوا۔ ناصر الدین اس حملے کی تاب نہ لاسکا اور اپنے ملک کے کسی سرحدی مقام میں جاکر پناہ گزین ہوا التمش نے زیادہ تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا اور دہلی واپس آیا۔

۶۱۸ھ میں جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز خان کی خون آشام تلوار سے خوف زدہ ہو کر اپنے ملک سے بھاگا اور حدود لاہور میں آکر اس نے قیام کیا۔ سرحد پر خوارزم شاہ کا وجود ہر طرح خلاف مصلحت تھا۔ التمش نے خوارزم کی خبر سنتے ہی اُس پر لشکر کشی کی۔ خوارزم شاہ التمش کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکا اور اس نے سندھ اور سیوستان کی راہ لی۔ سندھ پہنچکر خوارزم اور قباچہ میں کچھ نزاع ہوئی خوارزم کو اب کوئی پناہ کی جگہ نظر نہ آئی اور کیچ اور مکران کے راستے سے وہ حدود ہندوستان کے باہر نکل گیا۔

نظام الدین بخشی اور دوسرے مورخوں نے لکھا ہے کہ جلال الدین اس وقت ہندوستان پہنچا جب دریائے سندھ کا سیلاب قباچہ کا پیمانۂ عمر لبریز کر چکا۔ لیکن ہم آگے چل کر ثابت کریں گے کہ ان مورخین کی رائے صحیح نہیں ہے۔

۶۲۲ھ میں التمش نے بہار اور لکھنوتی پر لشکر کشی کی اور سلطان غیاث الدین خلجی کو (جس کا ذکر مفصل بعد میں آئے گا) مغلوب کر کے اُسے اپنے اطاعت گزاروں میں داخل کیا۔ التمش نے بہار اور لکھنوتی میں بھی اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا اور خلجی سردار سے آٹھ زنجیر فیل اور اسی ہزار روپیہ نقد لے کر اُسے رہا کر دیا۔ التمش نے اپنے بڑے بیٹے کو ناصر الدین کا خطاب دے کر اُسے بنگال کے مشہور حصہ لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا۔ التمش نے ناصر الدین کو چتر اور دورباش عنایت کر کے اُسے تو لکھنوتی میں چھوڑا اور خود دہلی آیا۔ ناصر الدین نے جیسا کہ آگے مفصل مذکور ہوگا غیاث الدین خلجی پر فتح حاصل کر کے اُس کو قتل کیا اور بے شمار مال غنیمت خلجیوں سے حاصل کر کے اپنے اکثر ہم وطنوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ قلعہ اوچہ کی تسخیر اور قباچہ کے غرق دریا ہونے کی صحیح روایت یہ ہے کہ التمش نے اپنے حریف قباچہ کی قوت دیکھ کر اُسے دبانا چاہا اور اس پر ایک شدید حملہ کر کے اس کو قلعہ بندی پر بالکل مجبور کر دیا قباچہ نے اوچہ کا قلعہ مستحکم کر کے بھنکر میں جا کر پناہ لی۔ التمش نے نظام الدین جنیدی کو تو قباچہ کے تعاقب میں

روانہ کیا اور خود اوچہ کا محاصرہ کر کے قلعے کے سر کرنے میں سرگرم ہوا۔ اور دو مہینے بیس روز کی کوشش میں قلعے کو فتح کر لیا۔ ناصر الدین نے جب یہ حال سنا تو اس نے اپنے بیٹے علاء الدین کو التمش کے پاس بھیج کر صلح کی درخواست کی۔ اس دنیاوی صلح کی شرائط ابھی پوری نہ ہوئی تھیں کہ قباچہ کے دست و بازو ہمیشہ کے لئے معطل ہو گئے اور بھکر سے بھاگتے وقت دریا کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے اُسے غرقاب کر دیا۔ التمش کو قباچہ کے ڈوبنے کی خبر فوراً ہی معلوم ہوئی اور اس نے ناصری مقبوضات پر پورا قبضہ کر کے ۶۲۳ھ میں رنتھنبور پر لشکر کشی کی۔ رنتھنبور کی فتح کے ایک سال بعد التمش نے مندو کے قلعے پر دھاوا کیا۔ یہ قلعہ بھی مع حدود سوالک کے جلد سے جلد فتح ہو گیا۔ شمسی دور کے مشہور فاضل امیر روحانی نے جو چنگیزی عہد کی شورشوں میں بخارا سے بھاگ کر دہلی میں مقیم تھا اسی فتح کی مبارکباد میں مندرجہ ذیل اشعار موزوں کر کے التمش کے حضور میں پیش کئے تھے:-

خبر بہ اہل سما برد جبرئیل امین ز فتحنامۂ سلطان عہد شمس الدین

کہ اے ملائکہ قدس آسمان بارا بدین بشارت ببندید حلہ و آئین

کہ از بلاد سوالک شہنشہ اسلام کشاد بار دگر قلعۂ سپہر آئین

شہ مجاہد و غازی کہ دست و بازو را روان حیدر کرار میکند تحسین

۶۲۶ھ میں عرب کے مقدس قاصد التمش کے لئے بارگاہ عباسی سے جامۂ خلافت لے کر آئے۔ التمش نے اس مذہبی خلعت کے حفظ مراتب میں کوئی کمی نہیں کی۔ التمش عباسی ملبوس نیابت پہن کر اپنے جامے میں پھولا نہ سماتا تھا اور اس خوشی میں اپنے امیروں کو شمسی گرانبہا خلعتوں اور عطیوں سے مالا مال کیا اور تمام شہر میں آئینہ بندی کر کے بڑے تزک و احتشام سے جشن مسرت منعقد کیا۔ التمش اس جشن کے نشہ کے خمار ہی میں تھا کہ اپنے بڑے بیٹے ناصر الدین حاکم لکھنوتی کے دنیا سے کوچ کرنے کی خبر سنی۔ بیٹے کی ماتم داری کی۔ اور جب اس سے

فراغت پائی تو اپنے چھوٹے بیٹے کا نام ناصر الدین رکھا اور اس سے زیادہ محبت کرنے لگا۔ ۶۲۶ھ میں التمش نے دہلی سے لکھنوتی سفر کیا اور یہاں کے اُن تمام فتنوں کو جو ناصر الدین کی وفات سے ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے تھے فرد کر کے لکھنوتی کی حکومت عزت الملک ملک علاؤالدین خانی کے سپرد کی اور خود دہلی واپس آیا۔

۶۲۹ھ میں التمش نے گوالیار پر حملہ کیا اور گوالیار پہنچکر قلعے کا محاصرہ کیا اور ایک سال کامل قلعے کو گھیرے رہا قلعے کے باشندے محاصرے کی سختیوں سے تنگ آ گئے۔ ہندو راجہ دیوبل نے دیکھا کہ اب قلعہ بندی سے پناہ نہیں ملتی تو ایک رات لوگوں سے چھپکر قلعے سے بھاگ گیا۔ صبح کو رعایا نے قلعے کا دروازہ کھول دیا اور اسلامی لشکر قلعے پر قابض ہو گیا۔ مسلمانوں نے بہت سے ہندوؤں کو قید اور اُن کے مال و دولت پر قبضہ کیا ان قیدیوں میں سے تین سو اٹھتر آدمی تہ تیغ کیے گئے اور باقی رہا ہو کر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہوے اور گوالیار میں پھر اسلامی فرمانروا کا سکّہ اور خطبہ جاری ہو گیا۔ التمش کے دبیر مملکت یعنی تاج الدین ریزہ دبیر مملکت نے اس فتح گوالیار کی تہنیت میں مندرجہ ذیل رباعی نظم کی جو قلعے کے دروازے پر کندہ کرائی گئی:-

هر قلعه که سلطان سلاطین بگرفت   از عون خدا و نصرت دین بگرفت
آن قلعه گوالیار و آن حصن حصین   در سنه ثلثین و ستمایه بگرفت

۶۳۱ھ میں التمش نے مالوا پر لشکر کشی کی۔ اور مانوے کے قلعے کو فتح کر کے اُجین پر بھی پورا قبضہ کیا اور مہاکال کے بیحد مستحکم بت خانے کو جو تین سو برس میں تیار ہوا تھا اور جس کی دیوار سو گز بلند تھی مسمار کیا۔ اس بت خانے سے بکرماجیت راجہ اُجین کی ایک بے مثال تصویر اور سنگ مہاکال اور چند پیتل کے تصویریں برآمد ہوئیں التمش ہندوؤں کے ان تبرکات کو اپنے ساتھ دہلی لے آیا۔

اُجین کی سفر کی ماندگی سے آرام لے کر التمش نے ملتان کا رخ

کیا۔ ملتان کا یہ سفر بادشاہ کو راست نہ آیا اور بادشاہ کی صحت پر خراب اثر پڑنے لگا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں میں بادشاہ کو مرض الموت نے بستر مرگ پر لٹا دیا۔ ارکان سلطنت بادشاہ کو عماری پر بٹھا کر دہلی لے آئے۔ دہلی پہنچتے ہی بادشاہ کی زندگی کے دن گنے جانے لگے یہاں تک کہ بیسویں شعبان ۶۳۳ھ میں التمش نے دنیا سے رحلت کی؀

رحمت الٰہی بر سر تربت او سایہ فگن باد؀

حضرت شیخ الاسلام فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد حضرت قطب الدین بختیار اوشی علیہ الرحمۃ کے ملفوظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ التمش کو حوض شمسی بنانے کا خیال پیدا ہوا لیکن حوض کی جگہ اور اس کے رقبہ وغیرہ کے لئے التمش روزانہ حضرت قطب صاحب سے عرض کیا کرتا تھا التمش کے ذہن میں جو مقام اس ثواب جاریہ کے لئے آتا فوراً اس کو جا کر دیکھتا اور پھر کسی وجہ سے اُس کا خیال چھوڑ دیتا تھا۔ اتفاقاً ایک روز اس کا گذر اسی جگہ پر ہوا جہاں حوض شمسی اب واقع ہے التمش کو یہ مقام پسند آیا اور اس نے وہیں حوض تعمیر کرانے کا ارادہ کر لیا جس روز اس جگہ کا تعین کیا اُسی رات بادشاہ کو خواب میں حضرت سرور انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ التمش نے دیکھا کہ حضرت ختم المرسلین صلعم گھوڑے پر سوار اس سرزمین پر تشریف فرما ہیں اور التمش سے دریافت فرماتے ہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے التمش عرض کر رہا ہے کہ وہ اس مقام پر ایک حوض تعمیر کرانے کا خواہشمند ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے التمش کی التجا کو پسند فرمایا اور آنحضرت کے گھوڑے نے زمین پر لات ماری زمین سے فوراً ایک چشمہ برآمد ہوا اور اُس کا پانی زور شور سے بہنے لگا۔ التمش نے اسی قدر خواب دیکھا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی ابھی تھوڑی رات باقی تھی کہ التمش حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ادب سے سارا خواب قطب صاحب سے بیان کیا۔ حضرت فرید شکر گنج اپنے پیر و مرشد سے روایت کرتے ہیں کہ التمش اسی وقت حضرت قطب صاحب کو اپنے ہمراہ اُس جگہ لے گیا۔ قطب صاحب نے شمع

کی روشنی میں دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ پیدا ہو گیا ہے اور اس کا پانی چاروں طرف بہ رہا ہے۔ یہ حکایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ہندوستان کے دوسرے نامی مشائخ کے ملفوظات میں بھی مذکور ہے واللہ اعلم بالصواب۔

بعض مورخین خود التمش کی زبانی یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ جس زمانے میں التمش بخارا میں کنعانی زندگی بسر کر رہا تھا ایک روز اس کے مالک نے ایک رائج الوقت سکہ اس کو دے کر بازار سے انگور لانے کا حکم دیا التمش بازار جا رہا تھا کہ سکہ ہاتھ سے گر گیا ہر چند تلاش کیا لیکن گمشدہ سکہ نہ ملا۔ التمش مالک کے خوف سے ایک جگہ بیٹھ کر رونے لگا۔ ایک فقیر کا ادھر سے گذر ہوا۔ فقیر نے اپنے کشف باطن سے التمش کا حال دریافت کر لیا اور انگور خرید کر التمش کے حوالے کئے انگور دیتے وقت فقیر نے التمش سے کہا کہ اگر خدا تجھے تخت شاہی پر بٹھائے تو فقیروں اور اہل حاجت کیساتھ اسی طرح نیکی کرنا جیسے اس وقت درماندگی میں خدا نے تیری مدد کی ہے۔

بعض تاریخوں میں ایک یہ قصہ بھی خود التمش ہی کی زبانی روایت کیا جاتا ہے کہ جب التمش بغداد میں اپنی مملوکیت کا ابتدائی زمانہ بسر کر رہا تھا تو ایک دن اُس کے مالک کے گھر میں درویشان اہل حال مدعو تھے۔ مجلس سماع گرم تھی اور اہل اللہ ذوق و شوق کے ساتھ مستانہ نعرے لگا رہے تھے۔ یہ مجلس رات بھر منعقد رہی اور التمش تمام رات شمع ہاتھ میں لئے ہوئے مجلس کے پائین کھڑا رہا قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس کے صدر تھے۔ فقیروں کو التمش کی یہ خدمت بہت پسند آئی اور اُس پاک گروہ کی نظر کیمیا اثر نے اس خوش عقیدہ غلام کو خاک سے کندن بنا کر لاکھوں انسانوں کو خود اُسی کا حلقہ بگوش بنا دیا۔

التمش کے عہد حکمرانی میں اتفاق سے قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان آئے اور دہلی میں ایک جگہ قیام کر کے طالبان حق کی ہدایت اور رہنمائی میں مشغول ہوئے۔ چونکہ قاضی صاحب اہل سماع میں سے تھے قاعدہ کے موافق ان کی خانقاہ میں مجلس سماع روزانہ گرم

ہوتی تھی اور چونکہ سماع کی مجالس کا اس طرح بے دھڑک منعقد ہونا شرع کے خلاف تھا۔ علمائے ظاہر میں سے دو شخص یعنی ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین نے قاضی صاحب کی اس روش پر شرعی اعتراض کیا۔ ان علماء کو عارف ناگوری سے یہانتک مخالفت ہوگئی کہ انہوں نے التمش کو اس امر پر مجبور کیا کہ شاہی حکم کے ذریعہ سے قاضی صاحب کو اس خلاف شرع فعل سے باز رکھا جائے۔ التمش نے ان علما کے اصرار سے قاضی صاحب ناگوری کو اپنے پاس بلایا اور یہ دونوں معترض فاضل بھی قاضی صاحب سے بحث کرنے کے لئے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ ملا عماد الدین اور ملا جلال نے قاضی صاحب سے پوچھا کہ سماع شرع شریف میں حلال ہے یا حرام۔ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ یہ فعل اہل قال کے لئے حرام ہے اور اہل حال کے لئے حلال ہے۔ علما کو یہ جواب دے کر قاضی صاحب فوراً التمش کی طرف متوجہ ہوئے اور بادشاہ سے کہا کہ جہاں پناہ کو اپنے بچپن کا وہ قصہ یاد ہوگا جب آپ کے مالک کے گھر میں مجلس سماع منعقد تھی اور آپ اپنے آقا کے حکم سے شمع ہاتھ میں لئے ہوئے رات بھر اُس مجلس کے پائین کھڑے رہے۔ فقیروں کو آپ کی یہ خدمت پسند آئی اور انہیں گدا صورت بادشاہوں کے ہاتھوں خدا نے آپ کو تخت شاہی تک پہنچا دیا۔ قاضی صاحب کی زبانی یہ قصہ سنتے ہی التمش کی نگاہوں کے سامنے اُس واقعے کی پوری تصویر پھر گئی اور بادشاہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ بادشاہ نے قاضی صاحب پر بڑی نوازش کی اور بعد تعظیم و تکریم کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔ قاضی صاحب کی ملاقات کا التمش پر یہ اثر ہوا کہ مجلس سماع کو بند کرنے کے بجائے خود بادشاہ بھی قاضی صاحب کے خانقاہ میں اکثر جا کر مجلس میں بیٹھتا اور فقیروں کی صحبت سے فیضیاب ہوتا تھا۔

سلطان شمس الدین التمش مذہبی عبادت اور فرائض کا بہت پابند تھا۔ ہر جمعہ کو مسجد جامع میں حاضر ہوکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا

بادشاہ کی یہ دینداری دہلی کے فرقہ ملحدین کو بھلی نہ معلوم ہوئی۔ ایک آزار گروہ نے جس کا سردار برعکس نہند نام زنگی کا فور کا مصداق نور کے نام سے موسوم تھا بالاتفاق یہ طے کیا کہ بادشاہ کو عین حالت نماز میں شہید کریں۔ یہ گروہ مسجد میں آیا اور خنجر اور تلواروں سے چند نمازیوں کو شہید کرتا ہوا التمش کے قریب پہنچ گیا لیکن خدا نے اس عادل فرمانروا کو ان بے دینوں کے شر سے بچا لیا یہ گروہ خوف زدہ ہو کر مسجد سے بھاگا لیکن لوگوں نے دیواروں اور کوٹھوں پر چڑھ کر پتھر اور تیر سے اس فرقے کے ہر فرد کو ہلاک کر ڈالا اور دہلی کی مذہبی حرمت ہمیشہ کے لئے اُن کے شر سے محفوظ ہو گئی۔ التمش کے آخری زمانۂ حکومت میں بغداد کا مشہور و معروف فاضل اور خلافت عباسیہ کا وزیر یعنی فخر الملک عصامی جو تیس سال کامل آستانہ خلافت کا وزیر مملکت رہ چکا تھا کسی وجہ سے ناراض ہو کر بغداد سے جلا وطن ہوا اور دہلی میں آکر اُس نے قیام کیا۔ التمش نے اس بزرگ کا اُس کے حسب حال خیر مقدم کیا اور علامہ عصامی کو انعامات سے سرفراز کر کے اپنا وزیر مملکت مقرر کیا۔ التمش کے عہد میں ایک بہت بڑا گروہ فاضلوں اور انشا پردازوں کا بادشاہ کے سایہ عاطفت میں اپنی تصنیف و تالیف سے عوام کو فائدہ پہنچا رہا تھا۔ اس گروہ میں نور الدین عوفی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس مشہور فاضل نے جامع الحکایات تصنیف کر کے اُسے التمش کے وزیر نظام الملک محمد بن ابو سعید جنیدی کے نام سے معنون کیا۔ التمش نے چھبیس سال حکمرانی کی التمش کے بعد اُس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ تخت دہلی کا مالک ہوا۔

رکن الدین فیروز شاہ بن سلطان

شمس الدین التمش

ہندوستان کی معتبر تاریخوں میں مذکور ہے کہ ۶۲۵ھ میں

التمش نے فیروز شاہ کو چتر دورباش دے کر اُسے پرگنہ بدایون کا حاکم مقرر کیا تھا۔ گوالیار کی فتح کے بعد التمش نے رکن الدین کو لاہور کا حاکم مقرر کر کے اس کی قوت اور طاقت کو دوچند کر دیا۔ جب التمش سیوستان کے سفر کے بعد دہلی میں فوت ہوا تو اُس وقت اتفاق سے رکن الدین بھی دہلی میں مقیم تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد منگل کے دن ۶۳۳ھ میں رکن الدین نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ ارکان دولت نے نذریں پیش کیں اور شعرا نے تہنیت میں قصائد نظم کئے۔ ان تمام قصیدوں میں تاج الدین ریزہ دبیر کا قصیدہ بجد مشہور ہے جس کے دو شعر مندرج ذیل ہیں :-

مبارک باد ملک جاودانی　　ملک راخاصہ در عہد جوانی

امین الدولہ رکن الدین کہ آمد　　درش از مین چون رکن یمانی

رکن الدین شاہ نے تخت سلطنت پر قدم رکھتے ہی مہمات سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کی اور دن رات عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا۔ قطبی اور شمسی خزانے کے دروازے کھل گئے اور ایبک اور التمش کے اندوختہ روپے سے مسخروں اور مطربوں کی پرورش ہونے لگی۔ رکن الدین نے سلطنت کی عنان اپنی ماں شاہ ترکان کے ہاتھ میں دیدی اور خود دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر میخواری اور عیاشی میں مشغول ہوا۔ شاہ ترکان دراصل ترکی کنیز تھی جس نے شمسی محلات میں داخل ہو کر التمش کی طبیعت پر کچھ قابو پا لیا تھا۔ یہ بیگم بڑی کینہ پرور تھی اُس نے بیٹے کی غفلت اور اپنی خود اختیاری سے فائدہ اٹھا کر التمش کی بہت سی بیاہتا بیویوں کو ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کروا دیا۔ شمسی محلات کی ترکی خواتین بھی شاہ ترکان کے ظلم سے نہ بچیں اور التمش کی بہت سی حسین کنیزیں اس حسد پیشہ خاتون کے ہاتھوں غربت اور افلاس میں زندگی کے دن کاٹنے لگیں۔ شاہ ترکان کی یہ رقابت صرف سوتوں ہی تک محدود نہ رہی بلکہ التمش کی دوسری اولاد پر بھی اس آگ کی چنگاریاں پڑیں اور التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا مسمی قطب الدین شاہ ترکان کے اشارے سے قتل کیا گیا۔ شاہ ترکان کے ان مظالم نے دہلی کے

چھوٹے بڑے غریب امیر سب کو رکن الدین کی طرف سے برانگیختہ کر دیا۔
رکن الدین کے چھوٹے بھائی غیاث الدین محمد حاکم اودھ نے
بھی رکن الدین کی اطاعت سے انکار کیا اور لکھنوتی کے محاصل کی رقم جو
خزانے میں جمع ہونے کے لئے دہلی روانہ کی گئی تھی راستے ہی سے پلٹا لنگئی
بدایون۔ لاہور۔ ملتان اور ہانسی کے حاکموں نے باہم خط و کتابت کر کے
بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ رکن الدین نے ان امیروں کی تنبیہ کے
لئے دہلی سے کوچ کیا اور سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا کیلوکھری میں آکر مقیم ہوا
اسی درمیان میں نظام الملک وزیر بھی شاہی باغیوں سے خوف زدہ ہو کر
کیلوکھری سے بھاگا اور کول پہنچکر اُس نے حاکم بدایون کے دامن میں پناہ
لی۔ نظام الملک اور اعز الدین دونوں مل کر لاہور پہنچے۔ لاہور کے امیروں
اور حاکموں نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا اور سب کے سب رکن الدین
سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ رکن الدین نے اس واقعے کی اطلاع پاتے
ہی پنجاب کا رخ کیا۔ جب فیروزی لشکر منصوریہ کے نواح میں پہنچا تو دربار شمسی
کے نامی امیر یعنی تاج الدین۔ ملک محمد۔ بہاء الدین حسن۔ کریم الدین ضیاء الملک
خواجہ رشید اور امیر فخر الدین وغیرہ شاہی لشکر سے جدا ہو کر فوراً دہلی پہنچ گئے
ان امیروں نے التمش کی بڑی بیٹی رضیہ سلطان کو اپنا بادشاہ تسلیم
کر کے تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ رضیہ سلطانہ نے شاہ ترکان کو
گرفتار کر کے اُسے نظر بند کر دیا۔ رکن الدین رضیہ سلطانہ کی تخت نشینی
کی خبر سنتے ہی دہلی روانہ ہوا۔ رکن الدین کیلوکھری پہنچا اور رضیہ نے بھی
۶۳۴ھ میں اٹھارویں ربیع الاول کو ایک فوج بھائی کے مقابلے میں روانہ کی۔ اس لڑائی
میں رضیہ کو فتح ہوئی اور رکن الدین دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار
ہوا۔ رضیہ نے رکن الدین کو ایک قلعے میں نظر بند کر دیا۔ رکن الدین
نے قید کے تھوڑے دنوں بعد اسی قلعے میں وفات پائی۔
رکن الدین نے صرف چھ مہینے اٹھائیس روز حکومت کی۔
واللہ اعلم بالصواب

بلقیس دوران رضیہ سلطان بنت

سلطان شمس الدین التمش

سلطان رضیہ میں تمام صفات جہانداری کے موجود تھے۔ عقل وفہم اور حسن تدبیر وسیاست میں یہ عورت اپنے زمانے کے بہترین مردوں کے ہم پلہ تھی انسانی فضیلتوں کے جانچنے والوں کو رضیہ میں سوا نسوانیت کے اور کون ایسا عیب نہ ملتا تھا جو حکمرانی کے عظیم الشان مرتبے تک پہنچنے میں اس کا حائل ہو سکے۔ رضیہ قرآن شریف کی بیحد ادب کے ساتھ تلاوت کرتی تھی اور علاوہ مذہبی معلومات کے دوسرے علوم وفنون میں بھی اُسے اچھی خاصی دستگاہ حاصل تھی۔ التمش کے زمانے ہی سے رضیہ کا ہاتھ مہمات سلطنت کے انجام دینے میں کام کر رہا تھا۔ شمسی عہد کے اکثر پیچیدہ مسئلے اسی دانشمند عورت کی صائب رائے سے طے ہوتے تھے۔ التمش کو خود بھی رضیہ کی فہم وفراست پر پورا بھروسا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی مداخلت کو بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا۔ التمش نے گوالیار کی جشن فتح میں اپنے چند خاص امیروں کے سامنے رضیہ سلطانہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ ان امیروں نے بادشاہ سے پوچھا کہ بیٹوں کے ہوتے ہوئے بیٹی کو وارث تخت وسلطنت بنانے میں کیا حکمت ہے۔ التمش نے جواب دیا کہ میں بیٹوں کے عادات واطوار سے خوب واقف ہوں۔ اس وقت بھی جبکہ وہ میرے دست نگر ہیں دن رات شراب خواری اور عیش وعشرت میں مشغول ہیں میں ان کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ سلطنت کا بار اُٹھا سکیں بخلاف اس کے رضیہ اگرچہ بظاہر عورت ہے لیکن فہم وفراست کے اعتبار سے حقیقتاً مرد ہے اور اسی وجہ سے میں اُسے اپنے بیٹوں پر ہر طرح ترجیح دیتا ہوں۔

مختصر یہ کہ ۶۳۴ھ میں رضیہ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ حکمرانی کے فرائض نے پردہ کا حجاب اٹھا دیا۔ اور رضیہ نے مردانہ لباس پہن کر دربار عام کیا۔ شمسی عہد کے وہ تمام قاعدے اور ضابطے جو رکن الدین کے زمانے میں بادشاہ کی غفلت کی وجہ سے محض نقش کتاب رہ گئے تھے۔ رضیہ نے پھر انھیں نافذ کیا۔ اس ملکہ نے جہانداری کے فرائض انجام دینے میں باپ کی پوری تقلید کی اور انصاف وبخشش کو اپنا دستور العمل بنایا۔ رضیہ کے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی نظام الملک محمد جنیدی وزیر سلطنت اور علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی وغیرہ نامی امیروں نے باہم اتفاق کر کے رضیہ کے مقابلے میں بغاوت کی۔ ان امیروں نے ملک کے دوسرے امرا اور جاگیرداروں کو بھی خطوط بھیجکر انھیں بھی رضیہ کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ ملک نصیر الدین جاگیردار اودھ نے ان امیروں کی بیوفائی کی داستان سن کر رضیہ کی مدد پر کمر ہمت باندھی اور اودھ سے دہلی روانہ ہوا۔ ملک نصیر الدین دریائے گنگا کو پار کر کے آگے بڑھا تھا کہ مذکورہ بالا باغی امرا اس پر ٹوٹ پڑے۔ ان امیروں نے ملک نصیر الدین کو گرفتار کر لیا اور اس کی فوج کو درہم برہم کر دیا۔ ملک نصیر الدین نے کمزوری کی وجہ سے حالت قید ہی میں وفات پائی۔ رضیہ کو جب امیروں کی بغاوت کا حال معلوم ہوا تو اس نے نہایت دانشمندانہ طریقہ سیاست اختیار کیا اور اپنے حسن تدبیر سے ان ناحق شناس امیروں کی اجتماعی قوت کو منتشر کر کے ایک ایک کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ ملک سیف الدین اور اس کا بھائی میدان جنگ میں گرفتار ہو کر موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ علاؤ الدین شیر خوانی حدود بابل میں گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔ اور ملک نظام الدین نے میدان جنگ سے بھاگ کر کوہ سرمور میں پناہ لی اور وہیں وفات پائی۔ ان امیروں کی مناسب تنبیہ نے رضیہ کے رعب وداب کا سکہ رعایا کے دل پر اچھی طرح جما دیا اور سلطنت باغیوں اور سرکشوں کی سورشوں سے بالکل پاک و صاف ہو گئی۔ رضیہ نے سلطنت کی بنیاد مستحکم کر کے ملک کے عظیم الشان عہدے اپنی نامی اور قابل اعتماد امیروں

کے سپرد کئے۔

۶۳۵ھ سابق وزیر سلطنت نظام الملک کا نائب خواجہ مہدی غزنوی وزیر سلطنت مقرر کیا گیا۔ یہ جدید وزیر بھی نظام الملک ہی کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ لشکر کی نیابت ملک سیف الدین ایبک کے سپرد کی گئی اور اُسے قتلغ خان کا خطاب دیا گیا اعز الدین کبیر خانی کو جس نے رضیہ کی اطاعت قبول کر لی تھی لاہور کی حکومت دی گئی۔ اسی طرح لکھنوتی۔ دیول سندھ اور دوسرے مشہور ممالک پر بھی ملک کے نامی امیر حاکم بنائے گئے اور دارالخلافت سے تقرری کا فرمان لے کر اپنے اپنے صوبوں کو روانہ ہوئے۔ اس تقرر کے تھوڑے ہی دنوں بعد سیف الدین ایبک نے وفات پائی اور اس کی جگہ قطب الدین نائب لشکر مقرر کیا گیا۔ رضیہ نے قطب الدین کو نائب لشکر بنا کر اسلامی فوج کو قلعہ رنتھنبور کے فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ قطب الدین نے رنتھنبور پہنچکر ان مسلمان قیدیوں کو جو التمش کے بعد سے اب تک ہندوؤں کے ہاتھ میں گرفتار تھے آزاد کرایا اور قلعے کو اپنی حالت پر چھوڑ کر واپسی کا ارادہ کیا۔ قطب الدین کے رنتھنبور روانہ ہونے کے بعد دارالخلافت کا رنگ ہی بدل گیا ملک اختیار الدین البتگین امیر صاحب حاجب مقرر کیا گیا۔ اور جمال الدین یاقوت حبشی جو اب تک امیر آخور تھا شاہی دربار پر بالکل چھا گیا۔ اس حبشی نے رضیہ کے دل میں ایسا گھر کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے امیر الامرائی کے مرتبے تک پہنچ گیا اور سواری کے وقت بغل میں ہاتھ دے کر ملکہ کو گھوڑے پر سوار کرانے لگا۔ یاقوت کے سر چڑھتے ہی رضیہ کے شمسی ستارہ اقبال پر حبش کی تاریک گھٹائیں چھا گئیں دربار کے تمام نامی امیر یاقوت کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

۶۳۷ھ ملک اعز الدین حاکم لاہور نے بغاوت کی۔ رضیہ نے ایک جرار لشکر تیار کر کے اعز الدین پر فوج کشی کی۔ اعز الدین نے رضیہ کی فوج سے معرکہ آرائی کرنا مصلحت کے خلاف سمجھکر اس کی اطاعت کا اقرار کیا۔ رضیہ نے اعز الدین کے طریقہ اطاعت کو بیحد پسند کیا اور لاہور کے ساتھ ملتان کی حکومت بھی اعز الدین کے سپرد کر دی۔ اسی سال حاکم

بھٹنڈہ ملک التونیہ نے جو ترکان چہلگانی کا ایک رکن تھا جمال الدین حبشی کے رسوخ اور اقتدار سے تنگ آ کر رضیہ کے خلاف بغاوت کی۔ رضیہ نے اپنا لشکر ترتیب دے کر بھٹنڈہ پر فوج کشی کی۔ شاہی لشکر ابھی راستے ہی میں تھا کہ ترکی امیروں نے بغاوت کر کے رضیہ کی فوج پر چھاپہ مارا۔
ترکی سپاہیوں نے یاقوت حبشی کو تو تلوار کے گھاٹ اتارا اور رضیہ کو گرفتار کر کے بھٹنڈہ کے قلعے میں قید کر دیا۔ رضیہ کو قلعے میں قید کر کے ترکی امیر دہلی پہنچے۔ ان امیروں نے دار الخلافت کے دوسرے امرا کو بھی اپنا ہم خیال بنا کر معز الدین بہرام شاہ بن سلطان التمش کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ اسی دوران میں حاکم بھٹنڈہ نے رضیہ سے نکاح کر لیا۔ رضیہ نے التونیہ سے ساز باز کر کے تھوڑے زمانے میں کھکروں جاٹوں اور دوسرے اطراف و نواح کے جنگجو زمینداروں کی ایک جرار فوج جمع کر کے چند امیروں کو لشکر کے ساتھ لے کر دہلی پر دھاوا کر دیا۔ معز الدین نے بھی اپنا لشکر اعز الدین بلبن کی ماتحتی میں (جو شمس الدین التمش کا داماد اور بعد کو الغ خاں کے خطاب سے مشہور ہوا) رضیہ کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ راستے ہی میں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس لڑائی میں رضیہ کو شکست ہوئی اور میدان جنگ سے بھاگ کر بھٹنڈہ میں اس نے پناہ لی۔ رضیہ کی بےچین اور اقتدار پسند طبیعت نے اسے اب بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا اور تھوڑے ہی زمانے میں اپنی پراگندہ فوج کو جمع کر کے پھر دہلی پر حملہ کیا۔ بہرام شاہ نے اس مرتبہ بھی اعز الدین کو رضیہ کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ چوتھی ربیع الاول شریف ۶۳۷ھ میں کیتھل کے نواح میں معرکہ آرائی ہوئی۔ رضیہ کا یہ حملہ بھی ناکام رہا اور فتح بہرام کو نصیب ہوئی۔ میدان سے بھاگتے وقت رضیہ اور التونیہ دونوں چند زمینداروں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے۔ ان زمینداروں نے یا تو خود ہی ان دونوں میاں بیوی کو قتل کر دیا اور یا یہ کہ ان کو گرفتار کر کے بہرام شاہ کے سامنے لائے اور بہرام شاہ کے حکم سے ان دونوں کا سر تن سے جدا کیا گیا۔ بہر حال

رضیہ نے تین سال چھ مہینے چھ دن حکمرانی کرکے دنیا کو خیرباد کہا۔ اس ملکہ کے اسباب تنزل پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں ہر صاحب فہم اس ادبار کا سراغ آسانی سے لگا سکتا ہے اور تھوڑے ہی غور کے بعد یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ دہلی کا لہلہاتا ہوا شاہی باغ حبش ہی کے ہوائے ادبار کے تیز جھوکوں سے پژمردہ ہوکر ویران ہوا۔ ظاہر ہے کہ ایک حبشی غلام کو دہلی کی امیرالامرائی سے کیا نسبت اور ایک کم پایہ تنگ نظر انسان کا ہندوستان کی سب سے بڑی ہستی سے کیا مقابلہ۔ رضیہ سلطانہ پچیس ۲۵ ربیع الاول ۶۳۷ھ کو قتل کی گئی۔

معزالدین بہرام شاہ بن سلطان شمس الدین التمش

رضیہ کے قلعے بھٹنڈہ میں قید ہوتے ہی معزالدین بہرام شاہ نے آٹھویں رمضان ۶۳۷ھ کو تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ معزالدین نے رضیہ سلطانہ کے قصے کو جیسا کہ اوپر مذکور ہے جلد سے جلد فیصل کر دیا معزالدین کے تخت پر بیٹھتے ہی ملک اختیار الدین اپتگین سیاہ و سفید کا مالک ہوگیا۔ اپتگین اور نظام الملک کے سامنے معزالدین کی وقعت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی۔ اپتگین کے اس عارضی اقتدار نے شاہی خاندان کے ساتھ بھی اس کا پیوند لگایا معزالدین کی بہن جو اس سے پہلے قاضی اختیار الدین کے نکاح میں تھی اپتگین کے حبالۂ عقد میں دی گئی۔ ظاہری جاہ وحشم میں بھی اپتگین کا آستانہ شاہی بارگاہ کا ہم پلہ ہوا اور بادشاہی ڈیوڑھی کی طرح اپتگین کے دروازے پر بھی ہاتھی جھومنے لگا۔ اپتگین کے اس اقتدار نے معزالدین کے دل کو بھی

خوف زدہ کر دیا۔ بادشاہ نے یہ سمجھ کر کہ البتگین کا بڑھتا ہوا اقتدار ایک دن خود شاہی روب و داب کو بھی دبا دیگا اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح البتگین سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ معز الدین نے اپنے ترکی بہی خواہوں ہیں سے دو شخصوں کو منتخب کیا۔ اور انہیں یہ ہدایت کی کہ یہ سردار البتگین اور نظام الملک پر مجنونانہ حملہ کر کے دونوں کا کام تمام کر دیں۔ آٹھویں محرم ۶۳۸ھ کو دوشنبہ کے دن قصر سعید میں معز الدین نے دربار عام کیا۔ معز الدین کی ہدایت کے موافق دونوں ترکی سپاہی مستانہ دربار میں داخل ہوئے انہوں نے مجنونانہ حرکات کرنی شروع کیں۔ البتگین صف امرا میں کھڑا ہوا تھا اس نے ترکوں کی بے ادبانہ حرکات پر انہیں ڈانٹا۔ ان بنے ہوئے دیوانوں نے البتگین کی ڈانٹ ڈپٹ سے فائدہ اٹھایا اور آنکھ بچا کر ایک ایسا کاری زخم خنجر کا لگایا کہ البتگین وہیں خاک و خون کا ڈھیر ہو گیا۔ البتگین کو قتل کر کے یہ دیوانے نظام الملک کی طرف بڑھے اور دو زخم تلوار کے نظام الملک کے بازو پر بھی لگائے۔ اس ہنگامے میں امرا اپنی صفوں سے اٹھ کر دوڑے اور نظام الملک بیچارے نے ان دیوانوں کے ہاتھوں سے نجات پائی۔ معز الدین بہرام شاہ نے اپنی برات ثابت کرنے کے لئے امیروں کو یہ دھوکا دیا کہ اُن دیوانے ترکوں کو فوراً گرفتار کر کے قید خانے میں بھیج دیا چونکہ ان کا قصور بادشاہ کے اشارے سے تھا تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان ترکوں نے قید سے رہائی پائی۔ نظام الملک چند دنوں زخموں کی وجہ سے صاحب فراش رہا لیکن آخر کار صحت پا کر دربار میں حاضر ہوا اور حسب معمول وزارت کا کام انجام دینے لگا۔ بدر الدین سنقر رومی جو اُن دنوں امیر حاجب مقرر ہو گیا تھا ہمیشہ نظام الملک سے بڑھنے کی کوشش کیا کرتا اور اس کے زخموں کو ہمیشہ تازہ کرتا رہتا تھا۔ چند دنوں کے بعد سنقر رومی فتنہ گر اور فسادی لوگوں کے اغوا سے بہرام شاہ سے بد دل ہو گیا۔ اور سترھویں صفر روز دوشنبہ کو بدر الدین صدر الملک تاج الدین کے گھر پر جو مشرف ممالک تھا گیا اور تمام ارکین سلطنت کو جمع کر کے اُس نے بہرام شاہ

کی معزولی کے بابت مشورہ کیا۔ صدر الملک نے ادہر تو نظام الملک کو اُس
مجلس میں بلایا تاکہ وہ بھی اس مشورے میں شریک ہو۔ اور اُدھر ایک معتمد
آدمی بہرام شاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور اس کو کل واقعہ کی خبر کردی
اور بادشاہ کے ایک معتمد خدمت گار کو اجنبی کے لباس میں اپنے ساتھ
نظام الملک کے گھر پر لایا تاکہ یہ شخص تمام گفتگو سن کر بادشاہ کو حقیقت حال
کی اطلاع دے۔ صدر الدین نے اس شخص کو مجلس کے ایک کونے میں
کھڑا کر دیا اور خود نظام الملک سے گفتگو کرنے لگا۔ تاج الدین نے قاضی
جلال الدین کاشانی اور قاضی شمس الدین اور شیخ محمد ساوُجی وغیرہ معززین
کی رائے کے موافق نظام الملک سے گفتگو شروع کی نظام الملک نے
اُس وقت ہاں ہاں کہکر اس بات کو ٹال دیا اور مشورہ میں اپنا شریک
ہونا کسی دوسرے وقت پر ملتوی کیا۔ صدر الدین نے تمام حقیقت حال کی
بادشاہ کو اطلاع دیدی۔ بہرام شاہ یہ سنتے ہی اُسی وقت تاج الدین کے
سر پر جا پہنچا اور اہل فساد کی جماعت کو منتشر کر دیا۔ ملک بدرالدین کا دارالخلافت
میں رہنا خلاف مصلحت نظر آیا اور بادشاہ نے اُس کو بدایون کا جاگیردار مقرر
کرکے اُدھر روانہ کیا اور ادہر قاضی جلال کاشانی کو قضاء کے عہدے
سے معزول کیا۔ چند مہینے کے بعد جب بدرالدین بدایون سے واپس
آیا تو بہرام شاہ نے اُسے اور تاج الدین موسیٰ کو توقتل کیا۔ اور قاضی
کاشانی اور قاضی مارہرہ کو ہاتھی کے پیر کے نیچے پامال کرایا۔ ان مہیب
سیاستوں سے لوگوں کا خوف اور زیادہ ہوگیا اور تمام لشکر میں عام ناراضی
پھیل گئی۔ نظام الملک تو پہلے ہی سے زخم خوردہ تھا اُس نے وحشت ناک
خبروں اور جابرانہ احکام سے رعایا کا دل بادشاہ کی طرف سے پھیر دیا۔
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک بادشاہ سے بیزار اور اُس کے جان کا دشمن
بن گیا۔ اسی دوران میں جمادی الآخر کی سولہویں ۶۳۹ھ چنگیز خانی مغلوں
نے دہاوا کرکے لاہور کا محاصرہ کرلیا۔ ملک قراقش حاکم لاہور نے یہ نالائق
حرکت کی کہ اپنی فوج میں پھوٹ دیکھ کر آدہی رات کو شہر سے بھاگا اور سیدہا

دہلی پہنچا۔ چنگیزیوں نے لاہور کو خوب تاخت و تاراج اور بہت سے لوگوں کو زندہ گرفتار کیا۔ جب بہرام شاہ نے یہ واقعہ سنا تو امیروں کو قصر سعید میں جمع کرکے اپنی اطاعت کا اُن سے جدید اقرار لیا اور نظام الملک اور قطب الدین حسن غوری وکیل السلطنت کو اس مہم پر نامزد کرکے ان کو مغلوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ جب بہرامی لشکر دریائے بیاہ ۶۳۹ھ کے کنارے اس مقام پر پہنچا جہاں اس وقت قصبہ سلطان پور آباد ہے تو نظام الملک نے جو بہت پہلے سے بادشاہ سے آزردہ تھا شاہی امیروں کو بادشاہ سے برگشتہ کرنے کی یہ تدبیر نکالی کہ دریا کے کنارے قیام کرکے بادشاہ کو ایک عریضہ اس مضمون کا لکھا کہ ان منافق سرداروں کے ساتھ رہ کر جن کو بادشاہ نے میرے ساتھ کیا ہے میں کچھ کام نہیں کرسکتا یا تو بادشاہ خود اس طرف آنے کی زحمت گوارا فرمائیں اور یا مجھے حکم ہو کہ میں قطب الدین کے مشورے سے جیسا مناسب سمجھوں ان امیروں کے ساتھ سلوک کروں۔ بادشاہ نے اپنی سادہ دلی سے جواب میں لکھا کہ بیشک تمہارے ساتھی امیر قابل قتل ہیں لیکن اس وقت ان کو سزا دینا مناسب نہیں ہے چندروز تم ان کی خاطرداری کرکے اس مہم سے فراغت حاصل کرلو اس کے بعد اُن منافق امیروں کو ان کی بدکرداری کی سزا دیجائے گی۔ نظام الملک نے بادشاہ کا فرمان امیروں کو پڑھ کر سنایا۔ امرا اس فرمان کو سنتے ہی بادشاہ کے دشمن ہوگئے اور سبھوں نے نظام الملک کے مشورے کے موافق بادشاہ کے معزول کرنے پر کمر ہمت باندھ لی۔ جب بادشاہ کو حقیقت حال کی اطلاع ہوئی تو اُس نے حضرت شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین اوشی کو امرا کی تسلی اور صفائی کے لئے بھیجا لیکن نظام الملک کا حال ایسا زبردست تھا کہ حضرت قطب صاحب جیسے مقدس بزرگ بھی ان امیروں کو راہ راست پر نہ لاسکے۔ حضرت قطب صاحب بے نیل و مرام دہلی واپس ہوئے۔ امرا نے بھی فوراً دہلی کا رخ کیا اور دارالخلافت پہنچکر ان برگشتہ امیروں نے بہرام شاہ کا محاصرہ کرلیا تقریباً ساڑھے تین مہینے بادشاہ اور

امرا میں جنگ کا سلسلہ رہا لیکن چونکہ امیروں کے ساتھ رعیت کا بھی ایک بڑا حصہ بادشاہ کے خلاف تھا آخر میں امیروں کو فتح ہوئی اور آٹھویں ذیقعد ۶۳۹ھ میں بہرام شاہ اپنے امیروں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا ان امیروں نے چند روز تو معزول بادشاہ کو نظر بند رکھا لیکن آخر کار اُس کی زندگی کو اپنے ارادوں میں حارج سمجھکر اس کو قتل کروا دیا۔ بہرام شاہ نے دو سال ڈیڑھ مہینہ حکمرانی کی۔

علاء الدین مسعود بن رکن الدین فیروز شاہ

معز الدین بہرام شاہ کی وفات کے بعد اعز الدین بلبن بزرگ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا اور تمام شہر میں اپنی حکمرانی کی منادی کرائی لیکن امرائے دربار اُس کی حکومت پر رضامند نہ ہوئے اور اسی وقت تینوں قیدی شاہزادے یعنی ناصر الدین اور جلال الدین پسران سلطان شمس الدین التمش اور علاء الدین مسعود پسر سلطان رکن الدین قصر سفید کے زندان خانے سے انتخاب حکمرانی کے لئے باہر نکالے گئے۔ ان تینوں شاہزادوں میں سلطنت کا قرعہ علاء الدین مسعود کے نام پڑا۔ ذی قعدہ ۶۳۹ھ میں علاء الدین نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ ملک قطب الدین حسن نائب السلطنت مقرر ہوا اور نظام الملک کو عہدۂ وزارت سپرد کیا گیا اور ملک قراقش امیر حاجب بنایا گیا۔ جب نظام الملک بلا شرکت غیرے سلطنت کے مہمات کو انجام دینے لگا تو اس کی مطلق العنانی کو اور امرا نہ دیکھ سکے اور سبھوں نے اُس کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا چنانچہ جمادی الاول کی دوسری تاریخ دوشنبہ کے دن ۶۴۰ھ میں ان امیروں نے حوض رانی کے جنگل میں نظام الملک کو قتل کر ڈالا۔ نظام الملک کے قتل کے بعد حیدر الملک نجم الدین ابوبکر وزیر الممالک ہوا اور غیاث الدین بلبن خورد امیر حاجب کے مرتبے پر فائز ہوا۔ ناگور سندہ

اور اجمیر کے صوبوں کی حکومت بلبن بزرگ کے سپرد کی گئی اور ملک تاج الدین پرگنہ بدایوں کا صوبہ دار رہا۔ اسی طرح بقیہ پرگنوں کو بھی امرا نے باہم تقسیم کر لیا۔ اس اتحادی تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ مملکت میں انتظام اور رعایا میں امن و امان کا سکہ پھر رائج ہو گیا۔ اسی زمانے میں اعز الدین **طغا خاں** کڑہ سے لکھنوتی آیا اور اُس نے شرف الملک سنقری کو علاؤالدین مسعود کی خدمت میں بھیجا۔ علاء الدین نے قاضی جلال الدین کاشانی حاکم اودھ کی معرفت اعز الدین کو چتر لعل اور خلعت فاخرہ روانہ کیا۔ علاء الدین نے اپنے دونوں چچاؤں ناصر الدین اور جلال الدین کو قید سے آزاد کیا اور دونوں کی بیحد تعظیم اور تکریم بجا لایا۔ علاء الدین نے ناصر الدین کو صوبہ بہرائچ کا حاکم مقرر کیا اور قنوج کی حکومت جلال الدین کے سپرد کی۔ التمش کے یہ دونوں بیٹے اپنے اخلاق اور نیک نیتی سے اپنی جاگیروں اور صوبوں میں بیحد ہر دل عزیز رہے۔ سنہ ۶۴۲ھ میں مغلوں کی فوج نے لکھنوتی پر حملہ کیا قیاس یہ کہتا ہے کہ ان مغلوں نے بھی اُسی راہ سے سفر کیا ہوگا جس راہ سے محمد بختیار خلجی نے تبت اور ملک خطا کا سفر کیا تھا۔ علاء الدین مسعود نے ملک قرا بیگ تیمور خانی کو جو ترکان خواجہ تاش میں سے تھا۔ طغا کی مدد کے لئے لکھنوتی روانہ کیا۔ مغلوں نے اس لڑائی میں شکست کھائی لیکن حریف کو پسپا کرنے کے بعد قرا بیگ اور طغا میں خود مخالفت ہو گئی۔ بادشاہ نے ان دونوں امیروں کی مخالفت کا حال سن کر لکھنوتی کی حکومت تو قرا بیگ کے سپرد کی اور طغا خاں کو دہلی واپس بلا لیا؛

سنہ ۶۴۳ھ میں مغلوں نے پھر قندہار اور طالقان کی طرف سے نواح سندھ پر حملہ کیا اور اوچہ کا محاصرہ کر لیا۔ علاء الدین نے اپنے امیروں کو جمع کر کے جلد سے جلد اوچہ کا رخ کیا جب لشکر دریائے بیاہ کے کنارے پہنچا تو مغلوں نے اوچہ کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔ بادشاہ کامیاب اور بامراد دہلی واپس آیا لیکن دہلی پہنچکر بادشاہ نے اپنی روش میں ناگوار تبدیلیاں پیدا کیں۔ شراب خواری اور عیاشی کی کثرت نے علاء الدین کے مزاج سے عدل و انصاف کے نقش کو بالکل مٹا دیا اب۔ بادشاہ کو سوا ظلم و جبر اور ضبطی جائداد کے اور

کوئی دوسرا کام باقی نہ رہا۔ علاءالدین کے حرکتوں سے نظام سلطنت درہم و برہم ہوگیا اور ملک میں ہر طرف فساد برپا ہوا۔ امیروں نے یہ حالت دیکھ کر بادشاہ کی عداوت اور معزولی پر کمر ہمت باندھ لی اور علاءالدین کے چچا ناصرالدین محمود کے پاس خفیہ ایک قاصد روانہ کیا اور اُس سے دہلی آنے کی درخواست کی ناصرالدین نے بادشاہ کا حال سنا اور امیروں کو اپنا گرویدہ دیکھکر بلا کسی تاخیر کے بہرائچ سے کوچ کیا۔

ناصرالدین دہلی پہنچا۔ علاءالدین کو امیروں نے گرفتار کرکے چھبیس محرم ۶۴۴ھ کو قید کر دیا اور ناصرالدین کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ علاءالدین نے تھوڑے دنوں بعد اسی قید میں وفات پائی۔ اس بادشاہ نے چار برس ایک مہینہ ایک دن حکومت کی۔

ناصرالدین محمود بن سلطان

شمس الدین التمش

مورخین لکھتے ہیں کہ دراصل التمش کے فرزند اکبر کا نام ناصرالدین تھا التمش کا بڑا بیٹا لکھنوتی میں فوت ہوا اور فرزند اکبر کی وفات کے بعد اُس کے گھر میں اُس کا سب سے چھوٹا بیٹا پیدا ہوا۔ التمش نے اپنے مرحوم بیٹے کی یاد تازہ رکھنے کے لئے اس چھوٹے بیٹے کا نام بھی ناصرالدین محمود رکھا۔ التمش کی آرزو پوری ہوی اور بجائے فرزند اکبر کے ایک وقت ایسا آیا کہ اُس کا چھوٹا بیٹا ناصرالدین محمود کے نام سے باپ کا جانشین ہوا۔ التمش نے ناصرالدین کی تربیت اور تعلیم میں بیحد کوشش کی۔ علاءالدین مسعود کے زمانے میں ناصرالدین بہرائچ کا حاکم مقرر ہوا۔ ناصرالدین نے غیر مسلموں سے بہت لڑائیاں لڑیں اور اپنے صوبہ کو معمور اور آباد کیا۔ اُس کے انصاف اور رعیت پروری کا شہرہ بلند ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ناصرالدین نے تمام رعایا کے دل میں اپنی جگہ کر لی۔

حکمرانی اور انصاف پروری میں ناصرالدین کی قابلیت سے دارالخلافت کا ہر ایک امیر بھی واقف ہوگیا۔ جب علاءالدین مسعود کی غفلت اور سختیوں سے ارکین سلطنت تنگ آگئے تو انہوں نے ناصرالدین کو بہرائچ سے طلب کرکے تخت پر بٹھایا اور علاءالدین کو گرفتار کرکے نظربند کر دیا۔ ناصرالدین نے اپنے باپ کی جگہ قصر سفید میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ یہ بادشاہ شجاعت۔ عبادت۔ اور سخاوت میں اپنے زمانے میں بے مثل تھا۔ بادشاہ نے اپنے ذاتی اخراجات کا بار کبھی شاہی خزانے پر نہیں ڈالا بلکہ اُس کے ذاتی مصارف خود اس کی اجرت کتابت سے پورے ہوتے تھے۔ بادشاہ دو قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھتا اور انہیں کا ہدیہ بادشاہ کے مصارف کا کفیل تھا۔ ناصرالدین عالموں اور صوفیوں کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ اور ان کی بیحد تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اہل ہنر کی قدر کرتا اور ہر شخص کو اس کے مرتبے کے موافق خلعت و انعام سے سرفراز کرتا تھا۔ شعراء اس کی مدح میں قصیدے نظم کرتے تھے اور خاطر خواہ انعام پاتے تھے۔ مصنف طبقات ناصری یعنی قاضی منہاج السراج جوزجانی نے اپنا نظم کیا ہوا ایک قصیدہ اپنی تاریخ میں لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:-

آن خداوندے کہ حاتم بذل و رستم کوشش است
ناصر دنیا و دین محمود ابن التمش است

ناصرالدین کے زمانے میں عہدہ وزارت التمش کے محبوب غلام اور داماد غیاث الدین بلبن[۱۹] خرد کے سپرد کیا گیا۔ ناصرالدین نے بلبن کو خان اعظم الغ خاں کا خطاب دے کر چتر و دورباش سے بھی سرفراز کیا اور سلطنت کے تمام اہم کام بلبن ہی کے صائب رائے کے موافق طے کرنے لگا۔ خان اعظم کا چچیرا بھائی شیر خاں خان معظم کے خطاب سے سرفراز ہو کر پنجاب اور ملتان کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔ اس تقرر کا مقصود یہ تھا کہ خان معظم مغلوں کے اس سیلاب تاراج کی روک تھام کرے جو اُس وقت کابل قندھار غزنی اور ہرات سے اُمڈا ہوا ہندوستان کو تباہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ شیر شاہ نے

اپنی خدمت کو اچھی طرح انجام دیا اور بھنیر[۱۹۲] اور بھٹنڈہ کے مضبوط قلعے تعمیر کر کے مغلوں کی خوب روک تھام کی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جس وقت ناصرالدین نے بلبن کو وزیرالسلطنت مقرر کیا اس وقت بادشاہ نے خلوت میں کہا کہ میں نے تمہیں اپنا نائب مقرر کیا ہے اور خلق خدا کی باگ تمہارے ہاتھ میں دیدی ہے کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ مجھے خدا کے سامنے جواب دہ اور شرمندہ ہونا پڑے۔ خان اعظم الغ خاں نے نیابت کے ایسے مستحکم اور مضبوط قاعدے بنائے کہ عنان سلطنت بالکل اسی کے ہاتھ میں آگئی اور امیروں اور ارکان دولت میں کسی میں یہ قدرت نہ رہی کہ اُس کے کاموں میں دخیل یا مخلل انداز ہو۔ ماہ رجب سنہ جلوس میں ناصرالدین نے خان اعظم کے مشورہ سے ملتان پر لشکر کشی کی اور ماہ ذی قعدہ کی پہلی تاریخ دریائے لاہور کو پار کر کے آب سودرہ کے کنارے پہنچا۔ ناصرالدین نے یہاں خود توقف کیا اور خان اعظم کو افسر لشکر بنا کر اُسے سندھ اور کوہ جود کے جانب روانہ کیا۔ خان اعظم نے کوہ جود اور نیز اُس نواح کے تمام شہروں کو جی کھول کر لوٹا اور اُن سرکشوں اور کھکروں کو جو سال گذشتہ مغلوں کے رہبر بنے تھے تہ تیغ کیا۔ ان مقتولوں کی بی بیاں اور بیٹیوں کو قید کر کے خان اعظم بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ فوج میں اب رسد کی بیحد کمی محسوس ہو رہی تھی بادشاہ نے ملتان میں زیادہ قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور دارالخلافت کی جانب واپس ہوا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جو قدیم امرا قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے زمانے سے لاہور اور ملتان کے جاگیردار تھے وہ مخلصانہ بادشاہ دہلی کی اطاعت اور فرمانبرداری نہ کرتے تھے اور مغل لٹیروں کے مقابلے میں جانبازی سے نہ لڑتے تھے اور خود اپنے مالک سے منافقانہ پیش آتے تھے۔ بادشاہ نے خان اعظم کے مشورے سے ان تمام امیروں کو معزول کیا اور اُن کی جگہ اُن کے بیٹوں کو مقرر کر کے معزول امرا کو اپنے ساتھ دہلی لایا۔ اس کارروائی سے پنجاب کے ملکی اور مالی مہمات میں نظم اور استحکام پیدا ہوا اور ناصرالدین کی حکومت کچھ دنوں کے لئے پائدار ہو گئی۔ قدیم تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب سکندر رتے

دنیا کے اکثر حصوں کو فتح کر کے ہندوستان کی طرف قدم بڑھانا چاہا تو اُس کے بعض امیروں وارکان دولت نے بادشاہ کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا اور ہر شخص خود پرستی کا دم بھرنے لگا۔ سکندر نے ہر چند کوشش کی کہ ان امیروں کو راہ راست پر لائے لیکن اُس کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ آخر کار سکندر نے سارا ماجرا اپنے استاد ارسطا طالیس کو لکھ کر ایک قاصد روم روانہ کیا اور حکیم سے ان امیروں کے مرض کا علاج پوچھا۔ ارسطاطالیس بڑھاپے کی وجہ سے سکندر کا ہمرکاب نہ ہوا تھا اور روم ہی میں مقیم تھا۔ ارسطاطالیس نے ایلچی کی گفتگو سن کر اُسے جواب تو کچھ نہ دیا لیکن قاصد کو اپنے ہمراہ لے کر ایک باغ میں آیا اور باغ کے مالی کو حکم دیا کہ بڑے اور پرانے درختوں کو جڑ سے کھود کر پھینک دے اور چھوٹے پودے ان کی جگہ نصب کرے۔ جب باغبان اُس کے مطابق اپنے کام میں مشغول ہوا تو ارسطا طالیس اپنے گھر واپس آیا۔ قاصد ارسطو سے رخصت ہو کر سکندر کی خدمت میں پہنچا۔ اور اُس سے کہا کہ میں نے بادشاہ کا پیغام حکیم تک پہنچا دیا اور ہر چند کوشش کی کہ اُس کا جواب حاصل کر لوں لیکن ارسطو نے بلا جواب دئے مجھے رخصت کر دیا۔ سکندر سمجھ گیا کہ ارسطو نے اس شخص کو گفتگو کے قابل نہ سمجھ کر نامے کا تحریری جواب نہیں دیا۔ سکندر نے قاصد سے پوچھا کہ پیغام ادا کرنے کے بعد حکیم کو تو نے کوئی کام کرتے بھی دیکھا یا نہیں۔ قاصد نے جواب دیا کہ جب میں نے بادشاہ کا پیغام حکیم کو سنایا تو فوراً وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھے اپنے ساتھ لے کر ایک باغ کے اندر داخل ہوا۔ حکیم نے باغ کے مالی سے کہا کہ پرانے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ کر نئے پودے اُن کی جگہ لگائے حکیم خود بھی باغبان کا شریک ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ارسطو اپنے مکان کو واپس آیا اور بلا کسی جواب کے مجھے رخصت کر دیا۔ سکندر نے کہا کہ بندۂ خدا حکیم نے میرے سوال کا پورا جواب ادا کر دیا ہاں یہ ضرور ہے کہ تو اس کو نہیں سمجھا۔ سکندر نے حکیم ارسطو کے اس فعل کی حکمت کو سمجھ کر غاصب اور نا فرمانبردار امیروں کو معزول کیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹوں کو مقرر کر کے پیش پا افتادہ مہم کو سر انجام دیا۔

دوسری شعبان ۶۴۵ھ کو ناصر الدین محمود نے پھر میان دو آب کا سفر کیا اور بڑی کوشش کے بعد بادشاہ نے نبرہنہ کا قلعہ فتح کیا۔ اسی سال دسویں ذی قعدہ کو ناصر الدین محمود نے کڑہ کی طرف رخ کیا اور خان اعظم الغخان کو لشکر کا پیشرو مقرر کیا۔ خان اعظم نے دلکی ملکی[194] کے دیہاتوں کو خوب لوٹا اور بہت سی لڑائیاں اس کے مقابلے میں سر کر کے اس کی اولاد اور اس کے نوکروں کی ایک کثیر جماعت کو گرفتار کیا اور بیشمار مال غنیمت حاصل کر کے ناصر الدین محمود کی خدمت میں واپس آیا اور بادشاہ کے ہمرکاب دہلی روانہ ہوا دلکی ملکی ایک راجہ کا نام ہے جو دریائے جمنا کے کنارے راج کرتا تھا۔ اس راجہ نے گزشتہ جھگڑوں میں بادشاہی تھانوں کو تباہ کر کے کالنجر اور کڑے سے لے کر مالوہ تک تمام ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ چھبیس شعبان ۶۴۶ہجری کو بادشاہ نے خان اعظم الغ خاں کو رنتھنبور[195] اور کوہ پایہ میوات کی مہم پر روانہ کیا۔ خان اعظم نے اس نواح کے سرکشوں کو زیر کیا اور بیشمار مال غنیمت لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانے میں خان اعظم کا بھائی ایبک کشلی خاں امیر حاجب بنا اور ایاز ریحانی وکیل السلطنت مقرر کیا گیا اسی سال بادشاہ کا بھائی جلال الدین اپنی جاگیر سے دہلی آیا اور ناصر الدین سے خوف زدہ ہو کر کوہ جینور[196] کی طرف بھاگ گیا۔ ناصر الدین نے بھائی کا پیچھا کیا اور اس پہاڑ کے دامن تک گیا۔ بادشاہ سات یا آٹھ مہینے کامل اسی نواح میں مقیم رہا لیکن جب کچھ کام نہ نکلا تو ناچار دہلی واپس آیا۔ اسی سنہ میں ناصر الدین نے قاضی عماد الدین شفورقانی سے بدگمان ہو کر اسے قضا کے عہدے سے معزول کیا اور پھر قاضی عماد الدین ریحانی کے اغوا سے قاضی مذکور کو قتل کروا دیا۔

۶۴۷ھ میں بادشاہ نے خان اعظم الغ خاں کی بیٹی سے نکاح کیا اور ۶۴۸ھ میں ملتان پر لشکر کشی کی۔ شیر خاں حاکم ملتان اور لاہور دریائے بیاس کے کنارے ناصر الدین کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ چھٹی ربیع الاول ۶۴۸ھ کو ناصر الدین ملتان پہنچا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ناصر الدین نے

ملک اعزالدین بلبن بزرگ صوبہ دار ناگور اور اوچہ کو اُس طرف روانہ کیا۔ اور خود دہلی واپس آیا۔

سنہ ۶۴۹ھ میں ملک اعزالدین نے اطاعت سے انحراف کیا۔ ناصرالدین نے اعزالدین کی تنبیہ کے لئے ناگور کا سفر کیا۔ اعزالدین بادشاہ کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا اور اُس نے امان طلب کی اور بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معافی کا خواستگار ہوا۔ بادشاہ نے اس کا گناہ معاف اور پھر اُسے اُس کی پرانی حکومت عطا کی بادشاہ مظفر و منصور دہلی واپس آیا۔

پانچویں شعبان سنہ ۶۴۹ھ کو بادشاہ نے ایک جرار لشکر ساتھ لے کر قلعہ ٹرور پر دھاوا کیا۔ جاہر دیو جس نے اسی زمانے میں ایک قلعہ پہاڑ کے اوپر تعمیر کر رکھا تھا پانچ ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیادوں کا لشکر لے کر بادشاہ کے مقابلے کے لئے میدان میں آیا۔ ایک خونریز لڑائی کے بعد جاہر کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگا۔ ناصرالدین محمود نے قلعے کا محاصرہ کیا تھوڑے ہی زمانے میں اس کو فتح کر لیا بادشاہ وہاں سے چندیری اور مالوہ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں مقتدر اور نامی امیروں کو مقرر کر کے دہلی واپس آیا۔

اس لڑائی میں خان اعظم نے بہت زیادہ مردانگی کے جوہر دکھائے اس واقعے کے بعد خان اعظم کے چچازاد بھائی شیر خاں نے جو سخاوت شجاعت اور فہم و فراست میں مشہور و معروف تھا غزنی کو مغلوں کے قبضے سے نکال کر تھوڑے دنوں وہاں بھی ناصرالدین کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا اور بادشاہ کا فرمان پاتے ہی ملتان سے اوچہ پر حملہ آور ہوا۔ ملک اعزالدین بلبن میں چونکہ تمرد اور بغاوت کے آثار پائے جاتے تھے اس لئے وہ شیر خاں کے دبدبے سے ڈر گیا اور مجبوراً ناگور سے اوچہ آیا اور باتوں ہی باتوں میں قلعے کو شیر خاں کے سپرد کر کے خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے بلبن بزرگ کو بدایوں کا حاکم مقرر کیا۔ بائیس شوال سنہ ۶۵۰ھ کو ناصرالدین لاہور کے راستے سے ملتان اور اوچہ روانہ ہوا۔ اس سفر میں سنقر قتلغ خاں ولایت سہوان سے اور ملک اعزالدین بلبن بزرگ بداؤں سے اپنے اپنے لشکر

لے کر دریائے بیاس کے کنارے ناصر الدین سے آملے۔ شروع ۶۵۱ھ ہجری میں عماد الدین ریحانی نے جو خان اعظم کا دست گرفتہ تھا اس کی عدم موجودگی میں بعض درباری رئیسوں سے سازش کر کے خان اعظم کے قتل کا ارادہ کیا۔ جب عماد الدین اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہوا تو اس نے خان اعظم کی عدم موجودگی میں بادشاہ کے خوب کان بھرے اور بادشاہ کو یہ صلاح دی کہ خان اعظم کا اپنی جاگیر یعنی ہانسی میں جا کر مقام کرنا ہر طرح پر مناسب ہے۔ بادشاہ نے عماد الدین کی اس رائے کو بیحد پسند کیا اور خان اعظم کو سلطانی حکم کی تعمیل میں دہلی چھوڑ کر ہانسی جانا پڑا خان اعظم کے ہٹتے ہی عماد الدین نے دست درازیاں شروع کر دیں اور بڑے لوگوں میں سے جس کسی کو خان اعظم کے ساتھ کچھ بھی تعلق تھا اس کے عہدہ میں تغیر و تبدل کیا۔ عماد الدین نے ایبک کشلی خاں کو کڑا مانک پور کا صوبہ دار بنا کر وہاں روانہ کیا اور عین الملک جنیدی کو جو تھوڑے زمانے سے دہلی میں مقیم تھا وزیر الممالک مقرر کیا۔ اعز الدین کشلو خاں امیر حاجب مقرر ہوا۔ عماد الدین ریحانی نے دہلی پہنچکر بادشاہ کو اور زیادہ فکر مند بنا دیا ناصر الدین نے اوائل شوال میں دہلی سے دریائے بیاس کے ساحلی مقامات کا سفر کیا اور چونکہ شیر خاں ریحانی سندھی سرکشوں کے مقابلے میں شکست کھا چکا تھا اس لئے بادشاہ نے عماد الدین کے بہکانے سے اشکر لشکر روانہ کیا اور بھٹنڈہ اوچہ اور ملتان کے قلعے شیر خاں کے قبضے سے نکالکر ارسلان خاں کے سپرد کئے۔ اسی درمیان میں ملک اعز الدین کہتیل اور کہرام کے مست اور مدہوش زمینداروں کے ہاتھ سے شہید ہوا بادشاہ نے اعز الدین کا بدلہ لینے کے لئے کہرام پر لشکر کشی کی اور اس کے قاتلوں کو سزا دیکر بداؤن پہنچا۔ ناصر الدین تھوڑے دنوں بداؤن میں قیام کر کے دہلی واپس آیا۔ ناصر الدین کے دہلی پہنچنے کے بعد بھی سرہند۔ سنام۔ کہرام۔ لاہور سوالک اور ناگور وغیرہ مشہور ممالک کے امیروں نے بالاتفاق خان اعظم کو لکھا کہ عماد الدین ریحانی کے بیجا مظالم سے نظام سلطنت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا ہے ایسی حالت میں یہی بہتر ہے کہ تم دہلی آؤ اور مثل سابق کے اب بھی حکومت

کی باگ اپنے ہاتھ میں لو۔ خان اعظم نے ان امیروں کی درخواست قبول کی اور ہانسی سے روانہ ہوا ادھر یہ امرا خان اعظم سے ملنے کے لئے اپنی اپنی جاگیروں سے روانہ ہوئے اور کہرام کے نواح میں ان سب کا مجمع ہوا۔ یہ سنتے ہی عماد الدین نے بادشاہ کو اپنی جگہ سے اٹھایا اور ناصر الدین کے ہمراہ ان امیروں کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ جب بادشاہ ہانسی کے قریب پہنچا تو خان اعظم اور دوسرے امیروں نے اُسے یہ پیغام دیا کہ ہم تمام امیر بادشاہ کے وفادار غلام ہیں اگر عماد الدین بارگاہ سلطانی میں نہ ہو تو ہم سب قدم بوسی کے لئے حاضر ہوں۔ ناصر الدین نے عماد ریحانی کو فوراً عہدہ وکالت سے معزول کر کے بدایون کی صوبہ داری پر روانہ کیا اور یہ تمام امیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شاہانہ نوازش سے سرفراز ہوئے۔ ملک جلال الدین خانی جو ترکان خواجہ تاشش میں سے تھا امیر لاہور ہوا اور شیر خاں حسب دستور سابق دیپال پور ملتان۔ ہنیر بھٹنڈہ اور اس کے مضافات کا امیر مقرر ہوا۔ بادشاہ مظفر و منصور دہلی واپس ہوا۔ خان اعظم کے آنے سے دہلی کے چھوٹے بڑے سب بیحد خوش ہوئے۔

۶۵۳ھ میں ناصر الدین کا مزاج اپنی ماں ملکہ جہاں سے قتلغ خاں کے نکاح میں تھی منحرف ہو گیا۔ بادشاہ نے قتلغ خاں کو اودھ کا جاگیر دار بنا کر دہلی سے اُسے رخصت کر دیا۔ تھوڑے زمانے کے بعد قتلغ خاں بہرائچ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اس تغیر سے قتلغ خاں باغی ہو گیا۔ عماد الدین ریحانی اور ملک اعز الدین کشلی خاں اور نیز چند اور امیروں نے قتلغ خاں کا ساتھ دیا۔ ناصر الدین نے خان اعظم کو قتلغ خاں کی اور ملک تاج الدین ترک کو عماد الدین ریحانی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ عماد الدین تو لڑائی کے بعد اسیر و مقتول ہوا اور قتلغ خاں خان اعظم کے سامنے سے بھاگ کر جیتپور میں پناہ گزین ہوا۔ خان اعظم اُس نواح کو تاخت و تاراج کر کے دہلی واپس ہوا۔

۶۵۵ھ میں راجہ دیپال حاکم جیتپور نے قتلغ خاں کو مدد دی۔ قتلغ خاں ایک بڑا گروہ اپنے ساتھ لے کر کشلی خاں حاکم سندھ کے پاس گیا یہ دونوں امیر ملکر کہرام اور سمانہ کے نواح میں پہنچے اور ملک کے امن و امان میں خلل انداز ہونے لگے

ناصر الدین نے اس مرتبہ بھی اعز الدین اور کشلی خاں حاجب کو جرار لشکر کے ساتھ ان امیروں کے مقابلے میں روانہ کیا۔ جب فریقین ایک دوسرے سے جا ملے تو دہلی سے حضرت شیخ الاسلام قطب الدین اور قاضی شمس الدین بہرایچی وغیرہ اکابرین شہر نے قتلغ خاں اور کشلی خاں کو خفیہ خطوط بھیجے اور ان کو دہلی آنے اور شہر پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی۔ الغ خاں ان امیروں کی مکاری سے واقف ہو گیا اور اُس نے تمام حالات سے بادشاہ کو اطلاع دی ناصر الدین نے حکم دیا کہ یہ تمام لوگ اپنی اپنی جاگیر کو واپس جائیں اور ایک روایت کے موافق ناصر الدین نے سبھوں کو نظر بند کیا۔ اسی دوران میں قتلغ خاں اور کشلی خاں ناواقفیت کے عالم میں دہلی روانہ ہوئے اور گردش زمانہ سے بے خبر دو دن میں سمانہ سے دہلی پہنچے۔ جب دیکھا کہ ان کے بہی خواہ دہلی میں موجود نہیں ہیں۔ تو ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ کشلی خاں تو سندھ چلا گیا اور خان اعظم کی سفارش سے پھر اپنی جاگیر پر بحال ہوا لیکن قتلغ خاں کا کچھ حال نہ کھلا کہ وہ کہاں آوارہ وطن ہوا۔ آخر سنہ مذکور میں مغلوں کا ایک لشکر نواح اچھہ اور ملتان پر حملہ آور ہوا۔ ناصر الدین نے اس لشکر کے دفع کرنے کا ارادہ کر کے سراپردہ سرخ کو باہر لانے کا حکم دیا۔ چار مہینے کے بعد جب لشکر جمع ہو گیا تو بادشاہ نے دہلی سے کوچ کیا اور منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا ملتان پہنچا لیکن چونکہ مغلوں کا لشکر بغیر جنگ کے واپس گیا ناصر الدین بھی مجبوراً دہلی واپس آیا۔ ناصر الدین نے پنجاب کی حکومت پھر شیر خاں کے سپرد کی اور ملک جلال الدین خانی کو لکھنوتی کی حکومت عطا کی ۶۵۶ھ میں بادشاہ نے کڑہ مانک پور کا سفر کیا ارسلان خاں اور قلیچ خاں جنہوں نے اس نواح میں بغاوت برپا کر رکھی تھی اور جو باوجود طلبی کے سفر ملتان میں بادشاہ کے ہمرکاب نہ ہوئے تھے عہد و قسم دے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ارسلان خاں نے ممالک لکھنوتی اور قلیچ خاں نے کوہ پایہ کی حکومت پائی۔ ۶۵۷ھ میں خان اعظم کا بھائی مسمی کشلی خاں بیانہ۔ کول۔ جالیسر۔ اور گوالیار کی حکومت پر فائز ہوا اسی سال دو زنجیر ہاتھی اور بیشمار جواہر اور کپڑے لکھنوتی سے آئے اور

ملک اعزالدین کشلی خاں نے بھی اسی سال وفات پائی۔ ۶۵۸ ہجری میں خان اعظم الغ خاں نے سلطانی حکم سے کوہ پایہ۔ سوالک اور رنتھنبور پر لشکر کشی کی۔ راجپوت میوات اور سوالک کے راجہ بھی جو حال ہی میں سرکش ہوئے تھے بہت سا لشکر جمع کرکے دشوار گزار راستوں پر بادشاہ کے مقابلے میں آئے۔ الغ خاں نے ان سرکشوں کے مقابلے میں سختی اور غیظ و غضب کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور ان دروں اور کھنڈروں میں گھسا جس میں غیرمسلم پناہ گزین تھے۔ خان اعظم نے ان کے مقابلے میں تین چار مہینے کامل لڑائی جاری رکھی لیکن مسلمانوں کا دشمن کے تمام پناہ گزین مقامات پر دسترس نہ ہو سکتا تھا۔ خان اعظم نے اپنے لشکر میں منادی کرادی کہ جو شخص دشمنوں میں کسی کو زندہ گرفتار کر لائیگا اُسے دو تنگے انعام دیا جائیگا اور جو کسی حریف کا سر لائیگا وہ ایک تنکہ پائیگا۔ اس حکم کے سنتے ہی سپاہیوں میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور ہر روز تین چار سو لشکری الغ خاں کی بارگاہ میں آکر زندہ اور مردہ دشمنوں کو پیش کرنے اور اس کے صلے میں انعام لے کر حریفوں کے گرفتار کرنے میں اور زیادہ سرگرمیاں دکھانے لگے۔ راجہ اس پکڑ دھکڑ سے بیحد رنجیدہ ہوئے اور مجبوراً گھنڈروں سے نکل کر میدان میں صف آرا ہوئے۔ خان اعظم نے بھی ان کے مقابلے میں فوج کو ترتیب دیا اپنے لشکر کا میمنہ۔ میسرہ مقدمہ اور قلب درست کرکے لڑائی میں مشغول ہوا۔ خان اعظم نے صبح سے عصر تک لڑائی کا بازار گرم رکھا اور باوجود اس کے کہ بعض ترکی امیر اس لڑائی میں کام آئے لیکن فتح الغ خان کو ہوی اور دو سو پچاس غیرمسلم سردار اور منصب دار زندہ گرفتار ہوئے۔ خان اعظم نے رنتھنبور کے قلعے کے محاصرے سے بھی فائدہ اٹھایا اور بیحد شان و شوکت کے ساتھ دہلی واپس ہوا خان اعظم نے اپنے پابہ زنجیر قیدیوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ ناصرالدین نے اس جماعت کے قتل کا حکم دیا اور ان کو دہلی کے بازار میں جداگانہ طریقوں سے ہلاک کر دیا گیا۔

ربیع الاول سنہ مذکور میں ہلاکو خاں کا ایلچی دہلی پہنچا۔ خان اعظم

پچاس ہزار مسلح اور آراستہ عربی۔ عجمی۔ ترکی۔ خلجی اور افغانی سوار۔ دو لاکھ پیادے سامان حرب سے لدے ہوئے۔ دو ہزار ہاتھی اور تین ہزار آتشبازی کے عرادے اپنے ہمراہ لے کر ایلچی کو لوازمات سلطنت دکھانے کے لئے شہر سے باہر استقبال کو گیا۔ طبل و دہل کی بانگ نفیر کی آواز ہاتھیوں کی چنگھاڑ گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور فوج کے ہتھیار کی کڑک اور چمک سے سارا میدان گونج اٹھا۔ خان اعظم فوج کو ترتیب دے کر خود الگ ایک پرتاب کے فاصلے پر آگے بڑھا اور ایلچی کو ساتھ لے کر فوج کی صفوں اور ہاتھیوں اور بہادران لشکر کا تماشا دیکھتا ہوا ایلچی کو قصر سفید میں بادشاہ کے حضور میں لایا۔ اس دن بادشاہی قصر سونے اور چاندی کے لوازمات شاہی سے آراستہ کیا گیا تھا اور ارکان دولت۔ سادات و مشائخ۔ امرائے سلطنت اور پچیس شاہ و شاہزادے جو عراق و خراسان اور ماوراالنہر وغیرہ ملکوں سے چنگیز خانی طوفان وارہ گیر میں آوارہ وطن ہو کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے تھے اور ہندی رائے اور رائے زادہ دست بستہ تخت شاہی کے سامنے کھڑے تھے۔ نظام الدین احمد اپنی تاریخ میں کہتا ہے کہ سلطان ناصر الدین ہر سال دو قران شریف اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا اور انہیں کا ہدیہ سلطان کے ذاتی خورو نوش میں صرف ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ کے لکھے ہوئے قران شریف کو ایک امیر نے معمول سے زیادہ رقم پر ہدیہ لیا بادشاہ کو یہ بات بھلی نہ معلوم ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ آئندہ سے اس کے لکھے ہوئے مصحفوں کا خفیہ طور پر رائج الوقت قیمت پر ہدیہ کیا جائے۔ بادشاہ کے گھر میں سوا اس کی زوجہ کے اور کوئی خادمہ اور لونڈی کام کرنے کو نہ تھی۔ بی بی ہی بیچاری بادشاہ کا کھانا پکاتی تھی۔ ایک روز بیگم نے بادشاہ سے کہا کہ روٹی پکاتے پکاتے میرے ہاتھ سوج گئے ہیں اگر بادشاہ ایک لونڈی اس خدمت کے لئے خرید لیں تو کوئی ہرج نہ ہوگا بادشاہ نے بی بی کو جواب دیا کہ بیت المال بندگان خدا کا حق ہے میں اس بات کا مجاز نہیں ہوں کہ اس میں سے کچھ روپیہ لے کر اپنے ذاتی آرام کے لئے لونڈی خریدوں۔ دنیا کی تکلیفوں پر صبر کرو خدا اس کا بدلہ تمہیں آخرت میں دے گا۔ ایک دن ایک سائل بادشاہ کی خدمت میں

حاضر ہوا بادشاہ اس وقت قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ سائل کی نظر قرآن کے ایک صفحہ پر ایسی جگہ پڑی کہ جہاں "فیہ فیہ" مکرر لکھا ہوا تھا۔ سائل نے کہا کہ اس مقام پر ایک فیہ زاید ہے۔ بادشاہ نے قلم و دوات لے کر ایک فیہ کے گرد حلقہ کھینچ دیا اور سائل کی حاجت روائی کرکے اسے رخصت کیا۔ سائل کے جانے کے بعد بادشاہ نے قلمتراش سے اس کشیدہ حلقے کو مٹا دیا۔ ایک غلام کھڑا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ غلام نے بادشاہ سے پوچھا کہ ایک مرتبہ حلقہ کھینچنے اور پھر اس کو دوبارہ مٹانے میں کیا حکمت تھی۔ بادشاہ نے کہا کہ معترض سائل تھا اگر میں اس کے اعتراض کی تردید کرتا تو یہ شخص بلا اپنی حاجت برآری کئے ہوئے نادم و پشیمان واپس جاتا اس لئے میں نے یہ سمجھ کر ایک مرتبہ حلقہ کھینچا اور دوبارہ اس کو مٹا دیا کہ دنیا میں غبار دل دور کرنے سے کاغذ کے نقوش کو مٹانا بہت آسان ہے۔ کہتے ہیں کہ ناصر الدین کے ایک مصاحب کا نام محمدؐ تھا۔ بادشاہ اسے ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔ ایک روز بادشاہ نے اس مصاحب کو تاج الدین کہہ کر بلایا۔ اس مصاحب نے شاہی حکم کی تعمیل کی لیکن اس کے بعد مصاحب اپنے گھر چلا گیا اور تین دن تک بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ بادشاہ نے مصاحب کو طلب کیا اور اس سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا۔ مصاحب نے کہا کہ بادشاہ مجھے ہمیشہ محمدؐ کے نام سے پکارا کرتے تھے اس روز خلاف عادت میں تاج الدین کے نام سے بلایا گیا اس نام کے تغیر سے میں یہ سمجھا کہ بادشاہ کے مزاج میں میری طرف سے کوئی بدگمانی پیدا ہو گئی ہے اس لئے میں نے اپنی صورت بادشاہ کو نہیں دکھائی اور تین دن کرب و پریشانی میں بسر کئے۔ بادشاہ نے یہ تبسم کہا کہ میں تجھ سے بدگمان نہیں ہوں لیکن جب میں نے تجھے تاج الدین کہکر پکارا تھا اس وقت میں باوضو نہ تھا۔ مجھے شرم آئی کہ محمدؐ کا مقدس نام بلا وضو اپنی زبان سے لوں۔ ۶۶۳ھ میں ناصر الدین بیمار ہوا اور گیارہ جمادی الاول ۶۶۴ھ میں اس نے رحلت کی۔ ناصر الدین نے کچھ اوپر بائیس سال حکومت کی ✿

فردوس نشین سلطان غیاث الدین بلبن

غیاث الدین بلبن قراختائی نسل کا ترک اور البری قبیلہ کا ہونہار فرزند تھا بلبن کا باپ دس ہزار گھرانوں کا سردار تھا۔ جب مغلوں کا سیلاب فتوحات ترکستان کے حدود میں پہنچا تو بلبن بھی ایک مغل کے ہاتھ میں گرفتار ہوا۔ مغل مالک سے اسے ایک سوداگر نے خریدا یہ سوداگر بلبن کو ساتھ لے کر بغداد آیا اور سنہ ۶۳۰ھ میں بلبن کو بغداد کے مشہور متدین اور دیندار بزرگ خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کیا۔ خواجہ جمال کو جب معلوم ہوا کہ بلبن کی رگوں میں بھی ہندوستان کے نامی فرمانروا التمش کے بزرگوں کا خون دورہ کر رہا ہے تو انعام کی امیدوں کا ایک بڑا ذخیرہ ساتھ لے کر حاجی جمال نے اسی سال ہندوستان کا سفر کیا۔ دہلی پہنچکر خواجہ جمال نے چند ترکی غلام التمش کے حضور میں پیش کئے انہی غلاموں میں بلبن بھی تھا۔ التمش نے خواجہ جمال کے تمام غلاموں کو بیش بہا قیمت پر خرید لیا۔ خواجہ جمال انعام سے مالامال ہو کر بغداد روانہ ہوا۔ التمش نے بلبن کے چہرے سے آنے والی عظمت اور جلال کی جھلک نمودار دیکھ کر اسے باز دار خاصہ مقرر کیا۔ بلبن کا ستارہ اقبال افق عروج پر آ رہا تھا اس نے التمش کے دل میں گھر کرتے ہی اپنے بھائی کشلی خاں کو بھی پہچان لیا۔ بلبن کا اپنے با اقتدار بھائی کو پہچاننا تھا کہ اس کی عزت اور وقعت شمسی دربار میں اور دوبالا ہو گئی۔ سلطان رکن الدین کے زمانے میں بلبن تمام ہندوستانی ترکوں کا افسر بن کر پنجاب کے مشہور باغیوں کا سردار رہا۔ رضیہ سلطان کی حکومت میں جب ترک نواح دہلی میں پہنچکر آپس کے جھگڑوں میں مبتلا ہوئے اور ان کی مختلف جماعتیں بن گئیں تو بلبن بھی شاہی فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر نظر بند کیا گیا لیکن تھوڑے ہی زمانے کے بعد اس نے قید سے نجات پائی اور میر شکار بنایا گیا۔ معز الدین بہرام شاہ کے عہد حکومت میں بلبن کا اعزاز اور دوبالا ہوا۔ اور میر شکاری کے مرتبے سے ترقی کر کے وہ

امیر اخور کے معزز عہدے پر فائز ہوا۔ بلبن کی زندگی کے ہر پہلو میں اس کے مستقبل کی طرف کوئی نہ کوئی اشارہ تھا۔ اُس کا قید میں گرفتار ہونا اس کے لئے ایک سبق تھا جو ابتدا ہی میں بلبن کو اس لئے پڑھا دیا گیا کہ صاحب حکومت ہو کر بھی محنت زدوں کی مصیبت کا اُسے اندازہ ہو سکے۔ میر شکاری کا عہدہ اس بات کا پتہ دیتا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب دنیا اُس کے دام سیاست کا شکار ہو گی امیر اخوری کے عہدے سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ شہسوار ایک دن میدان حکمرانی میں جولان گاہی کرے گا۔ بلبن نے امیر اخوری کی خدمت تھوڑے ہی دن انجام دی تھی کہ اُس تقدیر کے روشن ستارے نے بدر رومی امیر حاجب کے دل کو اپنی طرف کھینچا۔ بدر رومی کی سفارش اور عنایتوں سے بلبن کا نام بھی بہرامی امیروں کی فہرست میں لکھا گیا اور ہانسی اور ریواڑی کے پرگنے جاگیر میں دئے گئے بلبن نے اپنی جاگیر پر پہنچکر ان غیر مسلم میواتیوں کو زیر کیا جو دار الخلافت کو لوٹ مار سے تاراج کیا کرتے ان سرکش میواتیوں کی شکست نے بلبن کی مردانگی اور اس کے جوہر شجاعت پر اور جلا دی اور بہرامی دنیا میں اُس کے نام کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ بہرام کے بعد عہد مسعودی کا آغاز ہوا۔ یہ زمانہ بلبن کے لئے اور زیادہ مبارک ثابت ہوا۔ عہد مسعودی سنہ ۶۴۲ھ میں بلبن امیر حاجب مقرر کیا گیا۔ اس عظیم الشان مرتبے پر پہنچکر بھی بلبن کے باہمت دست و بازو سلطنت کے مہمات انجام دیتے رہے۔ اور ناصر الدین محمود کے عہد میں بلبن امیر حاجب کے مرتبے سے ترقی کر کے وزارت کے عظیم الشان عہدہ پر فائز ہوا اس دور میں بلبن کا اقتدار معیار کمال پر پہنچ گیا۔ شمسی خاندان کے اس آخری عہد میں بلبن کا اثر سارے ملک پر ایسا چھا گیا کہ شاہی خطاب صرف برائے نام ناصر الدین کے نام رہا اور کلی اقتدار اور حکمرانی کی باگ بلبن کے ہاتھ میں آگئی۔ ناصر الدین محمود کے بابرکت عہد کے ختم ہوتے ہی بلبن نے بلا کسی رکاوٹ کے قصر سفید میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ ملک کے خاص و عام امیر و غریب سبھوں نے خوشی سے بلبن کے آگے سر تسلیم خم کیا۔

اسلامی مورخین نے غیاث الدین کے علاوہ دو چار اور ترکی امراء

افسروں کے ساتھ ہی بلبن کا لفظ لکھا ہے۔ بلبن کی اس عمومیت سے یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب غیاث الدین ہی کے نام کا عربی جزو نہیں ہے بلکہ ترکوں کے کسی گروہ کا خاندانی اسم ہے۔

ترکان چہلگانی کی تشریح

التمش کے چالیس ناز پرودہ مشہور غلام تھے اور انہیں آغوش گرفتہ فرزندوں کے پورے گروہ کو ترکان چہلگانی کہتے ہیں۔ التمش کی وفات کے بعد یہ گروہ ایک مجلس میں جمع ہوا اور انہوں نے ایک دوسرے کی مدد اور اعانت پر شدید قسمیں کھا کر ہندوستان کی حکومت آپس میں تقسیم کر لی۔ اور ترکان خواجہ تاش کے نام سے اپنے گروہ کو مشہور کیا۔ ان برادران سیاسی کا یہ اتحاد کچھ بہت دنوں نہ قائم رہا اور تھوڑے ہی زمانے میں ان میں سے ہر ایک غرور و تکبر کے نشہ میں سرشار ہو کر خود پرستی کا دم بھرنے لگا ترکان خواجہ تاش کے گروہ میں غیاث الدین بلبن کو سب پر فتح حاصل ہوی۔ بلبن نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے اپنے خواجہ تاش رقیبوں ہی پر ہاتھ صاف کیا اور اس گروہ میں جس کو ذرا بھی ابھرتا ہوا دیکھا اُسے فوراً دبا دیا۔ بلبن کی اس سیاسی دست درازی نے یہاں تک طول کھینچا کہ خود اس کا حقیقی چچا زاد بھائی اور گروہ چہلگانی کا بڑا معزز رکن سردار شیر خاں بھی اسی احتیاط کا شکار ہوا اور زہر کے ذریعہ سے اس کی موت واقع ہوئی۔ بلبن نے حریفوں سے ملک کو پاک کر کے ہندوستان کے نظام سیاست پر توجہ کی اور تھوڑے ہی دنوں میں اُس نے تمام ملک پر قبضہ کر لیا۔ بلبن کی عظمت و شان اس درجہ بڑھی کہ عراق خراسان اور ماوراالنہر کے فرمانرواؤں نے اپنا رابطۂ اتحاد اُس کے ساتھ مضبوط کیا۔ بلبن بہت عقلمند سنجیدہ کار اور صاحب وقار بادشاہ تھا۔ اُس کے ہر حکم اور ہر کام میں سنجیدگی اور سمجھداری کے آثار پائے جاتے تھے۔ اُس کی عادت تھی کہ سلطنت کے اہم کام ہمیشہ موزوں اور مناسب لوگوں کے سپرد کرتا تھا۔ نا اہلوں کا اُس کے دربار میں گذر محال تھا۔ جب تک کہ لوگوں کی صلاحیت

ایمانداری اور پرہیزگاری اور پختہ کاری کا اُسے تجربہ ہو جاتا اُن کو عام ذمہ داری کے کام سپرد کرتا تھا ان شخصوں کے ساتھ عمال اور حاکموں کی عالی نسبی کا بھی اُسے بڑا خیال تھا۔ اُس کے مقرر کردہ عاملوں اور صوبہ داروں میں رذیلوں اور سفلہ مزاج لوگوں کی گنجایش نہ تھی۔ اول تو تقرر کے وقت ہی عاملوں اور حاکموں کی دیانت اور پرہیزگاری سے پورا اطمینان کر لیا جاتا تھا لیکن اگر اس ابتدائی جانچ میں کسی طرح کی کمی رہی اور بعد کو کسی عامل کی بددیانتی یا بدنسبی کا کچھ ثبوت مل گیا تو فوراً وہ شخص اپنے عہدے سے برطرف کیا جاتا تھا۔ بلبن نے غیر مسلموں کو ذمہ دار حاکم کبھی نہیں مقرر کیا اُس کا خیال تھا کہ غیر مسلم حاکموں سے مسلمان رعایا کو تکلیف پہنچیگی۔ بلبن نے اپنے تمام زمانۂ حکومت میں جو بائیس سال کا زمانہ سمجھا گیا ہے کبھی رذیلوں اور بازاری لوگوں سے کلمہ و کلام نہیں کیا اس کی بارگاہ میں سفلوں اور بزدل لوگوں کا پہنچنا محال تھا۔ نقل ہے کہ بلبن کے زمانے میں فخرو بائی نام ایک رئیس تھا یہ شخص بیحد دولتمند تھا اور عرصے تک اس نے بلبن کی بارگاہ میں خدمت کی تھی بلبن نے اپنی عادت کے موافق کبھی اس شخص سے گفتگو نہ کی تھی۔ فخرو بائی نے درباریوں کے ذریعے سے بادشاہ کی خدمت میں معروضہ کیا کہ اگر بادشاہ ایک بار اس رئیس بازاری سے گفتگو کرلے تو فخرو اُس کے معاوضہ میں نقد و جنس کی کثیر مقدار بطور نذرانہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریگا۔ جب دربانوں نے فخرو کا معروضہ غیاث الدین کے سامنے پیش کیا تو بلبن نے جواب دیا کہ فخرو اگرچہ دولتمند ہے لیکن وہ خود بیاتزاری اور بیاتزاریوں کا سردار ہے ایسے شخص سے بادشاہ کا ہم کلام ہونا بادشاہ کی ہیبت اور وقار کو کھوتا ہے اور عوام کے دل میں شاہی رعب داب قائم نہیں رہتا شیخ عین الدین بیجاپوری ملحقات طبقات ناصری میں لکھتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین کے لئے صرف یہ ہی ایک بات کیا کم مایۂ ناز ہے کہ اُن بادشاہوں اور شاہزادوں کے علاوہ جو غیاث الدین سے پہلے ہندوستان میں آکر آباد ہوئے تھے پندرہ شاہزادے ترکستان۔ ماوراءالنہر۔ خراسان۔ عراق آذربائجان۔ فارس۔ روم اور شام وغیرہ مختلف ملکوں سے چنگیز خانی مصیبتوں سے پریشان ہوکر دہلی میں آکر پناہ گزین ہوئے یہ سب کے سب امرائے بلبنی میں

داخل ہو کر صاحب عزت و وقار ہوئے۔ ان آوارہ وطن شاہزادوں میں صرف دو شاہزادے جو خلفائے بنی عباس کی نسل سے تھے پایۂ تخت کے قریب بیٹھتے تھے باقی تیرہ بادشاہزادے بعد عقیدت اور ذوق کے ساتھ تخت شاہی کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب کبھی کوئی شہزادہ یا دلی کامل ارضی یا سماوی آفتوں کے ہاتھوں آوارہ وطن ہو کر بلبن کے دامن میں پناہ لیتا تھا تو بلبن ایسے مہمان کی آمد سے بیحد خوش ہوتا اور اس کے آنے کے صلے میں خدا کی درگاہ میں شکر بجا لاتا تھا۔ بلبن کی عادت تھی کہ اپنے مہمانوں کے لئے علیحدہ علیحدہ محلے مقرر کرتا تھا۔ چنانچہ اس طرح پر پندرہ محلے بلبن کے عالی مرتبہ مہمانوں سے آباد ہوگئے ان محلوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ محلہ عباسی۔ محلہ سنجری۔ محلہ خوارزم شاہی۔ محلہ دیلمی۔ محلہ علوی۔ محلہ اتابکی۔ محلہ غوری۔ محلہ چنگیزی۔ محلہ رومی۔ محلہ سنقری محلہ یمنی۔ محلہ موصلی۔ محلہ سمرقندی۔ محلہ کاشغری۔ محلہ خطائی۔ بلبن کی بارگاہ میں بقدر نادر اور عدیم المثال اور منتخب اہل سیف و قلم اور ایسے مشہور اور کامل گویے اور سازندے جمع ہوگئے تھے کہ اس کی بارگاہ بلاشبہ محمود اور سنجر جیسے عظیم الشان بادشاہوں کی بارگاہ سے کہیں زیادہ بلند اور عالی مرتبہ ہوگئی تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس نادر الوجود مجمع کا ایک حصہ یعنی علما اور اہل سیف و بہادران روزگار اس کے بڑے بیٹے خان شہید کی محفل میں جمع ہو کر اپنے بابرکت وجود سے لوگوں کو فیضیاب کرتے تھے۔ اور دوسرا حصہ یعنی قصہ گو۔ سازندے۔ گویے اور ظریف و بذلہ سنج بلبن کے چھوٹے بیٹے بغرا خاں کی مجلس کی زیب و زینت کو دوبالا کرتے تھے اور دنیاوی غم و الم کو دل سے دھوتے تھے۔ امیروں اور رئیسوں کا بھی یہی عالم تھا کہ موافق مثل الناس علیٰ دین ملوکہم ہر شخص اپنے اپنے مذاق کے موافق انہیں دو گروہ کی پرورش کرتا اور انہیں سے اپنی مجلس کی زینت دوبالا کرتا تھا۔ غیاث الدین بلبن لباس کی آرائش اور لوازمہ عظمت اور دبدبۂ شاہی کے ترقی دینے کا بڑا شائق تھا۔ بادشاہ بیحد رعب و ہیبت کے ساتھ دربار عام کیا کرتا تھا۔ بلبن کا رعب و داب اور اس کی شوکت و حشمت دیکھ کر لوگوں کا پتہ پانی ہوتا تھا۔ اور اس کی عظمت و شان سن کر سرکشوں کا بدن تھراتا تھا اور اس کی سیاست سے

باغیوں کا دل لرزتا تھا۔ جب بلبن سوار ہو کر کسی جگہ جاتا تو پانچ سو سیستانی۔ عربی
سمرقندی۔ کرد۔ اور غوری سوار اُس کی سواری کے ساتھ ہائے ہوئے کا نعرہ بلند
کرتے ہوئے پیادہ پا چلتے تھے۔ بلبن جشن مجلس بھی بڑے لطف سے آراستہ کرتا تھا
عید اور نوروز کا دربار بادشاہان عجم کے طریقہ پر سجایا جاتا تھا اور بادشاہ تمام دن
دربار میں بیٹھ کر امیرون اور عہدہ داروں کے نذریں اور پیش کش قبول کرتا تھا۔ قاعدہ
یہ تھا کہ جب کسی امیر کا کوئی ہدیہ یا نذر بادشاہ کے سامنے پیش ہوتی تو شاہی مقرب اس
امیر کے پسندیدہ صفات اور قابل قدر خدمات کا بادشاہ سے ذکر کرتے۔ مجلس میں منقش
فرش بچھایا جاتا تھا اور زربفت کے پردے لٹکائے جاتے تھے۔ تمام مجلس میں چاندی
اور سونے کے برتن رکھے جاتے تھے میوے اور شربت اور پان کثرت سے
مجلس میں منگائے جاتے اور اہل مجلس کی خاطر خواہ تواضع کی جاتی تھی۔ بلبن
نے اکثر اپنے امیروں سے کہا ہے کہ میں نے سلطان شمس الدین التمش کی مجلس
میں ترکی امیروں سے بارہا سنا ہے کہ جو بادشاہ تربیت دربار رسوم سواری اور
آداب سلطنت کا لحاظ نہیں کرتا اس کا رعب و داب رعیت کے دل میں قائم
نہیں رہتا اور نہ دیکھنے والوں پر اُس کی حشمت اور دولت کا کچھ اثر ہوتا ہے۔ بلکہ
ایسے بادشاہ کے دشمن دلیر ہو جاتے ہیں اور اُس کی حکومت میں خلل پیدا کر کے
سلطنت کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ جس طرح بلبن دربار اور سواری کی شان و شوکت
کا شائق تھا اسی طرح انصاف اور حق پرستی میں بھی اُسے کامل دستگاہ حاصل تھی
مشہور ہے کہ ایک مرتبہ جاندار کے فرزند ملک نعیق نے جو شاہی امیروں میں داخل
اور چار ہزار سوار کا مالک اور بداؤن کا صوبہ دار تھا ایک فراش کو دُرّے لگاتے لگاتے
اُس کو مار ڈالا۔ تھوڑے دنوں بعد بلبن بداؤن گیا اُس فراش کی بیوہ فریاد لے کر
بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوی بادشاہ نے سر دربار حکم دیا کہ ملک نعیق کو بھی درے
لگا کر اُسی بیوہ کے شوہر کا ہمکنار کر دیا جائے بادشاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور اُس
امیر کا جسم دروازہ شہر پر لٹکا دیا گیا۔ اُسی طرح اُس کے ایک معتبر غلام مسمی
ہیبت خاں حاکم اودھ نے نشہ کے عالم میں ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ اس شخص کی
زوجہ بھی بادشاہ سے دادخواہ ہوی۔ غیاث الدین نے ہیبت خاں کو پانچ سو درے

پٹوا کر اسی بیوہ کو بخش دیا اور اس سے کہا کہ اب تک یہ میرا غلام تھا آج سے یہ مجرم تیرا بندہ ہے تجھے اختیار ہے چاہے قتل کرا در چاہے اس کا قصور معاف کر۔ ہیبت خاں نے نامی امیروں سے بادشاہ کے حضور میں سفارش کرائی اور بڑی مشکل سے تیس ہزار روپئے اس ضعیفہ کو دے کر اپنی جان بچائی۔ بادشاہ نے اس فیصلے کو منظور کیا لیکن ہیبت خاں ایسا اس واقعہ سے شرمندہ ہوا کہ مرتے دم تک خانہ نشین ہی رہا۔ بلبن اپنے بیٹوں سے کہا کرتا تھا کہ سلطان شمس الدین التمش فرماتے تھے کہ میں نے دو مرتبہ معز الدین محمد بن بہاء الدین سام کی مجلس میں سید مبارک غزنوی سے سنا ہے کہ بادشاہوں کے اکثر افعال شرک کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور ان سے اکثر کام سنت نبوی صلعم کے خلاف سرزد ہوتے ہیں لیکن اس پر بھی اگر ان چار چیزوں میں بھی خلل پڑا تو پھر ان سے بڑھ کر اور کوئی گنہ گار نہیں ہے۔ اول یہ کہ بادشاہ کو چاہئے کہ اپنی حشمت اور شوکت کے دبدبہ کو مناسب محل اور موقع پر استعمال کرے اور سوائے خلق کی بھلائی اور خداترسی کے اور کوئی دوسری بات اس کے مدنظر نہو دوسرے یہ کہ کسی طرح کی بدکاری کو اپنے ملک میں رائج نہ ہونے دے اور ہمیشہ فاسقوں اور بے غیرتوں کو ذلیل اور رسوا رکھے۔ تیسرے یہ کہ سلطنت کے کام ہمیشہ عقلمندوں اور شائستہ لوگوں کے سپرد کرے اور مخلوق کی باگ ہمیشہ دیانت دار اور خداترس لوگوں کے ہاتھ میں دے۔ بدعقیدہ لوگوں کو اپنے ملک میں قدم نہ جمانے دے اس لئے کہ یہی لوگ مخلوق کی گمراہی کا باعث ہوتے ہیں چوتھے یہ کہ انصاف میں پوری کوشش کرے اور ماتحتوں کے کاموں کو برابر عدل کی ترازو میں تولتا رہے تاکہ ملک میں ظلم اور جبر کا نام بھی نہ سنائی دے۔ پس تم لوگ جو میرے جگر کے ٹکڑے ہو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم میں سے کوئی کسی عاجز اور لاچار پر ظلم کرے گا تو میں ظالم کو ضرور سزا دونگا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب غیاث الدین بلبن کسی ندی کے کنارے یا کسی گڑھے کے پاس یا کسی دریا کے پل کے قریب پہنچتا تو خود پانی کے کنارے کھڑا ہو جاتا اور امیروں اور ارکان دولت کو حکم دیتا تھا کہ ہاتھوں میں لکڑیاں لے کر انتظام کریں اور پہلے مریضوں۔ عورتوں بچوں

اور کمزور جانوروں کو پار کرائیں اور یہ حکم تھا کہ زبردست اور طاقتور لوگ ان
عاجزوں کی مدد کریں اس کے بعد گھوڑے ہاتھی اور دوسرے باربرداری کے
جانور عبور کریں۔ اکثر مقامات پر اس انتظام میں کئی کئی روز صرف ہوگئے ہیں لیکن
اس شیردل بادشاہ پر کسی طرح کا خوف طاری نہیں ہوا۔ بلبن اپنی امارت کے زمانے
میں شراب کا بیحد شائق تھا اور اس زمانے میں اُس کی مجلس شیریں سخن ندیموں اور
خوش آواز گویوں سے بھری رہتی تھی امیر اور رئیس اس مجلس میں بلائے جاتے تھے
اور بادشاہ بڑے شوق سے چوسر وغیرہ کھیلتا اور اہل مجلس پر سونا اور چاندی نچھاور
کرتا تھا لیکن جب بلبن نے تخت حکومت پر قدم رکھا تو اُس نے اس فعل سے بالکل
توبہ کرلی اور مے نوشی اور تمام کبائر کا نام تک اپنے ملک سے مٹا دیا اور ہمیشہ روزے
اور نماز کا پابند رہا۔ فرائض کے علاوہ تہجد چاشت اور اشراق کی نماز کبھی اُس نے
قضا نہیں کی اور ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ علما اور صوفیوں کے سامنے کبھی خود
کھانے پر پیش دستی نہیں کرتا تھا۔ بلبن کی عادت تھی کہ کھانے کے وقت علمائے
مسئلوں کی تحقیق کرتا اور امیروں اور بزرگوں کے مکان پر خود بھی بازدید کو جاتا تھا
اور اُن کی عزت اور توقیر کرتا تھا بلبن کا معمول تھا کہ نماز جمعہ پڑھ کر مشائخ اور علماء
کے گھر جاتا اور شیخ برہان بلخی۔ مولانا سراج الدین سنجری مولانا نجم الدین دمشقی جیسے
بزرگوں کی صحبت سے ہر جمعہ کو فیض یاب ہوتا تھا۔ بادشاہ قبرستان میں جاکر قبروں
کی زیارت بھی کرتا اور ارکان دولت اور بزرگوں کے جنازے پر جاتا اور ان
کی تجہیز و تکفین میں شریک بھی ہوتا تھا۔ علاوہ نماز جنازہ پر حاضر ہونے کے یہ نیکدل
بادشاہ میت کے گھر پر بھی جاتا اور اُس کے پس ماندگان کو صبر اور راضی برضائے
الٰہی رہنے کی تاکید کرتا تھا۔ بادشاہ مرحوم امرا کے وارثوں کو خلعت اور اکرام سے
مالا مال کرکے یتیم بچوں کی پرورش کے لئے گرانبہا وظیفے مقرر کرتا اور اُن کے
غم میں شریک ہوتا تھا۔ باوجود اس دبدبہ وحشمت کے اگر سواری کے وقت راستے
میں کہیں لوگوں کا مجمع نظر آتا اور بادشاہ کو یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ یہ مجلس وعظ ہے
تو غیاث الدین فوراً سواری سے اتر کر مجلس میں شریک ہوتا تھا۔ خدا اور رسول
کے احکام بغور سنتا اور زار زار روتا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ بلبن کے قدیم ملازموں

اور خاص دربانوں کا بیان ہے کہ ان میں سے کسی نے بادشاہ کو بے کلاہ و بے موزہ نہیں دیکھا۔ غیاث الدین کبھی مجلس میں آواز سے قہقہہ نہیں لگاتا تھا۔ بلبن کا قول تھا کہ بادشاہ کا رعب اور اس کی ہیبت جتنی اس کے ذاتی وقار اور متانت سے رعایا کے دل میں بیٹھتی ہے ویسی سیاست سے ہرگز قائم نہیں ہو سکتی۔ بلبن کہا کرتا تھا کہ بادشاہ کا پر رعب و جلال نہ ہونا رعایا کی سرکشی اور بغاوت کا باعث ہوتا ہے۔ جو بادشاہ کہ اپنے ذاتی وقار کو قائم رکھتا ہے وہ جاہ و جلال کے ساتھ مدتوں حکمرانی کرتا ہے ورنہ اسکی حکومت میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوجاتا ہے۔ انصاف کے قانون محض کتابوں میں مندرج رہ جاتے ہیں اور ظلم و جور کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

لیکن باوجود ان خوبیوں اور عمدہ عادتوں کے مسلم اور غیر مسلم باغیوں اور سرکشوں کو سزا دینے میں کسی طرح کی کمی نہیں کرتا تھا۔ اس کے عہد میں ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے ہر طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں قتل و قید کسی قسم کی سزا ہی میں وہ دریغ نہیں کرتا تھا خواہ وہ سزا شرع کے مخالف ہو یا موافق۔ بلبن نے شمسی خاندان کے اراکین کو حریف سلطنت سمجھکر اشارے کنایے اور احکام صریحی سے ہر طرح پہ تہ تیغ کیا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ بلبن نے ایک شخص کی بغاوت کی وجہ سے سارے لشکر یا تمام شہر کو تباہ و برباد کرڈالا ہے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ کسی شخص کو ہمت نہیں ہوتی تھی کہ بلبن کی اطاعت اور فرمانبرداری کے دائرے سے باہر قدم رکھے شمسی عہد کے وہ قانون اور ضابطے جو التمش کے جانشینوں کی غفلت اور کمزوری کی وجہ سے تقریباً منسوخ ہوگئے تھے وہ سب اس عہد میں پھر اسی طرح واجب العمل قرار پائے جیسا کہ خود شمس الدین کے عہد میں رائج تھے۔ بلبن کو شکار کا بیحد شوق تھا اور اسی وجہ سے اس کے عہد میں میر شکاری کا عہدہ بہت معزز اور مکرم سمجھا جاتا تھا۔ بلبن باوجود سلطنت کے تمام کام انجام دینے کے اکثر تمام تمام دن شکار میں بسر کرتا تھا۔ جاڑے کے زمانے کو اس شغل کے لئے بیحد غنیمت سمجھ کر یہ بادشاہ ہمیشہ اس فصل کی آرزو کیا کرتا تھا اور دہلی کے چاروں طرف بیس کوس برابر شاہی شکار کے لئے راستے کی حفاظت کی جاتی تھی۔ بلبن ہمیشہ تھوڑی رات رہے شکار کے لئے اپنے محل سے سوار ہوتا تھا اور دوسری رات کے دو تہائی حصہ

گزرنے کے بعد شکارگاہ سے بارگاہ سلطانی کو واپس آتا تھا ایک ہزار سوار اور ایک ہزار پیادہ تیر انداز نوبت بہ نوبت ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے اور ان سب کا خرچ خزانہ شاہی سے ادا کیا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب بلبن کے شوق شکار کا حال ہلاکو خاں نے سنا تو اس خونخوار فرمانروا نے سردربار یہ کہا کہ بلبن تجربہ کار اور نجابت والا فرمانروا ہے بظاہر تو شکار کا شغل رکھتا ہے لیکن حقیقتاً اس طرح سواری کی ورزش کیا کرتا اور اپنے لشکر کی حفاظت کرتا ہے۔ بلبن نے ہلاکو خاں کا یہ قول سنا تو اس کی فراست اور دانشمندی کی بیحد تعریف کی اور کہا کہ سچ ہے حکمرانی اور سیاست کے قواعد وہی شخص کچھ خوب جانتا ہے جس نے اپنی تلوار سے ملک گیری کی ہو۔ جب غیاث الدین بلبن کی سلطنت پائدار اور مستحکم ہوگئی تو چند معتبر امیروں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ گجرات اور مالوہ اور نیز دوسرے مشہور مقامات جو ایبک اور التمش کے زمانے میں اسلامی دائرہ حکومت میں داخل ہو چکے تھے وہ پھر خود سر ہوگئے ہیں مناسب یہ ہے کہ اندرونی انتظام کے استحکام کے بعد اب ان شہروں کی طرف توجہ کی جائے اور یہ ممالک پھر شہنشاہ دہلی کے مطیع اور خراج گزار بنائے جائیں۔ بلبن نے ان امیروں کو جواب دیا کہ اس زمانے میں مغلوں کا تسلط ہندوستان کے ایک حصہ پر ہوگیا ہے اور ان کا گروہ برابر ممالک ہندوستان پر چھاپہ مارا کرتا ہے ایسے وقت میں دہلی سے ہٹنا اور دور دراز ملکوں کے فتوحات کے لئے پایہ خلافت کو محافظوں سے خالی کرنا دانشمندی سے دور ہے اس وقت تو اپنے ہی ملک میں رہ کر سلطنت کو دشمنوں کے زد سے بچانا ہر طرح پر نئے فتوحات کرنے سے زیادہ مناسب ہے۔ اسی سال جلوس یعنی سنہ ۶۶۴ھ میں ارسلان خاں کے بیٹے محمد تاتار خاں نے جو سلطان ناصر الدین محمود سے منحرف ہو کر باغی ہوگیا تھا تریسٹھ ہاتھی اور دوسرے بیش قیمت تحفے لکھنوتی سے غیاث الدین بلبن کی خدمت میں بھیجے بادشاہ نے اس ہدیہ کو فال نیک سمجھ کر اسے قبول کیا اور امرا اور رعایا کو حکم دیا کہ شہر میں آئینہ بندی کر کے جشن عیش و عشرت منعقد کریں اور خوشیاں منائیں۔ بلبن نے بڑے شوق و ذوق سے چبوترہ ناصری پر جو دروازہ بداؤن کے باہر واقع ہے جلوس کر کے دربار عام کیا۔ اس دربار میں تمام امیر

ارکان سلطنت اور باجگذار فرمانروا حاضر تھے سبھوں نے شاہی ملاحظہ میں نذریں پیش کیں اور انعام واکرام سے مالامال ہوئے بلبن نے اس طرح تاتار خاں کو اپنا اطاعت گزار بنا کر اس کو اپنے نامی امیروں میں داخل کیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ التمش کے جانشینوں کے زمانے میں میواتیوں کا ایک گروہ نواح دہلی میں جنگلوں کے جھنڈ میں چھپکر قتل وغارت کیا کرتا تھا راتوں کو یہ لٹیرے گھروں میں گھس آتے اور زبردستی مال چرا کر لے جاتے تھے اور حوالی شہر کی سراؤں کو بالکل تباہ وبرباد کرتے تھے سوداگروں کو ان سے امن میسر نہ تھا بلکہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ شمسی حوض کے کنارے سقوں اور گھر کی پانی بھرنے والی لونڈیوں پر دن دہاڑے انہوں نے چھاپہ مار کر غریبوں کو ناقابل برداشت تکلیف پہنچائی ہے شہر کے دروازے ان کے خوف سے مغرب کے وقت سے بالکل بند ہو جاتے تھے اور نماز عصر کے بعد سے کوئی شخص قبرستان تک جانے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا رعایا کی ان مصیبتوں کا اندازہ کر کے بلبن نے ان میواتیوں کا قتل اپنے تمام فرائض جہانداری پر مقدم رکھا اور سال جلوس کے آخری زمانے میں ان بے رحموں کو تباہ کرنے کی غرض سے دہلی سے روانہ ہوا۔ بلبن نے ان میواتیوں کو گھیر کر قریب ایک لاکھ سرکشوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور ان جنگلوں کو جو ان لٹیروں کا ماوی اور ملجا تھا بالکل صاف کر کے زمین کو زراعت پیشہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بلبن نے اس جگہ چند تھانے بھی مقرر کئے اور ان تھانوں کی محافظت اپنے معتبر سرداروں کے سپرد کر کے خود دہلی واپس آیا۔ اس واقعہ کے دوسرے سال بادشاہ نے میان دوآب کے سرکشوں کے نیست ونابود کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔ بلبن نے اس نواح کی حکومت سیاست پرست امیروں کے سپرد کر کے انہیں حکم دیا کہ ان بے رحموں کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹا دیں حاکموں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی اور میان دوآب کی رعایا نے مصیبتوں سے نجات پائی۔ ان مفسدوں کو قتل وغارت کر کے بلبن نے دو مرتبہ کنپل۔ پٹیالی۔ اور بھوج کا سفر کیا اور ہر سفر میں اس نواح کے باغیوں اور رہزنوں کو تباہ وبرباد کیا۔ ان رہزنوں میں لاکھوں تو بلبنی تلوار کے لقمہ اجل بنے اور بقیہ مع اپنے زن وفرزند کے شاہی فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر لونڈی اور غلام کہلائے

ان نواح کے باغیوں اور چوروں کے استیصال سے ہندوستان کی راہ جو اہل ہند کی اصطلاح ہیں جون پور۔ بہار اور بنگالہ سے مراد ہے تمام خطروں سے پاک ہو کر مسافروں کی آمد و رفت کے لئے کھل گئی۔ بلبن نے کنپل۔ پٹیالی اور بھوج پور میں قلعے اور مسجدیں تعمیر کرائیں اور وہاں کی حکومت افغان جاگیرداروں کو سپرد کرکے حصار جلالی کی تعمیر کی اور خود دہلی واپس آیا بلبن کے دار الخلافت پہنچتے ہی حاکم بداؤن اور امروہہ نے کیتھر کی بغاوت کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ بلبن نے اس خبر کے سنتے ہی لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ رعایا کا خیال تھا کہ اس مرتبہ بادشاہ کوہ پایہ کا سفر کرے گا لیکن قبل اس کے کہ شاہی سراپردہ جو سرخ رنگ کا تھا کوچ کے لئے قصر سلطانی سے باہر نکالا جائے بادشاہ نے پانچ ہزار سواروں کا ایک منتخب لشکر تیار کرکے فوراً کوچ کر دیا۔ دو روز دریائے گنگا کو پار کرنے میں صرف ہوئے اور تیسرے دن اسلامی فوج کیتھر کے ملک میں پہنچ گئی۔ بلبن نے اس شہر میں قدم رکھتے ہی قتل عام کا حکم دیا سپاہیوں نے شاہی حکم کے موافق جی کھول کر تیغ زنی کی اور سوا عورتوں اور بچوں کے کسی باغی کو زندہ نہ چھوڑا۔ بلبنی تلوار نے ان باغیوں کو ایسا موت کے گھاٹ اُتارا کہ جلال الدین خلجی کے زمانے تک بداؤن امروہہ اور سنبل میں کسی مفسد کا نام نہ سنائی دیا۔ اس سفر کے بعد بادشاہ نے دہلی کا رخ کیا۔ دار الخلافت پہنچکر بلبن نے تھوڑے دنوں آرام کرکے کوہ پایہ کے سفر کا ارادہ کیا۔ کوہ پایہ پہنچکر بلبن نے وہاں کے مفسدوں اور سرکشوں کے قتل و غارت کا بازار گرم کیا دو سال کامل بلبنی تلوار اُن مفسدوں کے سروں پر چلا کی کوہ پایہ سے بیحد مال غنیمت بادشاہ کے ہاتھ آیا خصوصاً گھوڑے اس قدر گرفتار ہوئے کہ عمدہ سے عمدہ گھوڑے تیس سے لیکر چالیس تنگہ تک سے زیادہ پر نہ فروخت ہوتے تھے۔ کوہ پایہ کو مفسدوں اور باغیوں سے پاک کرکے بلبن پھر دہلی واپس آیا بلبن نے یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ جب بادشاہ سفر سے واپس ہوتا تھا تو شہر کے تمام رئیس اور ارکان سلطنت دو یا تین منزل پیشوائی کے لئے جاتے اور بادشاہ کو شہر ہیں لاکر دار الخلافت ہیں آئینہ بندی کرتے اور بادشاہ کے صحیح سلامت لوٹنے کی خوشی ہیں عیش و عشرت کی جشن منعقد کرتے تھے جو رقم بادشاہ پر سے صدقے کی جاتی تھی امرا اس کو تمام ممالک اسلامی

ہیں بھیج دیتے تھے تاکہ فقیروں اور مستحق لوگوں کو تقسیم کی جائے۔ بلبن نے چند روز دہلی میں قیام کر کے لاہور کا سفر کیا اور لاہور پہنچکر حصار شہر کی جو شمسی فرمانرواؤں کے عہد میں مغلوں کے ہاتھوں خراب ہو گیا تھا از سر نو تعمیر کی۔ حصار کی تعمیر کے بعد بلبن نواح شہر کو جو مغلوں کی لوٹ مار سے ویران ہو گیا تھا آباد کر کے دہلی واپس آیا۔ دہلی پہنچنے کے بعد بلبن کو اپنے چند امیروں کی زبانی معلوم ہوا کہ لشکر کے اکثر سپاہی بڑھاپے کی وجہ سے لڑائی کے کام کے نہیں رہے۔ چنانچہ لڑائی کے وقت یہ بوڑھے سپاہی افسران لشکر کو کچھ دے دلا کر گھر بیٹھ رہتے ہیں۔ بلبن نے یہ سنکر حکم دیا کہ تمام سپاہی جو بوڑھے ہو گئے ہیں ان کو تیس تنگہ وظیفہ دے کر خدمت سے علیحدہ کیا جائے اور زاید رقم ان سے واپس لی جائے۔ بادشاہ کے اس حکم سے لشکر میں ایک تہلکہ مچ گیا اور ان معزول سپاہیوں میں چند معتبر لشکری بیش قیمت تحفے لے کر ملک فخر الدین کوتوال کے پاس گئے اور انہوں نے رو رو کر اپنا حال زار بیان کیا اور کہا کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ بڑھاپے میں ہم پر یہ مصیبت نازل ہو گی اگر ہم ایسا جانتے تو جوانی میں کوئی ایسا کام کرتے جو آج ضعیفی میں ہمارے کام آتا۔ فخر الدین کوتوال نے ان کے تحفے کو قبول نہ کیا اور کہا کہ اگر میں تم سے رشوت لے لونگا تو میری سفارش کا بادشاہ پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ کوتوال نے ان دادخواہوں کو تو رخصت کیا اور خود حسب معمول شاہی دربار میں حاضر ہوا اور اپنی جگہ پر فکرمند اور رنجیدہ کھڑا ہو گیا۔ بلبن نے فخر الدین کے چہرے پر آثار ملال نمایاں دیکھکر اُس سے اس تردد کا سبب دریافت کیا۔ اس پختہ کار امیر نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہی دربار میں بوڑھوں کے معروضوں پر کچھ توجہ نہیں فرمائی جاتی اس بات سے یہ قیاس کر کے کہ اگر قیامت میں بھی رحمت الٰہی اپنے کرم سے بوڑھوں کو محروم کرے گی تو میرا کیا حال ہوگا۔ بلبن فوراً اس کے مطلب کو سمجھ گیا یہ نیک دل بادشاہ زار و قطار رویا اور اُس نے فوراً حکم دیا کہ تمام معزول شدہ سپاہیوں کو ان کی پوری تنخواہ دی جائے اور اس میں کسی طرح کا تغیر اور کمی واقع نہ ہو۔

سنہ جلوس کے چوتھے سال بلبن کے چچیرے بھائی معظم شیر خان خواجہ تاش نے جو سلطان ناصر الدین محمود کے وقت سے لاہور۔ ملتان۔ بھنیر۔ سرہند۔ دیپالپور

اور نیز ان تمام مقامات کا جو مغلوں کے سیلاب فتوحات کے زد پر واقع تھے حاکم تھا وفات پائی۔ شیر خاں کی بابت بعض مورخین کی رائے ہے کہ خود بلبن نے اُسے زہر دے کر ہلاک کیا۔ یہ مقتدر امیر اپنے بنائے ہوئے گنبد میں جو اس نے بھنیر میں تعمیر کرایا تھا دفن کیا گیا۔ بلبن نے شیر خاں کی جاگیر کو اس طرح تقسیم کیا کہ سنام اور سمانہ ترکان چہلگانی کے دوسرے معزز رکن تیمور خاں کے سپرد کئے اور بقیہ حصوں پر اپنے دوسرے نامی امیروں کو مقرر کیا۔ خان اعظم کی زندگی میں پنجاب کی سرحدیں مغلوں کے چھاپوں سے محفوظ تھیں اس شیر کے مرتے ہی مغلوں نے پھر سر اٹھایا اور سرحد کے ہر گوشے میں لوٹ مار شروع ہو گئی۔ بلبن نے اپنے بڑے بیٹے قاآن الملک محمد سلطان کو جو عام طور پر خان شہید کے نام سے مشہور ہے اپنا ولی عہد مقرر کر کے چتر و دورباش اور نیز دوسرے لوازمات بادشاہی عنایت کر کے بیٹے کو شاہانہ نوازش سے سرفراز کر کے بلبن نے اُسے خان اعظم کا جانشین مقرر کیا اور اپنے چند تجربہ کار امیروں کو خان شہید کا مصاحب اور مشیر بنا کر بیٹے کو لاہور روانہ کیا۔ مورخ تاریخ فیروز شاہی لکھتا ہے کہ شمسی امرا میں بعض سرداروں نے اپنے بیٹے کو محمد کے مبارک نام سے موسوم کیا تھا ان امیروں کو حسن عقیدت کا پھل یہ ملا کہ ہر وہ لڑکا جس کا نام محمد تھا اپنے والدین کی تربیت اور قابل اور تجربہ کار استادوں کی تعلیم کی بدولت کسی نہ کسی عمدہ صفت میں ایسا کامل اور بے مثال ثابت ہوا کہ آج تک اس کا نام نیک دنیا میں ضرب المثل ہے۔ انہیں لوگوں میں ایک محمد کشلی خاں ہے یہ جوان مرد تیر اندازی۔ نیزہ بازی۔ شجاعت اور صف شکنی وغیرہ صفات مردانگی میں شہرہ آفاق اور بے مثل سمجھا جاتا تھا کشلی خاں کے ان صفات کا شہرہ سن سن کر مغل بادشاہ ہمیشہ اس بات کے خواہشمند رہے کہ یہ امیران کے دربار کی زیب و زینت ہو۔ دوسرا شخص علاؤ الدین محمد بن اعزالدین کشلی خاں ہے جو غیاث الدین کا بھتیجا تھا یہ نیک نام امیر مجلس آرائی و سخاوت میں اپنے وقت کا حاتم تھا۔ مصر و شام۔ روم و بغداد۔ عراق و خراسان۔ ترکستان اور ماوراالنہر وغیرہ مشہور مقامات سے فاضل اور شاعر اس کی بخشش کا شہرہ سن کر ہندوستان آتے اور ہر شخص انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر اپنے وطن کو واپس جاتا تھا غرض کہ اس کی بخشش اور سخاوت نے اسے تمام دنیا میں مشہور اور ہر دلعزیز بنا رکھا تھا۔ مورخین

لکھتے ہیں کہ جب بلبن کو اس امیر کی قابلیت اور اہلیت کا حال معلوم ہوا تو بادشاہ نے اس نوجوان امیر کو اس کے باپ کے عہدہ پر مقرر کیا اور اسے باربک بنا کر چوگان زر کے عطیے اور خان اعظم کے خطاب سے سرفراز کیا۔ بلبن نے علاء الدین پر یہ نوازش فرما کر اسے علاقے کول کا صوبہ دار بنایا اور ہمیشہ اس پر مہربانیاں کرتا رہا۔ ملک قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص خواجہ معین الدین کے مشہور فرزند خواجہ شمس الدین نے ایک دفعہ چند اشعار علاء الدین کی مدح میں لکھ کر بلبنی درگاہ کے مطربوں کو دیا تاکہ جشن نوروز کے دن جب تمام ارکان سلطنت حاضر ہوں یہ نظم شاہی مجلس میں گائی جائے۔ گویوں نے خواجہ شمس الدین کی ہدایت کے موافق وہ غزل گائی کشلی خاں نے جو اس مجلس میں حاضر تھا پوچھا کہ یہ غزل کس نے لکھی ہے مخاطب نے خواجہ شمس الدین کا نام لیا ختم مجلس کے بعد علاء الدین گھر آیا اور اس نے خواجہ شمس الدین کو بلا کر اپنی مجلس نوروزی کا تمام پرتکلف اور قیمتی سامان خواجہ صاحب کو عنایت کیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس عالی ہمت امیر نے بلبنی عہد میں اکثر ایسی بخشش کی ہے کہ اپنے تمام مال و متاع اور خزانے میں بجز اس لباس کے جو اس کے بدن پر بخشش کے وقت موجود تھا دوسری چیز نہیں چھوڑی۔ تیسرا شخص ارسلان خاں کا بیٹا محمد تاتار خاں ہے جو طاقت شجاعت اور پاکدامنی میں تمام سلطنت میں مشہور اور ہر دلعزیز تھا۔ اس نوجوان امیر نے بارہا لکھنوتی میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ رائج کیا۔ ان محمد نام فرزندوں میں سب سے بہتر اور افضل شہزادہ محمد سلطان خان شہید ہے۔ یہ شہزادہ غیاث الدین کا بڑا پیارا اور محبوب ترین فرزند تھا۔ تمام عمدہ صفتیں اور پسندیدہ عادتیں جو ایک شہزادے میں ہونی چاہئیں خدا نے خان شہید کو مرحمت کی تھیں۔ یہ شہزادہ بزرگی۔ عقل اور ہنرپروری میں بلامبالغہ اپنے زمانے کا بہترین شخص تھا۔ اس شہزادے کی مجلس ہمیشہ بڑے بڑے فاضلوں اور نامی شاعروں کا ملجا اور ماویٰ تھی۔ خان شہید اپنے بہی خواہوں کو ہر طرح کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز کرتا تھا اس شہزادے کی مہربانیاں حاشیہ نشینوں سے گزر کر دوسرے مستحق اور ہنرمندوں کے لئے بھی عام تھیں۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسے مقدس لوگ اسی شہزادے کی مجلس کی زیب و زینت تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے ملتان میں خان شہید کی ملازمت میں پانچ سال کامل بسر کئے۔ خان شہید بھی ان دونوں بزرگوں

کی سب سے زیادہ عزت اور حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ شہزادہ اس قدر مہذب تھا کہ اگر
تمام دن و رات کسی مجلس میں بیٹھتا تو بھی اپنا زانو اونچا نہ کرتا تھا اور قسم کے وقت ہمیشہ
حقا کا لفظ اُس کی زبان پر جاری ہوتا تھا۔ مجلس شراب اور حالت سکر میں کبھی کوئی لفظ
خلاف تہذیب اس کی زبان سے نہیں نکلا خان شہید کی مجلس میں ہمیشہ علمی مشاغل
کا چرچہ رہتا تھا دیوان خاقانی و انوری خمسہ مولانا نظامی اور امیر خسرو کے اشعار اُس
کی مجلس میں پڑھے جاتے اور شہزادہ شہید ہر شعر کی قرار واقعی داد دیتا تھا۔ بڑے بڑے
سخن فہم اور کامل اساتذہ اس کی سخن فہمی کا لوہا مانتے تھے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں کہ میں
نے سخن فہمی۔ باریک بینی اور ذوق صحیح میں پختہ اور اگلے اور پچھلے شعرا کے اشعار کی یادداشت
کا حافظ خان شہید سا فاضل کوئی دوسرا نہیں دیکھا اس شہزادے نے ایک قلمی بیاض
تیار کی تھی جس میں تمام نامی شاعروں کے منتخب اشعار جن کی تعداد بیس ہزار تھی خط
خوشنویسی میں درج تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن دونوں بزرگوار اشعار کی خوبی انتخاب کے
قائل اور خان شہید کی سخن فہمی اور نکتہ رسی کے مداح تھے خان شہید کے قتل کے
بعد یہ بیاض غیاث الدین بلبن نے امیر علی جامدار کو دی اور جامدار مذکور سے امیر خسرو کو
ملی۔ اُس زمانے کے تمام نامی شعرا نے اس بیاض کو دیکھا اور سبھوں نے اُس کے
اشعار اپنی بیاضوں میں نقل کئے اور ایسے ہوشیار اور فاضل شہزادے کی بے وقت
موت پر رنجیدہ اور مغموم ہوئے۔ جس زمانے میں محمد سلطان ملتان میں مقیم تھا
شیخ عثمان ترمذیؒ جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور عارف کامل تھے حسن
اتفاق سے ملتان تشریف لائے۔ خان شہید نے ان بزرگ کی بہت تعظیم اور خاطر داری
کی ان کے حضور میں نذر اور ہدیہ گذرانا اور بڑے اصرار کے ساتھ حضرت عثمان ترمذی
سے التجا کی کہ حضرت شیخ ملتان میں قیام فرمائیں اور اُن کے قیام کے لئے سرکاری خرچ
سے ایک خانقاہ تعمیر کرا دی جائے شیخ عثمان نے ملتان میں دائمی قیام پسند نہیں فرمایا
اور چند روز کے بعد اپنے وطن واپس گئے۔ انہیں بزرگ کے دوران قیام میں ایک
دن خود شیخ عثمان اور حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی کے صاحبزادے اور اُن کے
جانشین حضرت شیخ صدر الدین عارف خان شہید کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔
مجلس میں عربی اشعار پڑھے جاتے تھے اتفاق سے کسی شعر کو سن کر ان بزرگوں پر

وجد طاری ہوا اور ان کے ساتھ تمام مجلس کھڑی ہوگئی۔ شہزادہ بھی برابر دست بستہ کھڑا رہا۔ اور جب تک کہ ان بزرگوں کو سکون نہوا شہزادے پر بھی ایک حالت طاری رہی اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔ اگر کوئی شخص کبھی شہزادے کی مجلس میں کوئی نصیحت آمیز شعر پڑہتا تو خان شہید دنیا کو دل سے بھلا کر اُس کو بڑے شوق سے سنتا اور شعر کے مضمون سے متاثر ہو کر روتا تھا۔ خان شہید کی فہم و فراست اور قدر شناسی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اپنی امارت ملتانی کے زمانے میں شہزادے نے دو مرتبہ اپنے قاصد بیش قیمت تحفوں کے ساتھ شیراز روانہ کئے اور حضرت شیخ مصلح الدین سعدی سے درخواست کی کہ حضرت سعدی ملتان تشریف لائیں اور ان کے لئے ایک خانقاہ ملتان میں تعمیر کرادی جائے اور چند گاؤں خانقاہ کے مصارف کے واسطے وقف کر دئے جائیں لیکن چونکہ شیخ شیراز بوڑھے اور کمزور ہو چکے تھے آپ نے دونوں مرتبہ ملتان آنے میں عذر کیا لیکن ہر مرتبہ اپنے اشعار اور غزلیں اپنے خاص قلم سے لکھ کر تحفے کے طور پر خان شہید کی خدمت میں روانہ کیں اور خان شہید سے امیر خسرو کی سفارش فرمائی۔ امارت ملتان کے زمانے میں خان شہید کا دستور تھا کہ ہر سال گراں قیمت اور نادر تحفے لے کر باپ کی خدمت میں دہلی آتا اور چند روز دہلی میں قیام کرکے پھر ملتان واپس جاتا تھا۔ اسی زمانے میں بلبن نے اپنے دوسرے بیٹے بغرا خاں کو ناصر الدین کا خطاب دے کر سمانہ اور سنام کا جاگیردار مقرر کیا اور روانگی کے وقت ناصر الدین کو یہ نصیحت کی کہ اپنی جاگیر پر پہنچکر اپنے قدیم لشکر کی تنخواہ میں اضافہ کرے اور جس قدر جدید لشکر کی ضرورت ہو اُس کا فوراً تقرر کرکے مغلوں سے ہمیشہ خبردار رہے۔ بلبن نے ناصر کو یہ بھی نصیحت کردی تھی کہ سلطنت کے اہم کاموں میں ہمیشہ اپنے پختہ کار مشیروں سے مشورہ لیتا رہے اور اگر کوئی بہت اہم کام درپیش آجائے تو اُس کی اطلاع فوراً بلبن کو کرے اور جیسی ہدایت پایۂ خلافت سے کی جائے اُسی کے موافق عمل درآمد ہو۔ بلبن نے ناصر سے صاف کہدیا تھا کہ اگر شہزادہ شراب خواری کرے گا تو فوراً حکومت سے معزول کر دیا جائے گا اور پھر اُسے اس قسم کی ذمہ داری کا کام ہرگز نہ دیا جائے گا۔ اور باپ کی نگاہوں میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔

بغرا خاں نے ہمیشہ باپ کی نصیحتوں کو یاد رکھا۔ اور اُن پر عملدرآمد کرتا رہا

اس شہزادے نے لہو ولعب سے کنارہ کشی کرکے بڑی انجام بینی کے ساتھ حکومت کے مہمات کو انجام دینا شروع کیا۔ اور ہندوستان کو ان کے دست برد سے بچایا۔ آپس میں یہ طے پایا تھا کہ اگر مغل ہندوستان پر دھاوا کریں تو شہزادہ خان شہید ملتان سے۔ بغرا خان سمانہ سے اور ملک باربک دہلی سے جرار لشکر لے کر مغلوں کے مقابلے میں روانہ ہوں۔ اور دریائے بیاس کے کنارے جہاں اس وقت قصبۂ سلطان پور واقع ہے تینوں اراکین ملک یکجا ہو کر اپنی متفقہ قوت سے مغلوں کی سرکوبی کریں ؛

جب بلبن کی حکومت ہندوستان میں مستحکم ہوگئی اور تمام کام بادشاہ کی مرضی کے موافق انجام پانے لگے تو دفعتاً ایک تازہ حادثہ پیش آیا۔ بلبن کے ایک ترکی غلام مسمی طغرل نے جو لکھنوتی کا صوبہ دار تھا بادشاہ سے بغاوت کی ۶۷۸ھ میں طغرل نے اپنی سخاوت شجاعت چستی اور چالاکی سے فائدہ اٹھا کر جاجنگر پر لشکر کشی کی اور وہاں کے راجہ کو شکست دے کر بہت سے ہاتھی اور بیش قیمت مال حاصل کیا۔ چونکہ یہ وقت بادشاہ کے بڑھاپے کا تھا اور اس کے دونوں بیٹے مغلوں کے مقابلے میں لڑ رہے تھے طغرل حکومت لکھنوتی کا سودا سر میں بچا کر اس مال غنیمت میں سے شاہی حصہ بھی خود ہی ہضم کر بیٹھا۔ اسی درمیان میں بلبن بیمار پڑا اس بیماری کا بادشاہ پر ایسا ضعف طاری ہوا کہ تقریباً ایک مہینہ مکان سے باہر نہ نکل سکا۔ عوام میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ بادشاہ نے دنیا سے کوچ کیا۔ طغرل نے اس بے فروغ خبر کے سنتے ہی اپنی نمک حرامی کا عملی ثبوت دیا اور ایک جرار لشکر جمع کر کے لکھنوتی پر خود مختارانہ قابض ہوگیا۔ اس بے وفا غلام نے ملک پر قبضہ کرتے ہی سرخ رنگ کا چتر بھی سر پر سایہ فگن کیا۔ اور اپنے کو سلطان مغیث الدین کے خطاب سے لکھنوتی کا بادشاہ مشہور کیا۔ ملک میں طغرل کے نام کا سکہ اور خطبہ بھی جاری ہوا اور اس کے احکام بھی سلطنت میں نافذ ہوگئے۔ طغرل کی بغاوت کو بہت زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ بلبن کی صحت یابی کے فرامین دہلی سے لکھنوتی پہنچے۔ طغرل مالک کو زندہ اور صحیح وسلامت پا کر بھی راہ راست پر نہ آیا اور بجائے اس کے کہ اپنی حرکت پر نادم ہو اسی طرح بغاوت پر جما رہا۔ بلبن کو جب یہ حال معلوم ہوا تو بادشاہ نے ملک البتگین موئے دراز الملقب بہ امین خاں کو لکھنوتی کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اور امین خاں کو ایک جرار لشکر کا سردار بنا کر تمر خان شمسی۔ ملک تاج الدین اور جمال الدین قندھاری وغیرہ نامی امرا کے

ہمراہ طغرل کی سرکوبی کے لئے لکھنوتی روانہ کیا۔ امین خاں نے آب سرو کو پار کر کے لکھنوتی کا رخ کیا طغرل بھی امین کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ طغرل نے اس معرکہ میں نیزہ اور تلوار کی جگہ سونے اور چاندی سے کام لیا۔ اور امیروں اور سپاہیوں کو اس قدر بخشش کی کہ امین خاں کی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ اس سے جدا ہو کر طغرل سے جا ملا۔ طغرل نے لڑائی کا بازار گرم کر دیا۔ اور امین خاں کو شکست دے کر بے شمار مال غنیمت پر قابض ہوا۔ امین خاں کی شکست کی خبر جلد سے جلد دہلی پہنچائی گئی بلبن اس شکست کی خبر کو سن کر بحد رنجیدہ ہوا اور غم و غصے کی وجہ سے اپنی بوٹیاں خود ہی کاٹنے لگا۔ بادشاہ نے امین خاں کے لئے سزائے موت تجویز کی۔ اور ملک ترمتی ترک کو ایک خونخوار فوج کے ساتھ طغرل کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ طغرل ملک ترمتی کے مقابلے میں بھی کامیاب رہا۔ اور اس مرتبہ بھی بےشمار مال غنیمت پر قابض ہوا۔ بلبن نے جب ملک ترمتی کی شکست کا حال سنا تو ضبط کی باگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اپنی عالی ہمتی سے خود طغرل کے مقابلے میں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ بلبن نے حکم دیا کہ کشتیاں گنگا میں ڈالی جائیں۔ اور خود شکار کے بہانے سے سنام اور سمانہ کی طرف روانہ ہوا۔ سمانہ پہنچکر وہاں کی نیابت تو بلبن نے ملک سراج پسر جامدار کے سپرد کی اور اپنے چھوٹے بیٹے بغرا خاں کو خاصے کے لشکر کے ساتھ اپنے ہمراہ لیا۔ سمانہ سے کوچ کر کے بلبن میان دوآب میں آیا اور ملک فخرالدین کوتوال کو اپنی نیابت میں دہلی میں چھوڑا اور خود دریائے گنگا کے راستے سے بڑی شان و شوکت کے ساتھ لکھنوتی روانہ ہوا۔ چونکہ زمانہ برسات کا تھا اور بادشاہ نے اپنی اولوالعزمی سے اس تکلیف دہ موسم کا بھی کچھ خیال نہ کیا تھا اس وجہ سے لشکر کو کہیں کہیں توقف کرنا پڑا۔ اور لکھنوتی پہنچنے میں معمول سے زیادہ دیر ہو گئی۔ طغرل نے بلبن کی آمد کی خبر سن کر شاہی توقف سے فائدہ اٹھایا اور لشکر تیار کر کے اپنی فوج و خزانے کے ساتھ جاجنگر روانہ ہو گیا۔

طغرل کا ارادہ تھا کہ جاجنگر پر قبضہ کر کے تھوڑے دنوں وہیں قیام کرے اور جب بلبن دہلی واپس جائے تو جاجنگر سے آ کر پھر لکھنوتی پر قابض ہو جائے بلبن نے لکھنوتی پہنچکر تھوڑے دنوں تو توقف کیا اور اس کے بعد سالار حسام الدین دلیل اور

بار بیگ برلاس کو جو مولف تاریخ فیروز شاہی کا چچا تھا لکھنوتی کی مہم پر مقرر کیا اور خود طغرل کی سرکوبی کے لئے جاجنگر روانہ ہوا۔ جب بلبن سنام کی سرحد میں داخل ہوا تو وہاں کا راجہ حاضر خدمت ہو کر بلبنی حلقہ بگوشوں میں داخل ہوا۔ اور اس نے بادشاہ سے اقرار کیا کہ اگر طغرل شکست کھا کر دریا کی راہ سے بھاگنے کا ارادہ کریگا تو راجہ اُسے دریا کی راہ سے جان بچانے کا موقع نہ دیگا۔

بلبن نے سنام کا بندوبست کر کے آگے قدم بڑھایا۔ بادشاہ نے ابھی صرف تین ہی چار منزلیں طے کی تھیں کہ طغرل کے روپوش ہونے کی ایسی خبر ملی کہ ہر چند لوگوں سے اس کا پتہ دریافت کیا گیا لیکن کسی نے اس کا نشان تک نہ بتایا۔ بلبن نے ملک مار بیگ برلاس کو حکم دیا کہ سات ہزار سواروں کا ایک لشکر اپنے ہمراہ لے کر دس بارہ کوس کے آگے نکل جائے اور طغرل کا سراغ لگائے۔ ملک برلاس نے شاہی حکم کی تعمیل کی۔ ہر چند ترکوں نے ڈھونڈا لیکن طغرل کا کہیں پتہ نہ ملا۔ ایک روز مقدمہ لشکر ملک محمد تیر انداز حاکم کول اور اس کا بھائی ملک مقدر جو تاریخ میں طغرل کش کے لقب سے مشہور ہے تیس یا چالیس سواروں کے ساتھ طغرل کی تلاش میں لشکر کے آگے آگے جا رہے تھے۔ ملک محمد نے دیکھا کہ چند بقال دور سے آ رہے ہیں۔ ملک محمد نے ان بقالوں کو گرفتار کیا اور ان کو راہ بتانے اور طغرل کا پتہ دینے کے لئے ڈرایا اور دھمکایا لیکن انہوں نے کسی طرح بھی طغرل کا نشان نہ دیا۔ محمد شیر انداز نے ایک کی گردن ماری اس سزا سے دوسرے بنئے ڈر گئے اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ مال و متاع تم ہم سے لینا چاہتے ہو لے لو اور ہم کو زندہ چھوڑ دو محمد شیر نے کہا کہ ہمارا مقصود صرف طغرل کی قیام گاہ دریافت کرنا ہے اور تم ہمارے حکم کے موافق عمل کرو گے تو تمہاری جان اور مال کو امان ہے ورنہ اپنے خون کے تم خود ذمہ دار ہو بقالوں نے اب کوئی چارہ کار نہ دیکھا اور صاف کہدیا کہ وہ طغرل ہی کے لشکر میں غلہ دیکر آ رہے ہیں اور شیر انداز اور طغرل کے درمیان صرف ایک میل کا فاصلہ اور باقی ہے اگر آج ہی طغرل کی خبر لی گئی تو بہتر ہے ورنہ کل وہ جاجنگر پہنچ جائے گا۔ ملک محمد نے ان بقالوں کو دو سواروں کے ساتھ ملک برلاس کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ حقیقت حال سن کر برلاس فوراً طغرل کے سر پر آن پہنچے ورنہ اگر طغرل بچ کر جاجنگر پہنچ گیا تو اہل جاجنگر سے ساز باز کر کے کسی جنگل میں چھپ جائیگا اور پھر اس کا ہاتھ آنا دشوار ہوگا۔ شیر انداز نے

بقالوں کو تو ادھر روانہ کیا اور خود ایک بلندی پر چڑھ کر اس نے طغرل کو چاروں طرف دیکھنا شروع کیا۔ محمد شیر نے دیکھا کہ طغرل کا خیمہ لگا ہوا ہے اور اس کے لشکری آرام کیساتھ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں اور جانور جنگل میں چر رہے ہیں۔ شیر انداز نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور بلندی سے اتر کر فوراً طغرل کے خیمہ کی طرف روانہ ہوا طغرل کے پاسبان یہ سمجھے کہ آنے والے اپنے ہی لشکر کے سپاہی ہیں۔ محمد شیر اور اس کے ساتھیوں نے فوراً تلواریں میان سے کھینچ لیں اور جس کو جہاں پایا وہیں ٹھنڈا کرتے ہوئے آگے بڑھے یلبنی جاں نثار طغرل کے سپاہیوں کو قتل کرتے جاتے تھے اور یہی نعرہ لگاتے ہوئے کہ سلطنت سلطان غیاث الدین کا حصہ ہے آگے بڑھے چلے جاتے تھے۔ طغرل یہ شور سن کر سمجھا کہ بلبن خود اس کی سرکوبی کو آگیا اور بدحواس ہوکر طہارت خانے کے راستے سے خیمے کے باہر آیا اور ایک گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر بھاگا۔ چونکہ کفران نعمت کا وبال اُس کے سر پر سوار تھا طغرل اسپنے سواروں کی طرف نہ گیا بلکہ ایک چھوٹی ندی کی طرف جو لشکر کے قریب بہ رہی تھی چلا۔ طغرل کا خیال تھا کہ اس ندی کو پار کر کے اپنے کو جلد سے جلد جاجنگر پہنچا دے۔ طغرل کے گم ہونے سے اس کے لشکر میں بدامنی اور پریشانی پھیل گئی اور جس کا جدھر سینگ سمایا وہ اسی طرف بھاگا۔ ملک مقدر جس کے ہاتھوں طغرل کا قتل ہونا مقدر تھا طغرل کے پیچھے چلا اور پانی کے کنارے اُسے جا پکڑا۔ ملک مقدر نے ایک ہی تیر جانگداز میں طغرل کو زمین پر گرا دیا اور اس کے زمین پر گرتے ہی خود بھی گھوڑے سے اترا اور فوراً طغرل کا سر تن سے جدا کر دیا۔ چونکہ طغرل کے ملازم ہر چہار طرف اُسے ڈھونڈ رہے تھے اس لئے ملک مقدر نے طغرل کا سر دریا کے کنارے دفن کر کے اس کا جسم غرق آب کر دیا۔ اور خود اپنے کپڑے دھونے میں مشغول ہوگیا۔ اس اثنا میں طغرل کے سلاحدار پہنچے اور خداوند عالم کے لقب سے اُسے پکارتے ہوئے چاروں طرف طغرل کو ڈھونڈنے لگے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد مایوس ہوکر دریا کے کنارے سے چلے گئے۔

اسی درمیان میں ملک برلاس کی سواری دور سے نظر آئی ملک مقدر نے دوڑ کر اس کو فتح کی مبارک باد دی اور سارا ماجرا اس سے بیان کیا۔ برلاس نے ملک مقدر کی بیحد تعریف کی اور طغرل کا سر مع فتح نامہ کے بلبن کی خدمت میں روانہ کیا۔ فتح نامہ بھیجنے کے دوسرے دن ملک برلاس بھی مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر بلبن کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ اور سارا ماجرا بادشاہ کو سنایا۔ طغرل کی داستان سن کر بلبن نے پہلے تو تیر انداز اور ملک مقدر پر غصہ کیا اور کہا کہ تم دونوں نے بڑی غلطی کی۔ اگر میرا اقبال ساتھ نہ دیتا تو تمہاری غلطی کی تلافی نہ ہو سکتی لیکن آخر میں ان کی محنت اور نمک حلالی کا خیال کر کے دونوں کے عہدہ میں ترقی کی۔ اور ملک برلاس اور ملک محمد شیر تیر انداز کو شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کیا اور ملک مقدر کو طغرل کش کے خطاب سے سرفراز کر کے اُسے اُمرا کے گروہ میں داخل کیا۔ بلبن نے حکم دیا کہ آج سے بلبنی طغرل کو طغرل نمک حرام سے اُسی طرح یاد کیا جائے جس طرح طغرل غزنوی کو کافر نعمت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بلبن لکھنوتی پہنچا اور وہاں پہنچکر بادشاہ نے حکم دیا کہ بازار شہر کے دونوں طرف پھانسیاں لٹکائی جائیں اور طغرل کے تمام اعوام و انصار گرفتار کر کے دار پر کھینچے جائیں بادشاہی حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ اور طغرل کے حاشیہ نشین نذز اجل ہونے لگے مجرموں کے زن و فرزند بھی بے دریغ تہ تیغ کئے گئے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ بلبن سے پیشتر دہلی کے کسی بادشاہ نے عورتوں اور بوڑھوں پر سیاسی جرم کی سزائیں عاید نہ کی تھیں۔ طغرل کے حاشیہ نشینوں میں ایک فقیر بھی تھا جسے عام طور پر شاہ قلندر کہتے تھے۔ یہ قلندر طغرل کو بعید عزیز تھا۔ جب طغرل کے بہی خواہ گرفتار ہو کر بلبن کے سامنے پیش کئے گئے تو انہیں مجرموں میں یہ قلندر بھی تھا۔ بلبن نے اس قلندر سے تین من سونا جو طغرل نے اُسے آلات قلندری بنانے کے لئے دیا تھا بجبر حاصل کیا اور چونکہ مربی کے مرتے ہی قلندر کے بھی برے دن آچکے تھے اس لئے یہ غریب بھی دوسرے قلندروں کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ طغرل کے بقیہ سپاہیوں کی بابتہ بلبن نے حکم دیا کہ انہیں دہلی پہنچکر وہیں سزائیں دی جائیں۔ بلبن نے جب فتح اور سیاست سے فرصت پائی تو لکھنوتی کی حکومت اپنے بیٹے بغرا خاں کے سپرد کی۔ اور سوا ہاتھیوں اور خزانے کے جو کچھ طغرل سے مال غنیمت ملا تھا سب بغرا خاں کو بخش دیا۔ بلبن نے اسی دن بغرا خاں کو چتر دورباش سے بھی عنایت کر کے لکھنوتی میں خطبہ اور سکہ بھی اسی کے نام کا رائج کر دیا۔ بلبن نے رخصت ہوتے وقت بیٹے کو حسب ذیل نصیحتیں کیں :-

(۱) لکھنوتی کے حاکم کو بادشاہ دہلی سے خواہ وہ اس کا عزیز ہو یا بیگانہ برسر مقابلہ ہونا اور راہ سے بغاوت کرنا ہرگز زیبا نہیں ہے۔ اگر دہلی کا فرمانروا کبھی لکھنوتی پر دھاوا کرے تو

حاکم لکھنوتی کو چاہئے کہ کہیں دور جاکر پناہ لے۔ جب بادشاہ پھر دہلی واپس جائے تو حاکم لکھنوتی اپنے مستقر پہنچکر سلطنت کے کام انجام دے۔

(۲) رعایا سے خراج لینے میں ہمیشہ میانہ روی اختیار کرنی چاہئے۔ نہ اتنا کم روپیہ رعایا سے لیا جائے کہ سرکشوں کو بغاوت کا موقع ملے۔ اور نہ اتنی زیادہ رقم حاصل کرنی چاہئے کہ رعایا تباہ اور پریشان ہو۔ ملازموں کی تنخواہ ہمیشہ اس قدر مقرر کی جائے کہ سال بسال کافی ہو۔ اتنی کم نہ ہو کہ انہیں تنگدستی کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔

(۳) یہ کہ مہمات ملک کو بلا خیر خواہوں کے مشورہ کے انجام نہ دینا اور سلطنت کے احکام جاری کرنے میں اپنی نفسانی خواہشوں کو شامل کرنے سے پرہیز کرنا اور اپنے نفس پر حق کو قربان نہ کرنا۔

(۴) اپنے حشم اور خدم کے احوال سے جو جہانداری کا لازمہ ہیں غافل نہ ہونا اور ان کی خاطرداری کو ضروریات اہم میں سمجھ کر اس بات کو نظر انداز نہ کرنا اور جو شخص تجھے ان باتوں کی ترغیب دے اُس کو اپنا دشمن سمجھ کر اُس کی بات کا اعتبار نہ کرنا۔

(۵) یہ کہ اپنے کو ہمیشہ ایسے شخص کی حمایت میں دینا جس نے دنیا سے منہ موڑ کر خدا پر توکل کیا ہو۔

بلبن نے بیٹے کو بیش بہا نصیحتوں سے خبردار کرکے اُسے تو رخصت کیا اور خود دہلی روانہ ہوا۔ اور منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا تین مہینے کے بعد دار الخلافت پہنچا۔ دہلی پہنچکر بلبن نے ملک فخر الدین کو توال کو جس نے اس کی عدم موجودگی میں سلطنت کے بہت سے پیچیدہ مسئلہ اپنی صائب رائے سے سلجھائے تھے شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کیا۔ بادشاہ اپنے اس امیر سے ایسا خوش ہوا کہ اپنے جسم کی قبا اُتار کر ملک فخر الدین کو عنایت کی اور اُسے اپنا یار غار بنایا۔

ملک فخر الدین کے علاوہ اور بھی اطاعت گزار اور مستحق امیر اور ارکان دولت شاہی انعام سے مالا مال کئے گئے۔ امیروں کی حوصلہ افزائی کرنے کے بعد بلبن نے فقرا اور علما کی آستانہ بوسی شروع کی۔ اور سبھوں کے حضور میں نذریں پیش کیں۔ اور اُن کی تعظیم بجا لایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ جتنے قیدی دیوانی مطالبوں کی وجہ سے نظر بند ہیں وہ سب رہا کئے جائیں۔ اور رعایا کی رقم بقایا جو سرکاری خزانہ کو واجب الادا ہے سب

معاف کی جائے اس کے بعد بلبن نے حکم دیا کہ دہلی کے بازار میں پھانسیاں نصب کیجائیں اور جتنے ملازم طغرل کے بہی خواہی لکھنوتی سے پابہ زنجیر دہلی تک آئے ہیں وہ سب پھانسی پر لٹکائے جائیں۔ بادشاہ کے حکم سے شہر میں ایک تہلکہ پڑگیا اور اہل شہر اپنے عزیزوں اور قرابت داروں کی اس ناگہانی موت سے فریاد وزاری کرنے لگے۔ قاضی شہر سے شہر والوں کی یہ مصیبت نہ دیکھی گئی۔ اور چونکہ یہ شخص اپنے وقت کا بڑا پرہیزگار اور متقی تھا غریب قاضی اپنی جان پر کھیل کر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور اس نے نرم اور گریہ انگیز الفاظ سے بادشاہ کے دل کو معافی تقصیر کی طرف مائل کیا۔ قاضی کی اس تقریر سے بلبن کو ان قیدیوں پر رحم آیا اور اس نے سب کی جان بخشی کی؛

شہزادہ محمد سلطان شہید نے جب اپنے باپ کی واپسی کی خبر سنی تو باپ سے ملنے کے لئے ملتان سے دہلی آیا شہزادہ خان شہید نے گراں بہا اور نفیس تحفے بادشاہ کے حضور میں پیش کئے۔ بلبن بیٹے کے آنے اور اس کی سعادتمندی سے بیحد خوش ہوا اور شہزادہ کو بھی بے انتہا شفقت پدرانہ سے مسرور اور خوش کیا۔ خان شہید نے تین چار مہینے دہلی میں قیام کیا۔ اور اس زمانہ میں دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کی ملاقات اور برتاؤ سے بہت خوش اور محظوظ ہوے۔ اور ایک دم بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے۔ اس زمانے میں مغلوں کے تاخت وتاراج کی خبر بادشاہ نے سنی اور مجبوراً اپنے محبوب بیٹے کو اپنے سے رخصت کیا۔ جب شہزادہ اپنی جاگیر کو واپس جانے لگا تو بلبن نے اسے خلوت میں بلاکر کہا کہ میری زندگی کا بہت بڑا حصہ فرمانروائی اور حکومت میں گزرا ہے۔ اور مجھے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہوا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تجھ کو کچھ ایسی نصیحتیں کروں جن پر کاربند ہونا ہر فرمانروا کے لئے ضروری ہے اور جو میرے بعد تیرے کام آئیں؛

(۱) جب خدا مخلوق کی باگ تیرے ہاتھ میں دے تو اس سرداری کو سہل نہ سمجھنا۔ بلکہ حکمرانی کے فرائض کو جو درحقیقت خدا کی نیابت ہے مشکل ترین کام سمجھ کر اس پاک اور بزرگ منصب کو ناگوار کاموں اور ناپسندیدہ خصلتوں کی گندگی سے آلودہ نہ کرنا کمینہ خصلت اور رذیل لوگوں کو اپنے گرد نہ بھٹکنے دینا؛

(۲) یہ کہ اپنی عظمت اور شان سیاست کو اس کی اصل جگہ پر برقرار رکھنا اپنی

نفسانی خواہشوں کے لئے سلطانی قوت کو کام میں نہ لانا۔ جو کام کرنا ہو خدا کے لئے کرنا اور خزانوں اور دفینوں کو جو درحقیقت خدا کا بیش بہا عطیہ ہیں ہمیشہ خدا کے حکم کے موافق خلق کے رفاہ اور ان کی بھلائی کے لئے صرف کرنا۔ دشمنان دین کی ہمیشہ سرکوبی کرنا۔ اور اُن کو ذلیل وخوار رکھنا۔

(۳) یہ کہ اپنے ملک کے احوال اور اپنے مقرر کردہ حاکموں کے افعال سے ہمیشہ خبردار رہنا۔ اور ان حاکموں کو ہمیشہ عمدہ خصلتوں اور پسندیدہ افعال اختیار کرنے کی تاکید اور تنبیہ کرتے رہنا۔

(۴) یہ کہ قاضی اور حاکم ہمیشہ دیندار اور متقی لوگوں کو مقرر کرنا تاکہ رعایا انصاف اور دینداری کے برکات سے ہمیشہ مستفید ہوتی رہے۔

(۵) یہ کہ حشمت اور دبدبۂ بادشاہی کے تمام لوازمات کا خلوت اور جلوت ہر جگہ لحاظ رکھنا اور کسی وقت لہو ولعب اور بیکار کاموں میں مشغول نہ ہونا۔

(۶) یہ کہ نیک دل شکر گزار اور ہمت ور لوگوں کو ہمیشہ انعام واکرام سے مالامال کرنا۔ اور ان کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھنا۔ اہل ہنر اور عقلمندوں کی پرورش اور حوصلہ افزائی میں ہمیشہ کوشش کرنا۔ حریص اور ناخدا ترس لوگوں سے کبھی وفاداری کی امید نہ رکھنا۔ اس لئے کہ ملک اور مذہب کی خیر اسی میں ہے کہ یہ لوگ انتظام سلطنت سے محروم اور دور رہیں۔

(۷) یہ کہ ہمت اور بادشاہی لازم وملزوم ہیں۔ دنیا کے تمام عقلمندوں اور حکیموں نے ان دونوں کو توام بھائیوں سے نسبت دی ہے اور کہا ہے کہ بادشاہ کی ہمت کو بھی تمام ہمتوں کا بادشاہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر بادشاہ کی ہمت بھی عوام کی ہمت کے بالکل برابر ہوگی تو خود بادشاہ اور اس کی رعایا میں کوئی فرق نہ رہ جائیگا۔ بے ہمتی اور بادشاہت کبھی جمع نہیں ہوسکتیں۔

(۸) یہ کہ جس شخص کو تم ایک مرتبہ عزت دو اس کو تھوڑی سی خطا پر ذلیل نہ کرو۔ اپنے بہی خواہوں اور مخلصوں کو بلا ضرورت ملکی اپنے سے آزردہ اور رنجیدہ نہ کرنا اور اپنے سلوک سے دوستوں کو اپنا دشمن نہ بنانا۔ اگر ان میں سے کسی کو سیاست کے پنجے میں گرفتار کرنا ہو تو نرمی اور عاقبت اندیشی کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ شریفوں کی آزار رسانی

میں جلدی نہ کرنا اس لئے کہ ایسے لوگوں کی بے حرمتی کا زخم جلد نہیں بھرتا اور پھر اُس کا تدارک مشکل ہوجاتا ہے۔

(۹) یہ کہ بدگویوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا اور اُن کی آمد و رفت زیادہ نہ بڑھنے دینا کیونکہ ایسے لوگوں کے اعتبار اور میل جول سے مطیع اور فرمانبردار ملازم اور بہی خواہوں کو ایک قسم کا خوف پیدا ہوجاتا ہے۔ اور سلطنت کے انتظام کا شیرازہ بکھر جاتا ہے جس کام کو یہ سمجھنا کہ اس کا انجام پانا مشکل ہے کبھی اس میں ہاتھ نہ ڈالنا کیونکہ کسی کام کو ادھورا چھوڑنا بادشاہوں کے لئے بڑی ذلت اور رسوائی ہے۔

(۱۰) یہ کہ بلا عقلمندوں کے مشورہ کے کسی کام کے کرنے کا ارادہ نہ کرنا اور جو بات کہ دوسرے کرسکیں اس کے کرنے کا خود عزم نہ کرنا۔ بادشاہ کو تمام رعایا کے نیک و بد سے واقف ہونا ضروری ہے اور فرمانبرواکے لئے ہر معاملہ میں اعتدال پسندی کرنا لازمی ہے۔ بادشاہ کو چاہیئے کہ غصہ میں تیزی نہ کرے کیونکہ شدت غصہ سے لوگوں کو بادشاہ سے نفرت ہوجاتی ہے۔ اور سستی اور بیجا نرمی سے سرکشوں میں بغاوت اور رعایا میں بدامنی پیدا ہوتی ہے۔ اپنے سے ہر وقت باخبر رہنا کیونکہ بادشاہ کی جان تمام رعایا کے لئے وہ سپر ہے جو اس کو ہر مصیبت سے بچاتی اور محفوظ رکھتی ہے۔ اپنے آستانہ پر ہمیشہ مخلص اور معتمد پاسبانوں کو مقرر کرنا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی پر ہمیشہ مہربان رہنا اور اس کو اپنا قوت بازو سمجھنا۔ اس کی جاگیر کو بحال رکھنا۔ اور کسی شخص کی بدگوئی پر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا۔

بلبن نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحتیں کرکے اسے امارت بادشاہی سے سرفراز کیا۔ شاہزادہ خان شہید نے ملتان پہنچکر بہت سے مغل رہزنوں کو جو سرحد کی لوٹ مار کیا کرتے تھے تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ اور اپنا ملک اُن کے قبضہ سے نکال لیا۔ اسی زمانہ میں ارغون خاں بن اباق خاں بن ہلاکو خاں ایران کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اور تیمور خاں جو نامی چنگیزی امیر اور ہرات قندہار۔ بلخ۔ بدخشاں۔ غزنی اور بامیان وغیرہ کا حاکم تھا اپنے عزیزوں اور ہم قوموں کا بدلہ لینے کے لئے جو معرکہ جنگ میں خان شہید کے مقابلے میں قتل ہوئے تھے بیس ہزار مغلوں کے ایک جرار لشکر کے ساتھ لاہور اور دیبالپور کے درمیان میں آیا اور اُس نواح کو تاخت و تاراج کرکے

ملتان کی طرف بڑھا۔ خان شہید نے تیمور خاں کی آمد کی خبر سن کر چاشت کے قریب ملتان سے کوچ کیا۔ اور راب لاہور کے کنارے جو نواح ملتان میں بہتا ہے عین دوپہر میں تیمور خاں سے معرکہ آرائی کرنے کا ارادہ کیا۔ تیمور خاں نے دریا کو عبور کرکے اپنے میمنہ میسرہ قلب و جناح کی ترتیب دی۔ اور جنگ آزمائی میں مشغول ہوا۔ بلبنی سپاہ کی جانب سے چند نامی مغل سردار مارے گئے۔ اور تیمور خاں کو شکست ہوئی ہندی امیروں نے ناعاقبت اندیشی سے فراریوں کا پیچھا کیا۔ شاہزادہ سلطان محمد کا وقت آچکا تھا۔ اس نیک نہاد شاہزادے نے نماز ظہر ادا کرنے کے لئے دریا کے کنارے جانماز بچھائی اور اپنے پانچ سو سپاہیوں کے ہمراہ نماز پڑھنے میں مشغول ہوا۔ اسی دوران میں دو ہزار مغل سپاہیوں کا ایک دستہ جو کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا موقع پاکر نکلا اور خان شہید پر حملہ آور ہوا۔ محمد سلطان بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ مغلوں کے مقابلے میں آیا۔ اگرچہ شاہزادے کے سپاہی اور سواری کے گھوڑے بالکل خستہ ہو رہے تھے لیکن خان شہید کو موت نے اندھا کرکے لڑائی پر مجبور کیا۔ شاہزادے نے کئی بار مغلوں پر حملہ کیا۔ اور ہر حملہ میں ان کو قتل کیا قریب تھا کہ مغل بالکل شکست کھا کر فرار ہوں کہ ناگاہ ایک جانگداز تیر شاہزادے کے لگا۔ اور اسی صدمے سے شاہزادے نے رحلت کی مغل سپاہی تیزدستی سے شاہزادے شہید کے سپاہیوں پر حملہ کرنے لگے اور گھوڑوں اور دیگر اسباب پر قبضہ کرلیا اور بقیہ لوگوں کو گرفتار کرکے دشمن کے غلبے کے خوف سے انہیں اپنے ہمراہ لے گئے۔ امیر خسرو بھی انھیں لوگوں میں تھے جو خان شہید کی موت کے بعد مغلوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ ان کی رہائی کا وہی قصہ ہے جو خود حضرت خسرو نے اپنی تصانیف خضر خانی اور دیولدی وغیرہ میں تحریر کیا ہے۔ خان شہید کی وفات کی خبر سن کر غیاث الدین بلبن پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ چند روز تو بلبن نے بیٹے کے سوگ میں ماتم کیا۔ لیکن اس کے بعد شاہزادے مرحوم کے بیٹے کیخسرو کو جو بالکل نوجوان تھا چتر و امارت بادشاہی عطا کرکے باپ کی جگہ ملتان کا صوبہ دار کیا۔ خسرو نے ملتان پہنچکر باپ کے ہم نشینوں اور بہی خواہوں کی دلدہی کی۔ کیخسرو کے احسان و انعام کے مرہم سے رعایا اور سپاہیوں کے زخم بھی مندمل ہوگئے۔ غیاث الدین بلبن کا جس کا سن اب اسّی سال کا تھا بیٹے کے غم میں برا حال ہوا۔ اور اگرچہ بادشاہ لوگوں سے تو یہی کہتا کہ میں راضی بہ قضا ہوں اور

خدا کی مرضی کے آگے مجھے خان شہید کی موت کا کچھ غم نہیں ہے لیکن خلوت میں راتوں کو بیٹے کو یاد کر کے زار زار روتا اور آہ و فریاد کرتا تھا۔ جب بلبن نے دیکھا کہ شاہزادہ کا غم روز بروز اُسے کھائے جا رہا ہے تو بادشاہ نے لکھنوتی سے بغرا خاں کو طلب کیا لیکن ہنوز بغرا خاں راستے ہی میں تھا کہ بلبن کے ضعف نے بیماری کی صورت اختیار کی۔ اور چند ہی دنوں میں بادشاہ صاحب فراش ہوگیا۔ بغرا خاں باپ کی بیماری کا حال سن کر جلد سے جلد دہلی پہنچا۔ بغرا خاں نے باپ کو رنجیدہ اور مغموم دیکھ کر بھائی کی تعزیت کی اور باپ کو بیحد تسلی اور دلاسا دیا۔ بلبن نے بغرا خاں سے کہا کہ مجھے تمہارے بھائی کے غم نے لب گور کر دیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ عنقریب دنیا سے سفر کرنے والا ہوں۔ خان شہید کے مرنے کے بعد سوا تمہارے اور کوئی میرا وارث نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تمہارا مجھ سے دور رہنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ تمہارا بیٹا کیقباد اور تمہارے بھائی کا لڑکا کیخسرو دونوں ابھی نوجوان اور ناتجربہ کار ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کے ہاتھ حکومت کی باگ آگئی تو خدا جانے اپنے غلبہ جوانی اور ناتجربہ کاری سے کیا کیا نہ کرینگے۔ یہ یاد رہے کہ لکھنوتی کے فرمانروا کو بادشاہ کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اور اگر تم بھی دہلی کے تخت پر بیٹھو تو تمہیں چاہئے کہ لکھنوتی کے فرمانروا کو اپنا مطیع اور باجگذار رکھو۔ ان حالات پر نظر کرتے ہوئے میری یہ رائے ہے کہ تمہیں مجھ سے دور نہ رہنا چاہئے۔ بغرا خاں نے باپ کی نصیحت کو قبول کیا اور دہلی میں مقیم ہوا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد بلبن کی طبیعت کچھ سنبھلنے لگی۔ اور صحت کے آثار اُس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگے بغرا خاں کو باپ کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔ اور شکار کے بہانے سے بلا اجازت بادشاہ کے جلد سے جلد لکھنوتی روانہ ہوگیا۔ بلبن کو بغرا خاں کی اس مفارقت کا خان شہید کی دائمی جدائی سے زیادہ صدمہ ہوا۔ بغرا خاں ابھی لکھنوتی پہنچا بھی نہ تھا کہ بلبن کے قدیم مرض نے پھر عود کیا۔ اور اسے یقین ہوگیا کہ اب اُس کی جانبری محال ہے۔ بلبن نے اسی وقت کیخسرو کے پاس اپنے معتبر آدمی بھیجے اور اُسے بلایا۔ کیخسرو کے پہنچنے کے بعد بلبن نے اُسے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اور جب زندگی کے چند دن باقی رہ گئے تو بادشاہ نے وزیر الملک۔ وکیل السلطنت اور فخر الدین کوتوال وغیرہ نامی امیروں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ تم لوگ

جانتے ہو کہ شاہزادہ بغرا خاں سے میں ہمیشہ آزردہ اور ناخوش رہا۔ بخلاف اس کے
شاہزادہ خان شہید سے ہمیشہ خوش اور راضی رہتا تھا۔ اس لئے کہ خان شہید میرے
ہر حکم کی تعمیل کرتا اور میرے فرمان سے سر مُو تجاوز نہیں کرتا تھا۔ اور بغرا خاں نے کبھی
میری بات نہیں سنی اور ہمیشہ وہ میری خلاف ورزی کرتا رہا۔ اور اگر کبھی میرے کسی حکم کی
تعمیل کی بھی تو محض خان کے خوف سے مجھے باپ اور واجب الاطاعت سمجھ کر اس
نے کبھی میرا کہنا نہیں مانا۔ باوجود ان تمام باتوں کے بھی میں نے بغرا خاں کو لکھنوتی
سے بلا کر اپنے زمانۂ علالت میں یہاں رہنے کی تاکید کی اور اپنا ولی عہد مقرر کیا لیکن
اس نے میرے اس آخری حکم کی تعمیل بھی نہ کی۔ ایسی حالت میں میں بغرا خاں کو ولی
عہدی سے معزول کر کے کیخسرو کو اپنا جانشین قرار دیتا ہوں۔ میرے بعد تم لوگ کیخسرو کو
میرا قائم مقام بنا کر کیقباد کو اس کے باپ کے پاس لکھنوتی روانہ کر دینا۔ کوتوال اور
نیز دوسرے امیروں نے بادشاہ کے فرمان کے مواقق عملدرآمد کرنے کا اقرار کیا لیکن
اس واقعہ کے تین دن بعد جب ۶۸۵ھ کے آخر سال میں غیاث الدین بلبن نے
اس دنیا سے رحلت کی تو ملک فخر الدین کوتوال نے جو شاہزادہ خان شہید سے دل
میں آزردہ تھا دربار کے دوسرے امیروں سے کیخسرو کی معزولی اور کیقباد کی تخت نشینی
کا مشورہ کیا اور کہا کہ کیخسرو تند مزاج ہے اگر اس کے ہاتھ میں سلطنت کی باگ چلی گئی
تو ہم لوگ اطمینان سے زندگی کے دن بسر نہ کر سکیں گے۔ برخلاف اس کے کیقباد
نیک نفس اور سلیم الطبع ہے اور اس نے بادشاہ کے آغوش میں تربیت پائی ہے بہتر
ہے کہ ہم کیقباد ہی کو مرحوم بادشاہ کا جانشین بنائیں۔ ان غریبوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ
کیقباد کا وجود ہزار ہا فتنوں کا باعث ہوگا۔ ان امیروں نے فخر الدین کوتوال کی رائے
سے اتفاق کیا۔ اور کیخسرو کو ملتان روانہ کر کے کیقباد کو دہلی کے تخت سلطنت پر بٹھا دیا
غیاث الدین کے زمانہ کو اگر خیر الاعصار کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ اس کے عہد میں حضرت
شیخ فرید الدین شکر گنج۔ شیخ الشیوخ بہاء الدین ذکریا ملتانی اور ان کے صاحبزادے
شیخ صدر الدین عارف شیخ بدر الدین غزنوی خلیفۂ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
اور سیدی مولہ جیسے مشائخ کامل اور درویشان صاحب حال اپنے فیض سے
ہندوستان کو فیضیاب فرما رہے تھے۔ غیاث الدین نے بائیس سال حکمرانی کر کے

بعد دنیا سے رحلت کی۔

معزالدین کیقباد بن بغراخاں بن

غیاث الدین بلبن

غیاث الدین بلبن کے مرنے کے بعد امیروں اور ارکان دولت نے کیقباد بن بغراخاں کو اٹھارہ برس کے سن میں سلطان معزالدین کا خطاب دے کر تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ کیقباد طبیعت کی موزونی نکتہ سنجی شعرفہمی اور دوسری عمدہ صفتوں کا مجموعہ تھا۔ ان ذاتی اوصاف کے علاوہ خدا نے اسے صورت بھی دلکش دی تھی۔ اور عالی نسبی نے ذاتی خوبیوں اور حسن و جمال پر اور چاند لگا دئے تھے۔ یہ نوعمر بادشاہ باپ کی طرف سے بلبن کا پوتا تھا اور ماں کی طرف سے کیقباد اور اس کے باپ بغراخاں دونوں کا نسب سلطان شمس الدین التمش سے ملتا تھا۔ اس لئے کہ خود کیقباد ناصرالدین محمود کا نواسہ تھا۔ اور بغراخاں شمس الدین کی بیٹی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ پیدائش سے لے کر تخت نشینی کے وقت تک کیقباد نے بلبن کے زیر سایہ تربیت پائی۔ اور تمام وقت اس شاہزادے کا تحصیل علم ہی میں صرف ہوا۔ نیک طبیعت اور با اخلاق معلم اور پاکیزہ خصائل موودب ہر وقت اس کے ہر کام کے نگران رہتے تھے۔ اور کیقباد کو ایک لمحہ کے لئے بھی لہو و لعب میں وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ جب تقدیر نے شہزادگی سے فرمانروائی کے مرتبہ تک پہنچایا تو نوعمر بادشاہ نگرانی کی تمام قیدوں سے آزاد ہو گیا۔ اور اس نے جی کھول کر نفس پرستی اور تماش بینی میں اپنا وقت صرف کرنا شروع کیا۔ اور ایسا خود رفتہ ہوا کہ دن اور رات سوا نفس پرستی کے اور کسی کام کا نہ رہا۔ گویوں اور مسخروں کا بازار گرم ہوا رندوں اور عیش پرستوں کی بن آئی۔ اور ہر گلی و کوچہ میں گانے بجانے اور ناچ و رنگ کا چرچہ ہو گیا۔ چونکہ بادشاہ نے یہ طریقہ اختیار کیا اس لئے بمصداق "الناس علی دین ملوکھم" ہر امیر اور دولتمند بھی انہیں چرچوں کا گرویدہ ہو گیا۔ شہر کے بوڑھے بچے جوان و ادھیڑ سب ایک ہی رنگ میں رنگ گئے۔ اور دارالخلافت کے

ہر گوشے سے غزل خوانی کی سریلی اور مزامیر کی مست آوازیں بلند ہوئیں۔ شرعی قوانین کے دفتر مے ناب میں غرق کئے گئے۔ اور محتسب اور قاضی تک بادشاہ اور ارکان دولت کی تقلید کرنے لگے۔ شاہی دربار ہندوستان کے کثیر التعداد گویوں اور مسخروں سے بھر گیا۔ معزالدین کیقباد نے جمنا کے کنارے کیلوکھری میں ایک عظیم الشان محل اور پر فضا باغ تیار کرایا۔ اور اسی کو اپنا دارالخلافت بنا کر وہیں قیام اختیار کیا۔ بادشاہی مجلس خوبرو اور حسین گانے والیوں اور بذلہ سنج لوگوں کا ماویٰ و ملجا بن گئی۔ کیقباد کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحہ بھی اُسے بغیر شراب و ساقی کے چین نہ آتا تھا۔ اور دن و رات سوا بخشش و انعام کے اُسے دوسرا کام نہ تھا۔ ملک فخرالدین کوتوال کا بھتیجا اور داماد ملک نظام الدین کیقباد کا دست راست بنا۔ اور وکیل در بن کر سلطنت کے تمام کام انجام دینے لگا۔ ملک قوام الدین علاقہ جو اپنے وقت کا فاضل بے نظیر تھا نائب وکیل مقرر کیا گیا۔ تمام امیروں اور ارکان دولت نے بھی بادشاہی قصر کے گرد اپنے محل تعمیر کرائے اور ہر شخص دن عید اور رات شب برات منانے لگا۔ شراب کی ایسی مانگ ہوئی کہ اس کی قیمت دس گنی ہوگئی۔ اور گویوں کی وہ قدر ہوئی کہ مشکل سے دستیاب ہونے لگے۔ غرضکہ مسجدیں اور خانقاہیں ویران ہوئیں اور خمار خانہ کی آبادی میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ کیقباد کی یہ بے خبری اور نفس پرستی دیکھ کر ملک نظام الدین کے سر میں سلطنت کا سودا سمایا اور اس نے سوچا کہ دہلی کا حکمراں عیش و عشرت کا متوالا ہے اسے خاک نشین بنانا آسان ہے۔ بغرا خاں لکھنوتی کی حکومت پر قناعت کئے ہوئے بنگالہ میں خاموش بیٹھا ہے صرف ایک کیخسرو کا دم ایسا ہے جو اس کے آرزوؤں میں حارج ہوسکتا ہے یہ سوچ کر ملک نظام الدین نے سب سے پہلے کیخسرو کی تباہی اور بربادی پر کمر ہمت باندھی اس بے وفا امیر نے دوسرے نامی امیروں اور شاہی ارکان دولت سے راہ و رسم بڑھائی۔ درباری امیر جانتے تھے کہ نظام الدین بادشاہ کی ناک کا بال ہو رہا ہے۔ سارے امیر اور ارکان دولت خوف زدہ ہو کر اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ نظام الدین نے غلطی سے ان امیروں کو اپنا سچا اطاعت گزار اور مخلص رفیق سمجھا اور کیخسرو کی تباہی اور بربادی کی عملی کارروائیاں شروع کیں۔ حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں اور عصامی شاعر نے اپنی منظوم فتوح السلاطین میں لکھا ہے کہ کیخسرو نے

ملتان میں اپنے چچیرے بھائی کی تخت نشینی اور ملک نظام الدین کے غلبہ اور اس کے ارادوں کی خبر سن کر تیمور خاں حاکم غزنی سے دوستی کی راہ و رسم بڑھائی اور خود غزنی پہنچ کر کیقباد اور ملک نظام الدین کے مقابلے میں تیمور خاں سے فوجی امداد کا طالب ہوا۔ کیخسرو کا خیال غلط نکلا اور اس کی امید کے موافق تیمور خاں نے اس کی خاطر داری نہ کی۔ کیخسرو تیمور خاں سے رنجیدہ ہو کر غزنی سے ملتان لوٹا اور معزالدین کیقباد کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ مجھے تمہاری اطاعت اور تابعداری کرنی ضرور ہے اور مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ تمہیں بھی میرے ساتھ برادرانہ محبت اور الفت ہے لیکن دربار کے بعض اہل غرض فتنہ و فساد کی آگ روشن کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اہل غرض امیر میری طرف سے ہر وقت تمہارے کان بھرتے رہتے ہیں لیکن اگر تم مجھے اپنا بھائی سمجھ کر میرے باپ کی جگہ مجھے عنایت کرو اور مجھے اپنا ہی خواہ سمجھو تو برادرانہ شفقت اور محبت سے بعید نہ ہوگا۔ کیقباد نے اس پیغام کے جواب میں کیخسرو سے کہلا بھیجا کہ تجھ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی عزیز نہیں ہے۔ جو کچھ گزرا اُسے اپنے دل سے نکال ڈال اور بلا کسی خوف کے میرے پاس آتا کہ بدگویوں کی زبان بند ہو۔ اور میں تجھے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ ملتان کا حاکم مقرر کروں۔ کیخسرو یہ جواب سن کر دہلی روانہ ہوا۔ ملک نظام الدین نے پہلے سے خاندان بلبنی کی تباہی کا ارادہ کر لیا تھا کیخسرو کی روانگی کی خبر سنتے ہی اس نے مکر کا جال بچھایا اور کیقباد سے کہا کہ شاہزادہ کیخسرو تیرا شریک سلطنت اور بادشاہ کے بڑے بیٹے کا ولی عہد ہے مجھے معلوم ہے کہ فلاں فلاں امیر اس سے پوشیدہ خط و کتابت رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تجھے تخت سلطنت سے اُتار کر تیری جگہ کیخسرو کو تاج و تخت کا مالک بنائیں۔ معزالدین کیقباد نے نشہ کی غفلت میں ملک نظام کے کہنے پر یقین کیا اور کیخسرو کے قتل کا فرمان لکھ کر ملک نظام الدین کے حوالہ کر دیا۔ ملک نظام الدین نے بادشاہی فرمان پاتے ہی فوراً اپنے چند رازداروں کو کیخسرو کا سر لانے کے لئے روانہ کیا۔ ان فرستادہ لوگوں نے قصبہ رہتک میں کیخسرو اور اس کے ہی خواہوں کو گرفتار کر کے سبھوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ ملک نظام الدین نے خواجہ خطیر نامی بادشاہ کے مشیر اور وزیر پر بھی اسی سازش کی تہمت لگائی اور اس کو گدھے پر سوار کرا کے ذلت اور رسوائی

کے ساتھ شہر بدر کیا۔ خواجہ خطیر کے علاوہ ملبنی خدمت گاروں اور ملازموں کا ایک کثیر گروہ بھی اس سازش کی پاداش میں تلوار کے گھاٹ اتار اگیا اور ان مقتولوں کے جسم دریائے جمنا میں غرق کر دیئے گئے۔ اس واقعہ سے ملک نظام کی ہیبت تمام امیروں کے دل پر چھاگئی۔ اور پہلے سے کہیں زیادہ اس کا آستانہ مرجع خلائق بنگیا اس زمانے میں یہ خبر ملی کہ مغلوں کا لشکر نواح لاہور میں پہنچ گیا ہے۔ ملک بار بیک برلاس اور خان جہاں مغلوں کے مقابلے کے لیئے روانہ کیئے گئے اور لاہور کے قریب فریقین میں معرکہ آرائی ہوی۔ اس لڑائی میں بہت سے مغل سردار مارے گئے۔ اور بقیہ گرفتار کر کے پابہ زنجیر دہلی لائے گئے؛

ملک نظام نے اب دوسرا جال مکر کا بچھایا۔ اور خلوت میں کیقباد سے کہا کہ مغل امیر جو سلطان غیاث الدین کے عہد سے سلطنت دہلی کے ملازم ہیں یہ سب کے سب ہم قوم اور ہم جنس ہیں۔ اگر کسی روز یہ ہم سے منحرف ہو کر بغاوت کریں گے تو ان کا علاج مشکل ہو جائے گا۔ غرضکہ اس مکار امیرالامرا نے اس قسم کے توہم آمیز کلمات کہہ کر اس کو مغلوں سے بالکل برگشتہ کر دیا۔ اور رپایۂ خلافت کے مغل امیروں کے قتل کا فرمان لے کر ایک ہی دن میں سبھوں کو تہ تیغ کر کے اُن کے خاندان برباد کر دیئے دہلی کے وہ امیر جو مغل امراسے قرابت اور عزیزداری رکھتے تھے وہ قید کر کے دور دراز قلعوں میں نظر بند کر دیئے گئے۔ اور قدیم امیروں کی تباہی میں ملک نظام نے کچھ پرواہ نہ کی۔ اب ملک نظام نے غیاث الدین بلبن کے دوسرے نامی امیروں پر نگاہ ڈالی۔ اور ملک نظام بیگ امیر ملتان اور ملک ترکی حاکم لاہور کی تباہی کا زبردست جال بچھایا۔ ملک نظام اپنے اس مقصد میں بھی کامیاب ہوگیا۔ اور سلطنت بالکل اس کے حریفوں سے خالی ہوگئی۔ ان امیروں کی تباہی کے بعد کیقباد ایسا ملک نظام کے بس میں آگیا کہ اگر کبھی کوئی خیر خواہ ملک نظام کے خلاف کچھ منھ سے نکالتا تھا تو بادشاہ اس کی اطلاع فوراً ملک نظام کو کر دیتا تھا۔ بلکہ اس شخص کو گرفتار کر کے ملک نظام ہی کے سپرد کر دیتا تھا۔ ملک نظام کی بی بی نے جو ملک الامرا ملک فخرالدین کوتوال کی بیٹی تھی شاہی محل میں اپنا رسوخ بڑھایا اور بادشاہ کی منھ بولی ماں بنکر سارے شاہی محلات پر حکومت کرنے لگی۔ سلطنت کے باقی ماندہ امیر

خوف کے مارے ملک نظام کی آستانہ بوسی کرتے تھے۔ اور جس طرح اُن سے ممکن ہوتا تھا اپنے کو اس مکار امیر کی شر سے بچاتے تھے۔ غرضکہ بادشاہ کی بارگاہ پر اداسی اور بے رونقی چھاگئی اور شاہی دربار کی تمام عظمت وشان ملک نظام کے آستانہ پر نظر آنے لگی۔ ملک الامرا ملک فخرالدین کوتوال کو بھی جس کا سن اب نوے سال کا ہوچکا تھا اپنے مکار داماد کے ارادوں کی اطلاع ہوی۔ اس بوڑھے امیر نے اپنے بداندیش اور مغرور بھتیجے کو بلاکر اُسے ہر طرح سمجھایا اور پُرزور دلیلوں سے سلطنت کا خیال خام اس کے دماغ سے نکالنا چاہا لیکن اس نصیحت کا بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور ملک نظام نے اپنے بوڑھے چچا کو یہ جواب دیا کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں بالکل صحیح ہے اور آپ کے کہنے کے خلاف عمل کرنا سراسر نادانی اور خطا ہے۔ لیکن اب تک جو کچھ میں کرچکا ہوں اس سے تمام بندگان خدا میرے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں اور سبھوں کو معلوم ہوگیا ہے کہ میرا مقصد کیا ہے۔ اگر اب میں اپنے ارادے سے باز آجاؤں تو میرے دشمن مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ ملک فخرالدین نے یہ جواب سن کر ملک نظام کو بہت لعنت وملامت کی۔ اور اسے اپنے سامنے سے دور کردیا۔

درباری امیروں نے جب ملک فخرالدین کی حالت سنی تو سبھوں نے اس بوڑھے امیر کی وفاداری اور عاقبت اندیشی کی بیحد تعریف کی۔ اور ملک فخرالدین کی طرف سے بالکل مطمئن ہوگئے۔

اسی زمانے میں بغراخاں کو نوعمر بیٹے کی غفلت اور ملک نظام کے تسلط کی اطلاع ہوی۔ بغراخاں نے بہت نصیحت آمیز تحریر کیقباد کو بھیجی اور اشاروں میں ملک نظام کی مکاری اور اس کے ارادوں سے بھی اطلاع دی۔ لیکن کیقباد پر باپ کی تحریر کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ جب بغراخاں نے دیکھا کہ کیقباد کسی طرح بھی خواب غفلت سے نہیں جاگتا تو مجبوراً اس نے دو سال کے انتظار کے بعد دہلی پر لشکرکشی کی۔ کیقباد نے جب باپ کے ارادے سے اطلاع پائی اور سنا کہ بغراخاں کا لشکر بہار تک پہنچ گیا ہے تو خود بھی اپنی فوج لے کر باپ سے لڑنے کے لئے بہار کی طرف بڑھا۔ اور عین گرمی کے زمانے میں دریائے گھگر کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ ناصرالدین نے یہ

سن کر کیقباد دریائے گھگر کے کنارے خیمہ زن ہے بہار سے کوچ کیا۔ اور آب سرو کے کنارے اس نے بھی اپنے ڈیرے ڈالے۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو بغرا خاں نے دہلی کی حکومت سے کنارہ کشی کا ارادہ کرکے صلح کے خطوط کیقباد کے پاس بھیجے۔ اور بیٹے سے ملاقات کرنی چاہی۔ کیقباد کی باگ ملک نظام کے ہاتھ میں تھی اور اس بے وفا امیر کے خیالی منصوبوں کا پورا ہونا ان دونوں باپ بیٹوں کی تباہی پر موقوف تھا۔ ملک نظام نے کیقباد کو صلح سے روکا۔ اور یہ ناعاقبت اندیش فرمانروا باپ سے لڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ تین روز متواتر باپ بیٹوں میں خط و کتابت ہوتی رہی لیکن جب بغرا خاں نے دیکھا کہ حریفانہ رسل و رسائل کا کچھ نتیجہ نہیں نکلتا تو اس نے پدرانہ تحریر سے کام لیا۔ اور ایک خط شفقت آمیز کیقباد کے نام اس مضمون کا لکھا کہ اے فرزند اب میں تیری جدائی سے بہت بے قرار اور تیری دیدار کے اشتیاق میں بہت بیتاب ہوں۔ اگر تو کوئی ایسی تدبیر کرے کہ ایک لمحے کے لئے میں تجھے دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک اور دل میں سرور پیدا کرسکوں تو مجھے امید ہے کہ میری تمنا برآئیگی اور تیرے عیش و عشرت میں کچھ خلل نہ واقع ہوگا۔ کیقباد پر باپ کی اس تحریر کا بیحد اثر ہوا۔ کیقباد نے لڑائی کا خیال بالکل دل سے نکال ڈالا۔ اور صلح کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اور چاہا کہ تنہا باپ کی ملاقات کو جائے۔ لیکن ملک نظام نے اسے منع کیا۔ بالآخر ملک نظام کی رائے سے یہ طے پایا کہ کیقباد اپنے تمام لوازم شاہی کے ساتھ اب گھگر سے کوچ کرکے آب سرو کے کنارے تخت شاہی پر جلوس کرے اور بغرا خاں شہنشاہ دہلی کے حفظ مراتب کا خیال کرکے آب سرو کے اس پار سے سفر کرکے کیقباد سے ملنے کے لئے آئے۔ شاہی نجومیوں نے دونوں باپ بیٹوں کی ملاقات کے لئے نیک ساعت مقرر کی۔ اور بغرا خاں اسی ساعت کشتی میں سوار ہوکر دریا کے اس پار آیا۔ دریا کو پار کرکے بغرا خاں شاہی بارگاہ کی طرف چلا۔ اور خلوت خانے میں پہنچکر تین جگہ زمین بوس ہوکر فرمانروائے دہلی کی ملازمت کے لئے آگے بڑھا۔ بغرا خاں تخت شاہی کے قریب پہنچا ہی تھا کہ کیقباد نے تخت سے اتر کر باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے سے بغلگیر ہوکر زار زار رونے اور فرط محبت سے ایک دوسرے کو پیار کرنے لگے۔ اس محبت انگیز منظر کا اثر حاضرین دربار پر بھی پڑا اور اکثر رقیق القلب

درباریوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ جب دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے سے مل چکے تو بغرا خاں نے کیقباد کا ہاتھ پکڑ کر اُسے تخت پر بٹھا دیا۔ اور خود ادب کے ساتھ تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ کیقباد نے باپ کا یہ سلوک دیکھکر تخت فوراً چھوڑ دیا۔ اور بغرا خاں کو تخت سلطنت پر بٹھا کر خود اس کے سامنے ادب سے بیٹھ گیا۔ کیقباد اور بغرا خاں دونوں باپ بیٹوں پر روپئے اور اشرفیوں کا نچھاور ہونے لگا۔ شاعروں نے مدح میں قصیدے لکھے اور چوبداروں اور نقیبوں نے مبارک سلامت کے غل سے تمام بارگاہ شاہی کو سر پر اُٹھا لیا۔ غرضکہ جو کچھ لوازمۂ حشمت اور شاہی مجلس کے شایان شان تھا سب بڑے تزک و احتشام سے عمل میں آیا۔ دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کی گفتگو اور محبت آمیز کلام سے بجد خوش ہوے۔ تھوڑی دیر کے بعد ناصر الدین بغرا خاں رخصت ہوا۔ اور دریا کو پار کرکے اپنی بارگاہ میں پہنچا۔ ملاقات کے بعد تحفہ تحائف پیش کرنے کی باری آئی۔ اور دونوں پدر و پسر نے بیش قیمت چیزیں اور لذیذ کھانے اور بامزا شربت ایک دوسرے کی خدمت میں روانہ کئے۔ دونوں لشکروں کو حکم ہوا کہ بیگانگی کا قدم درمیان سے اٹھا دیں اور عزیزوں اور دوستوں کی طرح آپس میں ملاقات کریں۔ اور راہ و رسم دوستی کی بڑھائیں۔ چند روز برابر ناصر الدین کیقباد سے اسی طرح ملنے آتا تھا اور کیقباد باپ کی خاطر و مدارات اچھی طرح کرتا تھا۔ اس زمانے میں دونوں فرمانرواؤں کو بجز ایک دوسرے کی ملاقات کرنے اور عیش و عشرت میں دن رات بسر کرنے کے دوسرا کام نہ تھا۔ چنانچہ امیر خسروؒ نے اپنی مثنوی قران السعدین میں اس ملاقات کا حال مفصل بیان کیا ہے۔

جب جدائی کی گھڑی قریب آئی تو بغرا خاں نے کیقباد سے کہا کہ جمشید کا قول ہے کہ جس بادشاہ کے خزانے میں اتنا روپیہ نہ ہو کہ دشمن کے غلبے کے وقت وہ اس روپئے سے مدد لے سکے یا یہ کہ قحط کے زمانے میں شاہی خزانے سے رعایا کی دستگیری کر سکے اس بادشاہ کو فرمانروائے جہاں کہنا ہرگز زیبا نہیں ہے۔ بغرا خاں نے کیقباد سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ چند اور نصیحتیں بھی تجھے کروں۔ چاہئے کہ تو ٹھنڈے دل سے میری نصیحتوں کو سنے اور ان پر کاربند ہو۔ کیقباد نے کہا کہ بادشاہ میرے سرپرست اور بہی خواہ ہیں اور مجھے خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتے ہیں جو کچھ میرے لئے بہتر ہو بلا کسی خیال کے مجھے اس سے آگاہ کریں۔ تاکہ میں ان نصیحتوں کو اپنا دستور العمل

بناؤں۔ اور ان کے خلاف ہرگز کاربند نہ ہوں۔ بغرا خاں کی محبت پدری جوش میں آئی۔ اور اس نے کہا کہ میں جو اس قدر دور دراز سے مسافرت کی تکلیف برداشت کرکے آیا ہوں اس کا صرف مقصود یہی تھا کہ تجھے نصیحت کرکے اپنا حق ادا کروں۔ اور جوانی کی ناعاقبت اندیشی سے تجھے خبردار کرکے غفلت کی نیند سے جگاؤں۔ یہ کہہ کر ناصر الدین نے شاہی بارگاہ میں خلوت کرائی اور کہا کہ ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین کو بھی اس مجلس میں شریک کر تاکہ جو کچھ مجھے کہنا ہے ان دونوں کے سامنے کہوں۔ ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین فوراً مجلس میں حاضر ہوئے اور بغرا خاں نے کیقباد سے کہا کہ اے فرزند یہ شکر کر کہ خدا نے تجھے میرے باپ کا جانشین بنایا میں بہت خوش ہوا اور یہ سمجھا کہ دہلی کی حکومت میرے ہی قبضے میں آگئی لیکن جب تیری بے خبری کی داستانیں میرے کانوں تک پہنچیں تو مجھے یہ حیرت ہوئی کہ باوجود اس غفلت اور عیش پرستی کے تو دو سال تک زندہ کیونکر رہا۔ میں تو عرصے سے تجھے اور اپنے دونوں کو مردہ جانتا ہوں۔ اور زمانہ گزرا کہ میں دونوں کی تعزیت خود اپنے نفس سے کرچکا۔ تیری اس حالت سے میں دہلی اور لکھنوتی دونوں حکومتوں کو زوال پذیر سمجھ رہا ہوں۔ اور خصوصاً اس دن سے تو مجھے اس سلطنت کے زوال کا کامل یقین ہوگیا۔ جب سے کہ تو نے میرے باپ کے وفادار اور پروردہ نعمت امیروں کا ناحق خون کیا۔ اس ظالمانہ خونریزی سے یہ عدیم المثال امیر خود بھی جان سے گئے اور اپنی بے گناہ موت سے دوسرے ارکان دولت کو تجھ سے برگشتہ اور خوف زدہ کر گئے اب مجھے کسی طرح کی امید سلطنت کی سرسبزی اور پائندگی کی باقی نہیں رہی۔ جو کچھ میں دیکھتا اور سنتا ہوں اس سے تیرے کان اور تیری آنکھیں بالکل بے خبر ہیں۔ ذرا غور کر کہ میرے بڑے بھائی نے جو میرے باپ کا ولی عہد تھا ایک بیٹا یادگار چھوڑ کر باپ کے سامنے ہی وفات پائی۔ اس کا بیٹا کیخسرو جو ہر طرح مستحق سلطنت اور تیرا قوت بازو تھا خود غرض امیروں اور دوستوں کی غمازی سے تیرے ظلم کا شکار ہوا۔ ان مفسد اور بد اندیشوں کا مقصود یہ ہے کہ کیخسرو پر ہاتھ صاف کرکے تجھے بھی ختم کردیں۔ اور خاندان بلبنی کا چراغ بجھا کر یہ بد اصل خود سلطنت پر قابض ہوں۔ اگر تجھے اپنی جوانی پر رحم نہیں آتا تو اپنی اولاد اور اپنے متعلقین پر رحم کر اور خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنی حفاظت آپ کر اور میری ان چار نصیحتوں پر ہمیشہ کاربند رہ کہ

(۱) یہ کہ اپنی جان پر رحم کر کے اپنا علاج کر۔ آئینہ میں اپنی صورت دیکھ وہ چہرہ جو گلاب کے پھول کی طرح تازہ اور شاداب تھا۔ جوانی کی غلط کاریوں سے لکڑی جیسا خشک اور زرد ہو رہا ہے۔ تماش بینی کی کثرت نے تجھے ضعیف اور کمزور بنا رکھا ہے اسے بالکل ترک کر۔ اس لئے کہ جب جان ہی نہ رہے گی تو دنیا دی لذتوں کا مزہ کون اٹھائیگا

(۲) یہ کہ اب اپنے امیروں اور حاکموں کی خونریزی سے پرہیز کرتا کہ تیرے بہی خواہوں کا اعتبار تجھ سے زایل نہو۔ اور ان حاضر امیروں یعنی ملک نظام ور ملک قوام الدین کو جو تجربہ کار اور مآل اندیش ہیں اپنے سے آزردہ نہ کر۔ اپنے پختہ کار امیروں میں دو امیروں کا اور انتخاب کر کے ان کا شریک کار بنا دے اور ان چاروں امیروں کو ایوان سلطنت کے چار ستون سمجھ کر ایک کو وزارت دوسرے کو رسالت تیسرے کو دیوانی اور چوتھے کو انشا کا عہدہ سپرد کر کے ان کی حوصلہ افزائی کر اور ہر کام میں ان سے مشورہ لے لیکن یہ کہ ان کے مرتبے ان کے کاموں کے اعتبار سے ضرور ایک دوسرے سے کم و بیش ہوں گے۔ اس لئے ان میں سے کسی کو بھی دوسروں پر اتنی برتری نہ دینا کہ اسے سرکشی اور بغاوت کا موقع ملے۔

(۳) یہ کہ جس راز کو تو فاش کرنا ضروری سمجھے اس سے ان چاروں کو مطلع کرنا اور ان میں سے کسی ایک کو ایسا اپنا محرم نہ بنا تاکہ دوسروں کو تجھ پر بھروسہ نہ رہے اور تجھ سے آزردہ ہوں۔

(۴) یہ کہ نماز روزے کی پابندی کرتا کہ ان فرائض کے ترک سے تو دنیا اور آخرت میں محروم و ناکام نہ رہے۔ میں نے سنا ہے کہ بعض علما نے حیلہ گری کی ہے اور تجھے اس شرط پر رمضان کے روزوں کے افطار کرنے کا حکم دے دیا ہے کہ اگر روزہ رکھنے کے عوض ایک بردہ آزاد کر دیا جائے یا روزانہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے تو روزے کا کفارہ ہو جائے گا۔ اور تو نے اس فتوے پر عمل کیا ہے لیکن اے فرزند ایسے علما کے قول و فعل سے ہمیشہ دور رہو۔ دین کا مسئلہ ان علما سے نہ پوچھ جنہوں نے لالچ اور طمع میں گرفتار ہو کر دنیا پرستی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ بلکہ مذہبی برکات ان برگزیدہ عالموں سے حاصل کر جنہوں نے دنیا سے بالکل منہ موڑ لیا ہے اور جن کی نظر میں دنیا کی تمام دولت ایک ذرہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔ بغرا خاں نے بیٹے کو یہ نصیحت کر کے زار زار رونا

شروع کیا اور فرط محبت میں کیقباد کو اپنی آغوش میں لے کر آہستہ اُس کے کان میں کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ملک نظام کا کام تمام کر دے۔ ورنہ اگر اسے موقع ملے گا تو ایک لمحہ بھی تیری جان لینے میں دریغ نہ کرے گا۔ بغرا خاں بیٹے کو یہ نصیحتیں کرکے رخصت ہوا اور اپنے گھر واپس آیا۔ اس بختہ کار باپ کو بیٹے کے مآل اور انجام پر کچھ ایسا صدمہ ہوا کہ اس روز اُس نے کھانا تک نہ کھایا۔ اور اپنے درباریوں سے کہا کہ آج بیٹے اور دہلی دونوں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو کر آیا ہوں۔ بغرا خاں نے بیٹے سے ہاتھ دھو کر اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ ہمیشہ بادشاہان دہلی کا مطیع اور فرمانبردار رہا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور بلبنی سلطنت کے تباہ ہونے کے بعد بھی بغرا خاں جلال الدین خلجی اور علاء الدین اور قطب الدین کا اطاعت گزار رہا۔ اور چتر و خطبہ کا خیال دل سے دور کر کے مثل دوسرے امیروں کے سلطنت دہلی کا مطیع اور فرمانبردار رہا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب سلطان تغلق دہلی سے بنگالہ گیا تو بغرا خاں نے بڑی دھوم سے بادشاہ کا استقبال کیا اور اس کی خدمت میں بیش قیمت تحفے پیش کئے۔ تغلق شاہ نے بھی اُسے لکھنوتی اور بنگالہ کا حاکم مقرر کرکے بغرا خاں کو چتر و دورباش عنایت کیا۔ اور اس کی تعظیم و تکریم بجالایا۔

سلطان معزالدین کیقباد باپ سے رخصت ہو کر اودھ سے دہلی واپس آیا تھوڑے دنوں تو اس نوعمر بادشاہ نے باپ کی نصیحتوں پر عمل کیا۔ اور کثرت تماش بینی اور عیش و عشرت سے کنارہ کش رہا۔ لیکن چونکہ کیقباد کی حسن پرستی اور اس کی مجلس کی گرماگرمی کا شہرہ تمام دنیا میں ہو چکا تھا اس لئے حسینوں اور دلربا معشوقوں کے قافلے کے قافلے دنیا کے ہر گوشے سے شاہی بارگاہ میں ہر وقت چلے آتے تھے۔ یہ دلربا اور نغمہ سنج معشوق ظاہری بناؤ سنگار سے اپنے حسن کی دلکشی کو اور دوبالا کرکے ہر وقت حسن پرست بادشاہوں کی بارگاہ میں آتے اور انتظار ملاقات میں آستانہ بادشاہی پر پڑے رہتے تھے۔ چونکہ بادشاہ خود حسن کا متوالا تھا غلبہ شوق سے بے اختیار ہو کر التفات اور مہربانی کی امید افزا نگاہوں سے ان سیہ چشموں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن ایک معشوق ستمگار جو اپنے حسن میں یکتائے زمانہ تھی ساز و طرب کے ساتھ قبائے زرنگار پہنے اور پٹکہ زرین کمر میں باندھے ہوئے ایک عراقی گھوڑے پر سوار ہو کر

کوچ کے وقت بادشاہ کے سامنے آئی۔ اور شاہی چتر و دورباش کے قریب پہنچ کر اس آفت روزگار نے اداے معشوقانہ کے ساتھ بیحد سریلی آواز میں یہ شعر پڑھا ؎

گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد — دیدہ در رہ می نہم تا میروی

یہ شعر پڑھ کر اس پری جمال نے بادشاہ سے اس غزل کا مطلع پڑھنے کی ادب کے ساتھ اجازت مانگی۔ اور شاہی اجازت پاتے ہی اس شوخ چشم نے کہا کہ ؎

سرو سیمینا بہ صحرا می روی — نیک بدعہدی کہ تنہا می روی

بادشاہ اس آفت زمانہ کے حسن و جمال اور اس کے معشوقانہ نازو انداز سے ایسا وارفتہ اور مبہوت ہوا کہ عشق کا پھندا گلے میں ڈال کر پھر صنم پرستی پر مائل ہوا۔ کیقباد نے باپ کی نصیحتوں کو خیرباد کیا۔ اور راستہ میں قیام کر کے اس توبہ شکن کو یہ شعر پڑھ کر سنایا ؎

فغاں کیں لولیانِ شوخ شیریں کار و شہر آشوب — چناں بردند صبر از دل کہ ترکان خوانِ یغمارا

یہ شعر پڑھ کر بادشاہ بے اختیار گھوڑے سے اتر آیا اور اسی جگہ شاہی خیمہ استادہ کرا کے اس رشک خوباں کی غزل سرائی اور رقاصی کا تماشہ دیکھنے میں مشغول ہو گیا۔ اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ شعر نکلا ؎

شب زہی توبہ کنم از بیم ناز شاہداں — بامداداں روئے ساقی باز در کار آورد

اس توبہ شکن نے بادشاہ کی زبان سے یہ شعر سن کر اسی ردیف و قافیہ میں دوسرا شعر پڑھا کہ

غمزۂ زاہد فریبم عابد صد سالہ را — موئے پیشانی گرفتہ پیش خمار آورد

بادشاہ اس نازنین کی طبیعت کی تیزی اور حاضر جوابی اور شیریں کلامی سے حیران ہو گیا اور اُسے مجلس کا ساقی مقرر کیا اس آفت روزگار نے شراب کا پیالہ بھر کر بادشاہ کی تواضع کی بادشاہ نے فرط محبت میں پیالہ اُس کے ہاتھ سے لے کر بادہ نوشی شروع کر دی۔ امیروں اور ارکان دولت نے بھی بادشاہی خیمے کے قریب اپنی محفلیں آراستہ کیں اور لہو و لعب میں تمام دن اور رات بسر کیا۔ دوسرے دن بادشاہ نے اس مقام سے کوچ کیا۔ اور ہر منزل پر دن عید رات شب برات مناتا ہوا دہلی پہنچا۔ اور قصر کیلوکھری میں اس نے قیام اختیار کیا۔ اہل شہر بادشاہ کے آنے سے بیحد خوش ہوئے۔ تمام شہر میں آئینہ بندی کی گئی اور گلی و کوچے میں عیش و عشرت کی مجلسیں منعقد کی گئیں۔ بادشاہ کی ناعاقبت اندیشی اور جوانی کی غلط کاریوں کا پھر وہی عالم ہوا اور دن رات بادہ خواری اور حسن پرستی میں بسر کرنے

لگا۔ رعایا نے بھی بیباکی کو اپنا شعار بنایا۔ اور شہر کے ہر کوچے میں علانیہ شراب خواری ہونے لگی۔ بادشاہ اور رعایا دونوں کے دل سے عاقبت اندیشی رخصت ہوی۔ اور آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑ گئے۔ بادشاہ نے چندہی دن اس عالم میں بسر کئے تھے کہ کثرت شراب خواری اور تماش بینی نے اُسے کمزور بنا کر بستر مرگ پر لٹا دیا۔ صاحب فراش ہو کر کیقباد کو باپ کی نصیحت یاد آئی۔ اور اُس نے چاہا کہ اپنے کو بچانے کے لئے ملک نظام کا قدم درمیان سے اٹھا دے۔ چونکہ بیماری کی وجہ سے بادشاہ کا دماغ مختل ہو رہا تھا کسی صائب رائے سے ملک نظام کے فتنے کو دفع نہ کر سکا۔ مگر غصہ اور مخالفت سے پیش آیا۔ اور ملک نظام کو حکم دیا کہ وہ ملتان جا کر وہاں کی حالت درست کرے۔ ملک نظام سمجھا کہ بادشاہ اس کو اپنے پاس سے دور کرنا چاہتا ہے اور اس نے جانے میں پس و پیش کیا اور کچھ عذرات پیش کئے۔ چونکہ ارکان دولت سمجھ گئے تھے کہ بادشاہ کا مزاج ملک نظام سے منحرف ہو گیا ہے اور درباری امیر ملک نظام کے ہاتھوں تنگ تھے چند لوگوں نے بادشاہ کے اشارے سے زہر سے ملک نظام کا کام تمام کر دیا۔ ملک نظام کے مرنے کے بعد بادشاہ نے ملک جلال الدین فیروز بن ملک یغرش خلجی کو جو نائب سمانہ اور سپہ سالار تھا سمانہ سے بلا کر اُسے شائستہ خاں کا خطاب دیا اور عارض ممالک مقرر کیا۔ اور صوبہ برن اس کی جاگیر میں عطا کیا۔ بادشاہ کا مزاج روز بروز خراب ہونے لگا۔ اور مرض نے لقوہ اور فالج کی صورت اختیار کی۔ اب بادشاہ بالکل صاحب فراش ہو گیا۔ اور برائے نام بھی سلطنت کے کام کرنے کے قابل نہ رہا۔ بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر ہر امیر صاحب شوکت کے سر میں حکمرانی کا سودا سمایا۔ اس لئے چند معزز ارکان دولت نے فوراً کیقباد کے ۳ سالہ بیٹے کیومرث کو سلطان شمس الدین کا خطاب دے کر تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ اب شاہی امیروں کے دو گروہ ہو گئے ایک گروہ خلجی امیروں کا جو جلال الدین فیروز کے ساتھ بہادر پور میں مقیم تھا اور دوسرا گروہ ترکی سرداروں کا تھا جو ملک ایتمر کچھن اور ملک ایتمر سرخہ کا ہم خیال ہو کر کیومرث کی حمایت پر مستعد ہوا۔ اور اس گروہ نے چبوترہ ناصری کے حوالی میدان میں قیام اختیار کیا۔ سلطان معز الدین کیقباد کوشک کیلوکھری میں رنجور و لاچار پڑا تھا اور شاہی طبیب پاس موجود اور علاج میں سرگرم تھے چونکہ ایسے زمانے میں ہمیشہ سلطنت میں فتنہ و فساد برپا ہو جاتے ہیں اور اتحاد و اتفاق کا نام و نشان بھی نہیں رہتا اس لئے یہاں بھی جھگڑے اور فساد کا بازار گرم ہوا۔ اور ہر گروہ

ایک دوسرے کا مخالف بن گیا۔ ترکی امیروں نے چاہا کہ کیومرث کو جوان کے قبضے میں ہے
اپنا بادشاہ تسلیم کر کے جلال الدین فیروز اور دوسرے خلجی امیروں کو جو بوجہ غیر ترکی ہونے کے
سلطنت و جہانبانی کی مستحق نہیں ہیں ہلاک کر کے خود حکومت پر غالب آجائیں۔ اور جلال الدین
خلجی اور اس کے تابعین کو نیست و نابود کر دیں۔ یہ ارادہ کر کے ان امیروں نے خلجی امیروں کی
ایک فہرست لکھی اور ان مجرموں کا سردار جلال الدین خلجی کو بنایا۔ جب جلال الدین خلجی کو ان ترکی
امیروں کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے ہم قوم امیروں کو اکٹھا کر کے اپنا
ہم راز اور بہی خواہ بنا لیا۔ اسی زمانہ میں ملک ایتمر کچن اس ارادے سے سوار ہوا تا کہ جلال الدین
خلجی کو دھوکہ دے کر بہادر پور سے چبوترہ ناصری تک لائے۔ اور فوراً اس کا کام تمام کر دے
چونکہ جلال الدین کو اس ترکی امیر کے ارادے سے پوری اطلاع ہو چکی تھی ملک ایتمر کچن کے
پہنچتے ہی جلالیوں نے غصے میں آ کر اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ جلال الدین
خلجی کے بیٹے جو شجاعت اور مردانگی میں مشہور آفاق تھے پانچ سو سواروں کے ساتھ
کیومرث کے لشکر کی طرف بڑھے اور ترکوں پر حملہ کرتے ہوئے بادشاہی خیمے کے قریب
پہنچے اور وہ جلد سے جلد سراپردہ سلطانی کو چاک کر کے کیومرث اور ملک فخر الدین کوتوال کے
بیٹوں کو گرفتار کر کے ان قیدیوں کو باپ کے پاس بہادر پور میں لے آئے۔ ملک ایتمر سرخہ
نے ان لوگوں کا تعاقب کیا لیکن جلال الدین خلجی کے بیٹوں کے ہاتھ سے راستے ہی میں
مارا گیا۔ چونکہ دہلی کے چھوٹے بڑے سب خلجیوں کی سرداری کو ننگ و عار سمجھتے تھے اسلئے
ایک کثیر گروہ دہلی کے باشندوں کا بادشاہ شمس الدین کیومرث کی مدد کے لئے خلجیوں کے
مقابلے میں لڑنے کے لئے آیا۔ اور بداؤن دروازے پر آ کر جمع ہوا ملک الامراء ملک فخر الدین
کوتوال نے اس ڈر سے کہ کہیں اس ہنگامے میں اس کے گرفتار بیٹوں کو کوئی نقصان نہ
پہنچے بہ ہزار دقت اور خرابی اس مجمع کو منتشر کر دیا۔ دہلی کے اکثر امیر اسی دن جلال الدین کے
حلقہ بگوشوں میں داخل ہو گئے۔ جلال الدین خلجی نے ان ترک بچوں کو جن کے باپ کیقباد
کے ہاتھ سے مارے گئے تھے کیقباد سے بدلہ لینے کے لئے قصر کیلو کھری روانہ کیا۔
ان ترک بچوں نے اس نیم جان بادشاہ کو جس کے بدن میں صرف سانس باقی رہ گئی تھی ایک
کملی میں لپیٹ کر اس کو دو چار لاتیں ماریں اور اس کی لاش کو جمنا میں بہا دیا۔ اس واقعہ کے بعد
جلال الدین خلجی نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ اور بادشاہ غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو

کو جو مدعی سلطنت تھا کڑہ کا صوبہ دار بنا کر اُسے ادھر روانہ کیا۔ جلال الدین خلجی نے شاہی منجموں کے بیان کے موافق ساعت سعید میں قصر کیلو کھری میں قیام اختیار کیا اور کیومرث کا قدم درمیان سے اٹھا کر مہمات سلطنت کے انجام دینے میں مشغول ہوا کیقباد کے مرتے ہی سلطنت غور کے ترکی نژاد غلاموں سے منتقل ہو کر خلجیوں کے خاندان میں آ گئی۔ مذکورہ بالا حادثے آخر ۶۸۹ھ میں پیش آئے۔ کیقباد نے کچھ اوپر تین سال حکمرانی کی ہ

جلال الدین فیروز شاہ خلجی

نظام الدین احمد بخشی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ ایک معتبر تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ خلجی گروہ چنگیز خاں کے داماد قالج خاں کی نسل سے ہے۔ یہ مورخ قالج خاں کا قصہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ قالج خاں اپنی بی بی سے جو چنگیز خاں کی بیٹی تھی کسی وجہ سے کچھ ناراض ہو گیا لیکن چنگیز خاں کے خوف سے قالج خاں کو اپنے رنج کے اظہار کا موقع نہ ملتا تھا قالج ظاہرا تو بی بی کی خاطر و مدارا کیا کرتا لیکن دل ہی دل میں اپنے لیئے کوئی مامن اور جائے پناہ سوچا کرتا تھا لیکن اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا یہاں تک کہ چنگیز خاں دریائے سندھ کے کنارے سلطان جلال الدین خوارزمی کو تباہ و برباد کرنے میں مصروف ہوا اور ایران اور توران کی مہمات سے فراغت حاصل کر کے اپنے وطن کو واپس ہوا قالج خاں نے اس درمیان میں غور اور جرجستان کے کوہستانوں کا اچھی طرح معائنہ کیا اور ان پہاڑوں کی مضبوطی اور ان کے استحکام کو بخوبی ذہن نشین کر لیا اور فرصت پا کر چنگیز خاں سے جدا ہوا اور ایک دن قالج اپنے زن و فرزند اور اہل قبیلہ کو جو تقریباً تیس ہزار تھے ساتھ لے کر اس کوہستان کی طرف بھاگا اور یہیں آ کر اُس نے سکونت اختیار کی۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ایسا اچھا استحکام حاصل کر لیا کہ چنگیز خاں کے مرنے کے بعد چنگیزی فرمانرواؤں نے قالج کا بالکل خیال نہ کیا اور قالج کی نسل اور اسکے حاشیہ نشینوں کی قوت اور کثرت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ جب غوری فرمانرواؤں

اور اُن کے کنار گرفتہ فرزندوں نے ہندوستان فتح کیا تو خلجیوں کے گروہ کے گروہ یکے بعد دیگرے ہندوستان آکر شاہی ملازمت کے سلسلے میں داخل ہونے لگے ان خلجیوں میں بعض صاحب اقتدار ہوکر شاہی امیروں اور ارکان دولت کے معزز مرتبوں تک بھی پہنچے۔ ان مقتدر خلجی امیروں میں سلطان جلال الدین فیروز شاہ اور سلطان محمود خلجی مندوی کے باپ بھی تھے۔ مورخ مذکور لکھتا ہے کہ پیشتر یہ امیر قالج خاں کی نسبت سے قالجی کہلاتے تھے لیکن کثرت استعمال سے الف گر گیا اور ق کا خ سے تبادلہ ہوکر یہ قبیلہ خلجی کے نام سے موسوم ہوا لیکن تاریخ سلجوقیان کا مصنف لکھتا ہے کہ ترک بن یافث کے گیارہ بیٹوں میں ایک کا نام خلج تھا اور اسی خلج کی اولاد خلجی کہلائی۔ مورخ فرشتہ کے نزدیک بھی یہی رائے صحیح ہے اس لیئے کہ نظام الدین کی رائے کے مطابق خلجیوں کا وجود چنگیزی عہد کے بعد ثابت ہوتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس لیئے کہ معتبر غزنوی تاریخوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر ناصرالدین و سلطان محمود غزنوی کے بہت سے امیر خلجی کہلاتے تھے اور یہ بات مسلم ہے کہ ناصر اور محمود چنگیز خاں سے مقدم ہیں ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ قالج خاں خود بھی خلجی ہوا اور سلطان جلال الدین دہلوی اور سلطان محمود مندوی اسی قالج خاں کی نسل سے ہوں [۲۱۳]۔

مختصر یہ کہ جلال الدین خلجی بڑی جمعیت اور شان کے ساتھ بہادر پور سے سوار ہوکر کیلوکھری میں آیا۔ چند روز تو جلال الدین نے سلطان شمس الدین کو سلطنت کا پتلا بنا کر خود اُس کی نیابت کی لیکن آخر کار اس کا کام تمام کرکے ۶۸۸ھ میں ستر برس کے سن میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ اگلے بادشاہوں کے خلاف جلال الدین نے چتر بادشاہی کے سرخ رنگ کو سفید رنگ سے بدلا اور قہر و غضب کو بالکل اپنے سے علیحدہ کرکے مہربانی اور بردباری کو اپنا شعار بنایا اور ان صفتوں میں ایسا مستقل رہا کہ اپنی تمام عمر ایک چیونٹی کو بھی اُس نے اذیت نہیں پہنچائی چونکہ جلال الدین کو اہل دہلی پر پورا بھروسا نہ تھا اس لیئے اُس نے کیلوکھری میں اپنا قیام اختیار کیا۔ اور معزالدین کی شروع کردہ عمارتوں کو خوبی کے ساتھ پورا کیا۔ جلال الدین نے دریائے جمنا کے کنارے ایک پرفضا باغ لگایا اور باغ کے گرد پتھر اور چونے کا ایک بلند حصار کھنچوایا۔ اور اپنے امیروں اور ہی خواہوں کو بھی عمارتوں کے تعمیر

کرانے کی شدید تاکید کی۔ جلال الدین نے کیلوکھری کو مسجدوں اور بازاروں سے آباد کر کے اُس مقام کو شہر نو کے نام سے موسوم کیا۔ امرا قصر شاہی کے قریب اپنے مکانات بنوانے لگے اور رفتہ رفتہ قدیم دہلی ویران ہو کر شہر نو نئی دلی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ خسرو نے اسی حصار کی تعریف میں یہ شعر نظم کیا تھا:۔

شہا در شہر نو کردی حصارے　　　　که رفت از کنگرہا تا قمر ز سنگ

جلال الدین نے سنہ جلوس کے ابتدائی زمانے میں ملک گیری کی طرف توجہ کی اور مہمات سلطنت کے انجام دینے میں سیاست سے کچھ کام بھی لیا۔ جلال الدین نے بلبن کے بھتیجے ملک چھجو[۲۱۴] ابن کشلی خاں کو کڑہ کا حاکم مقرر کر کے اودھ روانہ کیا۔ اپنے بھائی کو عارض ممالک بنا کر یغرش خاں کا خطاب دیا۔ اپنے بڑے بیٹے کو اختیار الدین خان خاناں اور منجھلے بیٹے کو ارکلی خاں اور چھوٹے کو قدر خاں کے خطابات سے سرفراز کیا۔ اور ہر ایک کو جاگیر عنایت کی بیٹوں کے علاوہ اس نیکدل بادشاہ نے بھتیجوں پر بھی جو شہاب الدین مسعود کے فرزند تھے شاہانہ نوازش کی اور علاء الدین و الماس بیگ کو بھی جو آخر میں الغ خاں کے نام سے موسوم ہوا پرورش کر کے علاء الدین کو اپنے امرا کے گروہ میں داخل کیا اور الماس بیگ کو آخر بیگ بنایا جلال الدین نے اپنے بھانجے ملک احمد جبیب کو باربک اور ملک خرم کو میر در[۲۱۵]۔ خواجہ خطیر کو وزیر الممالک اور امیر الامرا ملک فخر الدین کو کوتوال مقرر کیا جب جلال الدین خلجی کے رحم و بردباری کا چرچا ہوا اور یہ بادشاہ اپنے عمدہ صفات میں دور و نزدیک ہر جگہ مشہور ہو گیا تو دہلی کے پرانے سردار اور مشہور خاندانوں کے ارکین جو ساٹھ سال ترکی نژاد بادشاہوں کی ملازمت کے بعد خلجیوں کے سامنے سر جھکانا شرم و عار سمجھتے تھے دہلی سے شہر نو میں آئے اور سبھوں نے نہایت خلوص اور عقیدت کے ساتھ جلال الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُس کے بہی خواہوں میں داخل ہو گئے۔ جب خاص و عام سب مطمئن ہو گئے اور شہر میں امن و امان کا سکہ رائج ہو گیا تو جلال الدین بڑی عظمت و شان سے قصر کیلوکھری سے قدیم دلی کو آیا جب دولت خانۂ شاہی کے قریب پہنچا تو اُس نے دو رکعت نماز شکرانہ کی پڑھی اور فرمانروایان دہلی کے تخت پر جلوس کیا۔ تخت سلطنت پر بیٹھ کر بادشاہ نے بلند آواز سے کہا کہ میں کس طرح تیرا کا شکر بجا لاؤں ایک وہ دن تھا کہ میں اسی تخت کے

سامنے زمین بوس ہوکر دست بستہ کھڑا ہوتا تھا اور آج میں خود اس تخت پر بیٹھا ہوں
اور بہت سے میرے ہم نشین جو ہر طرح مجھ سے بہتر ہیں دست بستہ میرے سامنے
کھڑے ہوئے ہیں۔ تخت سلطنت پر تھوڑی دیر بیٹھکر یہ نیک دل بادشاہ غیاث الدین بلبن کے
محل خاص کوشک لعل میں گیا بارگاہ سلطانی کے قریب پہنچکر اپنی عادت کے موافق
گھوڑے سے نیچے اترا۔ جلال الدین کے گھوڑے سے اترتے ہی ملک احمد حبیب نے
عرض کیا کہ اب یہ محل آپ کی ملک ہے۔ اپنے محل خاص کے سامنے آداب شاہی
کو ملحوظ رکھنا کچھ معنی نہیں رکھتا جلال الدین نے جواب دیا انسان کو اپنے ولی نعمت
کی عزت و حرمت کا خیال رکھنا ہر حال میں اولیٰ اور بہتر ہے۔ ملک احمد نے کہا کہ
اب بادشاہ کو اسی دارالامارۃ میں قیام کرنا چاہیئے جلال الدین نے جواب دیا کہ سلطان
مرحوم نے اس قصر کو اپنی امارت کے زمانے میں اپنے ذاتی روپیہ سے بنوایا تھا اس لیئے
اس قصر کے مالک غیاث الدین کے وارث ہیں نہ کہ میں ملک احمد نے کہا کہ انتظام ملکی میں
اتنی قید کا ملحوظ رکھنا ضرورت سے زائد ہے۔ جلال الدین نے کہا کہ میں چند روزہ زندگی
کے لیئے اسلامی احکام کو ترک کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد جلال الدین پیادہ پا کوشک
میں داخل ہوا۔ اس محل میں جہاں کہیں کہ غیاث الدین بلبن بیٹھا کرتا تھا پاس مراتب
کا خیال کرکے اُن جگھوں پر کبھی جلال الدین نے قدم نہیں رکھا بلکہ جو چبوترہ کہ بلبن کے
زمانے میں امیروں اور ارکان دولت کے لیئے مخصوص تھا جلال الدین خلجی نے وہیں
نشست اختیار کی۔ جلال الدین نے اپنے امیروں کو مخاطب کرکے کہا کہ ایتمر کچھن اور
ایتمر سرخہ کا گھر تباہ و برباد ہو کہ ان بدنصیبوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور میں نے
اپنی جان کے خوف سے یہ عظیم الشان بوجھ اپنے سر پر لادا ورنہ میں کہاں اور فرمانروائی
کا جلیل القدر مرتبہ کہاں میرا تو ارادہ تھا کہ چند روزہ زندگی کا جواب قریب الختم ہے
بقیہ بھی امارت اور خانی میں گزاروں۔ اب جبکہ جہانداری کے بوجھ سے میں گرانبار
ہوگیا ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا انجام کیا ہوگا جب باوجود اس عظمت اور دبدبہ
اور مدت حکمرانی اور کثرت اعوان و انصار کے غیاث الدین بلبن کے ساتھ سلطنت نے
وفا نہ کی اور اُس کے مرتے ہی اُس کی اولاد تباہ و برباد ہوگئی تو میرے بعد میری اولاد کا
کیا حشر ہوگا خدا ہی جانے کہ میرے وارث میرے بعد کیا کریں گے اور زمانہ اُن کے

ساتھ موافقت کرے گا یا نہیں۔ بادشاہ کی اس تقریر پر بعض حاضرین جو عقلمند اور تجربہ کار تھے بعد متاثر ہوئے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بعض درباری جو جوان اور بیباک تھے آپس میں سرگوشیاں کر کے بادشاہ کو بھلا بُرا کہنے لگے ان بیباک جوانوں نے کہنا شروع کیا کہ اس شخص نے آج ہی تو فرمانروائی کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہے اور آج ہی اپنے زوال سلطنت کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ جب اس کی یہ حالت ہے تو قہر و سیاست جو استحکام سلطنت کی جڑیں کیونکر اس سے ظہور پذیر ہو سکیں گے جلال الدین خلجی عصر کے بعد کوشک محل سے پلٹتے ہی دہلی کو واپس آیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے دہلی میں ایک بہت بڑی جشن منعقد کی اور اپنی ایک بیٹی کا جو حسن و جمال میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی علاءالدین خلجی کے ساتھ نکاح کیا اور دوسری بیٹی اپنے دوسرے بھتیجے الماس بیگ الغ خاں کے نکاح میں دی۔

جلال الدین خلجی بہت حلیم اور کریم تھا اور اس کی طبعیت موزوں تھی یہ بادشاہ قدر شناسی اور راستی کا پتلا تھا۔ جن کو جو جاگیر دیدیتا تھا اُس میں تبدیلی نہ کرتا تھا اور ارکان دولت سے جو خطا سرزد ہوتی تھی اُسے معاف کرتا اور خطا کاروں کو ذلیل و رسوا نہیں کرتا تھا۔ لڑائی ظلم سختی اور لالچ کے جو ظالم فرمانرواؤں کا شیوہ ہیں یہ نیک دل بادشاہ کبھی گرد نہیں پھٹکا۔ مجلس شراب میں اپنے ہم نشینوں سے برابری کا برتاؤ کرتا تھا۔ ایسی مجلسوں میں ملک تاج الدین کوچی۔ ملک اعزالدین غوری۔ ملک قرابیگ۔ ملک نصرت۔ ملک حبیب۔ ملک کمال الدین ابوالمعالی۔ ملک نصیرالدین کہرامی اور ملک سعدالدین منطقی اُس کے ہم صحبت ہوتے تھے۔ یہ تمام امیر موزونی طبعیت آب مجلس اور شجاعت و مردانگی میں اپنے وقت کے بہترین لوگ تھے۔ ان کے علاوہ تاج الدین عراقی امیر خسرو۔ خواجہ حسن۔ موید جرجانی۔ موید دیوانہ۔ امیر ارسلان کلامی اختیار الدین باغی۔ اور باقی خطیب[۲۱۶] وغیرہ بادشاہی ندیم تھے اور ہر ایک علم شاعری اور تاریخ میں اپنے زمانے کا بہترین استاد تھا۔ بادشاہی مجلس ہمیشہ دلگداز گویوں یعنی امیر خاصہ اور حمید راجہ اور دلربا ساقیوں یعنی پسران حبیب خاں و نظام خریطہ اور بے مثل مطربوں یعنی محمدؐ شاہ چنگی۔ فتوخاں۔ نصیر خاں اور بہروز وغیرہ سے ہمیشہ آراستہ اور گرم رہتی تھی امیر خسرو روزانہ تازہ غزلیں تصنیف کر کے لاتے اور شاہی انعام و اکرام سے روزانہ

مالا مال کیئے جاتے تھے۔ جس زمانے میں کہ جلال الدین فیروز خلجی میر جامداری کے مرتبے سے ترقی کرکے عارض ممالک کے عہدے پر فائز ہوا اسی وقت سے امیر خسرو جلال الدین کی ملازمت میں داخل ہوگئے تھے۔ جلال الدین خلجی اسی زمانے سے حضرت خسرو کا قدردان تھا اور انکو معقول تنخواہ دیتا تھا ایک مرتبہ جلال الدین امیر خسرو سے ایسا خوش ہوا کہ اُن کو جامۂ خاص تک عنایت کیا۔ جب جلال الدین خود بادشاہ ہوا تو امیر خسرو کا اُس نے پایہ اور بلند کیا۔ اب امیر خسرو شاہی مقربوں میں داخل ہوکر منصب مصحف داری پہ مامور کیئے گئے۔ جلال الدین نے امیر خسرو کو جامہ اور سفید کمر بند مرحمت کرکے گروہ امرا میں بھی داخل کرلیا۔ سنہ جلوس کے دوسرے سال ملک چھجو نے جو سلطان غیاث الدین کا بھتیجا تھا امیر علی جامدار حاکم اودھ کی پشت پناہی میں کڑہ میں خطبہ اور سکہ اپنے نام کا رائج کیا اور سلطان مغیث الدین کا خطاب اختیار کرکے تمام اودھ کا فرمانروا بن گیا۔ اُس نواح کے تمام بلبنی امیروں نے ملک چھجو کا ساتھ دیا اور بادشاہ مغیث الدین ایک جرّار لشکر کے ہمراہ دہلی کی طرف بڑھا۔ جلال الدین نے یہ خبر سنتے ہی اپنے بیٹے شہزادہ ارکلی خاں کو ایک جرّار لشکر کا سردار بناکر پہلے روانہ کیا اور اُس کے پیچھے خود بارہ کوس کے فاصلے سے آہستہ آہستہ مقابلے کے لیئے روانہ ہوا۔ ارکلی خاں منزل بمنزل کوچ کرتا ہوا ملک چھجو کے سر پر جا پہنچا اور فریقین میں تلواریں چلنے لگیں۔ ارکلی خاں کی فوج نے بڑی جانبازی سے کام لیا اور آخرکار حریف کے پیر میدان جنگ سے اکھاڑ دیئے اور ملک چھجو معہ اپنے سپاہیوں کے میدان جنگ سے بھاگا۔ ارکلی خاں نے حریف کا تعاقب کیا اور تھوڑی دور جاکر امیر علی جامدار اور دوسرے مشہور بلبنی امیروں کو گرفتار کرلیا۔ ارکلی خاں نے ان قیدیوں کی گردن میں دوشاخے لٹکائے اور اُن کو اونٹوں پر سوار کرکے جلال الدین خلجی کے سامنے لایا۔ جب یہ قیدی جلال الدین خلجی کے سامنے آئے تو نیک دل اور بوڑھے بادشاہ نے ان کو دیکھ کر اپنی گردن نیچی کرلی اور بآواز بلند کہا کہ کیا غضب کیا ہے ان معزز اور صاحب حشمت امیروں کی یہ گت کس نے بنائی ہے یہ کہکر جلال الدین نے حکم دیا کہ یہ لوگ فوراً اونٹوں پر سے اتارے جائیں اور اُن کی گردنوں سے دوشاخے علٰحدہ کردیئے جائیں۔ ان قیدیوں میں چند ایسے لوگ بھی تھے جو غیاث الدین بلبن کے

دربار میں بہت معزز اور کرم تھے۔ جلال الدین نے ایسے تمام امیروں کو حمام میں بھجوایا اور اُن کو خلعت خاص سے سرفراز فرما کر اپنی خاص مجلس میں ان کو جگہ دی اور عطر و پان سے اُن سبھوں کی تواضع بجا لایا۔ مجلس شراب گرم ہوئی اور بادشاہ ان امیروں کی خاطر مدارا کرنے لگا۔ جلال الدین جتنی ہی ان امیروں کی خاطر اور تواضع کرتا تھا اتنا ہی یہ معزز قیدی شرم کے مارے زمین میں گڑے جاتے تھے۔ جلال الدین نے جب دیکھا کہ ندامت سے ان امیروں کا برا حال ہے تو ان سے مخاطب ہو کر کہا آپ صاحب کیوں سقدر محجوب ہوتے ہیں آپ لوگ میرے ملازم نہ تھے کہ آپ کی یہ بغاوت نمک حرامی سمجھی جائے بلکہ ایک حیثیت سے تو آپ لوگ قابل قدر ہیں اس لیئے کہ آپ تمام صاحبوں نے اپنے مالک کا حق نمک ادا کیا اور جس کے نمک خوار تھے اُسی کا ساتھ دیا۔ آپ لوگوں کی یہ کوشش بالکل بجا تھی کہ فرمانروائی کا منصب آپ کے ولی نعمت سلطان غیاث الدین کے خاندان کے باہر نجائے لیکن خدا کی مشیت آپ کے ارادوں کے خلاف تھی آپ کی کوشش کارگر نہ ہوئی اور اس بڑھاپے میں یہ دولت میرے ہاتھ آئی میں جانتا ہوں کہ آپ وہی لوگ ہیں جو اگر عہد بلبنی میں مجھ سے ہنس کر بات بھی کر لیتے تھے تو میں خوشی کے مارے اپنے جامے میں پھولا نہیں سماتا تھا اور آپ کی اس ادنیٰ مہربانی پر اپنے ہم چشموں میں فخر کیا کرتا تھا۔ امیروں کو تو جلال الدین نے اس عنایت سے سرفراز کیا اور ملک چھجو کا یہ حشر ہوا کہ اُس نے ارکلی خاں کے سامنے سے بھاگ کر اس نواح کے ایک زمیندار کے گھر میں پناہ لی۔ زمیندار نے دنیا کے آگے خدا اور حق نمک کا کچھ پاس نہ کیا اور چجو کو گرفتار کر کے جلال الدین خلجی کے پاس بھیجدیا۔ جلال الدین نے ملک چھجو کی بھی بیحد تعظیم و تکریم کی اور ایک زرنگار محافے میں اُسے سوار کرا کے ملتان روانہ کر دیا جلال الدین نے حاکم ملتان کو اس مضمون کا ایک فرمان لکھا کہ ملک چجو کو مع اُس کے اہل و عیال کے ایک عمدہ مکان میں حفاظت کے ساتھ رکھے اور شاہانہ سامان سب اُس کے لیئے مہیا کر دے اور اس کی خاطر داری اور رضاجوئی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔ ملک احمد حبیب اور بقیہ خلجی امیر جلال الدین کی اس رحم دلی سے بہت رنجیدہ ہوئے اور ملک چجو جیسے حریف اور اُس کے حاشیہ نشینوں پر یہ نوازش دیکھ کر بہت جلے۔ ان امیروں نے جلال الدین سے عرض کیا کہ بادشاہ نے جو مہربانی ان واجب القتل امیروں

پر فرمائی ہے وہ قواعد جہانداری کے بالکل خلاف ہے۔ جو سزائیں کہ سلطان غیاث الدین
بلبن نے اپنے باغیوں کو دی ہیں وہ بادشاہ سے پوشیدہ نہیں ہیں ہماری رائے ہے کہ
اس باغی گروہ کا خون معاف نہ کیا جائے اور ملک بجو کی اگر جان نہ لی جائے تو کم از کم
اسکی آنکھ میں سلائی ضرور پھیر دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور سلطنت میں پھر
اس طرح کا فتنہ و فساد برپا نہ ہو۔ جلال الدین نے ان امیروں سے کہا کہ تم لوگ
جو کچھ کہتے ہو بالکل ٹھیک ہے لیکن اب ستر سال کا میرا سن ہے اپنی زندگی میں میں نے
کبھی کسی مسلمان کا خون اپنی گردن پر نہیں لیا اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے
خون سے اپنے دامن کو آلودہ نہ کروں۔ اگر میں ان لوگوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا ہوتا
اور یہ میرا خون کرتے تو قیامت میں قاتل جواب دہ ہوتے نہ کہ میں۔ میں نے سالہا سال
غیاث الدین بلبن کی نوکری کی ہے اور اس کا نمک کھایا ہے اب اُس کے ملک پر قابض ہو کر
اُس کے وارثوں اور امیروں کو قتل کرنا میری نمک حلالی سے بعید ہے آخر جلال الدین
نے اپنے خلجی امیروں کی ملامت کا کچھ خیال نہ کیا اور اس طرح کی فقیرانہ گفتگو کرکے انھیں
اپنے پاس سے رخصت کر دیا۔ خلجی امیر بادشاہ کی بے محل نرمی سے آزردہ ہو کر اس بوڑھے
بادشاہ کو بھلا بُرا کہتے ہوئے رخصت ہوئے۔ مورخ عرض کرتا ہے کہ ان امیروں کی حق بجانب
تھی اس لیئے کہ حکیموں نے کہا ہے کہ سلطنت کے دو رکن ہیں ایک نرمی اور دوسرا قہر
ان میں سے جس کسی میں کمی واقع ہوتی ہے۔ سلطنت پر زوال آنے لگتا ہے
ملک چھجو کے واقعے کے بعد جلال الدین نے بداؤن سے دہلی کا سفر کیا۔ دارالخلافت
پہنچکر بادشاہ نے کڑہ کی حکومت اپنے بھتیجے علاءالدین خلجی کے سپرد کی۔ اس کے بعد
جلال الدین خلجی نے سپاہیوں کی دلجوئی اور ملک کی آبادی اور سرسبزی پر توجہ کی لیکن
قہر و غضب سے جو فرمانروائی کا ایک ضروری عنصر ہیں بالکل کنارہ کش ہو گیا اور کم آزاری
اور بردباری کو ایسا اپنا رفیق بنایا کہ بادشاہ کی نرمی سے لٹیروں راہزنوں اور چوروں نے
فائدہ اٹھانا شروع کیا نقب زنی قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار ملک کے ہر گوشے میں
گرم ہو گیا۔ اول تو ان سیاسی مجرموں کی پرسش ہی نہ تھی دوسرے اگر کوئی گرفتار کرکے
بادشاہ کے سامنے پیش بھی کیا جاتا تو بادشاہ صوفی منش اُس سے گزشتہ جرموں پر توبہ
اور آیندہ کے لیئے عہد لے کر انھیں چھوڑ دیتا تھا۔ بادشاہ کی اس نرم دلی سے خلجی امیر

کی آزردگی انتہائی حد تک پہنچ گئی۔ اور یہ امیر بادشاہ کی علانیہ ملامت کرنے لگے جلال الدین
ان امیروں کی باتیں سنتا اور ہمیشہ یہ کہکر چپ ہو جاتا تھا کہ کبھی کبھی رند زیادہ پی جاتے
ہیں ان کے سکر کی بکواس پر گرفت نہ کرنی چاہیئے۔ جب امیروں نے دیکھا کہ اُن کی ملامت
بھی بادشاہ کو قہر و سیاست پر مائل نہیں کر سکتی تو یہ امیر بادشاہ کی معزولی کا مشورہ کرنے
لگے۔ آخر کار ان امیروں نے یہ طے کیا کہ اگرچہ جلال الدین صف شکن اور بہادر رہے اور
جوانی میں بارہا مغلوں کے مقابلے میں معرکے سر کر چکا ہے لیکن اب چونکہ بوڑھا ہو گیا ہے
اب سوا شعر کہنے اور شعر سننے اور شطرنج کھیلنے کے کسی کام کا نہیں رہا بہتر یہ ہے کہ اُسے
سلطنت سے معزول کر کے ملک تاج الدین کوچی کو ہم اپنا بادشاہ تسلیم کریں۔ ان امیروں
نے یہ مشورہ کر کے ایک دن ملک تاج الدین کے مکان پر مجلس شراب گرم کی اور مستی کی
حالت میں بیہودہ بکنے لگے ایک نے کہا کہ جلال الدین خلجی ہرگز فرمانروائی کے لائق نہیں
ہے دوسرے نے کہا کہ میں اپنے نیم شکار سے اُس کا کام تمام کر دونگا تیسرا بولا کہ میں
تلوار سے اُس کے دو ٹکڑے کر ڈالونگا۔ غرضکہ اُس دن ان امیروں نے نشہ میں خوب
بیہودہ گوئی کی انھیں امیروں میں سے ایک نے جلال الدین خلجی کو تمام باتوں کی اطلاع
کر دی جلال الدین اگرچہ اس مرتبہ بھی ان امیروں کے برا بھلا کہنے سے رنجیدہ تو نہ ہوا لیکن
ان کے ارادوں اور مشوروں سے مغموم ہو کر اُس نے اُسی وقت ایک قاصد بھیجا اور ان
تمام امیروں کو اپنے سامنے طلب کیا۔ جب یہ امیر بادشاہ کے سامنے آئے تو جلال الدین
نے امتحاناً اپنی تلوار نیام سے کھینچکر امیروں کے سامنے رکھدی اور اُن سے کہا کہ میں
اس وقت بالکل خالی ہاتھ ہوں تم میں سے جو شخص بہادری کا دعویٰ کرتا ہو اُٹھے اور
میری ہی تلوار سے میرا کام تمام کرے تاکہ میں بھی تو سمجھوں کہ تم لوگ کسی مصرف کے ہو
اور تمھارے ہاتھوں سے کوئی کام انجام پا سکتا ہے۔ بادشاہ امیروں سے اسی طرح
کی گفتگو کر رہا تھا اور امیر مارے شرم کے گردن جھکائے سامنے بیٹھے تھے۔ جب بادشاہ
کے دل کی بھڑاس نکل گئی اور اُس کا غصہ کچھ کم ہوا تو ملک نصرت نام ایک امیر جس نے
مجلس مشورہ میں سب سے زیادہ ہرزہ سرائی کی تھی بادشاہ کے سامنے آیا اور از روئے ظرافت
اُس نے بادشاہ سے کہا کہ حضور کو معلوم ہے کہ بادہ خوار مستی کے عالم میں کیا کیا
بکا کرتے ہیں اگر حضور جیسے مالک کو جس نے ہم نمکخواروں کو بیٹوں کی طرح پالا ہے

ہم کوئی زخم پہنچائیں گے تو ایسا باپ کا سا شفیق آقا پھر کہاں سے لائیں گے اور اگر بادشاہ ہم جیسے فرزند نمک خواروں کو سزا دے گا تو خود مالک کو ہم جیسے جاں نثار کہاں ملیں گے۔ جلال الدین ملک نصرت کی باتیں سن کر ہنسنے لگا اور اُس کا غصہ بالکل جاتا رہا۔ اس نیکدل بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے پیالے بھر بھر کر امیروں کو پلانے شروع کیے اور اُن سے کہا کہ اگر میرے علاوہ کوئی دوسرا فرمانروا ہوتا تو تمھارے اس ارادے پر تمھارا نام و نشان تک دنیا میں باقی نہ چھوڑتا لیکن میں نے اس بڑھاپے میں قہر و غضب سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے میں تمھیں بھی خوب جانتا ہوں تم لوگوں کو سوائے شراب خواری قمار بازی اور تماش بینی کے اور دوسرا کام نہیں ہے تم کہاں اور نیم شکاری اور شمشیر افگنی کہاں یہ سب تمھاری نرہ لڑائیاں تھیں ورنہ تم جیسے لوگوں سے صف شکنوں کے کام انجام پانا دشوار ہے۔ میں نے تمھاری خطائیں معاف کیں تم سب اپنی اپنی جاگیروں پر جاؤ اور جب تک میں تم کو نہ بلاؤں وہیں اپنا قیام اختیار کرو۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں جلال الدین خلجی غیاث الدین بلبن کا میر جاندار تھا اور سمانہ کی جاگیر اس سے متعلق تھی اس وقت مولانا سراج الدین ساؤی جو اپنے وقت کے شاعر کامل تھے سمانہ کے ایک موضع کے معافی دار تھے۔ جلال الدین نے قانون کے مطابق مولانا سے اُن کے موضع کی مال گزاری طلب کی۔ مولانا سراج الدین اس طلب سے بیحد رنجیدہ ہوئے اور انھوں نے ایک مثنوی غیاث الدین بلبن کی مدح میں کہی اور اُس مثنوی میں شاہی عمال کی خوب شکایت کی۔ جلال الدین نے ہجوم کار کی وجہ سے اُس مثنوی پر کچھ توجہ نہ کی۔ شاعر نے ایک دوسری مثنوی جلال الدین کی ہجو میں لکھی اور خلجی نامہ اُس کا نام رکھا جلال الدین نے اپنی حکومت سمانہ کے زمانے میں اس مثنوی کو پڑھا۔ مولانا سراج الدین نے اس خوف سے کہ جلال الدین خلجی اُس کا بدلہ لے گا سمانہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت اختیار کی تھی۔ اُسی زمانے میں ایک دن جلال الدین منداہرائی[۲۱] کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات کو لوٹ رہا تھا۔ منداہرائی نے مقابلہ کر کے تلوار کا ایک زخم جلال الدین کے چہرے پر لگایا جس کا نشان جلال الدین کے منھ پر تمام عمر باقی رہا۔ جب جلال الدین خلجی بادشاہ ہوا تو مولانا سراج الدین اور منداہرائی دونوں اپنے اپنے مآل کار سے پریشان اور خوف زدہ ہوئے آخر کار یہ دونوں گنہ گار دستار گردن میں لٹکا کر خود ہی جلال الدین کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ کو جب اُن کے آنے کی

خبر ہوئی تو اُس نے فوراً دونوں کو اپنے روبرو طلب کیا۔ جب یہ دونوں بادشاہ کے سامنے آئے تو جلال الدین نے اُٹھکر مولانا سراج الدین سے معانقہ کیا اور انعام وخلعت سے سرفراز کرکے اُن کا وظیفہ بھی مقرر کیا تاکہ مولانا سراج بھی دوسرے نامی امیروں کیطرح تخت سلطانی کے سامنے حاضر ہوکر آداب شاہی بجالائیں اور منہاج پر بھی بیحد نوازش کی۔ منجملہ اور دوسری حکایتوں کے جو جلال الدین کی پاک نفسی اور راستی پر دلالت کرتی ہیں ایک یہ حکایت بھی بیان کیجاتی ہے کہ ایک دن بادشاہ کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ میں نے بارہا غیر مسلم مغلوں سے معرکہ آرائیاں کی ہیں اور اُن کے شر سے مسلمانوں کو بچایا ہے اگر مجھے امام مسجد منبر پر المجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کریں تو بیجا نہ ہوگا بادشاہ نے ایک دن اپنی بی بی ملکۂ جہاں سے کہا کہ جب علما اور قاضی کسی مبارک باد کے موقع پر حاضر ہوں تو اُن کے پاس کسی شخص کو بھیج کر اُن سے یہ کہنا کہ تم لوگ بادشاہ سے درخواست کرو کہ جمعے کے خطبوں میں بادشاہ کو المجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کیا جائے۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں سلطان معزالدین کیقباد کی بیٹی کا عقد شاہزادہ قدر خاں سے قرار پایا۔ حسب دستور قاضی اور علما مبارک باد دینے کے لئیے شاہی ڈیوڑھی پر حاضر ہوے اور ملکہ جہاں نے بادشاہ کی ہدایت کے موافق علما سے درخواست کی کہ وہ بادشاہ سے المجاہد فی سبیل اللہ کا لقب اختیار کرنیکے بابتہ معروضہ کریں۔ ملکہ جہاں کا پیغام سن کر تمام علما اور قاضیوں نے بالاتفاق اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ ایسے بادشاہ دین پناہ کو المجاہد فی سبیل اللہ کہنا جائز بلکہ واجب ہے جب مہینے کی پہلی تاریخ کو یہ علما اور قاضی بادشاہ کی دست بوسی کے لئیے حاضر ہوے تو قاضی فخر الدین ناقلہ نے جو سرگروہ علما تھے بادشاہ سے التجا کی کہ ہم تمام عالموں مفتیوں اور قاضیوں کی یہ تمنا ہے کہ چونکہ بادشاہ نے بارہا غیر مسلموں سے معرکہ آرائی کی ہے اس لئیے مناسب ہے کہ حضور ہمیں اس بات کی اجازت دیں کہ ہم جمعے کے دن بادشاہ کے نام کے ساتھ المجاہد فی سبیل اللہ کا لقب اضافہ کریں۔ بادشاہ اس درخواست کو سن کر آبدیدہ ہوا اور اُس نے کہا کہ ملکہ جہاں نے میری ہی ہدایت سے تم لوگوں کو اس معروضہ پر متوجہ کیا ہے لیکن ملکہ جہاں کو ہدایت کرنے کے بعد جب میں نے غور کیا تو اپنے اس ارادے پر بہت نادم ہوا میں اپنے کو ہرگز اس لقب کا اہل نہیں سمجھتا

جتنی لڑائیاں میں نے غیر مسلموں کے مقابلے میں سرکیں اُن میں سے کوئی جنگ بھی خدا کی خوشنودی یا شہادت کا مرتبہ حاصل کرنے یا کلمۂ اسلام کو بلند کرنے کے لیئے میں نہیں لڑا بلکہ ہر معرکہ کا مقصود یہ تھا کہ میری شہرت میں ترقی ہو اور اپنے مالک سلطان غیاث الدین بلبن کے سامنے میں اور زیادہ صاحب اعتبار اور معزز ہوں ہر چند ان بزرگوں نے بادشاہ کے شکوک کی تاویلیں کیں اور اُسے اس بات پر مائل کیا کہ بادشاہ اُن کی درخواست کے موافق یہ لقب اختیار کرے لیکن جلال الدین نے ایک نہ سنی اور یہ سب لوگ مایوس ہوکر اُس کے پاس سے واپس آئے ۔

دوسرا حادثہ جو اس کریم النفس بادشاہ کے زمانے میں واقع ہوا وہ سیدی مولہ نام ایک بزرگ کا قتل ہے جس کا تفصیلی حال مورخ برنی اور صدر جہاں گجراتی اپنی اپنی تاریخ میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب ملک الامرا فخر الدین کوتوال جس کا ذکر بار ہا آچکا ہے اس دنیا سے رخصت ہوا تو تمام بلبنی امیر اور جاگیردار جو تباہی کے بعد فخر الدین کے خوان نعمت سے زندگی کے دن بسر کرتے تھے پریشان حال اور لاچار ہوگئے اور اسی طرح بارہ ہزار حافظ جو روزانہ ایک ہزار ختم قرآن کرتے تھے بے روزی ہوکر مضطرب ہوئے اور ہزاروں سپاہی اور شاگرد پیشہ جو ملک فخر الدین کے دست گرفتہ اور ملازم تھے نان شبینہ کو محتاج ہوگئے تو ان سبھوں نے سیدی مولہ کی خانقاہ میں جاکر پناہ لی شیخ عین الدین بیجاپوری سیدی مولہ کا حال ملحقات طبقات ناصری میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سیدی مولہ جرجان سے فقیروں کے لباس میں ملک مغرب میں آئے اور وہاں کے درویشوں اور مشائخوں سے عرصہ دراز تک فیضان قلبی حاصل کرتے رہے۔ دیار غربی سے اکتساب فیض کرکے سیدی مولہ پھر اپنے وطن جرجان واپس آگئے۔ جرجان میں تھوڑے دنوں قیام کرنے کے بعد سیدی مولہ کو حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کا شوق ہوا۔ سیدی مولہ نے جرجان سے ہندوستان کا سفر کیا اور اجودھن میں حضرت گنج شکر سے آکر ملاقات کی۔ سیدی مولہ تھوڑے دنوں حضرت گنج شکر کی صحبت میں رہ کر آپ سے اکتساب فیض باطنی کرتے رہے سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں سیدی مولہ کو دہلی دیکھنے کا شوق دامن گیر ہوا اور انھوں نے حضرت گنج شکر سے

دہلی جانے کی اجازت مانگی۔ سیدی مولہ حضرت باباصاحب کی اجازت سے دہلی آئے اور انھوں نے دارالخلافت میں قیام کیا۔ اجودھن کے زمانۂ قیام میں حضرت باباصاحب نے ایک دن سیدی مولہ سے یہ فرمایا تھا کہ تم چاہتے ہو کہ دہلی جاؤ اور اپنے آستانے کو خلق خدا کا ملجا اور ماوی بناؤ اور فقیروں کی حاجت روائی کرو میں تمھیں اس بات سے منع نہیں کرتا لیکن میری ایک نصیحت کو یاد رکھنا کہ دہلی پہنچکر امیروں اور فرمانرواؤں سے راہ ورسم نہ بڑھانا اور ان کی دوستی سے ہمیشہ پرہیز کرنا کیونکہ امرا کی دوستی سے ہم فقرا کو ہمیشہ نقصان ہی پہنچتا ہے بلکہ اکثر اوقات ان کی محبت ہماری ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ سیدی مولہ نے دہلی میں ایک بہت بڑی خانقاہ تعمیر کرائی اور غریبوں اور حاجت مندوں کی روٹی اور کپڑے سے خبر لینے لگے جتنے مسافر اور غریب روزانہ ان کی خانقاہ میں آتے سیدی مولہ سب کی حاجت روائی کرتے تھے۔ سیدی مولہ اگرچہ نماز جمعہ کے لیئے مسجد کو نہیں جاتے تھے بلکہ تنہا اپنے گھر میں نماز پڑھتے تھے اور جماعت کی ویسی پابندی جیسی کہ اولیاء اللہ اور مشائخ کیا کرتے ہیں ان سے نہ ہوسکتی تھی لیکن ریاضت اور مجاہدہ بہت کرتے تھے اور سوا ایک چادر کے اور کوئی دوسرا کپڑا اُن کے بدن پر نہ ہوتا تھا۔ غذا کا یہ حال تھا کہ خانقاہ میں ہر قسم کا کھانا پکتا تھا لیکن خود چانول کی روٹی کو پانی میں بھگو کر کھاتے تھے خدمت کے لیئے نہ کوئی لونڈی تھی اور نہ بیاہتا بی بی گھر میں تھی۔ یہ بزرگ خواہشات نفسانی کے گرد بھی نہیں پھٹکتے تھے اور کسی شخص سے ہدیہ اور نذرانہ قبول نہ کرتے تھے لیکن خیرات اور صدقات کا دروازہ دن و رات کھلا رکھتے تھے۔ دہلی کے لوگ ان کے روزانہ اخراجات کو دیکھکر گمان کرتے تھے کہ سیدی مولہ کیمیا بناتے ہیں۔ جب غیاث الدین بلبن کا زمانہ گزر گیا اور کیقباد تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس بے خبری اور غفلت کے دور میں سیدی مولہ کے اخراجات اور صدقات میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا اور انھوں نے حضرت گنج شکر کی نصیحت کو دل سے دور کرکے امیروں اور ارکان دولت کے ساتھ دوستی کی راہ ورسم بڑھائی۔ معزی دور میں سیدی مولہ کی بخشش کا یہ حال ہوگیا کہ شہر کے شریفوں اور مشہور لوگوں کو ایک ایک دفعہ میں دو دو تین تین ہزار اشرفیاں انعام دیدیتے تھے اور دستر خوان ایسا وسیع ہوا کہ امیروں اور نوابوں کے لیئے ان کے گھر میں ایسے

نفیس کھانے اور شربت ہر وقت موجود اور مہیا رہتے تھے کہ بادشاہی دسترخوان پر بھی امرا کو میسر نہ آتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک دن میں ایک ہزار من میدہ، چالیس من قند، چالیس من شکر، پانچ سو من گوشت کئی من گھی ان کے باورچیخانے میں صرف ہوا ہے۔ سیدی مولہ کا عام قاعدہ تھا کہ جب کسی شخص کو کچھ دیتے تو اس سے یہ کہا کرتے تھے کہ فلاں بوریئے یا فلاں پتھر کو اٹھاؤ اور اس کے نیچے اس قدر چاندی یا اتنا سونا رکھا ہے وہ لے لو۔ جب بوریا یا پتھر اٹھایا جاتا تو سائل وہی پاتا تھا جو سید صاحب کے منھ سے نکلتا تھا۔ روپے یا اشرفیوں کو دیکھ کر یہ گمان ہوتا تھا کہ ابھی دارالضرب سے ڈھلکر آئے ہیں۔ جب خلجیوں کا دور حکومت آیا اور جلال الدین خلجی تخت سلطنت پر بیٹھا تو سیدی مولہ کے آستانے پر خلائق کا ہجوم اور زیادہ ہوا خود بادشاہ کے بڑے بیٹے خان خاناں نے سیدی مولہ کو اپنا منھ بولا باپ بنایا اور ان کی خدمت میں روزانہ حاضر ہونے لگا۔ خانخاناں کے علاوہ دوسرے شاہی امیر اور ارکان دولت بھی دن رات سیدی مولہ کی خانقاہ میں حاضر ہوتے تھے اور اُن کے دسترخوان پر وہ نعمتیں کھاتے جو ان امیروں کو خود اپنے گھر میں میسر نہ ہوتی تھیں۔ جب ملک الامرا ملک فخرالدین کوتوال نے رحلت کی تو مرحوم کوتوال کے تمام متعلقین اور ملازمین نے بھی سیدی مولہ کی خانقاہ میں پناہ لی یہ تمام پناہ گیر سیدی مولہ کے باورچیخانے سے کھانا کھاتے اور اُن کی عام بخشش کے موافق بوریوں اور پتھروں کے نیچے سے روپے اور اشرفیوں کے ڈھیر پاتے اور عیش و عشرت کے ساتھ زندگی کے دن بسر کرتے تھے۔ اسی دوران میں قاضی جلال الدین کاشانی نے جو ایک فتنہ انگیز شاہی امیر تھے سیدی مولہ سے راہ و رسم بڑھائی اور اپنی چرب زبانی اور سحر بیانی سے ایسا اپنا سکہ اُن پر جمایا کہ سیدی مولہ قاضی کاشانی کو اپنا سچا بہی خواہ سمجھنے لگے۔ قاضی کاشانی نے سیدی مولہ سے اتنا اتحاد بڑھایا کہ تین تین چار چار روز برابر سید صاحب کی خانقاہ میں مہمان رہتے اور ان کو حکمرانی کی ترغیب دیا کرتے تھے قاضی نے سیدی مولہ سے کہا خدا نے یہ قدرت آپ کو اس لئیے دی ہے کہ آپ اُس کے بندوں پر رحم کریں اور سلطنت کو جو خدا کی نیابت ہے ظالموں کے ہاتھ سے چھین کر اپنے قبضۂ اقتدار میں لائیں اور دنیا کو خدا اور اُس کے رسول کے احکام پر چلنے کی ہدایت فرما کر تمام بندگان خدا کو

امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع دیں۔ اگر آج آپ اس جلیل القدر عہدے کے حاصل کرنے میں غفلت اور بے پروائی سے کام لیں گے تو کل قیامت کے دن خدا کو کیا جواب دیں گے سیدی مولہ بیچارے بشریت کے تقاضے سے مجبور ہو کر قاضی کاشانی کے جال میں گرفتار ہو گئے اور سلطنت حاصل کرنے کے اسباب فراہم کرنے لگے۔ سید صاحب نے اپنے ہر مرید کو خفیہ طور پر خطاب اور منصب دینے شروع کر دیئے حصول بادشاہت کا آخری مرحلہ اس طرح پر طے پایا کہ برنجین کوتوال اور نتھانی[۲۱۸] پہلوان جو سیدی مولہ کے سب سے زیادہ زیر بار احسان تھے جمعے کے دن بادشاہ کی سواری تک پہنچکر اُس کا کام تمام کر دیں اور سید صاحب کے دس ہزار مرید اُسی وقت حاضر ہو کر سیدی مولہ سے بیعت کر کے انھیں بادشاہ تسلیم کر لیں۔ چونکہ سید صاحب کا وقت آچکا تھا یہ تدبیر ہنوز عملی جامہ نہ پہننے پائی تھی کہ ایک مرید نے بادشاہ سے جا کر تمام حقیقت حال بیان کر دیا بادشاہ نے اُسی وقت سیدی مولہ اور قاضی کاشانی وغیرہ کو اپنے حضور میں طلب کیا اور اُن سے اُس سازش کی بابت دریافت کیا۔ سید و قاضی اور نیز تمام اُن کے ساتھیوں نے اس واقعہ سے صاف انکار کیا۔ جب مجرموں نے کسی طرح بھی اپنے جرم کا اقبال نہ کیا اور مدعی اس انکار کے مقابلے میں اپنا دعویٰ نہ ثابت کر سکا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ بہادر پور[۲۱۹] کے جنگل میں ایک بہت بڑی آگ روشن کی جائے اور سیدی مولہ قاضی جلال کاشانی برنجین کوتوال اور نتھانے پہلوان یہ چاروں مجرم پیادہ پا اس آگ پر سے گزریں تاکہ ان کی راست بیانی اور دروغ گوئی کا حال دنیا پر روشن ہو۔ بادشاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور جلال الدین امیروں اور فوجی افسروں کے ساتھ اس آگ کے قریب ایک خیمے میں مقیم ہوا۔ جس وقت مجرم نے باآواز بلند کلمۂ شہادت پڑھکر آگ میں کودنے کا ارادہ کیا تو بادشاہ کو اُن کے حال پر رحم آیا اور اُس نے علما سے فتویٰ پوچھا تمام عالموں نے بالاتفاق یہ جواب دیا کہ آگ کی فطرت جلانا ہے۔ سچا یا جھوٹا جو شخص بھی آگ میں کودے گا اُس پر آگ اپنا ضرور اثر کرے گی اور اُس کو جلائیگی شریعت اسلام میں اس قسم کی مہمات کا فیصلہ آگ سے کرنا جائز نہیں ہے۔ بادشاہ اپنے ارادے سے باز آیا اور آتش گل کر دی گئی۔ بادشاہ نے قاضی جلال کو بداؤں کا قاضی مقرر کر کے وہاں روانہ کیا اور دوسرے بلبنی امیر جو اس سازش میں شریک تھے انھیں خارج البلد

کیا۔ دونوں کوتوالوں کو جنھوں نے خود بادشاہ کے قتل کا بیڑا اٹھایا تھا تہ تیغ کیا اور سیدی مولہ کو ساتھ لے کر کوشک محل کی طرف لوٹا۔ بادشاہ نے خود تو کوشک میں قیام کیا اور سیدی مولہ کو کوشک کے پاس دست بستہ کھڑے رہنے کا حکم دیا۔ جلال الدین خلجی نے سیدی مولہ سے اس سازش کی بابت کچھ سوالات کیئے سیدی مولہ نے جرأت کے ساتھ بادشاہی سوالات کے جواب دیئے۔ اگرچہ سیدی مولہ شرعاً اور قانوناً کسی طرح بھی مجرم نہ ثابت ہوئے تھے لیکن بادشاہ نے ان کی زندگی کو موجب خلل اور فساد سمجھکر شیخ ابوبکر طوسی حیدری کو معہ دوسرے حیدری درویشوں کے جو اُس کے ہمراہ ولایت سے ہندوستان آئے تھے کوشک کے قریب بلایا۔ بادشاہ نے شیخ طوسی اور اُن کے ہمراہیوں سے کہا کہ تم لوگ دیکھو کہ اس مرد فقیر سیدی مولہ نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا اور اس بنوا گوشہ نشین نے میری سلطنت میں کس قسم کا فساد برپا کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ تم لوگ خود ہی انصاف کرو اور میرا بدلہ اس فقیر سے لے کر مجھے مطمئن کرو۔ بادشاہ کے یہ کہتے ہی سنجری نام ایک بیباک قلندر نے جو بادشاہ کا ممنون احسان تھا حق خدمت ادا کیا۔ یہ فقیر فوراً اپنی جگہ سے سیدی مولہ کی طرف جھپٹا اور اُس نے اُسترہ اور سُوے سے سیدی کے بدن پر چند زخم لگائے۔ سیدی مولہ نے بآواز بلند فریاد کی اور کہا کہ مجھ کو جلد میرے اصلی ٹھکانے پر پہنچاؤ میں اپنے مارے جانے سے آزردہ نہیں ہوں۔ یہ کہکر سیدی مولہ بادشاہ سے مخاطب ہوئے اور انھوں نے جلال الدین سے کہا کہ مجھے اپنے مرنے کا غم نہیں ہے لیکن یاد رکھو کہ میرا خون اپنا رنگ لائے گا اور اس کا وبال تم پر اور تمھاری اولاد پر پڑ کر رہے گا۔ یہ سمجھ لو کہ فقیروں کے گروہ کو ستانا برا اور نامبارک ہے۔ جلال الدین ان کے قتل کرنے میں پس وپیش کر رہا تھا۔ بادشاہ کو متزلزل دیکھکر شاہزادہ ارکلی خاں نے جو اپنے بڑے بھائی کی عقیدت اور خواندہ فرزندگی کی وجہ سے سیدی مولہ سے دل میں بیحد ناراض تھا کوشک کے اوپر سے فیلبان کو اشارہ کیا۔ فیلبان نے اشارہ پاتے ہی اپنا مست ہاتھی سیدی مولہ پر چھوڑ دیا اور اس دیوزاد جانور نے سیدی مولہ کی ایک مشت خاک کو اپنے پیروں کے تلے روند ڈالا۔

تاریخ فیروزشاہی کا مولف علامہ ضیاء الدین برنی جو اس قسم کی روایتوں کے بیان کرنے میں اپنے کو ہمیشہ صادق القول سمجھتا ہے سیدی مولہ کے قتل کے بعد کے

واقعات اس طرح لکھتا ہے کہ میں سیدی مولہ کے قتل کے دن دہلی میں تھا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سیدی مولہ کے قتل کے بعد ایک سیاہ آندھی اُٹھی جس سے تمام شہر میں اندھیرا چھا گیا۔ اس سیاہ ابر میں تاریکی ایسی غلیظ تھی کہ شہر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی اور شہر کے باشندے ایک دوسرے کا منہ بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ آندھی کے واقع ہونے کے بعد دہلی اور سوالک میں ایک عظیم الشان قحط پڑا چنانچہ اس قحط کے زمانے میں جماعت کی جماعت ہندوؤں کی بھوک کی تکلیف سے پریشان ہوکر دریائے جمنا میں غرقِ آب ہوگئی۔

سیدی مولہ کے قتل کے بعد ہی ادبار اور نکبت کی تاریک گھٹائیں جلال الدین کے کاشانۂ اقبال پر چھا گئیں اور اُس کے نظام بادشاہی کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ روزانہ تباہی خیز قصے پیش آنے لگے اور حکمرانی کے کاموں میں بے رونقی پیدا ہوئی سب سے بڑا واقعہ جو سیدی مولہ کے قتل کے بعد جلال الدین کو پیش آیا وہ خود اُس کے بڑے بیٹے کا دائمی داغِ مفارقت تھا جس نے تمام زندگی بادشاہ کو خون کے آنسو رُلائے۔ سیدی مولہ کے قتل کے روز ہی شاہزادے اختیار الدین خانخاناں کا جس کی پیشانی سے اقبال اور حکمرانی کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور جس کی سیاست اور رعب کا یہ حال تھا کہ دوست و دشمن کسی کو بھی اُس کی عدول حکمی کی ہمت نہ پڑتی تھی مزاج بگڑا اور بیماری کا اس پر تسلط ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس مرض نے ایسا زور پکڑا کہ شاہزادہ بالکل صاحبِ فراش ہوگیا۔ ملک کے تمام حاذق طبیبوں نے معالجے میں جان توڑ کوشش کی لیکن کسی دوا نے اپنا کام نہ کیا اور شاہزادے نے دنیا سے رحلت کی۔ جلال الدین نے سیدی مولہ کے قتل کے بعد اُسی سال قلعہ رنتھنبور پر لشکر کشی کی اور اپنے دوسرے بیٹے شاہزادے ارکلی خاں کو اپنا ولی عہد بنا کر اُسے چتر و دورباش اور دوسرے بادشاہی لوازمات سے سرفراز کیا جلال الدین نے ارکلی خاں کو تو دہلی روانہ کیا اور خود رنتھنبور کی طرف بڑھا۔ رنتھنبور پہنچکر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ قلعہ بیحد مستحکم اور مضبوط ہے۔ بادشاہ نے اُس کے فتح کرنے سے ہاتھ اٹھایا اور جھاین[۲۲] کی طرف بڑھا۔ جلال الدین نے جھاین کو فتح کیا اور وہاں سے ہتھیار اور مالِ غنیمت لیتا اور مالوے کے بتخانوں کو تباہ کرتا ہوا دہلی کی طرف لوٹا

واپسی میں بادشاہ کا گزر رنتھنبور سے ہوا۔ راجہ نے اس مرتبہ بھی جلال الدین کی اطاعت سے انکار کیا۔ بادشاہ نے پہلے تو راجہ کی خود سری سے ناراض ہو کر فوج کو حکم دیا کہ ڈیرے اور خیمے نصب کئے جائیں لیکن پھر دل میں کچھ سوچ کر کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بادشاہ نے اپنے سرداروں سے کہا کہ میں نے پہلے ارادہ کر لیا تھا کہ قلعہ کو سر کروں لیکن جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمانوں کا خون گرا کر میں اس قلعہ پر فتح پا سکوں گا اس لیئے میں اپنے ارادے سے باز آیا اور واپسی پر مستعد ہوا۔ بادشاہ کی تقریر سن کر ملک احمد حبیب نے جو شاہی مقربوں میں داخل تھا جلال الدین سے کہا کہ ملک گیری کے وقت سپاہیوں کی جان کا لحاظ کرنا آئین جہانگیری کے خلاف ہے اگر اس راجہ کو تنبیہ نہ کی گئی تو وہ اس کو ہماری کمزوری پر محمول کرے گا اور اپنی بساط سے باہر ہو کر آئندہ فتنہ و فساد برپا کرے گا۔ جلال الدین کو ملک احمد حبیب کی یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے آزردہ ہو کر ملک احمد سے کہا تم جانتے ہو کہ میں آئین جہانگیری سے واقف نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ بادشاہوں کو ملک گیری کی طمع میں مسلمانوں کی گراں مایہ جانوں کا خیال نہیں رہتا لیکن ہر بادشاہ ایسا نہیں کرتا۔ جو فرمانروا کہ سچے مسلمان ہیں اور جو یہ جانتے ہیں کہ انھیں ایک دن خدا اور رسول کو منھ دکھانا ہے وہ مسلمانوں کی جان کی قدر کرتے اور حصول دنیا کے لیئے دینداروں کا خون نہیں بہاتے۔ میں تم لوگوں سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میں زندگی کے آخری مرحلے میں فرعون اور نمرود کی پیروی کرنا نہیں چاہتا اور کوئی ایسا کام کرنا جس میں لاکھوں مسلمان عورتیں بیوہ اور اُن کے بچے یتیم ہوں مجھے ہرگز پسند نہیں ہے۔ جلال الدین نے آزردگی کے عالم میں اس طرح کی باتیں کہہ کے کوچ کیا اور دہلی واپس آیا۔ سنہ ۶۹۱ھ میں ہلاکو خاں کے ایک عزیز نے مغلوں کی دس تمن کے ایک جرار لشکر سے ہندوستان پر دھاوا کیا (دس ہزار سپاہیوں کی ایک جماعت کو ایک تمن کہتے ہیں) بادشاہ یہ سنتے ہی اپنی زبردست فوج لے کر مغلوں کے مقابلے کے لیئے آگے بڑھا۔ ہرام[۲۲۱] کے نواح میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ دریا کے دونوں طرف فوجوں نے ڈیرے ڈال دیئے اور ایک بڑے میدان کو معرکۂ جنگ قرار دے کر پہلے دونوں لشکروں کے قراولوں نے لڑائی کی ابتدا کی

اس لڑائی میں بھی بہت سے سپاہی مارے گئے ایک دن دونوں فوجوں کے قلب لشکر کا مقابلہ ہوا اور خونریز لڑائی واقع ہوئی خلجیوں کی مردانگی سے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بہت سے مغل سردار لڑائی میں کام آئے۔ اور دو ہزار مغل امیر اور چند نامی مغل سردار گرفتار ہوئے اس درمیان میں چند معتبر لوگوں نے صلح کی بنیاد ڈالی اور اپنے ارادے میں کامیاب بھی ہوئے بادشاہ نے مغل سردار کو بیٹا کہا اور اُس نے بادشاہ کو باپ کے لقب سے یاد کیا اور اگرچہ دوری کی وجہ سے ایک دوسرے سے اچھی طرح نہ مل سکے لیکن ہر ایک نے دوسرے کو دیکھ ضرور لیا اور جانبین سے ارسال تحفہ و تحائف کے بعد مغلوں کا لشکر اپنے ملک کو واپس گیا۔

اس لڑائی میں چنگیز خاں کا نواسہ مسمی الغوخاں مع اپنے لشکر کے مسلمان ہوا اور بادشاہ نے اپنی بیٹی اُسے بیاہ دی۔ اس صلح کے بعد جلال الدین خلجی نے اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ملتان ولاہور اور سندھ کا حاکم بنایا اور خود دارالخلافت کو واپس آیا۔ الغوخاں اور اس کے تابعین نے نومسلموں کے خطاب سے شہرت پائی۔ اور انھوں نے موضع غیاث پور کو جہاں حضرت شیخ نظام الدین اولیا آرام فرماتے ہیں اپنا مسکن قرار دے کر اُس مقام کو مغل پورہ کے نام سے موسوم کیا۔ سنہ ۶۹۱ھ میں بادشاہ نے مندو کے قلعے پر دھاوا کیا اور شہر کو جی کھول کر تاخت و تاراج کیا۔ اسی سال ملک علاء الدین حاکم کڑہ نے تہاسہ[۲۲۲] پر حملہ کرنے کی اجازت مانگی۔ علاء الدین شاہی حکم کے موافق تہاسہ پر حملہ آور ہوا اور اُسے غارت کر کے بہت سا مال غنیمت لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دو بت روئیں جو ہندوؤں کے معبود تھے تہاسہ سے لاکر بداؤن دروازے پر ڈال دیئے تاکہ خلائق کے پیروں کے نیچے پامال ہوں۔ بادشاہ کو علاء الدین کی یہ خدمت بہت پسند آئی اور اُس نے علاء الدین کو شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کر کے اودھ کا صوبہ دار بنایا۔ علاء الدین نے جب بادشاہ کو اپنے اوپر اس قدر مہربان دیکھا تو اُس نے عرض کیا کہ چندیری کے اطراف و جوانب میں بہت سے دولت مند راجہ صاحب لشکر موجود ہیں اگر حکم ہو تو میں اپنی جاگیر کی بچت سے جدید لشکر بھی تیار کروں اور اپنے نئے اور پرانے لشکر کی مدد سے اُن راجاؤں کی سرکوبی کروں اور اُن سے روپیہ حاصل کر کے خزانۂ شاہی

میں داخل کروں۔ جلال الدین خلجی نے روپیے کی طمع میں بلا سوچے سمجھے علاء الدین کی درخواست منظور کی اور یہ نہ سمجھا کہ اس کارروائی سے علاء الدین کا مقصد یہ ہے کہ اپنے کو ملکہ جہاں کے اثر سے جو بادشاہ پر اس قدر حاوی ہے کہ اُس کی وجہ سے علاء الدین اپنے مقصود کے موافق کوئی بات بادشاہ سے نہیں کہہ سکتا علیحدہ کر کے دار الخلافت سے دور اور ہمیشہ سفر میں رہے بلکہ اگر موقع ملے تو دہلی سے دور کوئی عمدہ جگہ تجویز کر کے وہیں قیام کرے سنہ ۶۹۳ھ میں علاء الدین نے بادشاہ سے اجازت لے کر کڑہ کا سفر کیا اور ملک چھجو کے نوکر اور دوسرے بلبنی امیروں کو جو تلاش معاش میں سرگرداں تھے نوکر رکھا۔ علاء الدین نے سنا کہ دکن کے راجہ رام دیو کے پاس بہت بڑا موروثی خزانہ ہے۔ رام دیو کا یہ خزانہ ایسا معمور اور وسیع ہے کہ سلاطین دہلی کو بھی ایسا خزانہ میسر نہ ہوا ہوگا۔ علاء الدین نے سات یا آٹھ ہزار سواروں کا ایک لشکر ساتھ لے کر چندیری کے لوٹنے کا بہانہ کیا اور سنہ ۶۹۴ھ میں جنگل کی راہ سے جو بہت نزدیک ہے روانہ ہوا۔ دکن کی سرحد میں پہنچکر علاء الدین نے رام دیو پر چڑھاوا کیا۔ اس دھاوے کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ دیوگڑھ میں حصار اور دربند نہیں ہے ممکن ہے کہ رام دیو یا اس کا کوئی لڑکا اس غفلت میں گرفتار ہو جائے اور اس وسیلے سے خزانہ بھی ہاتھ آئے۔ ہر چند کہ علاء الدین کی یہ امید عقل سے دور تھی لیکن چونکہ اقبال اُس کے ساتھ تھا قسمت نے اس دشوار خیال کو بھی عملی جامہ پہنایا علاء الدین ایلچپور سے نکل کر دو روز آرام لینے کے لیئے راستے میں ٹھہرا اور اُس کے بعد دیوگڑھ روانہ ہو گیا۔ رام دیو اپنے بیٹے کے ہمراہ دیوگڑھ سے زیادہ دور گیا ہوا تھا۔ راجہ نے سنا کہ علاء الدین دیوگڑھ کے حدود میں آگیا تو اپنے امیروں اور فوج کے ساتھ علاء الدین کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ علاء الدین نے اس لشکر کو شکست دیکر دیوگڑھ کو فتح کر لیا۔[۲۲۳]

مولف طبقات ناصری جو خلجی فرمانرواؤں کا ہم عصر ہے لکھتا ہے کہ علاء الدین کڑہ سے نکل کر ایک طرف روانہ ہوا راستے میں بجز شکار کھیلنے کے اور کوئی دوسرا مشغلہ اُسے نہ تھا۔ علاء الدین منزل بمنزل بڑھا چلا گیا راستے میں جتنی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ہندوؤں کی ملیں اُن سے اُس نے کسی طرح کا

تعرض نہ کیا اور سیر و شکار کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ علاء الدین کے اصلی ارادے سے سوا اُس کے چند خاص مصاحبوں کے اور کوئی آگاہ نہ تھا۔ دو مہینے کے بعد علاء الدین دکن کے ایک مشہور شہر ایلچپور میں دفعتاً پہنچا اور اُس نے یہ مشہور کیا کہ دہلی کا ایک امیر مسمی علاء الدین کسی وجہ سے بادشاہ کی ملازمت کو ترک کرکے دکن آیا ہے اور اس کی خواہش یہ ہے کہ تلنگانہ کے راجہ راج مندری کی خدمت میں حاضر ہو کر اُس کی ملازمت اختیار کرے۔ یہ افواہ مشہور کرکے علاء الدین نے اُسی رات کو ایلچپور سے کوچ کرکے جلد سے جلد دیوگڑھ پر دھاوا کیا۔ اتفاق سے رام دیو کی رانی اور اُس کا بیٹا کسی بُت خانے کی زیارت کے لیئے دیوگڑھ سے باہر گئے ہوئے تھے اور راجہ گردش روزگار سے بے خبر غفلت کے ساتھ دیوگڑھ میں مقیم تھا۔ راجہ نے جب علاء الدین کے دھاوے کی خبر سنی تو دو تین ہزار سپاہیوں کو جو اس وقت حاضر تھے علاء الدین کے مقابلے میں بھیجا۔ یہ سپاہی دیوگڑھ سے دو کوس کے فاصلے پر علاء الدین کے قراولوں سے جا ملے اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا۔ چونکہ دکن کے ہندوؤں نے مسلمانوں کا طریقہ جنگ کبھی دیکھا نہ تھا ہندو سپاہی مسلمانوں کی شمشیر زنی اور تیر اندازی سے گھبرا گئے اور پہلے ہی حملے میں میدان جنگ سے بھاگے اور خاص شہر دیوگڑھ میں جا کر انھوں نے دم لیا۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کا پیچھا کیا۔ راجہ مسلمانوں کے تعاقب سے بدحواس ہو گیا اور اُس نے دیوگڑھ کے قلعے میں جو اس وقت خندق اور دوسرے دفاعی سامان سے مضبوط اور مستحکم بھی نہ تھا جا کر پناہ لی۔ اس واقعے کے دو تین روز پیشتر دیوگڑھ کے چند سوداگر کوکن سے دو یا تین ہزار بورے نمک کے لائے تھے یہ سوداگر نمک کے بوروں کو قلعے کے پاس چھوڑ کر کسی طرف بھاگ گئے تھے۔ راجہ کے متعلقوں نے ان نمک کے بوروں کو غلے کا انبار سمجھ کر اپنے ہمراہ لیا اور قلعے میں پناہ گزیں ہوئے۔ علاء الدین نے دیوگڑھ کے بڑے بڑے سوداگروں اور رعایا کو بھاگنے کا موقعہ نہ دیا اور شہر میں داخل ہو کر اُس نے مہاجنوں برہمنوں اور دوسرے شہریوں کو گرفتار کرکے شہر کو جی کھول کر لوٹا۔ علاء الدین نے چالیس ہاتھی اور کئی ہزار خاصے کے گھوڑے گرفتار کرکے یہ مشہور کیا کہ بیس ہزار مسلمان سواروں کا ایک دوسرا لشکر

فلاں راستے سے آرہا ہے۔ علاء الدین نے دیوگڑھ کو جس کی زمین ہزار ہا برس سے غنیم کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال نہ ہوئی تھی جی کھول کر لوٹا اور اُس کے بعد قلعے پر دھاوا کرکے اُس کا محاصرہ کرلیا۔ رام دیو نے یہ سمجھکر کہ مسلمان شہر کی تباہی کا ارادہ کرکے اس ملک میں داخل ہوئے ہیں طے کرلیا کہ قبل اس کے کہ مسلمانوں کا دوسرا لشکر پہنچکر اُن کا شریک کار ہو علاء الدین سے صلح کرکے اُس کو ملک سے واپس کردینا ہر طرح مناسب ہے۔ راجہ نے یہ سوچکر اپنے چند بہی خواہوں کو جس میں سے اکثر قوم کے برہمن تھے اُسی دن علاء الدین کی خدمت میں بھیجا اور اُسے پیغام دیا کہ تمہارا اس شہر میں آنا احتیاط اور دوراندیشی سے بعید ہے چونکہ اس وقت شہر لشکر سے خالی ہے تم نے ہم پر غلبہ پاکر جو چاہا کیا۔ لیکن اس فتح پر مغرور نہ ہو عنقریب اطراف وجوانب سے ہمارا لشکر جو حد حساب سے باہر ہے دیوگڑھ پہنچکر تم میں سے ایک کو بھی زندہ وسلامت نچھوڑے گا اور اگر اتفاق سے تم اُس لشکر سے بچ گئے تو راجہ مالوہ جو چالیس ہزار سوار اور پیادوں کا مالک ہے اور راجہ خاندیس اور گونڈواڑہ جو بجائے خود جرار لشکر کے امیر اور فرمانروا ہیں تمہارے ارادے سے مطلع ہوں گے اور راستے ہی میں تمہارے مزاحم ہوکر تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ قبل اس کے کہ یہ ہندو فرمانروا تمہارے ارادوں سے آگاہ ہوں تم ہمارے قیدی مہاجنوں اور رعایا سے نعل بہا (مال عوض آزادی) لے کر اپنے ملک کو واپس جاؤ۔ علاء الدین نے احتیاط اور دوراندیشی سے کام لیا اور راجہ کی اس صلاح پر عمل کرکے پچاس من سونا اور کئی من موتی اور بیش بہا کپڑے قیدیوں سے لے کر یہ طے کرلیا کہ اپنے داخلے کی پندرھویں صبح کو قیدیوں کو رہا کرکے خود اپنے وطن کو واپس جائے گا۔ اتفاق سے رام دیو کے بڑے بیٹے کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی اور اُس نے لشکر جمع کرکے علاء الدین کی عین روانگی کے وقت دیوگڑھ سے تین کوس کے فاصلے پر مقابلے کے لیے صفیں جمائیں رام دیو کو بیٹے کے حالات سے آگاہی ہوئی اور اس نے ایک شخص کو بیٹے کے پاس بھیجا اور اُسے یہ پیغام دیا کہ جو کچھ مقدر میں لکھا تھا وہ ہوگیا خدا کا شکر ہے کہ ہم کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا اگر رعایا پر ظلم ہوا ہے تو اُس کا کچھ خیال نہ کرو اُن کے نقصانات

کی تلافی کر دی جائے گی۔ ہمیں چاہیئے کہ مسلمانوں سے لڑائی کا بازار گرم نہ کریں مجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں کی قوم عجیب جنگجو قوم ہے ان سے دست و گریباں ہونا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ رام دیو کے بیٹے نے اپنے لشکر کی دوگنی تعداد اور دوسرے راجاؤں کی مدد پر مغرور ہو کر باپ کا کہنا نہ مانا اور لڑنے پر مصر ہوا۔ اس کنور راجپوت نے علاء الدین کو پیغام بھیجا کہ اگر تم اپنے کو اس ہولناک اور مشکل بھنور سے نکالنا چاہتے ہو تو جو کچھ تم نے ہماری عدم موجودگی میں رعایا سے لیا ہے اُسے واپس کر کے صحیح و سالم اپنے ملک کو واپس جاؤ اور اسی کو غنیمت جانو۔ اس نوجوان راجپوت کے پیغام سے علاء الدین کے غصے کی آگ بھڑک اٹھی پسر رام دیو کے قاصد کا منھ کالا کر کے سارے لشکر میں اسے تشہیر کیا۔ علاء الدین نے ملک نصرت کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ قلعے کے محاصرے میں چھوڑا اور خود بقیہ لشکر ہمراہ لے کر پھر ہندوؤں کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ طرفین سے لڑائی کا بازار گرم ہوا ہندوؤں کی کثرت اور جانبازی سے مسلمانوں کے استقلال میں فرق آنے لگا اور قریب تھا کہ مسلم سپاہی جی چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگیں کہ ملک نصرت نے اپنے ہزار سواروں کے ساتھ میدان کارزار کی راہ لی۔ ہندوؤں نے ملک نصرت کے لشکر کو دیکھا تو سمجھے کہ مسلمانوں کا موعودہ لشکر مدد کے لیئے آپہنچا۔ اس توہم سے ہندوؤں کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور وہ بے تحاشا میدان سے بھاگے۔ علاء الدین نے کامیابی حاصل کر کے پھر قلعے کا محاصرہ کیا اور محاصرے کی سختیوں پر اور زیادہ اضافہ کرتا رہا۔ علاء الدین نے بہت سے مہاجن اور برہمن قیدیوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا اور باقی ماندہ اسیروں کو جو رام دیو کے عزیز و قریب تھے پابزنجیر و گردن میں طوق آویزاں کر کے قلعے کے مقابل کھڑا کیا رام دیو نے اپنے خاص درباریوں سے مدافعت کا مشورہ کیا اور چاہا کہ راجگان گلبرگہ۔ تلنگانہ۔ مالوہ اور خاندیس سے مدد طلب کرے کہ اُسی درمیان میں اُسے معلوم ہوا کہ قلعے میں غلہ مطلق نہیں ہے اور جو بورے اور گٹھے قلعے کے اوپر کھینچے گئے تھے وہ غلے سے بالکل عاری اور نمک سے لبالب بھرے ہوئے ہیں۔ اہل قلعہ خلجیوں کی مدافعت تک نہ کر سکتے تھے چہ جائیکہ اُن سے غلہ حاصل کریں۔ رام دیو کو بڑی فکر لاحق ہوئی آخر کار بڑے غور کے بعد

اُس نے غلے کی کمی کا تو حال چھپایا اور ملک علاء الدین کے پاس خطوط بھیجکر اُس سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس لڑائی میں میرا کوئی قصور نہیں ہے میرے بیٹے نے جہالت اور جوانی کے غرور میں معرکہ آرائی کی ہے مجھے امید ہے کہ بیٹے کی غلطیوں کی مکافات مجھے نہ بھگتنی پڑے گی۔ رام دیو نے ایلچیوں سے خفیہ کہدیا کہ غلہ قلعے میں بالکل باقی نہیں رہا ہے اگر علاء الدین دو تین دن اور محاصرہ جاری رکھے گا تو اہل قلعہ بھوک کے مارے مرجائیں گے۔ غلہ کی کمی کا حال مسلمانوں پر ظاہر نہو لیکن اس بات کی کوشش کرو کہ آج ہی کل میں ان ترکوں سے ہمارا پیچھا چھوٹ جائے۔ راجہ کے ایلچی علاء الدین کے پاس پہنچے اور اُسے راجہ کا پیغام سنایا۔ علاء الدین کو غلے کی عدم موجودگی کا حال معلوم ہو چکا تھا اُس نے صلح کے قبول کرنے میں اتنی دیر لگائی کہ ایلچیوں نے بڑی خوشامد کے ساتھ اس شرط پر صلح کی کہ رام دیو اس وقت چھ سو من سونا اور سات من موتی اور دو من لعل و یاقوت و الماس و زمرد اور ایک ہزار من چاندی اور چار ہزار ریشمی کپڑے اور دوسری مختلف چیزیں جنکی تفصیل طویل اور قیاس سے دور ہے اور عقل جس کو صحیح نہیں سمجھ سکتی پیش کرے اور پورا ایلچپور علاء الدین کے حوالے کردے یا اگر خود اس صوبہ پر قابض رہنا چاہے تو سالانہ محصول ہر سال کڑہ روانہ کرتا رہے۔ علاء الدین ان نذرانوں کے صلے میں ہندو قیدیوں کو آزاد کردے گا اور دہلی سے جو لشکر دکن کو فتح کرنے چلا ہے اُسے راستے ہی سے واپس کردے گا اور جلال الدین خلجی اور رام دیو کے درمیان میں واسطہ بن کر ایسی مستحکم صلح کرادے گا کہ دونوں سلطنتوں میں ہمیشہ موافقت رہے گی۔ غرضکہ علاء الدین نے یہ گراں بہا ہدیے حاصل کئے اور ہندو قیدیوں کو آزاد کرکے محاصرے کے پچیس دن بعد مظفر و منصور اس قدر جواہرات اور بیشمار مال اور ہاتھی اور گھوڑے ہمراہ لیکر چلا کہ کسی بادشاہ دہلی کے خزانے میں اتنی دولت جمع نہوئی ہوگی ؛

صاحبان بصیرت کو دنیا کے حالات سے پوری اطلاع ہے اور انھوں نے اگلے اور پچھلے فرمانرواؤں کے واقعات تاریخ میں پڑھے ہیں یہ سچ ہے کہ دنیا میں بارہا غیبی امداد کا ظہور ہوا ہے اور اس عجائب منظر عالم میں اکثر اقبالمندوں کے محال منصوبے بھی خوش قسمتی سے پورے ہوئے ہیں لیکن جو دولت علاء الدین کو

قبضے میں آئی شاید دنیا میں کسی کو نہ میسر ہوئی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایک تو کڑے سے دیوگڑھ تک خود بہت بڑی مسافت تھی اور دوسرے یہ کہ راجگان مالوہ۔ گونڈواڑہ اور خاندیس وغیرہ جیسے طاقت ور دشمن راہ میں حائل تھے اتنی بڑی مسافت کو طے کرنا اور صحیح و سلامت دیوگڑھ پہنچنا۔ غنیم کا نمک کو غلہ سمجھکر قلعے میں لے جانا اور علاء الدین کا تھوڑے ہی زمانے میں اس قدر مال و دولت پر قابض ہونا اور پھر انھیں دشمنوں کے درمیان سے صحیح و سالم نکلنا اور ہزاروں مشکلوں کو آسانی سے جھیلکر مملکت ہندوستان کے تخت حکومت پر جلوس کرنا سہل و آسان نہیں ہے؛

علاء الدین کی ہندوستان پر تخت نشینی کا تفصیلی بیان یہ ہے کہ جب علاء الدین نے دیوگڑھ کا سفر کیا تو اُس کے واقعات کا بادشاہ دہلی کو عرصے تک علم نہ ہوا لیکن اُس کا نائب جو علاء الدین کی طرف سے کڑہ کی نیابت کا کام انجام دے رہا تھا کبھی کبھی بادشاہ کی خدمت میں اس مضمون کے عرائض بھیجدیا کرتا تھا کہ ملک علاء الدین چندیری کی غارت گری میں مصروف ہے اور آج ہی کل میں اُس کے عرائض شاہی بارگاہ میں پہنچا چاہتے ہیں۔ غرض کہ چھ مہینے اسی طرح گزر گئے اور خود علاء الدین کا ایک خط بھی بادشاہ کی خدمت میں نہ آیا اسی درمیان میں علاء الدین کی بغاوت کی خبر جو آیندہ ہونے والی بات تھی آوازۂ خلق نقارۂ خدا کا مصداق بن کر دہلی میں زبان زد عام ہوئی۔ جلال الدین کو اپنی زوجہ ملکۂ جہاں اور علاء الدین کی شکر رنجی کا حال معلوم تھا۔ یہ نیک دل بادشاہ علاء الدین کی طرف سے بالکل بدگمان نہ ہوا۔ اوائل ۶۹۵ھ میں جلال الدین شکار کے لئے گوالیار گیا۔ بادشاہ نے چند مہینے گوالیار میں قیام فرماکر ایک بڑا عظیم گنبد تعمیر کیا اور ایک چبوترہ بنوایا اور اپنی ایک طبع زاد رباعی گنبد کے سامنے کندہ کرائی تھی

اسی درمیان میں قبل اس کے کہ کوئی سرکاری عریضہ بادشاہ کی خدمت میں پہنچے یہ خبر مشہور ہوئی کہ علاء الدین نے دیوگڑھ پر فتح حاصل کرلی ہے اور اس قدر اسباب اور خزانہ اور ہاتھی اور گھوڑے اس کے ہاتھ آئے ہیں جو آج تک کسی بادشاہ دہلی کو میسر نہ ہوئے تھے۔ علاء الدین اس تمام حشم و خدم کے ساتھ کڑہ روانہ ہوا ہے۔ جلال الدین اس خبر کو سن کر بیحد خوش ہوا اور

علاء الدین کے ازدیاد اقبال اور حشمت کو اپنی ذاتی رفعت اور شان میں اضافہ سمجھا لیکن بادشاہ کے دور اندیش اور انجام بین بہی خواہ اور مددگار یہ جانکر کہ علاء الدین اور ملکہ جہاں میں صفائی نہیں ہے اور نیز یہ کہ علاء الدین نے بلا اجازت بادشاہ کے دکن کی مہم کو سر کرکے اتنا روپیہ اور دولت حاصل کی ہے علاء الدین کی جلد سے جلد ظہور ہونے والی بغاوت کو بصیرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے لیکن بادشاہ سے اس کا اظہار نہ کر سکے۔ ایک دن بادشاہ نے اپنے حاشیہ نشینوں سے خلوت میں مشورہ کیا کہ علاء الدین دیوگڑھ سے اس قدر ساز و سامان اور نقد دولت اور ہاتھی گھوڑے حاصل کرکے آرہا ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے میں اپنے مقام پر خاموش رہوں یا یہ کہ آگے بڑھ کر اس کی پیشوائی کروں۔ ملک احمد جلیب نے جو فطانت اور اصابت رائے میں مشہور تھا بادشاہ سے کہا کہ مال اور جمعیت کی کثرت ہمیشہ بغاوت اور سرکشی کا باعث ہوتی ہے ظاہر ہے کہ جن مفسدوں اور فتنہ انگیزوں نے ملک چھجو کو ورغلا کر بادشاہ سے منحرف کر دیا تھا اتفاق سے وہی سب لوگ علاء الدین کے گرد بھی جمع ہو گئے ہیں اور انھیں لوگوں نے علاء الدین کو بلا حصول اجازت دیوگڑھ کی مہم سر کرنے کی ترغیب دی ہے کیا خبر ہے اب علاء الدین کا ارادہ کیا ہے میرے نزدیک بادشاہ کا چندیری تک جو علاء الدین کے سر راہ واقع ہے سفر کرنا ہر طرح پر قرین مصلحت اور مفید مطلب ہے۔ جب علاء الدین کو شاہی لشکر کے ورود کی خبر کا یقین آجائے گا تو محض اس وجہ سے کہ اس کی فوج دور دراز کی مہم سر کرکے گھر واپس ہو رہی ہے۔ اور سارا لشکر زر و زیور سے لدا ہوا ہے۔ اور ہر سپاہی دیدار وطن کا مشتاق اور لڑائی سے بیزار ہے اور اسباب باربرداری کی زیادتی اور ہاتھیوں کی کثرت کی وجہ سے جلد سفر کرنا یا مصلحت کے لحاظ سے کوہستان میں کچھ دنوں قیام کرنا ناممکن ہے علاء الدین کو سوا اس کے اور کوئی چارۂ کار نہ ہوگا کہ شاہی بارگاہ میں حاضر ہو کر جو سامان کہ دیوگڑھ سے لا رہا ہے بادشاہ کے ملاحظے میں خوشی سے پیش کر دے بادشاہ نقد دولت اور ہاتھیوں کو جو لوازمات شاہی میں داخل ہیں خود قبول فرمائے اور بقیہ چیزیں علاء الدین کو بخش دے۔ اس کے بعد بادشاہ ملک چھجو اور ملک فخر الدین کوتوال کے فتنہ انگیز حاشیہ نشینوں کو جو سیدی مولہ کے قتل کے بعد

علاء الدین کے گرد جمع ہو گئے ہیں علاء الدین سے علیحدہ کرا کے انھیں دور دراز ملکوں میں منتشر فرمائے اور خود علاء الدین کو زیادتی جاگیر سے خوش و مطمئن کرے اس کے بعد علاء الدین کو خواہ کڑہ جانے کی اجازت دی جائے اور خواہ بادشاہ اُسے اپنے ہمراہ دہلی لائے۔ دوسرے یہ کہ علاء الدین اور ملکۂ جہاں کی رنجش کا حال بھی بادشاہ کو معلوم ہے گو اس بدمزگی کا تذکرہ کبھی شاہی مجلس میں نہیں آیا لیکن شاہی خاندان کے ان دونوں ارکین کی کبیدگی اب اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ علاء الدین نے طے کر لیا ہے کہ دارالخلافت سے دور کسی ملک میں زندگی بسر کرے۔ بادشاہ کو معلوم ہے کہ آزردہ خاطر سے غافل اور مطمئن ہو کر اُس کو مطلق العنان چھوڑنا مصلحت اور دوراندیشی سے بعید ہے اگر بادشاہ اس بات کو حقیر سمجھ کر اس کی اصلاح نہ فرمائینگے اور دہلی واپس چلے جائیں گے اور علاء الدین اپنے خزانے اور ہاتھیوں اور دوسرے اسباب کے ساتھ جو شاہی لوازمات ہیں کڑہ پہنچ جائے گا تو سمجھنا چاہیئے کہ بادشاہ نے اپنے زوال سلطنت میں خود کوشش کی اور اپنے ہاتھوں اپنے خاندان کو تباہ و برباد کیا۔ ملک فخرالدین کوچی نے باوجود اس کے کہ وہ جانتا تھا کہ ملک احمد حبیب کی رائے بالکل صحیح ہے بادشاہ کی مرضی نہ پا کر چشم پوشی کی اور کہا کہ ابھی علاء الدین کی واپسی کی خبر اور اُس کا مال دولت حاصل کرنا پایۂ اعتبار کو نہیں پہنچا کہ ابھی سے اُس کے ضرر کو دفع کرنے کی غور و فکر کی جائے اور اگر یہ خبر صحیح ثابت ہو جائیگی تو ہم اُس پر لشکر کشی کر کے راستے ہی میں اُسے روک دیں گے۔ چونکہ علاء الدین نے بلا اجازت شاہی سفر کیا ہے یقین ہے کہ ہماری لشکر کشی سے مرعوب ہو کر جہاں تک پہنچ گیا ہو گا وہیں سے پلٹ کر جدھر اُس کا سینگ سمائے گا اُس طرف چلا جائے گا ہم کو اس برسات میں اُس کا پیچھا کرنا مناسب نہیں ہے جہاں وہ جاتا ہے اُسے جانے دینا چاہیئے اور مثل مشہور کے موافق کہ پانی تک پہنچنے کے قبل ہی موزہ اُتارنے کی ضرورت نہیں ہے ہم کو عمل کرنا چاہیئے اگر علاء الدین مال و اسباب کے ساتھ کڑہ پہنچ جائے گا اور ہم کو اُس کی بدنیتی کا علم ہو گا تو ہم ایک ہی حملے میں اس کا کام تمام کر دیں گے۔ ملک احمد حبیب کو فخرالدین کوچی جیسے واقف کار اور معاملہ فہم شخص کی چشم پوشی سے بیحد غصہ آیا اور اُس نے ملک کوچی سے کہا کہ خدا کے لیئے ضرورت سے زائد

سہل انگاری نہ کرو وقت ہاتھ سے جاتا ہے تم یہ بتاؤ کہ جس وقت علاءالدین اس
لوازمۂ شاہی کے ساتھ کڑہ پہنچکر لکھنوتی پر حملہ آور ہوگا اس وقت تم اُس کے
مقابلے میں کامیاب ہوگے یا نہیں۔ بادشاہ ملک احمد حبیب کی باتوں سے خفا ہوگیا
اور ملک احمد کو خود غرض کے خطاب سے یاد کرکے کہا کہ ملک احمد علاءالدین سے
ہمیشہ بدگمان ہی رہتا ہے۔ میں نے علاءالدین کو اپنی گود میں پالا اور اُس کو اپنی
فرزندی میں قبول کیا ہے۔ میرے بیٹوں کا مجھ سے منحرف ہونا ممکن ہے لیکن
علاءالدین کا میرے مقابلے میں بغاوت کرنا محال ہے۔ بادشاہ کی اس تقریر سے
ملک احمد کو کچھ اور کہنے کی گنجائش نہ رہی اور شاہی مجلس سے اُٹھ کر افسوس کرتا
ہوا باہر چلا آیا ملک احمد اپنی بوٹیاں خود نوچتا اور بار بار کہتا تھا کہ یہ احمق بادشاہ
اپنے پاؤں میں خود کلھاڑی مار رہا ہے خدا جانے اس کا کیا حشر ہونے والا ہے
جلال الدین نے فخرالدین کوچی کی بیحد تعریف کی اور دہلی واپس ہوا۔ ابھی بادشاہ
نے دم بھی نہ لیا تھا کہ علاءالدین کی ایک عرضداشت کڑہ سے آئی جس کا مضمون
یہ تھا کہ اکتیس عدد ہاتھی اور تمام قیمتی گھوڑے اور سارا سامان واسباب وجواہر وریشمی کپڑے
جو کچھ کہ میرے ہاتھ آئے ہیں سب بادشاہ کے حضور میں پیشکش کرنے کیلئے
حاضر ہیں لیکن چونکہ میں ایک مدت سے بادشاہ سے جدا ہوں اور دوری راہ اور
راستوں کے بند رہنے کی وجہ سے عرائض نہ روانہ کرنے کی وجہ سے بہت ہی خائف
ہوں اور میرے ہم سفر امرا ابھی لرزہ براندام ہیں اس لیئے چاہتا ہوں کہ ایک فرمان
اپنے قلم خاص سے لکھ کر میرے اور میرے ہم سفر امیروں کے نام جنھوں نے
جاں نثاری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے صادر فرمایا جائے تاکہ کڑہ سے سر کے بل
پہنچکر بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوں اور سارا مال غنیمت شاہی ملاحظہ میں گزراندوں
بادشاہ علاءالدین کا یہ خط پڑھتے ہی اُس کی مکاری کا اور زیادہ شکار ہوا اور علاءالدین
کی محبت اور خلوص کا پورا دم بھرنے لگا۔ ادھر علاءالدین خود لکھنوتی جانے کی تیاریاں
کر رہا تھا اور ظفر خاں کو اودھ بھیجکر آب سرو کے کنارے کشتیاں مرتب کرا رہا تھا
علاءالدین کا خیال تھا کہ جب بادشاہ کڑہ روانہ ہو تو وہ خود لکھنوتی پہنچکر جلال الدین
کی مخالفت کا اعلان کر دے۔ بادشاہ نے علاءالدین کی خواہش کے مطابق ایک

فرمان مہر انگیز عبارت اور محبت خیز مضامین میں لکھکر اپنے دو محرم راز ملازموں کے ہاتھ علاء الدین کے پاس کڑہ روانہ کیا جب دونوں نامہ بر کڑہ پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ علاء الدین بالکل باغی ہو رہا ہے اور اُس کا تمام دربار اُسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ علاء الدین نے ان نامہ رسانوں پر سخت پہرہ بٹھا رکھا تھا یہ شاہی قاصد بادشاہ کو حقیقت حال کی بالکل اطلاع نہ دے سکے اور جلال الدین قطعاً ان حالات سے لاعلم رہا۔ اسی درمیان میں علاء الدین کا بھائی الماس بیگ کہ وہ بھی جلال الدین کا داماد تھا ہر موقع اور محل پر بادشاہ سے یہ کہتا تھا کہ علاء الدین سے بادشاہ کی ناراضی کی خبر بیحد مشہور ہو گئی ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا بھائی شرم کے مارے خودکشی نہ کرڈالے اس لیئے کہ بلا اجازت بادشاہ دیوگڑھ جانا اور وہاں سے کوئی عریضہ نہ بھیجنا خود علاء الدین کے نزدیک بھی ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ الماس بیگ بادشاہ کے دل میں یہ جما ہی رہا تھا کہ علاء الدین کا ایک خط بھی اسی مضمون کا الماس بیگ کے نام پہنچ گیا۔ خط کا مفہوم یہ تھا کہ بادشاہ کے حقوق شفقت میرے ذمہ اتنے ہیں کہ میں اُن کو لکھ نہیں سکتا ظاہر ہے کہ بادشاہ میرا باپ بھی ہے اور چچا بھی اور میری جان کا مالک بھی ہے۔ بادشاہ کی ناراضی سے زندگی مجھے تلخ ہو گئی ہے اگر تم پر یہ صاف کھل گیا ہو کہ بادشاہ مجھے قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو مجھے صاف صاف لکھو تاکہ میں یا تو زہر کھا کر جس کو ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہوں نجات پاؤں یا کسی اجنبی دیس میں آوارہ وطن ہو جاؤں۔ الماس بیگ الغ خاں نے یہ خط بادشاہ کو دکھایا اور اس قدر چاپلوسی کی کہ بادشاہ کو علاء الدین کے مضمون خط کا پورا یقین آگیا اور چونکہ علاء الدین نے خفیہ اپنے بھائی کو یہ لکھدیا تھا کہ اگر بادشاہ مال و دولت کی طمع میں گرفتار ہو کر کسی نہ کسی طرح تنہا اس طرف آنے پر تیار ہو جائے تو ہمارا سارا کام بنجائے اس لیئے الماس بیگ نے خط پیش کرتے وقت روتے ہوئے بادشاہ سے کہا کہ اگر حضور تنہا کڑہ کا سفر فرمائیں اور میرے بھائی کو قبل اس کے کہ وہ اپنے کو قتل یا آوارہ وطن کرے تسلی فرما دیں تو ہم جان نثار پہلے سے بھی زیادہ شاہی عنایتوں کے ممنون احسان ہوں۔ جلال الدین بیچارے نے الماس بیگ کو سچا جان کر بے غور و مشورہ کیئے اس سے کہا کہ تم جلد سے جلد کڑہ پہنچکر اپنے بھائی کو میری

طرف سے مطمئن کر دیکھنا خبردار کہیں وہ خودکشی یا آوارہ وطنی نہ کرنے پائے میں بھی جلد سے جلد تنہا کڑہ آتا ہوں۔ الماس بیگ اسی وقت کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور ساتویں دن صحیح وسالم کڑہ پہنچ گیا۔ الماس بیگ نے علاءالدین کو مبارک باد دی کہ تیر نشانے تک پہنچ گیا۔ ملک علاءالدین نے بادشاہی عنایتوں سے سرفراز ہونے کے شادیانے بجائے اور بھائی کے آنے سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوا علاءالدین نے الغ خاں سے پوچھا کہ اب لکھنوتی کا سفر کرنا چاہیئے یا کڑہ میں قیام کرنا مناسب ہے علاءالدین کے بہی خواہوں نے اُسے یہ مشورہ دیا کہ فی الحال لکھنوتی جانا مناسب نہیں ہے ظاہر ہے کہ بادشاہ مال و دولت کی حرص وطمع کا شکار ہو کر عین برسات میں تنہا کڑہ آئے گا مناسب یہ ہے کہ ہم پہلے بادشاہ کا کام تمام کریں اور اس کے بعد جب تک کہ ارکلی خاں تخت نشین ہو کر اپنی قوت اور جمعیت کو اکھٹا کرے ہم لکھنوتی پر حملہ کر کے بنگالہ پر بھی اپنا قبضہ کریں اور استقلال کے ساتھ فرماں روائی کا جھنڈا بلند کریں۔ علاءالدین نے اس رائے کو پسند کیا اور کڑہ ہی میں مقیم رہا۔ ادھر جلال الدین اجل گرفتہ دولت کی طمع میں حرص مجسم ہو رہا تھا اُس نے کسی امیر کی نصیحت نہ سنی اور کڑہ کے سفر کا مصمم ارادہ کر لیا جلال الدین کا خیال تھا کہ اگر علاءالدین لکھنوتی چلا گیا تو پھر اُن جواہرات اور مال و دولت کا جو اُسے جان سے زیادہ عزیز ہیں ہاتھ لگنا دشوار ہو جائے گا۔ جلال الدین صرف پانچ سو سواروں کے ہمراہ کشتی پر کڑہ روانہ ہوا اور بیچارے ملک احمد حبیب کو حکم دیا کہ لشکر حشم کو ساتھ لیکر خشکی کے راستے سے کڑہ آئے۔ علاءالدین بادشاہ کی روانگی کی خبر سن کر گنگا کے پار اترا اور مانک پور کو اپنا لشکرگاہ بنایا۔ جب سترھویں رمضان کو بادشاہی چتر پانی پر دور سے نمودار ہوا تو علاءالدین کے جاں بازوں نے اظہار شوکت اور سلام و مجرے کے بہانے سے اپنے کو مسلح اور ہاتھیوں اور گھوڑوں کو تیار کرنا شروع کیا۔ علاءالدین خلجی نے اپنے بھائی الماس بیگ کو بادشاہ کے استقبال کے لئے روانہ کیا تاکہ جس طرح ممکن ہو ان قلیل لوگوں سے بھی جو کشتیوں میں سوار ہیں بادشاہ کو جدا کر کے اُسے تنہا ساحل دریا پر لائے۔ الماس بیگ جلال الدین کی خدمت میں پہنچا اور اُس نے بادشاہ سے کہا اگر ایک دن کی بھی تجھے دیر ہو جاتی تو علاءالدین اپنا کام تمام

کر دیتا لیکن چونکہ ابھی تھوڑا خوف اُس کے دل میں باقی ہے ممکن ہے کہ بادشاہ کیساتھ فوج کی اس قلیل جماعت کو بھی دیکھ کر اپنے کو آوارہ وطن کرے۔ اس سادہ لوح بادشاہ نے الماس بیگ کو سچا سمجھ کر حکم دیا کہ جو لوگ کشتیوں پر سوار ہیں وہ اپنی جگہ پر قیام کریں اور خود چند خاص مصاحبوں کے ساتھ آگے بڑھا۔

جلال الدین نے تھوڑی ہی راہ طے کی تھی کہ الماس بیگ نے دوسرا جال مکر کا بچھایا اور بادشاہ سے کہا کہ میرا بھائی نزدیک پہنچ گیا ہے اگر ان چند آدمیوں کو بھی جو مسلح بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہیں دیکھے گا تو ممکن ہے کہ کسی خطرے کا گمان کر کے شاہی ملازمت سے مایوس ہو جائے بادشاہ نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ ہتھیار اتار ڈالیں جب کشتی ساحل کے قریب پہنچی تو بادشاہ کے ہمراہیوں نے دور سے دیکھا کہ ملک علاء الدین ہتھیار بند استقبال کیلئے آرہا ہے اُن لوگوں کو علاء الدین کے مکر و فریب کا پورا یقین ہو گیا اور سمجھ گئے کہ الماس بیگ کا ارادہ کیا ہے ملک خرم کتک نے الماس بیگ سے کہا کہ ہم تمہاری خواہش کے مطابق جریدہ یہاں آئے ہیں اور ہم نے ہتھیار تک اُتار ڈالے ہیں اور تم لوگ مسلح ہو اور لڑائی کے لیئے تیار معلوم ہوتے ہو۔ الماس بیگ نے جواب دیا کہ میرا بھائی چاہتا ہے کہ اپنے لشکر کو مسلح اور پوری طرح آراستہ کر کے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرے اور خود حاضر خدمت ہو کر آداب شاہی بجا لائے۔ جلال الدین نے اب بھی بمقتضائے مثل اذا جاء القدر عمی البصر (جب موت آتی ہے تو انسان اندھا ہو جاتا ہے) الماس بیگ کی مکاری پر کچھ لحاظ نہ کیا صرف اس قدر اُس سے کہا کہ میں اتنی بڑی مسافت طے کر کے یہاں آیا ہوں اور روزہ دار علاء الدین سے ملنے جا رہا ہوں اس سے اتنا بھی نہ ہوا کہ کشتی میں بیٹھ کر تھوڑی دور میرے استقبال کو آتا۔ الماس بیگ نے کہا کہ میرے بھائی کا دل نہیں چاہتا کہ خالی ہاتھ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو۔ اس کی خواہش ہے کہ بیش قیمت گھوڑے اور اسباب اور ہاتھی اور جواہرات ساتھ لے کر بادشاہ کی پابوسی کرے۔ علاء الدین نے بادشاہ کے افطار کا سامان بھی کیا ہے اور اُسے امید ہے کہ بادشاہ اپنی بزرگانہ نوازش سے میرے بھائی کو سرفراز فرما کر اس کے گھر میں روزہ افطار فرمائیں گے تاکہ اس شرف سے علاء الدین اپنے ہم چشموں میں اور زیادہ ممتاز ہو۔ سلطان

جلال الدین خلجی کشتی میں بیٹھا ہوا قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا یہاں تک کہ آخر عصر کے وقت کشتی دریا کے کنارے پہنچی۔ بادشاہ کشتی سے اترا اور علاء الدین نے آگے بڑھ کر اپنا سر بادشاہ کے قدموں پر رکھ دیا۔ جلال الدین نے پیار سے ایک طمانچہ اُس کے منہ پر مارا اور محبت آمیز لہجے میں کہا کہ میں نے اس مہربانی سے تجھے پال کر پدرانہ محبت کے ساتھ اتنا بڑا کیا ہے اور ہمیشہ اپنے حقیقی بیٹوں سے زیادہ تجھے محبوب سمجھا ہے۔ ابتک تیرے بچپن کی بو میرے کپڑوں سے نہیں گئی۔ تو نے کیوں کر جانا کہ میرے دل میں تیری برائی کا خیال پیدا ہوا ہے یہ کہکر بادشاہ نے علاء الدین کا ہاتھ پکڑا اور اُسے ساتھ لے کر کشتی کی طرف چلا۔ علاء الدین نے ان لوگوں کو جو بادشاہ کے قتل کا بیڑا اُٹھا چکے تھے اشارہ کیا۔ سمانہ کے ایک ذلیل سپاہی محمود سیر سالم نے تلوار سے بادشاہ کو زخمی کیا۔ بادشاہ زخم خوردہ کشتی کی طرف دوڑا۔ اور کہا کہ اے علاء الدین بدبخت یہ تو نے کیا کیا ابھی بادشاہ کشتی تک پہنچا بھی نہ تھا کہ اختیار الدین جو بادشاہ کا پروردہ نعمت تھا جلال الدین کے پس پشت پہنچ گیا اور اس نے بادشاہ کو زمین پر پچھاڑ کر آفتاب ڈوبتے وقت جلال الدین کا سر قلم کر لیا اور اُسے علاء الدین کی خدمت میں لے آیا۔ بادشاہ کے چند ہمراہی یعنی ملک خرم وغیرہ بھی کشتی میں بیٹھے ہی بیٹھے علائی تلواروں کی نذر ہو گئے ٭

قاتلوں نے جلال الدین کا سر نیزہ پر آویزاں کر کے کڑہ اور مانک پور کی ہر گلی و کوچہ میں پھرایا اور وہاں سے اودھ لے گئے اور گویا زبان حال سے یہ کہتے تھے کہ یہی سزا ہے اس شخص کی جو دنیائے مکار پر فریفتہ ہو۔ اور اولاد اور عزیزوں سے قوت حاصل کر کے لاکھوں مشقت سے ان کی نگہداشت کرے اور اپنا خون جگر پلا کر ان کی پرورش و پرداخت کرے۔ جو شخص کہ ہزاروں تمناؤں کے ساتھ ہوا و ہوس کی شور زمین میں پھولوں کا بیج بوتا ہے وہ گل کی جگہ کانٹے ہی چنتا ہے اور جس کسی نے کہ دنیا کے پر فریب باغ سے نیکی کی امید کی اس کی جہاں بیں آنکھ جفاؤں کے ڈنک سے زخمی ہی ہوتی ہے۔ جس شخص نے اپنے ہاتھوں برائی کے دروازے کو کھٹکھٹایا وہ ایک لحظہ بھی آرام سے سونے نہ پایا۔ ایسے شخص نے خوابیدہ فتنہ کو بیدار کر کے اپنی دنیا و آخرت دونوں کو تباہ کیا۔ یہ سچ ہے کہ آرے کے دانت جمشید کا

گوشت کھا رہے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ضحاک کے بدن کا ہر رونگٹا فریدوں کے خوف سے سانپ کی طرح خود اسی کو ڈس رہا ہے۔ اگر ایرج کا سر کٹا ہوا قدموں کے نیچے پڑا ہے تو منوچہر تلوار لیئے ہوئے سلم و تور کے سر پر بدلہ لینے کے لئے کھڑا ہے۔ اگر ایرج کا سر طشت کے اندر ہے تو دشت لالہ بھی افراسیاب کے خون سے سیراب ہے۔ اگر دارا کا جگر اپنے ہی نمک خواروں کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہے تو ان قاتلوں کا سر بھی سکندر کی تلوار کا شکار ہے۔ خسرو اگر خاک و خون میں غلطاں ہے تو شیرویہ کا حال بھی پریشان ہے۔ اگر سلطان معزالدین کیقباد خون کے دریا میں غرق ہے تو گنگا کا پانی بھی جلال الدین کے خون سے رنگین ہے۔ معتبر لوگوں سے یہ روایت کی جاتی ہے کہ جب جلال الدین خلجی کڑہ آتا تھا تو علاء الدین خلجی کڑہ کے مشہور مجذوب حضرت خواجہ کرگ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت خواجہ سے مدد کا خواستگار رہوا۔ خواجہ صاحب نے سر اٹھا کر جواب میں یہ شعر پڑھا۔

ہر کس کہ کند با تو جنگ ــــــ سر در کشتی تن در گنگ ؎

الغرض مقتول بادشاہ کا چتر علاء الدین خلجی کے سر پر سایہ فگن ہوا۔ اور شہر میں اس کی حکومت کی منادی کی گئی۔ علاء الدین کے تمام ہم خیال جو جلال الدین خلجی کے قتل میں شریک کار تھے جلد سے جلد اس خون ناحق کی پاداش میں مبتلا ہو کر بری موتوں سے مرے۔ محمود پسر سالم ایک سال کے بعد مرض جذام میں ایسا مبتلا ہوا کہ اسکے تن کے ٹکڑے کٹ کٹ کر زمین پر گر گئے۔ اختیار الدین فوراً دیوانہ ہو گیا اور ہوش و حواس بالکل کھو بیٹھا اس کا یہ حال تھا کہ نزع کے عالم میں چلاتا اور کہتا تھا کہ جلال الدین خلجی ہاتھ میں تلوار لیئے ہوئے میرا سر کاٹ رہا ہے۔ الماس بیگ اور دوسرے جلالی مجرم جو دنیا کی طمع میں اس گناہ کے مرتکب ہوئے تھے تین ہی چار برس میں ایسے فنا ہوئے کہ علاء الدین ہی کے زمانے میں ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ علاء الدین نے اگرچہ کچھ دنوں خوب دنیا کے مزے اڑائے لیکن آخر کار گردش روزگار نے اس کو بھی ایسا پلٹا دکھایا کہ اس کا خاندان خود اسی کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ اور اس نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو نظر بند کر کے اپنے معتبر حاشیہ نشینوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ علاء الدین کے غلاموں اور اس کے لے پالکوں اور نمک پروردوں

نے خود اسی کی زندگی میں جو ظلم و ستم اس کے بیٹوں اور اس کے خاندان پر ڈھائے اس کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

ملک احمد حبیب سرگروہ لشکر نے بادشاہ کی شہادت کی خبر سنی اور راستے ہی سے پلٹ کر دہلی واپس آیا۔ جلال الدین کی بیگم ملکہ جہاں نے اس وقت اپنی فطری ناقص العقلی سے کام لیا۔ اور چونکہ شہزادہ ارکلی خاں اس وقت ملتان میں تھا ملکہ جہاں نے اپنے چھوٹے بیٹے شاہزادہ رکن الدین ابراہیم کو جو نوعمر اور معاملات سلطنت سے بالکل ناواقف تھا بلا مشورہ ارکان دولت تخت حکومت پر بٹھا دیا۔ ملکہ جہاں کیلوکھری سے دہلی آئی اور اس نے کوشک سبز میں قیام کر کے عہدے اور جاگیریں بھی امیروں میں تقسیم کرنی شروع کیں۔ ارکلی خاں جو جلال الدین کا صحیح جانشین اور فرمانروائی کے قابل تھا بھائی کی تخت نشینی کا حال سن کر رنجیدہ ہوا۔ اور اس نے ملتان میں قیام اختیار کیا علاء الدین نے جو اس سے پیشتر لکھنوتی پر حملہ کرنا چاہتا تھا ارکلی خاں اور ملکہ جہاں کی باہمی رنجش سے فائدہ اٹھایا۔ اور ایک ناتجربہ کار لڑکے کو دہلی کا فرمانروا سن کر حکومت دہلی کا خواہاں ہوا۔ علاء الدین نے عین برسات میں آگرے سے دہلی کا سفر کیا اور دہلی پہنچکر اپنے ارادوں میں کامیاب ہوا۔ جلال الدین نے کچھ اوپر سات برس فرمانروائی کی ہے۔

علاء الدین خلجی الملقب بہ

سکندر ثانی

جلال الدین خلجی کی وفات کے بعد علاء الدین کو استحکام حکومت میں بڑا پس و پیش تھا۔ اسی حیرت اور فکر میں اس نے ایک دن اپنے امیروں سے پوچھا کہ اس وقت دو ہی باتیں ایسی سمجھ میں آتی ہیں جن سے بنیاد سلطنت مضبوط اور پائدار ہو سکے۔ تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ ان دونوں مصلحتوں میں سے میں کس کو اختیار کروں۔ آیا لکھنوتی پر فوج کشی کر کے مملکت بنگالہ تک قبضہ کرنا بہتر ہے۔ یا کڑہ مانکپور ہی میں قیام کر کے یہیں سے استقلال سلطنت کی تدبیریں کرنا زیادہ مناسب ہے۔

تمام امیروں نے اس سوال کا یہی جواب دیا کہ شاہزادۂ ارکلی خاں فطرتاً بہت بہادر اور شجیع ہے اور ان صفتوں کے ساتھ ہی ساتھ لشکر کشی کے قواعد اور فرمانروائی کے ضابطوں سے بھی پوری طرح واقف ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ ارکلی خاں اور اُس کی ماں جلال الدین کے خون کا بدلہ لینے کے لیئے آپ سے معرکہ آرائی کریں گے اور ارکلی خاں وغیرہ سب سے پہلے اپنے باپ کے قاتلوں ہی سے صف آرا ہوں گے۔ اس لیئے ہماری رائے یہ ہے کہ فی الحال بادشاہ کڑہ ہی میں قیام فرمائیں۔ اور منتخب سپاہیوں کی ایک جرار فوج ملک ظہیرالدین کی ماتحتی میں اسی زمانۂ برسات میں لکھنوتی روانہ کردیجائے۔ تاکہ یہ جانباز لشکر نواح بنگالہ کے تمام فتنوں کو فرو کرکے اُس ملک میں اپنی حکومت کو پائدار کردے جب شاہزادۂ ارکلی خاں اپنی فوج کے ساتھ دہلی سے کوچ کرے اور اس فوج پر حملہ آور ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ بے لڑے کام نہیں چلتا تو ستارۂ سہیل کے طلوع کے بعد جب کہ دریا کا پاٹ بالکل کم ہو جاتا ہے ہم بھی دریا کے پار اتر کے فوراً لکھنوتی اور بنگالہ پہنچ جائیں اور ارکلی خاں کے مقابلے میں صف آرا ہوں۔ علاءالدین نے امیروں کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ علاءالدین ظہیرالدین کی روانگی کی تیاریوں میں مصروف ہی تھا کہ اس نے سنا کہ ملکۂ جہاں نے بلا مشورہ امیروں اور ارکان دولت کے جلال الدین کے چھوٹے بیٹے شاہزادۂ قدر خاں کو سلطان رکن الدین ابراہیم شاہ کا خطاب دے کر دہلی کے تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ ملکۂ جہاں کی اس ناعاقبت اندیشی سے تمام امیر اور ارکان دولت اُس سے بددل ہو گئے ہیں۔ بلکہ اکثروں نے اُس کے خلاف ریشہ دوانیاں بھی شروع کردی ہیں اس خبر کے سنتے ہی علاءالدین نے اپنی رائے بدل دی اور تمام ہندوستان پر حکمراں ہونے کا سودا اُس کے سر میں سمایا۔ اپنے پائے تخت کے تمام نواح واطراف پر قبضہ کرکے علاءالدین نے اپنے مقرب درباریوں کو خطابات سے سرفراز فرمایا۔ الماس بیگ کو الغ خاں اور ملک نصرت جالیسری کو نصرت خاں اور ملک ظہیرالدین کو ظفر خاں کے معزز خطابات دیئے۔ علاءالدین نے اپنے سالے سنجر کو جو اُس کی مجلس کا امیر تھا الپ خاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور اپنے دوسرے حاشیہ نشینوں کو جو امیر نہ تھے امارت کے مرتبے تک پہنچایا۔ ان کے علاوہ اور باقیماندہ امیروں کے مرتبے اور جاگیر میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ علاءالدین نے امرا کی حوصلہ افزائی

کرنے کے بعد اپنے لیئے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اور دیوگڑھ کے خزانوں کو ہمراہ لے کر عین برسات کے موسم میں کڑہ سے دہلی روانہ ہوا۔ بادشاہ نے اس سفر میں داد و دہش کی بوچھار کردی۔ اور ہر روز بارگاہ میں بیٹھ کر نصرت خاں کی رائے کے موافق خاص و عام سب کو حاضری کا موقعہ دیتا تھا۔ اس زمانے میں علاء الدین کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اشرفیوں کی تھیلیاں اور بیش قیمت اونٹوں کی قطار کی قطار چیزوں سے لدی ہوئی لوگوں کو تحفے دیتا تھا۔ اور کرم و بخشش میں کسی طرح کی کمی نہ کرتا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ شاہی سراپردے کے قریب ایک مختصر ترازو نصب کردی گئی تھی اور پانچ من اشرفیاں اور روپے تول کر صبح و شام لوگوں کو تقسیم کیئے جاتے تھے۔ علاء الدین کی اس بخشش کی خبر تمام دنیا میں پھیلی اور اطراف و جوانب سے لشکر کے لشکر جانبازوں کے اس کی بارگاہ میں جمع ہونے لگے۔ جب علاء الدین بداؤن پہنچا تو سلطان رکن الدین ابراہیم نے بڑی نادانی اور ناتجربہ کاری سے کام لیا۔ ابراہیم خود تو علاء الدین سے لڑنے کے لیئے آگے نہ بڑھا بلکہ اس نے اپنے امیروں اور ارکان دولت کو ایک جرار لشکر کے ساتھ علاء الدین کے مقابلے کے لیئے بھیجا۔ چونکہ ابراہیم شاہ کے امرا اس کی حکومت سے راضی نہ تھے یہ امیر علاء الدین سے جا ملے۔ اور علائی بخشش و کرم سے سرفراز ہو کر اسی کا کلمہ پڑھنے لگے۔ اب علاء الدین کے لشکر میں ساٹھ ہزار سواروں کا اور اضافہ ہوگیا۔ اور اس نے بداؤن سے بھی قدم آگے بڑھایا۔

ملکہ جہاں نے یہ خبر سن کر مضطربانہ ایک شخص کو ملتان بھیجکر ارکلی خاں کو معہ لغو خاں کے طلب کیا۔ ارکلی خاں نے جواب دیا کہ تیر کمان سے نکل چکا۔ اور لشکر دشمن سے جا ملا ہے اور خزانے میں اتنا روپیہ نہیں کہ سپاہیوں کو چھ مہینے کی تنخواہ پیشگی دی جائے ایسی حالت میں میرے آنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ علاء الدین نے یہ خبر سنتے ہی دہلی پہنچنے میں تعجیل کی۔ اور بلا تامل دریائے جمنا کے پار اتر کے باغ جود والے دروازے کے سامنے باغ اور دریا کے بیچ میں جو میدان پڑتا تھا وہاں خیمہ زن ہوا۔ سلطان ابراہیم رکن الدین نے اس کم سنی کی قید میں پھڑپھڑانا شروع کیا اور مضطربانہ اپنے لشکر کو ہمراہ لے کر علاء الدین کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ جب رکن الدین نے اپنے کو علاء الدین کا حریف مقابل نہ پایا تو ناچار میدان جنگ سے

لوٹا۔ اور دہلی میں شہر بند ہو گیا۔ اُسی رات اکثر اُمرائے جلالی اس سے جدا ہو کر
علاء الدین سے جا ملے۔ اب رکن الدین نے فرار ہی میں جان کی خیر دیکھی اور تھوڑا
روپیہ خزانے سے لیا اور ماں اور بیبیوں کو ہمراہ لے کر ملک رجب اور ملک احمد حبیب
اور ملک قطب علوی اور امیر جلال تلنگانی کے ساتھ ملتان روانہ ہوا۔ علاء الدین
نے سیری کے جنگل ہی میں قیام کر کے اُسے لشکر گاہ بنایا۔ رکن الدین کے فرار ہونے
کے بعد شہر کے وضیع و شریف علاء الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خطبہ اور
اس کے نام کا سکّہ جاری کر کے تمام مراسم شاہانہ بجا لائے۔ آخر ۶۹۶ھ ہجری میں
علاء الدین بڑی شان و شوکت کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا اور اس نے تخت سلطنت
پر جلوس کیا۔ جلوس کے بعد بادشاہ کوشک لعل میں داخل ہوا۔ اور اس کو اپنا
دار الخلافت بنا کر تین دن جشن عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔ رعایا نے بھی شہر میں
آئین بندی کی اور جا بجا عیش و عشرت کی محفلیں گرم ہوئیں۔ ہر گلی کوچے میں شراب
کی سبیل رکھی گئی اور لہو و لعب کا بول بولا ہوا۔ بادشاہ نے بھی غرور دولت اور
نشۂ جوانی میں سرشار ہو کر اتنی عیش پرستی کی اور رعایا کو ایسا اپنا گرویدہ بنایا کہ
جلال الدین خلجی کے بے گناہ مارے جانے کا غبار لوگوں کے دلوں سے بالکل جاتا
رہا۔ اس کے بعد علاء الدین نے اپنے اعوان و انصار کو تقویت دینے کی طرف
توجہ کی۔ اور ہر مددگار کو کسی نہ کسی کام اور خطاب سے سرفراز کر کے پرگنوں اور صوبوں
کی تقسیم کی۔ خواجہ خطیر جو نیکی اور پسندیدہ صفتوں میں مشہور تھے وزیر الممالک بنائے
گئے۔ قاضی صدر الدین صاحب کو جو صدر جہاں کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے
منصب قضا و خطابت اور خطاب سید اجل شیخ الاسلام عنایت کیا گیا۔ منصب انشاء
عمدۃ الملک ملک حمید الدین اور ملک اعز الدین کے سپرد کیا گیا اور چونکہ ملک اعز الدین
ظاہری اور باطنی خوبیوں کے جامع تھے بادشاہ نے انھیں خاص مقربوں میں بھی
داخل کیا۔ نصرت خاں جو نائب ملک تھا کوتوال شہر مقرر کیا گیا۔ اور ملک فخر الدین کوچی
داد بیگی ظفر خاں عارض ممالک۔ ملک ابو جلال الدین آخور بیگ اور ملک برن نائب باربک
بنائے گئے۔ اور ملک علاء الدین عم ضیائے برنی جاگیردار کڑہ اور اودھ اور ملک جونا نائب
وکیلدار مقرر ہوئے اور ضیاء برنی کے والد موید الملک کو نیابت اور خواجگی قصبۂ برن

کی عنایت کی گئی۔ علاء الدین نے اوقاف کی آمدنی اہل استحقاق کو دے کر انھیں بھی راضی کیا۔ اور تمام ملازمین شاہی کو چھ مہینے کی پیشگی تنخواہ کے علاوہ دوسرے انعامات سے بھی خوش کیا۔ اس کے بعد علاء الدین نے سلطان جلال الدین کی اولاد کی تباہی اور بربادی پر توجہ کی۔ اور الماس بیگ اور ملک ظفر خاں کو انیس ۱۹ ذالحجہ سنہ جلوس یعنی ۶۹۵ھ کو چالیس ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ ملتان روانہ کیا۔ ان امیروں نے ملتان پہنچکر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ فوج اور اہل ملتان نے دو مہینے کے بعد ارکلی خاں اور شاہزادہ رکن الدین کی رفاقت ترک کی۔ اور علائی امیروں سے جاملے۔ اس واقعے سے ارکلی خاں اور شاہزادہ رکن الدین بحد پریشان ہوئے اور دونوں بھائیوں نے حضرت شیخ رکن الدین کو درمیان میں ڈالا۔ اور الماس بیگ سے قول وقسم لے کر اس سے ملاقات کی۔ الماس بیگ نے ان دونوں بھائیوں کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور اپنے برابر دے کے قریب دونوں بھائیوں کو جگہ دی۔ الماس بیگ نے تیز رو قاصدوں کے ہاتھ فتحنامہ علاء الدین کی خدمت میں روانہ کیا۔ فتحنامہ دہلی پہنچا اور مسجدوں میں ممبر پر پڑھا گیا۔ شہر میں آئین بندی کر کے خوشیاں منائی گئیں۔ فتحنامہ پہنچنے کے بعد الماس بیگ جلالی امیروں اور اس کی اولاد کے ہمراہ دہلی روانہ ہوا۔ راستے میں ملک نصرت خاں کوتوال جو دہلی سے مقرر کر کے روانہ کیا گیا تھا الماس بیگ سے ملا۔ اور جلال الدین خلجی کے بیٹوں اور اس کے داماد یعنی الغو خاں نبیرۂ چنگیز خاں کی آنکھ میں اُس نے لوہے کی سلائی پھیری۔ ملک احمد حبیب نائب امیر حاجب بھی نابینا کیا گیا اور ملک نصرت نے تمام اسباب اور مال پر قبضہ کرلیا۔ ملک نصرت نے جلال الدین کے دونوں مظلوم بیٹوں کو ہانسی کے قلعے میں نظر بند کر کے ارکلی خاں کے دو بیٹوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا اور ملک احمد حبیب اور سلطان جلال الدین کی بیگموں اور اس کی بہوؤں کو مع ملکۂ جہاں کے دہلی لایا اور اُن کو بھی نظر بند کر دیا۔ سنہ جلوس کے دوسرے سال ملک نصرت خاں وزیر مقرر ہوا۔ وزارت کے پاتے ہی ملک نصرت نے اُس مال و اسباب کو لوگوں سے واپس لینا شروع کیا جو علاء الدین نے ابتدائی حکومت کے زمانے میں محض مصلحت وقت کے لحاظ سے راستے میں جلالی امیروں کو تقسیم کیا تھا۔ یہ بازگرفتہ مال خزانۂ شاہی میں جمع کر دیا گیا۔ ملک علاء الدین کڑہ سے تمام مال و خزانہ لے کر دہلی آیا۔ اور علاء الملک کے خطاب سے سرفراز ہو کر

دہلی کا کوتوال مقرر کیا گیا۔ اسی سال دوا خاں حاکم ماوراء النہر نے ایک لاکھ مغلوں کو ہندوستان کی مہم پر منتخب کرکے ممالک پنجاب اور لاہور کی تسخیر کے لیئے انھیں روانہ کیا۔ مغلوں کا لشکر دریائے سندھ کے پار اتر کے لوٹ مار میں مشغول ہوا اور ملک کو بالکل تباہ و برباد کر ڈالا۔ علاء الدین نے اس خبر کے سنتے ہی الماس بیگ اور ظفر خاں کو ایک جرّار لشکر کے ہمراہ مغلوں کی سرکوبی کے لیئے روانہ کیا۔ حدود لاہور میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور ایک خونریز معرکے کے بعد مغلوں کو شکست ہوئی۔ قریب بارہ ہزار مغل مقتول ہوئے اور بہت سے ان کے امیر و افسر نظر بند کیئے گئے۔ قیدی مغل امیر بھی بدترین سزا کے ذریعہ سے فنا کیئے گئے۔ اور الغ خاں نے اُن امیروں کے سر اور اُن کے اسیر کردہ زن و فرزندوں کو دہلی روانہ کیا۔ جلال الدین کی اولاد اور اس کے بہی خواہوں کی گرفتاری اور مغلوں کی شکست نے علاء الدین کی شوکت اور حشمت کا سکہ دلوں پر اچھی طرح بٹھا دیا۔ اطراف و جوانب کے امیر و حکام اس کے نام سے کانپنے لگے۔ اور اس کا لشکر جدھر رخ کرتا تھا فتح و نصرت اس کا ساتھ دیتی تھی۔ اس واقعے کے بعد علاء الدین نے اپنے بھائی الغ خاں کے مشورے سے ان امیروں کی خبر لی جنھوں نے دنیاوی طمع سے جلال الدین خلجی کی اولاد سے بے وفائیاں کرکے اپنی دنیا اور آخرت دونوں تباہ و برباد کر دی تھی۔ علاء الدین نے ان تمام بے وفا امیروں کو گرفتار کرکے بعضوں کی آنکھوں میں لوہے کی سلائی پھیری اور بعضوں کو مختلف قلعوں میں نظر بند کرکے ان کے تمام مال و دولت پر قبضہ کرکے قریب ایک کروڑ روپیے کے خزانہ میں جمع کیا۔ اور ان کے خاندانوں کے چراغ گل کر دیئے گئے۔ جلالی اُمرا میں ملک قطب الدین علوی۔ ملک نصیر الدین شحنہ پیل اور ملک امیر جلال نے چونکہ جلال الدین خلجی کی اولاد کے ساتھ برائی نہ کی تھی اور علاء الدین سے کوئی صلہ بھی نہ لیا تھا اس لیئے مذکورۂ بالا امرا علائی سیاست سے محفوظ اور تمام عمر صاحب عزت و جاہ رہے۔

اوائل سنہ ۶۹۷ھ میں علاء الدین نے الماس بیگ اور نصرت خاں کو دوسرے دارالخلافت کے امیروں اور سندھی فوج کے ہمراہ گجرات کی مہم پر روانہ کیا۔ ان امیروں نے نہروالا اور تمام گجرات کو غارت کرکے اس ملک کو فتح کیا۔ نہروالے کے حاکم مسمی

رائے کرن نے رام دیو والی دکن کے پاس پناہ لی۔ تھوڑے دنوں کے بعد رائے کرن گجرات کے ایک متعلقہ صوبہ بگلانہ میں جو سرحد دکن پر واقع ہے رام دیو کی مدد سے مقیم ہوا۔ شاہی امیروں نے رائے کرن کی رانیوں پر جن میں سر بر آوردہ کنولا دیبی تھی اور نیز اس کے خزانے اور ہاتھیوں پر اپنا قبضہ کیا۔ مسلمانوں نے اس بت کو بھی جو محمود غزنوی کے تباہ کردہ سومنات کا ہم نام اور ہم مرتبہ خیال کیا جاتا تھا گجرات سے اٹھوا کر دہلی روانہ کیا۔ یہ بت راہ گیروں کے پیروں کے نیچے پامال ہوا۔ ملک نصرت خاں نے گجرات سے کنبایت کا سفر کیا اور وہاں کے باشندوں سے بے شمار مال و جواہر حاصل کیا۔ نصرت خاں نے ملک کافور ہزار دیناری کو جسے آخر میں علاء الدین نے نائب ملک بنا کر ملک نائب کے خطاب سے سرفراز کیا اس کے مالک سے بہ جبر چھین لیا اس کے بعد الماس بیگ اور ملک نصرت نے گجرات کے تباہ کردہ شہر کو چند معتبر امیروں کے سپرد کیا اور خود بے شمار مال غنیمت ہمراہ لے کر دہلی واپس چلے۔ جب یہ امیر قلعہ جالور کے نواح میں پہنچے تو انھوں نے اپنے لشکریوں سے غنیمت کا خمس لینے پر سخت بازپرس کی جب علائی امیروں کی زیادہ طلبی حد سے گزر گئی تو اس سختی سے بعض نو مسلم مغل جن کا سردار محمد شاہ تھا دوسرے ہم خیال لشکریوں سے متفق ہو گئے اور انھوں نے اچھی خاصی جمعیت بہم پہنچا کر ملک نصرت اور الماس بیگ کے بھائی اعزالدین پر حملہ کیا۔ مغلوں نے اعزالدین کو قتل کر کے الماس بیگ کے خیمہ کی راہ لی چونکہ الماس بیگ کا وقت نہ آیا تھا وہ دوسری طرف سے خیمے کے باہر نکل گیا۔ اور پیادہ نصرت خاں کے خیمے کی طرف دوڑا۔ باغیوں نے علاء الدین کے بھانجے کو الماس بیگ سمجھ کر قتل کیا۔ ملک نصرت خاں نے اسی وقت نقارۂ جنگ بجوایا۔ اہل لشکر نقارہ کی آواز سن کر سمجھے کہ ملک جالور کے راجہ یا کسی دوسرے غنیم نے حملہ کر دیا ہے۔ اور جلد سے جلد تیار ہو کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ سپاہیوں کے گروہ کے گروہ نصرت خاں کے خیمے کی طرف مفسدوں کے دفع کرنے کے لیے دوڑے باغیوں نے راہ فرار اختیار کی اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ ان باغیوں نے ملک نصرت اور الماس بیگ کے تعاقب سے تنگ آکر چند روز کے بعد تھہور رائے حاکم اجمیر کے پڑوتے ہمیر دیو والی رنتھنبور کے دامن میں پناہ لی۔ الماس بیگ اور نصرت خاں نے بھی ان باغیوں کے تعاقب سے ہاتھ اٹھایا

اور مال غنیمت اور ہاتھیوں اور قیدیوں کو لے کر دہلی پہنچے۔ علاء الدین کنولا دیی کو جو
صورت اور سیرت کے حسن و خوبی کے علاوہ دلربایانہ حرکات اور شیریں کلامی میں بھی
شہرۂ آفاق تھی مسلمان کرکے عقد نکاح میں لایا۔ کافور ہزار دیناری بادشاہ کا منظور نظر
ہوا۔ بادشاہ اس غلام کا ایسا شیدا اور اس کی محبت میں ایسا وارفتہ ہوا کہ کافور کے
سامنے دنیا و دین کی کسی چیز کی اس کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہ رہی۔ اور اس غلام
کے عشق میں عقل و دین کسی کا بھی اسے پاس و لحاظ نہ رہا۔ علاء الدین خلجی نے جالور کے
فتنہ پرداز دنکی اولاد اور ان کے تابعین کو بھی گرفتار کرکے سیاست کے لیئے ملک نصرت خاں
کے حوالے کیا ملک نصرت خاں نے ان لوگوں سے انتقام لینے کے واسطے جنھوں نے اس
کے بھائی کے قتل میں کوشش کی تھی ان کی عورتوں اور شیر خوار بچوں کو خاکروبوں کے سپرد
کردیا۔ اور اس کے حکم سے یہ دودھ پیتے بچے اپنی ماؤں اور بہنوں کے سروں پر جیسے پتھر
پر گرز مارا جاتا ہے اس وقت تک مارے گئے کہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح پاش پاش ہوکر
ہلاک ہوگئے۔ اس سیاست کے بعد ان عورتوں کو بازار کے چاروں طرف رسوا کرکے
ہندوؤں کو بخش دیا۔ مذکورۂ بالا علائی سیاست کے قبل دہلی میں یہ رسم نہ تھی۔ کہ خطاکاروں
کے بدلے ان کے متعلقین کو سزا دی جائے۔ اسی سال جب کہ دہلی کا لشکر گجرات کے
فتح کرنے میں مشغول تھا چلدی نام ایک مغل نے اپنے بھائی کو ساتھ لے کر قلعہ سیوستان
پر قبضہ کرلیا تھا۔ ظفر خاں بڑی شان و شوکت کے ساتھ چلدی کی سرکوبی کے لیئے روانہ
کیا گیا۔ ظفر خاں نے سیستان کا محاصرہ کیا اور تھوڑے زمانے میں سیستان فتح کرکے
چلدی اور اس کے بھائی اور اس کے دوسرے حاشیہ نشینوں کو جن کی تعداد علاوہ عورتوں
اور بچوں کے ایک ہزار سات سو تھی پابہ زنجیر دہلی روانہ کیا۔ اور خود بھی جلد سے جلد
دار الخلافت پہنچ گیا۔ اس واقعے سے ظفر خاں کی مردانگی اور دلاوری کا چرچا ہر جگہ ہونے
لگا۔ اور بادشاہ کے دل میں اس کی طرف سے خوف پیدا ہوا۔ اسی سال کے آخری حصے
میں قتلق خواجہ پسر دوا خاں بیس تمن یعنی دو لاکھ مغل سواروں کے ساتھ ہندوستان
فتح کرنے کے لیئے ماوراء النہر پہنچا۔ قتلق نے دریائے سندھ کے پار اتر کے ان قصبوں اور
قریوں کو جو سر راہ آباد تھے اپنی ملک سمجھ کر ان سے کچھ تعرض نہ کیا اور سفر کی منزلیں طے
کرتا ہوا دریائے جمنا کے کنارے فروکش ہوا۔ قتلق نے دہلی کا محاصرہ کیا۔ چونکہ بہت سے

بندگان خدا مغلوں سے خوف زدہ ہو کر شہر اور دوسرے قصبات و دیہات اور اطراف و جوانب سے بھاگ کر دہلی میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ اس لیئے دار الخلافت میں اتنا ہجوم ہو گیا کہ مسجدوں اور گلی کوچوں میں تل رکھنے کی جگہ بھی باقی نہ رہی۔ اہل شہر اس مجمع سے تنگ آگئے اور آمد و شد اور رسد رسانی کی راہیں بالکل بند ہو گئیں۔ شہر میں گرانی بڑھ گئی۔ اور رعایا کا حال تباہ ہونے لگا۔ علاء الدین خلجی نے امیروں اور ارکان دولت کو طلب کر کے اپنے لشکر کی قوت کا اندازہ کیا۔ اگرچہ بعض امیروں نے معرکہ آرائی سے منع کیا۔ اور سپاہ ہندوستان کی کمزوری کو معقول طرح پر بیان کر کے کنایتہً یہ بھی کہا کہ لڑائی میں فتح اور شکست دونوں ممکن ہیں لیکن علاء الدین نے ان امیروں کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ شاہان نامدار کو جنگ وجدال سے ڈرنا سزاوار نہیں ہے۔ علاء الدین نے شہر اور اپنے حرم و خزانہ کی حفاظت عمدۃ الملک کوتوال کے سپرد کی اور سوا بداؤں دروازے کے شہر کے تمام راستے بند کرا دیئے۔ اور صحیح روایت کے مطابق تین لاکھ سوار اور دو ہزار سات سکو ہاتھیوں کی جمعیت سے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ شہر سے باہر نکلا۔ کیلی کے میدان میں طرفین نے طبل جنگ بجوائے۔ ہر فریق نے اپنی صفیں درست کیں اور جان دینے کے لیئے تیار ہوئے۔ اسلامی حکومت کے آغاز سے تصنیف کتاب کے زمانے تک جو ۱۰۱۵ھ ہے ایسے دو جرار لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں کبھی صف آرا نہیں ہوئے۔ الغرض سکندر ثانی نے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ میمنے پر اس زمانے کے مشہور بہادر اور دشمن کش جوان اور سمانہ پنجاب اور ملتان کے جاگیردار ملک ہزبر الدین ظفر خاں کو مقرر کیا۔ اور میسرہ کو اپنے بھائیوں یعنی الماس بیگ اور رکن خاں کی نگرانی سے مستحکم اور مضبوط کیا اور خود ملک نصرت خاں اور بارہ ہزار بے مثل اور بہادر سواروں اور بکثیر مست ہاتھیوں کے ساتھ قلب لشکر میں کھڑا ہوا۔ ان کے علاوہ بادشاہ نے اپنے ہر سردار کو مناسب جگہ پر متعین کیا۔ ملک ہزبر الدین ظفر خاں نے اپنے مقابل کی مغلوں کو مست ہاتھیوں اور تلواروں کی ضرب سے زیر و زبر کر کے دوسرے علائی امیروں کے مد مقابل گروہ پر بھی حملہ کیا ظفر خاں کے اس بہادرانہ حملے سے دوسری صفیں بھی ایسی درہم برہم ہوئیں کہ مغلوں کے کشتوں سے میدان جنگ بالکل پٹ گیا۔

ظفر خاں کی مردانگی سے مغلوں کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔ اور سپاہی لڑائی سے منہ موڑنے لگے۔ ظفر خاں نے اٹھارہ کوس تک مغلوں کا پیچھا کیا چونکہ الماس بیگ ظفر خاں کا دشمن تھا اس نے ظفر خاں کا ساتھ نہ دیا۔ اور اُسے تنہا چھوڑ دیا۔ ایک ترک جو مغلوں کے میسرہ کا سردار تھا کمین گاہ میں چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ اس ترک نے دیکھا کہ ظفر خاں تنہا آرہا ہے اور اس کے پیچھے فوج اس کی مدد کے لیئے نہیں ہے۔ ترک یہ دیکھتے ہی کمین گاہ سے نکلا اور ظفر خاں کے پیچھے سے حملہ آور ہو کر ترک نے اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ ظفر خاں پیادہ پا ہو گیا اور تیروں سے دشمنوں کو دفع اور قتل کرنے لگا۔ قتلو خواجہ نے ظفر خاں کو پیغام دیا کہ تیر کو ترکش میں رکھ اور میرے پاس آتا کہ میں تجھے تیرے موجودہ مرتبے سے زیادہ بلند عہدہ عطا کروں۔ ظفر خاں نے اس پیغام پر کچھ التفات نہ کی اور اسی طرح تیر اندازی میں مشغول رہا۔ قتلو خواجہ نے ظفر خاں کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن مغل سردار اس کوشش میں بھی ناکام رہا۔ آخر کار قتلو کے حکم سے مغلوں نے تیروں سے ظفر خاں کو ہلاک کر ڈالا۔ ظفر خاں کے ساتھ اس کے چند امیر اور بھی مغلوں کی تلوار کا لقمۂ اجل بنے۔ قتلو خواجہ نے اس روز ہندیوں کی نبرد آزمائی سے خائف ہو کر تیس کوس تک دم نہ لیا۔ اور وہاں سے منزل بمنزل سفر کرتا ہوا اپنے ملک میں پہنچا۔ ظفر خاں کی شجاعت مغلوں میں یہاں تک ضرب المثل ہو گئی کہ اگر کسی مغل سپاہی کا گھوڑا پانی نہ پیتا تھا تو مغل گھوڑے سے کہتے تھے کہ کیا تو نے ظفر خاں کو دیکھ لیا ہے علاءالدین خلجی جو ظفر خاں کی مردانگی اور شجاعت سے اس کی طرف سے بدگمان ہو چکا تھا اس کی موت کو ایک دوسری فتح سمجھا۔ بادشاہ کیلی سے دہلی آیا اور جشن کی مجلسیں منعقد کر کے عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔ علاءالدین نے اپنے اُن امیروں کو جو مردانگی کے ساتھ مغلوں سے لڑے تھے خلعت اور منصب سے سرفراز کیا۔ اور ایک امیر کو جو لشکر سے بھاگ کر دہلی میں چھپ رہا تھا گدھے پر سوار کرا کے تمام شہر کے صدقے کرایا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ سنہ جلوس سے تین سال کے اندر اکثر بادشاہی منصوبوں میں کامیابی ہوئی۔ اور گجرات کا ملک قبضہ میں آگیا۔ اور کثرت حرم کی وجہ سے شاہی نسل میں بھی بڑا اضافہ ہو گیا۔ اور سارا ملک مدعی اور مخالف کے وجود سے پاک و صاف ہو گیا

علاء الدین کے دل میں بھی طرح طرح کے خیالات اور وسوسے پیدا ہونے لگے۔ منجملہ ان وساوس کے ایک خطرہ یہ تھا کہ جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوت اور شوکت سے شریعت قائم کی اور آپ کے چاروں خلفا سے وہ مستحکم ہوئی اگر میں بھی اپنے چاروں رفیق یعنی الماس بیگ الغ خاں ملک ہزبرالدین ظفر خاں۔ ملک نصرت خاں اور سنجر الپ خاں کی قوت سے نیا مذہب اختیار کروں تو میرا نام قیامت تک دنیا میں باقی رہے۔ بادشاہ اپنے اس خبط کا اکثر مجلس شراب میں ذکر کیا کرتا تھا اور اپنے حاشیہ نشینوں سے پوچھتا تھا کہ کون سی راہ ایسی اختیار کرنی چاہیئے کہ یہ دین محدث اہل علم کے حلقے میں رواج و اعتبار پیدا کرے۔ علاء الدین کا دوسرا خیال یہ تھا کہ چونکہ شاہی خزانہ معمور ہے اور ہاتھی اور گھوڑے بے شمار موجود ہیں ایسی حالت میں چاہئے کہ علاء الدین دہلی کو کسی معتبر امیر کے سپرد کر کے خود سکندر کی طرح جہاں کشائی اور ملک گیری کرے۔ سب سے پہلے خراساں۔ ماوراءالنہر اور ترکستان کو فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو اپنے مذہب میں داخل کرے اس کے بعد جہاں گیری کا سلسلہ آگے بڑھائے اور روم فارس عراق عرب۔ عجم۔ شام۔ فرنگستان اور حبش وغیرہ ملکوں کو بھی زیر نگیں کر کے وہاں بھی اپنی جدید شریعت کو رواج دے اور سکندر کی طرح اپنی جہاں داری کا ڈنکا بجائے۔ علاء الدین جب اپنے اوہام کا ارکان دولت سے ذکر کرتا تھا تو چونکہ امیر اُس کی سخت گیری اور بدمزاجی سے واقف تھے اُس کی خواہش کے موافق جواب دیتے تھے یہاں تک کہ بادشاہ کو اتنی بڑی فتح نصیب ہوئی اور دو لاکھ خونخوار مغل کہ جن کا قتلو خواجہ جیسا رستم وقت سردار تھا شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگے۔ اس فتح سے علاء الدین کا دماغ عرش پر چڑھ گیا اور غرور و نخوت کی انتہا نہ رہی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُس کے نام کے ساتھ سکندر ثانی کا لقب خطبوں میں اضافہ کیا جائے۔ بادشاہ نے سکوں اور طغروں میں بھی یہ لقب نقش کرا کے جہاں کشائی اور شریعت جدید کے احداث میں اور زیادہ کوششیں شروع کیں۔ چونکہ بادشاہ جاہل محض اور سواد خط سے بھی نا آشنا تھا اور اس کی زندگی کا تمام حصہ ان پڑھ خلجیوں میں بسر ہوا تھا اور طبیعت میں حیوانیت سرایت کر گئی تھی اہل مجلس نے پند و نصیحت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ بعض حاضرین تو اس تذکرے پر دم بخود رہتے

تھے اور بعض شوخ اور بے باک امیر بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے۔ اور باوجود اس کے کہ جانتے تھے کہ بادشاہ کا سودا خیال خام ہے شاہی عزم کی تعریفیں کرکے اُس کی اولوالعزمی کی مثالیں بھی پیش کرتے تھے۔ مسلمان اور بزرگان دین یعنی قدوۃ المحققین حضرت سلطان نظام الدین اولیاؒ وغیرہ اکابر وقت ان تذکروں کو سن کر دل میں رنجیدہ ہوتے تھے۔ اور بادشاہ کے ان شیطانی وسوسوں سے نجات پانے اور دین برحق محمدی پر ثابت قدم رہنے کی خدا سے دعائیں مانگتے تھے ملک علاء الدین المخاطب بہ علاء الملک کوتوال دہلی جو موٹاپے کی وجہ سے صرف ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہی مجرے کے لیئے جاکر مجلس شراب میں شرکت کرتا تھا حسب دستور ایک مرتبہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوکر بادہ نوشی میں شریک ہوا۔ بادشاہ نے اپنی دونوں مہموں کی بابتہ علاء الملک سے مشورہ کیا۔ علاء الملک جو سچا مسلمان اور علم دین سے تھوڑا آشنا تھا اپنے دل میں سوچا کہ اب مرنے کے دن قریب ہیں چند روزہ زندگی کے لیئے بادشاہ کو خوش کرکے اپنے دین وایمان کو تباہ کرنا فضول اور حق کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں۔ بادشاہی خوف سے نہ ڈرنا چاہیے اس لیئے کہ آخر عمر میں شہادت کا مزا چکھنا بھی لطف سے خالی نہیں ہے۔ علاء الملک نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر شراب کو دور اور مجلس کو اغیار سے خالی کر دیا جائے تو فدوی اپنی رائے ناقص کے موافق کچھ عرض کرے۔ اگر میرا معروضہ قبول ہو تو زہے سعادت ورنہ اس بوڑھے غلام کو جس کی عقل روز بروز زوال پذیر ہے معذور و معاف فرمایا جائے۔ بادشاہ نے علاء الملک کی التجا کو قبول فرمایا اور جام وصراحی کو مجلس سے ہٹا دیا۔ اور سوائے ملک الماس بیگ۔ ملک نصرت خاں ملک سنجر الپ خاں اور غازی ملک جونا جو ظفر خاں کا قائم مقام بنایا گیا تھا اور کوئی مجلس میں حاضر نہ رہا۔ ملک علاء الدین نے دست بستہ عرض کیا کہ دین وشریعت کا تعلق انبیا علیہم الصلواۃ والسلام سے ہے اور اُن کی نبوت وحی آسمانی سے وابستہ ہے منصب نبوت حضرت رسالت پناہ محمد عربی صلعم پر ختم ہو چکا ہے اعدائے مذہب کا حال سن کر خاص و عام چھوٹے اور بڑے سب آپ سے ضرور متنفر ہو جائینگے اور سلطنت میں فساد عظیم برپا ہو جائیگا مصلحت وقت یہی ہے کہ بادشاہ اس قسم کا خیال دل میں نہ لائیں کہ اب انسان کے لیئے اس منصب عظیم کا حاصل کرنا دشوار ہے۔ بادشاہ کو معلوم ہے کہ چنگیز خاں اور

اس کی اولاد نے برسوں کوشش کی کہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹا کر اپنے دین کو جو ہزارہا سال سے ترکستان میں رائج تھا جاری کریں اور اسی خیال سے انھوں نے لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ لیکن ان کی کوشش بار آور نہ ہوئی۔ اور آخر کار دین اسلام کی حقیقت اور استواری نے خود ان دشمنان اسلام کے دلوں میں جگہ کی اور ساری قوم مسلمان ہو کر اعلام دین کے لیئے غیر مسلموں کے مقابلے میں بارہا صف آرا ہوئی علاء الدین نے کوتوال کی تقریر سن کر سکوت کیا اور بڑے غور کے بعد اس سے کہا کہ جو کچھ تو نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ انشاء اللہ آئندہ سے میں کبھی یہ بات نہ کہوں گا۔ لیکن میری دوسری مہم کی بابت تیری کیا رائے ہے؟ علاء الملک نے کہا کہ بادشاہ کا دوسرا خیال بالکل صحیح ہے اس لیئے کہ جو مہم اپنی بلند ہمتی سے بادشاہ کے پیش نظر ہے اس پر اکثر جہانداران سابق نے بھی غور کیا ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ بادشاہ کے لیئے اپنی ذاتی قوت و مردانگی اور خزانہ اور لشکر کی مدد سے ہفت اقلیم کو مسخر کرنا دشوار نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جس وقت بادشاہ پائے خلافت کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں پر حملہ آور ہوگا اور عرصۂ دراز تک بیگانہ ممالک میں قیام کرے گا اس وقت وہ کونسا ایسا معتمد امیر ہے جو بادشاہ کی عدم موجودگی میں نیابت کا کام انجام دے گا۔ اس کے علاوہ کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد جب بادشاہ اس میں اپنا نائب مقرر کرکے دہلی یا کسی دوسرے ملک کا رخ کرے گا تو کیا خبر ہے کہ مفتوحہ ملک کا فرمانروا بادشاہ کی عدم موجودگی میں ہمیشہ پائے خلافت کا مطیع اور فرمانبردار ہی رہے گا اس لیئے کہ اس پر آشوب زمانے کو سکندر کا عہد نہ سمجھنا چاہیئے۔ سکندر کے عہد میں عہد شکنی اور غداری و مکاری کا بہت کم وجود تھا اور اس زمانے کے لوگ صدہا برس گزرنے پر بھی بالحاظ قرب و بعد جس بات کا عہد کر لیتے تھے ہر حال میں اس کے پابند رہتے تھے۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ خوش قسمتی سے سکندر کو ارسطو سا حکیم و مشیر و وزیر مل گیا تھا۔ ارسطو ہی کی صائب آرا اور عاقلانہ تدبیروں کے برکات تھے کہ مملکت روم سی وسیع سلطنت کے تمام باشندے سکندر سے ہمیشہ خوش اور اس کے مطیع و فرمانبردار رہے اور دوسرے ملکوں کی فتح کا سلسلہ بھی جاری رہا اور بتیس[۳۲] سال سکندر کی عدم موجودگی سے نظام سلطنت میں کوئی خلل واقع نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ جب سکندر نے تسخیر عالم کی مہم سے فراغت

پائی اور اپنے پائے خلافت کو پہنچا تو اُس نے ملک کے ہر شخص کو اپنا سچا اطاعتگزار اور بہی خواہ پایا۔ اگر ہمارا بادشاہ بھی اپنے امیروں اور اپنی رعایا پر دہی بھروسا رکھتا ہے جو سکندر اپنے بہی خواہوں پر رکھتا تھا تو بادشاہ کا یہ ارادہ بالکل صحیح ہے اور اُس کی مخالفت عقل و دانش سے قطعاً بعید ہے۔ علاء الدین نے اپنے ہم نام امیر کی تقریر سن کر کہا کہ اگر میں تیری پیش کردہ رکاوٹوں کا لحاظ کرکے اپنا عزم جہاں کشائی فسخ کردوں اور صرف دہلی کی بادشاہت پر قناعت کرکے بیٹھ رہوں تو یہ خدم و حشم اور یہ معمور خزانے اور دفینے کس کام آئیں گے اور میری عالم ستانی کی تمنا کیونکر بر آئے گی۔ علاء الملک نے کہا کہ اس وقت دو مہم ایسی بادشاہ کے پیش نظر ہیں کہ تمام اندوختہ خزانہ ان مہموں کے سر کرنے میں صرف ہو جانا ممکن ہے۔ پہلی مہم سے سرحد ہندوستان کے بعض شہروں کی تسخیر مراد ہے جو بلاد جنوب میں رنتھنبور، جالور اور چندیری کی فتح سے اور مشرق میں دریائے سندھ تک اور شمال میں لقمان اور کابل تک کے سر کرنے سے پوری ہو سکتی ہے۔ اگر یہ مقامات جو سرکشوں اور چوروں کے مامن ہیں فتح ہو جائیں تو ہندوستان تمام فتنہ و فساد سے پاک و صاف ہو جائے گا۔ دوسری مہم مغلوں کا سدباب ہے۔ بادشاہ کو چاہیے کہ دیپالپور و ملتان جیسے سرحدی شہروں کے قلعے جو مغلوں کے سیلاب تاراج کا سد راہ ہیں انھیں مضبوط اور مستحکم کرلے اور ہر وقت اُن کی نگہداشت کرتا رہے۔ ان دونوں مہموں سے فارغ ہو کر بادشاہ اطمینان سے پائے خلافت میں حکمرانی فرمائے اور معتمد امیروں کو جرار لشکر کے ساتھ ہر چہار سمت روانہ کرے تاکہ شاہی امیر دور دراز ملکوں کو فتح کرکے اپنے بادشاہ کا آوازۂ جہاں کشائی تمام عالم میں بلند کریں اور یہ تمام باتیں اسی وقت ممکن ہیں کہ بادشاہ بادہ نوشی عیش پرستی اور سیر و شکار کو کم کرکے خود ان باتوں کا نگران کار رہے۔ علاء الدین خلجی نے اپنے اس تجربہ کار امیر کی تقریر سن کر اس کی صائب رائے اور حسن تدبیر کی بےحد تعریف کی۔ اور جامۂ زر دوزی جس پر شیر کی صورتیں منقش تھیں اور دس ہزار تنکہ اور دو مرصع زین و لگام کے گھوڑے بطور انعام مرحمت کئے حاضرین بھی علاء الملک کی تقریر سے بےحد خوش ہوئے اور ہر امیر نے ہزاروں تنکے اور دو گھوڑے علاء الملک کو دئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے بھی علاء الملک کے حق میں دعائے خیر کی٭

سنہ ۶۹۹ھ میں علاء الدین نے علاء الملک کوتوال کی رائے کے موافق راجگان اور زمینداران ہندوستان کے مقابلے میں تلوار اٹھائی۔ علاء الدین نے الماس بیگ حاکم سمانہ اور نصرت خاں حاکم کڑہ کو دہلی میں طلب کیا۔ اور ان دونوں امیروں کو ایک جرار لشکر کے ساتھ قلعۂ رنتھنبور سر کرنے کے لیئے روانہ کیا۔ راجہ رنتھنبور دہلی کے قدیم راجہ کی نسل سے تھا اور دکن میں استقلال کے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا۔ ان امیروں نے پہلے جہائن کا قلعہ سر کیا۔ اور اس کے بعد رنتھنبور پر لشکر کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ ایک دن ملک نصرت خاں حصار کے قریب جا کر دمدمہ بنانے کا بند و بست کرنے لگا ناگاہ منجنیق کا ایک پتھر حصار کے اندر سے آکر نصرت خاں کے لگا۔ اس پتھر سے نصرت خاں کے زیادہ ضرب نہیں آئی۔ اور دو تین روز کے بعد اس حصار کو فتح کر لیا ہمیر دیو راجہ رنتھنبور موقعہ پا کر دو لاکھ سواروں کی جمعیت سے مقابلے کے لیئے قلعے سے نکلا۔ الماس بیگ نے اس سے لڑنا مناسب نہ سمجھا اور محاصرے سے دست بردار ہو کر قلعۂ جہائن میں مقیم ہوا۔ الماس بیگ نے ان تمام حالات کی اطلاع علاء الدین کو دی علاء الدین نے الماس بیگ کا خط پاتے ہی غیظ و غضب کی حالت میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ دہلی سے جہائن کا سفر کیا۔ جب علاء الدین تلپت پہنچا تو چند روز وہاں قیام کیا۔ بادشاہ کا معمول تھا کہ ہر روز جنگل میں جا کر قمرغہ[1] میں شکار کرتا۔ علاء الدین ایک دن عادت کے موافق شکار کو گیا ہوا تھا۔ بادشاہ رات کو حسب معمول لشکر میں واپس نہ آیا۔ اور شکارگاہ میں شب باش ہوا۔ دوسرے دن آفتاب نکلنے سے قبل ہی علاء الدین نے حکم دیا کہ تمام لوگ قمرغہ کے اندر شکار میں مصروف ہوں۔ اور خود چند آدمیوں کے ہمراہ ایک بلند مقام پر بیٹھا کہ قمرغہ تیار ہونے پر شکار کھیلے۔ ناگاہ سلیمان شاہ جو علاء الدین کا بھتیجا اور اکت خاں کے خطاب اور وکیل در کا عہدہ رکھتا تھا سوچنے لگا کہ وہ بھی کیوں نہ اپنے چچا کو اسی طرح موت کے گھاٹ اتار کر تخت نشین ہو جس طرح کہ علاء الدین نے اپنے چچا جلال الدین خلجی کو تہ تیغ کر کے سلطنت حاصل کی۔ یہ سوچکر

[1] قمرغہ اس شکارگاہ کو کہتے ہیں جس میں امرا و سلاطین ایک بڑے احاطے میں ہرن اور جنگلی وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں۔

سلیمان اپنے سو نومسلم قدیم نوکروں کے ہمراہ سیر کرتا ہوا بلندی پر پہنچا۔ اور اس نے مع اپنے ہمراہیوں کے علاء الدین پر تیروں کی بوچھار کر دی۔ بادشاہ تھوڑی دیر تو تیروں کو دفع کرتا رہا لیکن بازو پر دو زخم کھا کر مردوں کی طرح جان بوجھ کر زمین پر گر پڑا سلیمان شاہ گھوڑے سے اترا اور اُس نے چاہا کہ علاء الدین کا سر قلم کرے کہ پیادوں کی جماعت اس کے گرد جمع ہو گئی اور انھوں نے سلیمان شاہ کی اطاعت کا دم بھرتے ہوئے کہا کہ بادشاہ کا کام تمام ہو چکا ہے اکت خاں نے ان پیادوں کے قول پر اعتماد کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر بارگاہ شاہی میں پہنچا اور تخت حکومت پر بیٹھ گیا اور سارے لشکر میں منادی کرائی کہ میں نے بادشاہ کو قتل کر کے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ لوگوں کو اس منادی کا یقین آگیا اور ہر شخص نے اپنے محل اور مرتبے کے موافق سلیمان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے مبارک باد دی اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی نقیبوں نے مبارک سلامت کا شور بلند کیا۔ اور قاریوں نے قرآن کی تلاوت اور مطربوں نے نغمہ سنجی شروع کی۔ چونکہ اکت خاں ناتجربہ کار اور بے حوصلہ تھا اُس نے چاہا کہ اسی وقت حرم سرا میں داخل ہو۔ خواجہ سراؤں کے سردار ملک دینار حرمی نے جو اپنی جماعت کے ساتھ مسلح دروازے پر بیٹھا تھا اکت خاں کو روکا اور کہا کہ جب تک ہم بادشاہ کا قلم کردہ سر نہ دیکھ لیں گے کسی غیر شخص کو شاہی حرم سرا میں داخل نہ ہونے دیں گے ادھر علاء الدین کو ہوش آیا اُس نے اپنے زخم باندھے۔ اور یہ خیال کر کے کہ سلیمان شاہ نے امیروں کی رائے سے بادشاہ کے قتل کا ارادہ کیا تھا ارادہ کیا کہ پچاس ساٹھ سواروں کی جمعیت سے جو اُس کے پاس تھے الماس بیگ کے پاس جھائن پہنچے۔ اور اُس کی رائے کے موافق کاربند ہو۔ لیکن آستانۂ شاہی کے افسر ملک حمید الدین پسر عمدۃ الملک نے جو اپنے وقت کا بڑا صاحب عقل و دانش تھا بادشاہ کو جھائن کے سفر سے روکا۔ ملک حمید الدین نے کہا کہ بادشاہ کا اس وقت اپنے سراپردہ کی طرف چلنا مناسب ہے چونکہ ابھی اکت خاں کا رنگ جما نہیں ہے اس لئے یقین کامل ہے کہ سپاہی اپنے قدیم مالک کا چتر شاہی دیکھتے ہی ادھر دوڑ پڑیں گے۔ اور اس کا تمام کام درہم و برہم ہو جائے گا۔ اور اگر اس معاملے میں تھوڑی سی تاخیر بھی ہو جائے گی تو پھر معاملہ کا سنبھالنا دشوار ہو جائے گا۔ علاء الدین اُسی وقت سوار ہو گیا اور چتر سفید جو جنگل میں پڑا ہوا

تھا۔ پھر بادشاہ کے سر پر سایہ فگن ہوا۔ بادشاہ بیحد آرام اور آہستگی کے ساتھ اپنے سراپردے
کی طرف چلا۔ جو سوار بادشاہ کو دیکھتا اس کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ یہاں تک بارگاہ شاہی
تک پہنچتے پہنچتے تقریباً پانچ سو سپاہی علاء الدین کے گرد جمع ہو گئے۔ علاء الدین لشکر
کے قریب پہنچکر ایک ٹیلے پر چڑھا اور اپنے چتر سفید کو منظر عام پر نمودار کیا۔ سلیمان شاہ
کی بارگاہ درہم و برہم ہوئی۔ اور تمام لشکر علاء الدین کی طرف دوڑا آیا۔ فیلبان اور
سائیس جنھوں نے ہاتھی اور گھوڑے آراستہ کرکے اکتخاں کی بارگاہ پر حاضر کیئے تھے
علاء الدین کو دیکھتے ہی تمام لوازمۂ شاہی لے کر علائی بارگاہ کو چلے گئے۔ سلیمان شاہ
اپنی تنہائی دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اور اسی پریشانی کے عالم میں سوار ہو کر افغان پور
کی طرف بھاگا۔ علاء الدین بلندی سے نیچے اترا اور اپنی بارگاہ میں تخت پر بیٹھ کر اس نے
دربار عام کیا۔ علاء الدین نے ایک گروہ کو سلیمان شاہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔
ان لوگوں نے اکتخاں کو افغان پور میں پکڑ لیا۔ اور اس کا سر قلم کرکے علاء الدین کی
خدمت میں حاضر کیا۔ اکتخاں کا سر تمام لشکر میں پھرایا گیا۔ اور الغ خاں اور دوسرے
سرداروں کے نام فتح نامے روانہ کیئے گئے۔ علاء الدین نے اکتخاں کے بھائی قتلغ خاں
کو بھی اس کے حاشیہ نشینوں سمیت تلوار کے گھاٹ اتارا۔ زخموں کے بھر جانے کے
بعد علاء الدین تلپت سے رنتھنبور آیا۔ الماس بیگ نے بادشاہ سے ملاقات کی۔
اور علاء الدین کے حکم کے موافق اہل قلعہ پر اور زیادہ تشدد اور سختیاں کرنے لگا۔ راجپوت
قلعے پر سے پتھر اور آگ پھینکتے تھے اور ہر روز بہت سے بندگان خدا کی جانیں لیتے تھے
مسلمان نقب زنی وغیرہ سے اہل قلعہ پر روز بروز سختیوں کا اضافہ کر رہے تھے سرداران لشکر
راجپوتوں کے ملک میں جاکر تاخت و تاراج کرتے تھے اور مسلمانوں کی سختیوں سے
سرکشوں کے دل موم کی طرح پگھلے جاتے تھے۔ جب اس محاصرے کو زیادہ زمانہ گزر گیا
تو امیر عمر اور منکو خاں جو علاء الدین خلجی کے بھانجے اور اودھ اور بداؤن کے جداجدا
حاکم تھے بادشاہ سے باغی ہو گئے۔ عمر اور منکو نے اچھی خاصی جمعیت بہم پہنچائی اور
نافرمانی پر بالکل تل گئے۔ ان کی بغاوت سے فساد کی آگ مشتعل ہوئی۔ اور علاء الدین
نے اس حدود کے امیروں کے نام فرامین جاری کیئے کہ تمام امرا اپنی متفقہ قوت سے
اس فساد کو دفع کریں۔ امیروں نے شاہی حکم کے موافق لشکر کشی کی۔ اور سرفروش کوششیں

کرکے دونوں باغیوں کو شکست دی۔ امیروں نے عمر و اور منکو کو گرفتار اور مقید کرکے شاہی لشکر گاہ میں بھیج دیا اور ان کے بہی خواہوں کے خون کی ندیاں بہا دیں علاءالدین نے قلعۂ رنتھنبور کے نیچے ان دونوں باغیوں کو سزا دی۔ پہلے ان دونوں سرکشوں کی آنکھیں نکالی گئیں اس کے بعد بدترین سزا کے ساتھ قتل کئے گئے۔ لیکن باوجود اس قدر سخت سیاست کے فساد کی آگ بالکل نہ بجھی۔ اور ہنوز یہ فتنہ فرو نہ ہونے پایا تھا کہ دوسرے غیر معمولی فساد نے ملک میں کھل بل مچا دی۔ ملک الامرا ملک فخر الدین کوتوال کے ایک غلام مسمی حاجی مولے نے جو سلطان جلال الدین خلجی کے زمانے میں دہلی کا شحنہ تھا جب دیکھا کہ علاءالدین اتنے زمانے سے محاصرے میں مشغول ہے اور ملک علاءالملک بھی بادشاہ کے ہمراہ ہے اور اہل شہر موجودہ کوتوال مسمی بایزید سے جو شہر کے باہر ایک چبوترے پر اجلاس کرتا ہے آزردہ اور ناخوش ہیں اور اگر وقت آئے گا تو شہر کے باشندے اس کوتوال کی مدد نہ کریں گے تو عین دوپہر کے وقت جب کہ لوگ گرمی اور لو کی وجہ سے اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے فساد کی آگ مشتعل کی۔ حاجی مولے بایزید کوتوال کے گھر گیا۔ اور اُسے کہلا بھیجا کہ بادشاہ کا فرمان آیا ہے۔ بایزید یہ سنتے ہی مکان سے باہر نکل آیا۔ حاجی مولے نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور اس کے ہمراہیوں نے دیکھتے ہی دیکھتے بایزید کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ حاجی مولے نے لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ یہ قتل بادشاہ کے حکم سے ہوا ہے۔ حاجی مولے نے دربانوں کو حکم دیا کہ شہر کے دروازے بند کرلیں اور ایک شخص کو اس نے علاءالدین ایاز حصار نو کے کوتوال کے پاس بھیجا کہ بادشاہ کا فرمان آیا ہے اُسے آکر سن جائے۔ ایاز حاجی مولے کے مکر و فریب سے آگاہ ہو چکا تھا اس نے اپنے گروہ کو جمع کرکے شہر نو کا دروازہ بند کرلیا حاجی مولے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کوشک لعل میں داخل ہوا۔ اور اس نے قیدیوں کو آزاد کیا اور تمام ہتھیار۔ گھوڑے اور خزانے ان میں تقسیم کرکے اُن کو اپنے سے ہموار کرلیا اس کے بعد حاجی مولے نے ایک شخص مسمی علوی کو جسے عام طور پر شاہنشہ کہتے تھے اور جو ماں کی طرف سے سلطان شمس الدین التمش کی اولاد میں تھا جبراً اس کے گھر سے نکال کر علوی کو کوشک لعل میں تخت پر بٹھا دیا۔ حاجی مولے نے شہر کے تمام

مشاہیر لوگوں سے جبراً علوی کی بیعت کرائی۔ علاء الدین رنتھنبور میں یہ خبر سن کر نہ تو اپنی جگہ سے ہلا اور نہ اس نے یہ خبر عوام میں مشہور کی۔ بلکہ قلعے کے فتح کرنے میں اور زیادہ منہمک ہوا۔ علوی کے واقعے کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ملک حمید الدین امیر کوہ اپنے بیٹوں کے ہمراہ جن میں سے ہر ایک اپنے زمانے کا بے مثل بہادر تھا بداؤں دروازہ کھول کر شہر کے باہر نکل گیا۔ ملک حمید الدین نے چاروں طرف سے لوگوں کو جمع کیا اور ملک ظہیر الدین ظفر خاں کے ملازموں کی ایک بڑی تعداد کو جو امروہہ سے جائزہ اور عرض لینے آئے تھے اپنے ہمراہ لیا۔ اور غزنی دروازے سے شہر میں داخل ہوا۔ ملک حمید الدین نہند دروازے کے قریب حاجی مولے سے دوچار ہوا۔ اور دونوں میں تلواریں چلنے لگیں۔ ملک حمید الدین گھوڑے سے اترا اور حاجی مولے سے لپٹ گیا اور اس کو گھوڑے سے نیچے گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ ہرچند حاجی مولے کے ملازموں نے تیغ و تبر سے ملک حمید الدین کو زخمی کیا لیکن اس نے ان واروں کی کچھ پروانہ کی اور جب تک کہ حاجی مولے کا سر کاٹ نہ لیا اسے اپنی گرفت سے نکلنے نہ دیا۔ حاجی مولے کو قتل کر کے ملک حمید کوشک لعل میں آیا۔ اور علوی کا سر قلم کر کے سر کو نیزے پر آویزاں کیا۔ اور شہر کے گلی و کوچے میں باغی کے سر کو گشت کرایا اس کے بعد ملک حمید نے سر کے ہمراہ فتح نامہ علاء الدین کی خدمت میں روانہ کیا۔ علاء الدین نے الماس بیگ الغ خاں کو دہلی روانہ کیا تاکہ مجرموں کی قرار واقعی خبر لی جائے۔ ملک فخر الدین قدیم کوتوال کے بیٹے بھی باوجود اس کے کہ اس فتنے میں شریک نہ تھے محض اس قصور پر کہ حاجی مولے ان کے باپ کا پروردہ تھا تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ اور ان بیگناہوں کا گھر بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔ علاء الدین نے ایک سال یا ایک روایت کے موافق تین سال میں اطراف و جوانب سے بہت بڑی جماعت بہم پہنچائی۔ اور اپنے لشکریوں کو خریطے تقسیم کیے۔ ہر شخص نے اپنا خریطہ ریگ سے بھر کر ایک درہ میں جس کو رن کہتے تھے پھینکنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ درہ پر ریگ خریطوں سے بالکل ٹھیکر سرکوب تیار ہو گیا اور اس پر چڑھ کر مسلمان سپاہی قلعے میں داخل ہو گئے۔ اہل قلعہ تباہ ہوئے اور حصار فتح ہو گیا۔ ہمیر دیو اپنے بال بچوں سمیت قتل کیا گیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ میر محمد شاہ اور اس کے ہمراہیوں کا گروہ جالور سے بھاگ کر رنتھنبور میں پناہ گزین ہوا تھا۔

رنتھنبور کی تسخیر میں بہت سے مغل قتل ہوئے اور میر محمدؒ شاہ زخم خوردہ میدان جنگ میں پڑا تھا۔ علاء الدین نے میر محمدؒ شاہ کو اس حال میں دیکھکر اس پر رحم کھایا اور پوچھا کہ اگر ہم تمہارا علاج کر کے تمھیں موت کے پنجے سے چھڑالیں تو اس کے بعد تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کروگے۔ میر محمدؒ نے جواب دیا کہ اگر میں اچھا ہو جاؤں تو تجھے قتل کر کے راجہ ہمیر دیو کے بیٹے کو رنتھنبور کے تخت حکومت پر بٹھاؤں۔ علاء الدین اس جواب سے بہت غضبناک ہوا۔ اور میر محمدؒ شاہ کو ہاتھیوں کے پیروں سے روندوا ڈالا لیکن تھوڑی دیر کے بعد میر محمدؒ کی شجاعت اور اپنے آقا کے ساتھ اس کی وفاداری کو یاد کر کے حکم دیا کہ اس کی تجہیز و تکفین کر دی جائے۔ اس کے بعد علاء الدین نے راجہ ہمیر دیو کے نمک حرام ملازموں کی خبر لی۔ اور رنمل وزیر وغیرہ کو یہ کہہ کر قتل کرایا کہ جب یہ بے وفا اپنے مالک کے نہ ہوئے تو ہمارے ساتھ کہاں تک سلوک کریں گے مجرموں کو سزا دینے کے بعد علاء الدین قلعے میں داخل ہوا اور قلعے کی تمام دولت جو حد حساب سے باہر تھی مع اس قلعہ اور ملک کی حکومت کے الماس بیگ الغ خاں کو عطا کی۔ اور خود جلد سے جلد دہلی روانہ ہوا۔ اس واقعے کے پانچ یا چھ مہینے کے بعد الماس بیگ بیمار ہوا اور دہلی کے راستے میں اس نے دنیا سے کوچ کیا۔

چونکہ علاء الدین اس زمانے میں امیروں کی فتنہ انگیزی سے بیحد ڈر گیا تھا اُس نے اپنے دور اندیش ارکان دولت سے مشورہ کیا کہ کونسی ایسی تدبیر اختیار کی جائے جس سے رعایا کی بغاوت اور سرکشی کا دروازہ ہمیشہ کے لیئے بند ہو۔ ارکان دولت نے جواب دیا کہ دنیا میں صرف چار چیزیں فتنہ انگیزی کا باعث ہوا کرتی ہیں اول یہ کہ بادشاہ کا رعایا کی اچھائی یا برائی سے بے خبر رہنا (۲) ملک میں ہر شخص کا علانیہ شراب پینا اس لیئے کہ شراب خواری سے انسان کی بدطینتی کے مادہ کو تحریک ہوتی ہے اور آدمی اپنے آپے سے باہر ہو کر دلی خواہشوں کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہوتا ہے اس طرح لوگوں کو ایک دوسرے کے ارادوں کی خبر ہو جاتی ہے اور ہم خیال اشخاص آپس میں اتحاد و اتفاق کر کے ملک میں فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں (۳) امیروں اور ارکان دولت کا ایک دوسرے سے قرابت اور عزیزداری کا سلسلہ جاری رکھنا اس لیئے کہ ظاہر ہے کہ جب شاہی امرا میں قرابت کا

کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے تو اگر ایک شخص کسی فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو تمام عزیز و اقارب اس کے شریک ہو جاتے ہیں (۴) مال و دولت کی زیادتی اس لیئے کہ جب کم ظرفوں اور چھوروں کو اُن کی حیثیت سے زیادہ روپیہ مل جاتا ہے تو اُن کے دماغ میں فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ اکثر یہ چاہتے ہیں کہ حکومت کی باگ بھی ان کے ہاتھ میں آجائےگی علاء الدین کو ارکان دولت کی یہ بات بیحد پسند آئی اور اُس نے ان چاروں باتوں کے دفعیے کی تدبیریں اختیار کیں۔ رعایا کی خبرگیری کے لیئے بادشاہ نے معتبر جاسوس مقرر کیئے علاء الدین نے اس خفیہ خبر رسانی کے محکمے کو اس درجہ ترقی دی کہ رعایا کے تمام نیک و بد حالات کی اُسے خبر ہونے لگی۔ بادشاہ کی اطلاع یابی اس حد کو پہنچ گئی کہ رات کو جو باتیں امیر اور ارکان دولت اپنے بال بچوں سے کرتے تھے اس کی اطلاع بادشاہ کو ہو جاتی تھی اور جب کوئی امیر صبح کو بادشاہ کے حضور میں آتا تھا تو شب گذشتہ کی خانگی تقریر کی ایک تحریر بادشاہ اس کے حوالے کردیتا تھا تحریر اس قدر حرف بحرف صحیح ہوتی تھی کہ امیروں کو انکار کی مجال نہ ہوتی تھی۔ اس باضابطہ انتظام سے شہر و ملک میں رعیت اور غیر رعیت کا آپس میں باتیں کرنا تک بند ہو گیا۔ یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے گھر میں بھی آدھی رات کے بعد زور سے کلمہ و کلام نہیں کرسکتا تھا باتوں کا مدار اشاروں اور کنایوں پر رہ گیا اور سرگوشی کا سلسلہ بالکل منقطع ہوا۔ اس طریقے سے نظام سلطنت ایسا درست ہو گیا کہ ملک کے تمام راستے پرامن ہو گئے۔ سوداگر بے یارومددگار راتوں کو سفر کرتے تھے بنگالے کے راستے دریائے شور کے کنارے تک اور سندھ اور گجرات کی راہیں تلنگانہ اور ملابار تک اور لاہور کی سڑکیں کابل و کشمیر تک دہلی اور سیری کی گلی کوچوں کا نمونہ بن گئیں۔ راہ گیر جس قدر مال چاہتے تھے اپنے ہمراہ لے جاتے تھے اور جس جنگل میں اُن کا جی چاہتا اُس صحرا کو خانۂ ہفت حصار سمجھ کر مال کو زمین پر پھینک دیتے تھے اور خود بے خوف و خطر رات کو آرام سے سوتے تھے مسافر غریب الوطن اور اجنبی اشخاص جس گاؤں میں پہنچتے تھے اُس گاؤں کا چودھری اور دوسرے اہل قصبہ ان کی مہمان نوازی کرتے تھے۔ دوسرے مشورت کی روک تھام کا سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ خود بادشاہ نے علانیہ شراب پینی ترک کی مجلس شراب کا منعقد ہونا بالکل بند ہو گیا عشرت کدہ برباد ہوا اور بداؤں دروازے کے قریب

شراب کے خم کے خم لنڈھا دیئے گئے اور ساغر و صراحی ٹوٹ کر سنگریزوں میں مل گئے مے نوشی کے سونے اور چاندی کے برتن گلا ڈالے گئے اور ان کے سکے بنوا کر داخل خزانہ کیئے گئے۔ شہر میں عام منادی ہوگئی کہ بادشاہ نے بادہ خواری سے توبہ کی ہے جو شخص شراب پیئے یا بیچے گا وہ اپنے خون کا خود ذمہ دار ہے۔ تمام ممالک محروسہ میں اس قسم کے فرامین جاری کیئے گئے ہر شخص نے شاہی احکام کے مطابق اپنے گھر سے شراب نکال کر اُسے گلی اور کوچوں میں بہا دیا۔ کہتے ہیں کہ اس حکم کی بنا پر اس قدر شراب زمین کے نذر کی گئی کہ تمام سڑکوں کی شاخوں پر برسات کی طرح کیچڑ اور دلدل ہوگئی مے خوار شراب کی اس بارش کو دیکھتے اور حسرت سے یالیتنی کنت ترابا (اے کاش میں مٹی ہوتا) کی تلاوت کرتے تھے۔ چوکیداروں نے درآمد برآمد مال کی ایسی جانچ پڑتال کرنی شروع کی کہ اگر کسی ملک سے بھولے بھٹکے کوئی برتن شراب کا گھانس یا لکڑیوں یا دیگر اسباب کے گٹھر میں چھپا کر شہر میں لایا جاتا تھا تو چوکیداروں کے ہاتھ سے بچ کر نہیں جانے پاتا تھا بلکہ شہر میں پہنچنے سے قبل ہی ضبط کر کے فیلخانے کے ہاتھیوں کو پلا دیا جاتا تھا۔ اُس زمانے کے ہاتھیوں پر رشک کرنا چاہیئے جنھوں نے زندگی کے دن اس عیش و سرور میں کاٹے۔ لیکن باوجود اس تاکید کے بھی ایک جماعت کے لوگ کسی نہ کسی حیلے سے شراب اپنے گھروں تک لاتے اور اپنے خلوت خانے میں مے نوشی کا شغل کرتے تھے۔ ان رندوں کو قید و ذلت کسی چیز کی پروا نہ تھی اور بادہ پرستی میں بالکل منہمک تھے۔ بادشاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ بداؤن دروازے کے پاس جو شارع عام پر واقع ہے ایک کنواں کھودا جائے اور یہی چاہ مذلت ان نافرمان بادہ خواروں کا قیدخانہ قرار دیا جائے۔ اس چاہ مذلت کے اکثر قیدی تو حالت قید ہی میں دنیا سے رخصت ہو جاتے تھے اور جو زندہ درگور اس قید سے نجات پاتے تھے وہ برسوں علاج و معالجہ کے بعد صحیح و تندرست ہوتے تھے۔ جب علاء الدین نے دیکھا کہ مے خواری کی رسم تقریباً مٹ گئی اور ممانعت کے تمام احکام اچھی طرح ملک میں نافذ ہو چکے تو بادشاہ نے اتنی اجازت دیدی کہ اگر امرا اور اعیان شہر اپنے گھروں میں تنہا شراب پیئیں تو اُن سے بازپرس نہ کی جائے۔ تیسرے مشورے کی بابت علاء الدین نے عام حکم جاری کیا کہ شاہی امیر اور درباری رئیس بغیر حکم سلطانی ایک دوسرے سے رشتۂ قرابت

قائم نہ کریں اور نہ باہم آپس میں ضیافت اور مہمانی کا سلسلہ جاری کریں اس حکم سے آشنا بھی بیگانے ہوگئے چہ جائیکہ بیگانوں کا ایک دوسرے سے آشنا ہونا۔ اگر اتفاق سے کسی کے یہاں کوئی مہمان آجاتا یا کوئی امیر کسی دوسرے رئیس سے قرابت کرنا چاہتا تو ایسا شخص سید خاں وزیر کو جسے اہل زمانہ فتنہ انگیز کہا کرتے تھے ایک رقعہ لکھ کر اپنی خواہش کا اظہار کرتا تھا اس التماس اور خوشامد کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ سید خاں کسی وقت رقعہ بادشاہ کے حضور میں پیش کر کے اجازت حاصل کرلے۔ چوتھی وجہ فساد کا اس طرح تدارک کیا گیا کہ ہر قصبہ جو معافی یا وقف یا کسی اور طرح پر رعیت کے قبضے میں تھا خالصہ میں شامل کرلیا گیا۔ بادشاہ نے ہر مسلم اور غیر مسلم غریب و امیر پر جا و بے جا ہر طرح کا دباؤ ڈال کر جو کچھ اُن کی پونجی تھی اُن سے لے کر داخل خزانہ کی۔ اس ضبطی کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ روٹیوں کو محتاج ہو کر معاش حاصل کرنے میں مشغول ہوگئے اور فتنہ و فساد کا نام بھی زبانوں تک آنا معدوم ہوگیا۔ ان قوانین کے استحکام کے بعد علاء الدین نے چاہا کہ سلطنت میں چند ضابطے ایسے جاری کرے جس سے کمزور اور طاقتور لوگوں میں بالکل مساوات ہوجائے اور گاؤں کے مکھیوں اور چودھریوں کو جو فوقیت زبردست رعایا پر حاصل ہے وہ بالکل جاتی رہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ زمین کی پیمائش کر کے تمام پیداوار کا نصف لے لیا جائے اور مکھیا اور چودھری اور تمام رعیت سب پر ایک ہی طرح یہ حکم نافذ کیا جائے بلکہ جو رقم کہ چودھری اپنا حق سمجھ کر خود لیتے تھے وہ بھی وصول کر کے شاہی خزانے میں داخل کی جائے۔ اور خود مکھیا اور گاؤں کے تمام لوگ چار گائے سے زیادہ کھیتی باڑی کے لیئے اور دو بھینس اور دو گائے اور بارہ بکریوں سے زیادہ دودھ اور دوسری خانگی ضرورتوں کے لیئے نہ رکھنے پائیں اور چرائی کا محصول جانوروں کی تعداد کے اعتبار سے جگہ کے مالکوں سے لیا جائے۔ شاہی ملازموں کو حکم تھا کہ ان قواعد کی پابندی میں اتنی احتیاط برتیں کہ ایک جیتل بھی خیانت کے ذریعے سے ان کی جیبوں میں نہ جانے پائے۔ اگر عمال اپنے روزینے کے علاوہ کوئی رقم اور وصول کرتے تھے تو پٹواری کے دفتر کا معائنہ کیا جاتا تھا اور جس شخص کے نام جو رقم زائد نکلتی تھی وہ اسی وقت سختی کے ساتھ اُس سے بازیافت کرلی جاتی تھی۔ اس سخت گیری کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے عاملوں نے اس کام

میں نفع نہ دیکھ کر اپنا پیشہ ترک کر دیا اور گاؤں کے چودھریوں کا کارخانہ بالکل درہم برہم ہوگیا اور وہ لوگ جو کبھی عمدہ لباس اور بیش قیمت ہتھیار سجکر گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑی شان و شوکت سے امیروں کی طرح سیر و شکار میں زندگی بسر کرتے تھے اب اس نوبت کو پہنچ گئے کہ ان کے گھر کی عورتیں دوسرے خوشحال خاندانوں میں نوکری پر اپنی اوقات بسر کرنے لگیں۔ سلطان علاء الدین کبھی کبھی کہا کرتا تھا کہ قواعد جہانداری اور احکام فرمانروائی کو بادشاہ کی رائے اور اس کی مصلحتوں سے تعلق ہے ان سیاسی قوانین میں شریعت الٰہی کو چنداں دخل نہیں ہے اور مذہبی علما کا کام صرف مقدمات کو فیصل کرنا اور خاندانی جھگڑوں کو مٹانا اور عبادت کے مختلف طریقوں میں بہترین راہ کو متعین کرنا ہے۔ اپنی اس خودرائی کے مطابق بادشاہ علاء الدین عمل کرتا تھا اور شرعی جواز یا عدم جواز پر لحاظ نہیں کرتا تھا۔ علمائے وقت کے گروہ میں قاضی ضیاء الدین بیانوی اور مولانا ظہیر لنگ مرشد کہرامی یہ دونوں بزرگوار دیوانخانۂ شاہی میں آتے تھے اور سلطانی بارگاہ کے باہر امیروں کے ساتھ شریک طعام ہوتے تھے البتہ قاضی مغیث الدین بیانوی کو جو اس زمانے کے عقلمندوں میں تھے فی الجملہ بادشاہ کا قرب حاصل تھا وہ بادشاہ کی مجلس میں حاضر تو ہوتے تھے لیکن کوئی علمی بات بالکل نہیں ہوا کرتی تھی اس لیئے کہ سبھوں کو معلوم تھا کہ بادشاہ کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ سواد خط سے بھی آشنا نہیں ہے۔ آخر میں جب کہ شاہی گماشتوں کی عرضیاں بادشاہی ملاحظے میں پیش ہونے لگیں تو اس ضرورت نے بادشاہ کو کچھ نوشت و خواند پر مجبور کیا اور علاء الدین نے اتنی استعداد بہم پہنچائی کہ شکستہ خط کو آسانی سے پڑھ لیتا تھا۔ اس تقریب سے بادشاہ نے فارسی کی چند کتابوں کا مطالعہ کرکے علما سے کلمہ و کلام کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ اس حالت کو پہنچکر بادشاہ کا فاسد عقیدہ درست ہوا۔ اور اسے یقین آگیا کہ علما اور قاضی اور مفتی پاک باطن اور نیک نیت ہیں یہ لوگ دنیاوی طمع میں گرفتار ہو کر اپنی طرف سے مسائل نہیں گھڑتے۔ اس تبدیل خیال کے بعد بادشاہ کبھی کبھی علماء کی صحبتوں میں بیٹھتا اور ان سے شرعی مسئلے پوچھا کرتا تھا چنانچہ ایک دن بادشاہ نے قاضی مغیث الدین بیانوی سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم سے چند مسئلے پوچھنا چاہتا ہوں۔ چونکہ بادشاہ نے تمام عمر کبھی علماء سے بات نہ کی تھی اور ہمیشہ ان کو حیلہ ساز

اور مکار سمجھ کر اُن کو قابل مشورہ نہ سمجھا تھا قاضی مغیث الدین بادشاہ کے اس خلاف عادت خطاب سے ڈرے قاضی صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ میرا وقت آگیا اس لیئے بہتر ہے کہ بادشاہ مسئلہ پوچھنے کی زحمت کیوں گوارا فرمائیں بلکہ بغیر کسی بات کے دریافت کیئے شاہی ملازمین کو حکم ہو جائے کہ میرا سر قلم کریں علاء الدین نے قاضی مغیث سے اس خوف کا سبب دریافت کیا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ظاہر ہے کہ جو کچھ بادشاہ دریافت فرمائیں گے اگر اُس کا صحیح جواب عرض کیا جائے گا تو ممکن ہے کہ بادشاہ کی مرضی کے خلاف اور میرے قتل کا باعث ہو اور اگر شاہی مرضی کے لحاظ سے جواب غلط ادا کیا جائے گا اور بادشاہ اُس کی تصدیق دوسرے علما سے فرمائے گا تو دروغ بیانی کے جرم میں مجھ سے باز پرس کی جائے گی اور اُس کا نتیجہ بھی ہلاکت ہے۔ بادشاہ ہنسا اور اُس نے قاضی صاحب سے کہا کہ جو کچھ میں تم سے پوچھوں اس کا جواب شریعت اسلام کے موافق ادا کرو اور یہ یقین جانو کہ سچائی سے تمھیں کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ اس کے بعد علاء الدین نے قاضی صاحب سے چند سوالات کیئے۔

سوال اول۔ شریعت مطہر محمدیؐ کی رد سے کس ہندو کو ذمی اور خراج گزار کہہ سکتے ہیں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ اسلام نے اُن غیر مسلموں کو ذمی قرار دیا ہے جو بادشاہ اسلام کے گماشتوں کے طلب کرنے پر بلا عذر خراج دمال ادا کردیں بلکہ اگر شاہی گماشتے کچھ ان کی توہین بھی کریں تو غیر مسلم اُس کو صبر کے ساتھ برداشت کرکے مال کے ادا کرنے میں کوتاہی سے کام نہ لیں علمائے اسلام نے غیر مسلموں کی بابت یہی حکم دیا ہے کہ یا تو اسلام لا دیں اور یا قتل کیئے جائیں اور احادیث صحیح سے بھی اسی حکم کی تائید ہوتی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ نے جزیہ کو قتل کا قائم مقام قرار دے کر قتل سے منع کیا ہے۔ اس لیئے غیر مسلموں سے جزیہ اور خراج ایسی سختی کے ساتھ وصول کرنا چاہیئے کہ یہ تشدد قتل کا قائم مقام ہو سکے۔ علاء الدین اس جواب پر ہنسا اور اُس نے قاضی صاحب سے کہا کہ تم نے جو کچھ کہا وہ کتاب اللہ سے ماخوذ ہے اور میں نے اپنے ذاتی اجتہاد سے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور اسی طرح غیر مسلموں سے سلوک کرتا ہوں۔

سوال دویم۔ شاہی گماشتے کچھ رقم بطور رشوت لیتے ہیں۔ آیا اس رشوت ستانی کو سرقہ اور چوری کہہ سکتے ہیں اور رشوت لینے والوں پر چوروں کی سزا عائد ہوسکتی ہے یا نہیں۔ قاضی مغیث نے جواب دیا کہ شاہی گماشتے اپنی معمولی تنخواہ سے جو اُن سے کے بایحتاج کو کافی ہو اگر کچھ زائد وصول کریں تو اس رقم کو سختی اور تنبیہہ کے ساتھ اُن سے واپس لے لینا چاہئیے۔ لیکن قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا جو چوروں کے لیئے مخصوص ہے رشوت ستانوں پر جاری نہیں ہوسکتی۔ بادشاہ نے کہا میں نے خود ہی تمہارے قول کے مطابق سزا دہی کا قانون جاری کیا ہے شاہی گماشتے جو رقم خیانت سے وصول کرتے ہیں وہ اُن سے سختی اور اہانت کے ساتھ واپس لیتا ہوں تاکہ اس تشدد سے لالچی اور ظالم گماشتے رعایا پر دست درازی نہ کریں اور خیانت اور رشوت کا دروازہ بالکل بند ہوجائے۔

سوال سویم۔ بادشاہ نے پھر پوچھا کہ جو مال و دولت میں نے جلوس سلطنت کے قبل اپنی امارت کے زمانے میں دیوگڑھ سے حاصل کیا ہے وہ میرا حق ہے یا بیت المال کی امانت اور مسلمانوں کی ملکیت بھی ہے۔ قاضی مغیث نے جواب دیا کہ اس مال میں بادشاہ کا حق بھی اُن مسلمانوں کے برابر ہے جو اکتساب مال میں برابر بادشاہ کو مدد دیتے رہے ہیں۔ بادشاہ اس جواب سے خفا ہوا۔ اور اس نے کہا کہ جو رقم میں نے اپنی امارت کے زمانے میں حاصل کی اور شاہی خزانے میں داخل نہیں ہوئی وہ کس طرح بیت المال سمجھی جاسکتی ہے قاضی صاحب نے کہا کہ جو دولت بادشاہ خود اپنی قوت بازو سے حاصل کرے وہ خود اس کا ہے اور جو خزانہ کہ لشکر اسلام کی مدد سے جمع کیا جائے اس میں عام جانبازوں کا بھی وہی حق ہے جو خود بادشاہ کا ہے۔

سوال چہارم۔ ایسی دولت میں میرا اور میری اولاد کا کتنا حصہ ہے۔ اس سوال کے جواب میں قاضی صاحب نے کہا کہ اب میری موت آگئی ہے اس لیئے کہ پہلا ہی جواب بادشاہ کی مرضی کے خلاف تھا اور یہ جواب پہلے جواب سے بھی زیادہ بادشاہ کو ناپسندیدہ معلوم ہوگا۔ علاءالدین نے کہا کہ میرے سوال کا صحیح جواب دو اور اپنی جان کی طرف سے بالکل مطمئن رہو۔ قاضی مغیث نے عرض کیا کہ اس معاملے میں تین مختلف طریقوں پر عمل ہوسکتا ہے اگر محض عدالت اور خلفائے راشدین کی پیروی منظور

ہو تو بادشاہ کو اس دولت میں سے اسی قدر حصہ لینا چاہیئے جتنا کہ ایک عام مسلمان کو مل سکتا ہے۔ اور اگر میانہ روی سے کام لیا جائے تو بادشاہ کا حصّہ بھی اُن امیروں کے برابر ہونا چاہیئے جن سے زیادہ کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا اور اگر مصلحت ملکی کا لحاظ کیا جائے جیسے کہ علماء ایسے وقت میں ضعیف روایتوں کو متمسک بنا کر بادشاہوں کی ہم زبانی کر دیتے ہیں تو بادشاہ ان امیروں کے اعلیٰ ترین حصّہ سے کچھ رقم زائد لے سکتا ہے جس سے متوسط درجے کے امیروں اور بادشاہ میں امتیاز پیدا ہوسکے اور شاہی رعب سلطنت قائم رکھنے کے لیئے ضروری سمجھی جائے۔ اس سے زیادہ کسی طرح جائز نہیں ہے اور بادشاہ کے بیٹوں کا حق امیروں یا عام مسلمانوں کے حقوق اور حصوں کے برابر ہونا چاہیئے بادشاہ اس جواب سے خفا ہوا اور اُس نے کہا کہ جو مال میرے حرم کے اخراجات اور وجہ انعام اور کارخانوں اور دیگر مدات کے جاری کرنے اور ان کو ترقی دینے میں صرف ہوتا ہے اُسے بھی تم ناجائز قرار دوگے قاضی مغیث نے کہا کہ بادشاہ نے مجھ سے شرعی مسئلے دریافت فرمائے میں نے اُن کا جواب بھی شرعی احکام کے مطابق عرض کیا ہے اگر مصلحت ملکی کے لحاظ سے مجھ سے رائے طلب کی جائے تو میں یہی کہونگا کہ جو کچھ بادشاہ کا عمل ہے وہ بالکل صحیح اور جہانداری کے قواعد کے مطابق ہے بلکہ بادشاہ جس قدر زیادہ لے بادشاہ کی شوکت و عظمت کا سبب ہوگا جو انتظام اور قواعد ملکی میں داخل ہوگا۔

اس کے بعد بادشاہ نے قاضی سے پوچھا کہ میرا دستور ہے کہ جو سپاہی فوجی خدمات پر ضرورت کے وقت حاضر نہیں ہوتا میں اُس سے تین سال کا معاوضہ واپس لیتا ہوں اور باغیوں اور فتنہ انگیز لوگوں کو اُن کی اولاد اور اُن کے حاشیہ نشینوں سمیت ہمیشہ تیغ سیاست کے نذر کرنے کے بعد ایسے مجرموں کا مال و دولت شاہی خزانہ میں داخل کر دیتا ہوں۔ سرکشوں کا نام ونشان دنیا سے مٹا کر ملک میں امن وامان کا سکّہ رائج کرتا ہوں۔ شرابیوں۔ زناکاروں اور چوروں کو سخت ترین سزائیں دیتا ہوں مجھے گمان ہے کہ تم میرے ان تمام کاموں کو خلاف شریعت کہوگے۔ قاضی صاحب اپنی جگہ سے اُٹھے اور دور جا کر ایک کونے میں کھڑے ہوگئے اور اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر زمین بوس ہوئے اور ادب کے ساتھ بادشاہ کو جواب دیا کہ یہ تمام باتیں احکام شریعت

کے خلاف ہیں۔ بادشاہ اس جواب سے غضبناک ہوکر حرم سرا میں چلا گیا قاضی صاحب بھی جلد سے جلد اپنے گھر روانہ ہوئے تاکہ اپنے اہل وعیال سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوکر بادشاہ کے خونریز حکم کا صبر وسکون کے ساتھ انتظار کریں۔ قاضی صاحب خدا سے لو لگائے ہوئے بیٹھے تھے کہ دوسرے دن بادشاہ نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور خلاف امید قاضی کو شاہانہ نوازش سے سرفراز کرکے خاصے کا جامۂ زردوزی اور ایک ہزار تنگہ بطور انعام مرحمت کیا۔ بادشاہ نے قاضی مغیث سے کہا کہ اگرچہ میں علم سے بالکل بے بہرہ اور فرائض ونوافل کے مسائل سے قطعی ناواقف ہوں لیکن مسلمان اور مسلمان زادہ ہوں میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تم کہتے ہو بالکل صحیح ہے لیکن دنیا خصوصاً ہندوستان کے مہمات محض شریعت کے مسائل پر عمل پیرا ہونے سے نہیں طے ہو سکتے۔ جب تک کہ سخت ترین سیاستیں نہ برتی جائیں ملک میں سکون نہیں پیدا ہوتا اور صرف مذہبی وعظ ونصیحت سے اس زمانے کے لوگ راہ راست پر نہیں آسکتے۔ ظاہر ہے کہ فاسق وبدکار لوگ زناکاری کے شیدائی ہیں۔ غصہ ماریٹ اور قید سے یہ لوگ بدکاری سے باز نہیں رہتے میں نے ان لوگوں کی عبرت کے لیے یہ طریقہ جاری کیا ہے کہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ایسے چند مجرموں کو ناکارہ کر دیتا ہوں۔ چونکہ میری نیت بخیر اور اس کا مقصود خلق اللہ کی سرسبزی ہے اور پھر یہ کہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے خدا کی رحمت سے مجھے امید ہے کہ وہ میرے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔

تھوڑے دنوں کے بعد بادشاہ نے بنگالے کی راہ سے ایک فوج راجہ تلنگانہ کے مشہور ملک ورنگل کی مہم پر روانہ کی اور خود قلعۂ چتور کی طرف جو آج تک کسی اسلامی فرمانروا سے فتح نہ ہوا تھا جرار فوج لے کر بڑھا۔ علاء الدین نے اس قلعے کا چھ مہینے محاصرہ جاری رکھا اور آخر کار محرم سنہ ۷۰۳ھ میں جبراً اس قلعے کو سر کیا۔ بادشاہ نے یہ قلعہ اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کو عنایت کرکے قلعے کو خضر آباد کے نام سے موسوم کیا اور قلعے کے پاس میدان میں ایک جشن منعقد کرکے خضر خاں کو چتر لعل مرحمت کرکے اُسے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ بادشاہ کے اس سفر کی خبر ماوراء النہر بھی پہنچی اور وہاں کے باشندے یہ سمجھے کہ اس دور دراز سفر سے لوٹنے میں بادشاہ کو عرصہ لگے گا مغلوں

کی ایک جماعت مسمی طرغی کی ماتحتی میں ہندوستان کے تاخت وتاراج کرنے کے لیۓ اپنے ملک سے روانہ ہوئی۔ علاء الدین نے یہ خبر سنتے ہی دوسرے قلعوں اور ملکوں کے فتح کرنے کا ارادہ ملتوی کیا اور جلد سے جلد کوچ کرتا ہوا دہلی پہنچا۔ مغلوں کی بھی یہ جماعت جس میں دس تمن یعنی ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی تھے ایک مہینے کے بعد پہنچی اور دہلی کے کنارے ساحل جمنا پر فروکش ہوئی۔ چونکہ بادشاہ کے لشکر کا بہترین حصہ ورنگل کی مہم پر دکن گیا ہوا تھا اور اکثر امیر اپنی جاگیروں میں مقیم تھے علاء الدین خلجی کو ان مغلوں سے پیچھا چھڑانا مشکل نظر آیا بادشاہ اپنے تال کار میں حیران تھا لیکن جس طرح بن پڑا دہلی سے نکل کر سیری میں خیمہ زن ہوا۔ بادشاہ نے اپنی فوج کے گرد خندق کھدوائی اور لشکر گاہ کے چار دانطرف خار بندی کر کے راستے کو بالکل مسدود کر دیا اور امیروں کی آمد کے انتظار میں لمحے گننے لگا مغلوں نے دہلی کے حدود پر قبضہ کر کے اطراف وجوانب کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لیا تھا جو امیر کول وبرن میں مقیم تھے وہ اپنے کو بادشاہ تک نہ پہنچا سکے مغلوں کی شوخی اس حد تک پہنچ گئی کہ چند مرتبہ انھوں نے خاص شہر دہلی پر چھاپا مارا اور انبار سے غلہ اٹھا کر لے گئے اور اسی طرح بارہا لشکر پر حملہ کر کے بہتوں کو ہلاک اور زخمی کیا۔ دہلی کی مخلوق ان مصیبتوں سے تنگ آ گئی۔ بادشاہ کو بھی بیحد پریشانی لاحق ہوئی علاء الدین خلجی نے حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے مدد طلب کی اور اس مصیبت کے دور ہونے کے لیئے حضرت محبوب الٰہی کا دامن پکڑا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اسی رات طرغی پر ایسا خوف طاری ہوا کہ باوجود اس کے کہ دو مہینے سے محاصرہ کیئے ہوئے تھا بغیر کسی رکاوٹ کے راتوں رات کوچ کر کے اپنے ملک کو واپس گیا۔ لوگوں نے اس ناگہانی آفت کے اس طرح دور ہونے کو حضرت سلطان جی کی کرامت تصور کیا۔ اور بادشاہ نے اس واقعے سے یہ سبق لیا کہ سکندر کی طرح سارے عالم میں کشور کشائی کا ڈنکہ بجانا علاء الدین کے لیئے محال ہے دار الخلافت میں رہکر انھیں زبردست دشمنوں سے ہر وقت ہوشیار رہنا ہی بڑی نعمت ہے۔ بادشاہ نے سیری کو دار الخلافت بنایا اور عمارت ہزار ستون اور دوسری نادر الوجود عمارتوں کی بنیاد ڈالی۔ بادشاہ نے حصار دہلی کی از سر نو تعمیر کی اور مغلوں کی راہ درآمد کے تمام قلعوں کو بیحد مضبوط اور مستحکم کیا اور تجربہ کار امیر ان قلعوں کی حفاظت کے لیئے متعین کیئے بادشاہ نے اب ارادہ کر لیا کہ اس قدر لشکر دار الخلافت میں

ہر وقت تیار رکھے جو مغلوں کے دفعیے کے لیئے ضروری ہو اور جس سے ممالک محروسہ کا انتظام بھی بخوبی ہوسکے لشکر کے اضافہ کرنے میں مال خطیر کی ضرورت ہوئی اور جسقدر روپیہ خزانے میں موجود تھا وہ فوج کی تنخواہ اور نگہداشت کے لیئے صرف پانچ یا چھ برس کفایت کرسکتا تھا بادشاہ نے اس بارے میں اپنے معتمد امیروں سے جن کا سرگروہ ملک خطیر الدین تھا مشورہ کیا بادشاہ نے ان امیروں سے سوال کیا کہ کس طرح لشکر کا اضافہ کیا جائے۔ علاء الدین نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ چنگیزیوں اور دوسرے ترکستانی فرمانرواؤں کی تقلید کرکے سپاہیوں کی تنخواہ میں کمی کروں۔ امیروں نے جواب دیا کہ بادشاہ کا ارادہ اُس وقت پورا ہوسکتا ہے جب کہ مایحتاج کی تمام چیزیں ارزاں نرخ پر فروخت ہوں اور گھوڑے۔ ہتھیار۔ آلات سپاہ گری اور دوسرے ضروریات زندگی کے بھاؤ میں خاطر خواہ کمی کردی جائے۔ اس ارزانی سے سپاہیوں کو قلت تنخواہ پر عذر و بہانہ کرنے کا موقعہ نہ ملے گا۔ علاء الدین نے اس رائے کو پسند کیا اور اپنے وزیروں کی رائے سے جو سب کے سب اپنے وقت کے فرزانۂ روزگار تھے چند ضابطے مقرر کیئے جن کے نفاذ سے اسباب معاش میں ارزانی پیدا ہوئی اور بادشاہ کی مراد برآئی۔

ضابطۂ اول غلے کے نرخ کے بیان میں غلے کا نرخ شاہی حکم کے موافق مقرر ہوا اہل بازار کو بھاؤ کے گھٹانے یا بڑھانے کا اختیار نہ رہا جو نرخ غلے کا دہلی میں مقرر ہوا وہی بھاؤ تمام ممالک محروسہ میں رائج کیا گیا۔

غلے کا نرخ حسب ذیل ہے۔ ۲۳۲

گیہوں	فی من	ساڑھے سات جیتل
جو	فی من	چار جیتل
چنا	فی من	پانچ جیتل
شالی (دھان)	فی من	پانچ جیتل
ماش	فی من	پانچ جیتل
موٹھ	فی من	تین جیتل

علاء الدین خلجی کے آخری زمانے تک غلے کا یہ نرخ قائم رہا لیکن کبھی کبھی بارش کی کمی یا دوسرے اسباب قحط کی وجہ سے اس نرخ میں کچھ فرق ہوجاتا تھا حقیقت یہ ہے

کہ نرخ کا تعین بھی اس بادشاہ کا عجیب و غریب کارنامہ ہے جو اس سے پیشتر کسی فرمانروا سے عمل میں نہیں آیا اور نہ اس کے بعد اس مثال کے ظہور پذیر ہونے کی کوئی امید ہے شاہی نرخ کی دیکھ بھال کے لیئے چند ضابطے مقرر کیئے گئے جو ذیل میں مندرج ہیں۔

پہلا ضابطہ۔ ملک قبول جو ضابطہ دار تھا منڈی کا کوتوال مقرر کیا گیا تاکہ اس بات کی نگہداشت رکھے کہ نرخ میں کمی زیادتی نہونے پائے۔

دوسرا ضابطہ۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ خالصہ شاہی میں جو حصہ دیوانی کا ہے اُس کے عوض غلّہ لیا جائے اور جنس قصبات میں جمع کی جائے تاکہ اگر بازار میں غلّے کی کمی ہو تو یہ جمع شدہ غلّہ شاہی نرخ کے مطابق فروخت کیا جائے۔

تیسرا ضابطہ۔ علاء الدین خلجی نے ملک قبول کو حکم دیا کہ تمام ممالک کے غلّہ فروشوں کو جمع کرکے دریائے جمنا کے کنارے اُن کو بسائے تاکہ چاروں طرف سے غلّہ کھنچکر ایک ہی جگہ جمع ہو اور شاہی نرخ سے بیچا جائے اور غلّہ فروشوں سے اس بات کا تحریری عہد لیا جائے کہ احکام شاہی کی پوری تعمیل کریں۔

چوتھا ضابطہ۔ احتکار (غلّہ کو اس لیئے جمع کرنا کہ گرانی کے زمانے میں اسے مہنگا فروخت کریں) کی سخت ممانعت کی گئی۔ اور اگر کبھی یہ ظاہر ہو جاتا کہ کسی سپاہی نے احتکار کیا ہے تو غلّہ اُس سے چھین کر شاہی انبار میں جمع کر دیا جاتا تھا اور اس سپاہی پر جرمانہ کیا جاتا تھا۔

پانچواں ضابطہ۔ رعایا کو عام حکم تھا کہ اپنی ضرورت سے زائد جس قدر غلّہ کھیتوں میں پیدا ہو اُس کو کھیت کے اندر ہی فروخت کر ڈالیں اپنی خانگی حاجت سے ایک دانہ زیادہ رکھنے کی کسی شخص کو اجازت نہ تھی۔ عاملوں کو احکام صادر کیئے گئے کہ رعایا سے اس طرح مال تحصیل کریں کہ کھیت کے اوپر ہی قیمت کی ادائی ہو جائے اور کوئی شخص اپنے حصے سے زائد غلّہ اپنے گھر لیجا کر احتکار نہ کرسکے۔

چھٹا ضابطہ۔ ہر روز غلّے کے نرخ اور عام معاملات کی جو منڈی سے متعلق ہوں بادشاہ کو اطلاع دی جائے اس خبر رسانی میں اگر ذرہ برابر بھی احکام شاہی کی مخالفت ہوتی تھی تو عملہ اور کارکنان منڈی سخت معتوب ہوتے تھے۔ قحط کے زمانے میں یہ حکم تھا کہ ہر شخص ٹھیک اپنی ضرورت کے موافق منڈی سے غلّہ خرید کرے اور

اخراجات سے آدھ سیر زیادہ بھی کوئی شخص بازار سے گھر نہ لے جاسکے۔ ایسا کرنے والوں پر سخت عتاب ہوتا تھا اور سرکاری گماشتے ان تمام باتوں کی تحقیقات کے لیئے مقرر کیئے جاتے تھے اور اس امر کی انجام دہی میں سخت تاکید اور شدت سے کام لیتے تھے بادشاہ کے جاسوس خفیہ طور پر تمام حالات کی اطلاع دیتے تھے اس انتظام سے کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ نرخ میں آدھے جیتل کا فرق بھی کر سکے۔

دوسرا قاعدہ کپڑوں کے نرخ کے بیان میں۔ نئے نئے آئین بنانے والے بادشاہ نے ہر طرح کے قیمتی اور روزمرہ کے استعمالی کپڑوں کو خود دیکھا اور سب کی قیمت مقرر کی اور جو نرخ دارالخلافت میں مقرر کیا وہی تمام ممالک محروسہ میں واجب العمل قرار دیا کپڑوں کا نرخ مندرجہ ذیل ہے۔

چھیر دہلی	سولہ تنگہ
چھیر کوکہ	چھ تنگہ
سیری صاف اعلیٰ	پانچ تنگہ
سیری صاف متوسط	تین تنگہ
سیری صاف ادنیٰ	دو تنگہ
سلائی اعلیٰ	چار تنگہ
سلائی میانہ	تین تنگہ
سلائی ادنیٰ	دو تنگہ
کرپاس اعلیٰ بیس گز	ایک تنگہ
کرپاس متوسط تیس گز	ایک تنگہ
کرپاس ادنیٰ چالیس گز	ایک تنگہ
کرپاس سادہ	دس جیتل

کپڑوں کے اس نرخ کو پائدار بنانے کے لیئے چند ضابطے وضع کیئے گئے۔

پہلا ضابطہ۔ بداؤن دروازے میں ایک بڑی سرائے تعمیر کرائی گئی اور سرائے عدل کے نام سے موسوم ہوئی۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ ہر چہار طرف سے کپڑے لاکر اس سرا میں فروخت کیئے جائیں کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ کسی دوسرے بازار یا اپنے گھر میں

کپڑے کی خرید و فروخت کرسکے صبح کی نماز کے بعد منڈی کھلتی تھی اور ظہر کے وقت سرائے کا دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ کسی دوکاندار نے ظہر کے پہلے دکان بند کردی یا صبح کو وقت مقررہ کے بعد دکان کھولی تو ایسا شخص سزا پاتا تھا۔

دوسرا ضابطہ۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر اور اطراف ممالک کے تمام سوداگروں کے نام دفتر سرکاری میں لکھ لیئے جائیں اور ان سب کو سخت تاکید کردی جائے کہ تمام پارچہ فروش اپنا مال شہر میں لاکر شاہی قیمت پر سرائے عدل میں فروخت کریں۔

تیسرا ضابطہ۔ امیروں اور عمائدین ملک میں جس شخص کو قیمتی کپڑے کی ضرورت ہو وہ رئیس بازار سے پروانہ حاصل کر کے کپڑا خریدے اس قاعدے کا منشا یہ تھا کہ سوداگر قیمتی کپڑوں کو سرائے عدل میں نرخ شاہی سے خرید کر کسی دوسرے شہر میں انھیں گراں داموں نہ بیچ سکیں۔

چوتھا ضابطہ۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شاہی خزانے سے بیس لاکھ تنگہ ملتانی سوداگروں کو دیا جائے تاکہ اس روپئے سے قیمتی کپڑے اور اسباب تمام شہروں سے خرید کرلائیں اور انھیں سرائے عدل میں شاہی نرخ پر فروخت کریں۔

تیسرا قاعدہ گھوڑوں کی قیمت کے بیان میں ہے۔

علاءالدین خلجی نے اپنے سامنے گھوڑوں کی نوعیت اور ان کی قیمت مقرر کی اور دارالخلافت کا نرخ جو ہر ملک کے لوگوں کا مرجع تھا معرض تحریر میں لایا جاتا ہے

اول قسم کا گھوڑا	(ما سے ماعہ تنکہ تک)
دوسری قسم کا گھوڑا	(لہ تا لعہ)
تیسری قسم	(صہ تا محہ)
ٹٹو	(ےہ تا سہ)

اس نرخ کو بھی ہمیشہ برقرار رکھنے کے لیئے چند ضابطے بنائے گئے۔

پہلا ضابطہ۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر کے کیسہ دار سوداگروں سے گھوڑے نہ خریدیں بلکہ گھوڑوں کی خرید و فروخت بھی شاہی بازار میں کی جائے اس ضابطے کی پابندی پر خریدار اور سوداگر دونوں سے عہد لیئے گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد بادشاہ کو معلوم ہوا کہ کیسہ داروں کو جانور سستے داموں پر خریدنے اور گراں قیمت پہنچنے کی

چاٹ پڑ گئی ہے اور تہدید سے بھی وہ اس طمع کو نہیں چھوڑتے تو بعضے تو تہ تیغ کیئے گئے اور
باقی خارج البلد کر کے آوارہ وطن بنا دیئے گئے۔

دوسرا ضابطہ۔ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ ایک گھوڑا بھی بازار میں نرخ بادشاہی
کے خلاف بکا ہے تو شہر کے سارے دلاّل معتوب ہوتے تھے اور اس بازپرس
میں بے گناہ و گنہ گار سب ایک گھاٹ اُتار دیئے جاتے تھے۔

تیسرا ضابطہ۔ ہر مہینے گھوڑے کی نوعیت اور اُس کی قیمت کی اور دلالوں
کی کارگزاری کی جانچ و پڑتال کی جاتی تھی اور اگر ذرہ برابر بھی شاہی حکم کے خلاف عمل ہوتا
تو گھوڑوں کے تمام دلاّل سزا کے مستوجب ہوتے تھے۔

چوتھا قاعدہ لونڈیوں اور غلاموں کی خرید و فروخت کی بابت۔

اعلیٰ بردہ	(ما تا ماا)
اوسط	(عسۃ تالعہ)
ادنیٰ	(صہ تا عہ)

پانچواں قاعدہ گائے بھینس اونٹ اور بکری وغیرہ کے بیان میں۔

ان جانوروں کی قیمت بھی وقت کے لحاظ سے مناسب طریقے پر مقرر کی
گئی اور اس قاعدے کے لیئے بھی وہی ضابطے واجب العمل قرار دیئے گئے جو گھوڑے
کی خرید و فروخت کے لیئے وضع کیئے گئے تھے۔ بازار کے دن بھر کے حالات روزنامچے
میں درج کیئے جاتے تھے اور اہل بازار کے حالات کی نگہداشت کے لیئے شاہی جاسوس
مقرر تھے اگر بادشاہ کو معلوم ہو جاتا تھا کہ بازار کے گماشتوں نے واقعے کے خلاف
روزنامچۂ شاہی میں اندراج کیا ہے تو ایسا کرنے والے سزا پاتے تھے۔ جس چیز کی بازار
میں خرید و فروخت کی ضرورت ہوتی تھی بادشاہ اُس کا نرخ خود مقرر کر دیتا تھا کوئی چیز
مختصر اور حقیر سمجھ کر بلا تشخیص قیمت مہمل نہیں چھوڑ دی گئی سوئی کنگھی۔ جوتے اور مٹی کے
برتنوں تک شاہی نرخ سے بکتے تھے۔ سوکھی روٹی سے تا قان اور حلوے سے ریوڑی
اور پودینے سے لے کر پان تک کی قیمت خود بادشاہ مقرر کرتا تھا اور نرخ کے تحریری
کاغذ (متذکرہ) سب متصدیوں کو اطلاع دیدی جاتی تھی اور اہل دہلی کی بعض
ضروریات زندگی کا لحاظ کر کے مایحتاج کی دوسری چیزوں کا نرخ بھی مقرر کر دیا گیا۔

ان چیزوں کا نرخ حسب ذیل تھا:

مصری فی سیر	دو جیتل
شکر سفید فی سیر	ایک جیتل
شکر سرخ فی سیر	آدھ جیتل
تلوں کا تیل فی سیر	ایک جیتل
روغن ستور فی سیر	آدھ جیتل
نمک پانچ سیر	ایک جیتل

اہل بازار کے حالات اور چیزوں کے نرخ دریافت کرنے کا یہ عالم تھا کہ روزانہ تین مختلف طریقوں سے بادشاہ کو اطلاع پہنچتی تھی باضابطہ طور پر کوتوال منڈی اور رئیس بازار روزانہ اپنی اپنی عرضداشتیں شاہی ملاحظے میں پیش کرتے تھے۔ تیسرے جاسوس خفیہ طور پر روزانہ سارا حال بادشاہ سے بیان کردیا کرتے تھے لیکن اس احتیاط کے باوجود بھی بادشاہ کو اطمینان نہ ہوتا تھا اور اکثر اوقات علاء الدین خلجی ناواقف بچوں کو روپیہ دے کر بازار بھیجتا کہ جو چیز اُن کا جی چاہے خرید کر بادشاہ کے پاس لے آئیں۔ لڑکے چیزیں مول لے کر آتے اور بادشاہ اُن سے قیمت اور وزن دریافت کرتا اگر ذرا بھی فرق شاہی نرخ میں معلوم ہوتا تھا تو بیچنے والوں کو سزا دی جاتی تھی۔ اس جرم کے مجرموں کی ادنےٰ سزا یہ تھی کہ اُن کے کان یا اُن کی ناک کاٹ ڈالی جاتی تھی۔ طبقات کا مصنف لکھتا ہے کہ ایک رنگین مزاج شاہی درباری نے ایک دن بادشاہ کو خوش دیکھ کر اُس سے عرض کیا کہ تمام ضروریات زندگی کا نرخ تو مقرر کردیا گیا ہے لیکن ایک چیز جو سب سے اہم اور سب سے زیادہ ضروری ہے اب تک بادشاہ کی قدر افزائی سے محروم ہے۔ علاء الدین نے اس چیز کا نام پوچھا امیر نے دست بستہ عرض کیا کہ زنان بازاری جن کی وجہ سے ملک کے جوان اور لشکر کے سپاہی تباہ اور خراب ہو رہے ہیں اب تک اسی طرح مطلق العنان ہیں اور اُن کا کوئی نرخ مقرر نہیں کیا گیا۔ بادشاہ ہنسا اور کہا کہ اچھا تمھاری خاطر سے میں ان کی بھی خبر لیتا ہوں علاء الدین خلجی نے فوراً امیر بازار اور کوتوال شہر کو طلب کیا اور انھیں حکم دیا کہ کسبیوں اور سازندوں کو فوراً آگاہ کردو کہ شاہی مقرر کردہ نرخ سے زیادہ روپیہ حاصل

کرنے کی طمع نہ کریں ورنہ سخت سے سخت سزا پائیں گے۔ بادشاہ نے اس طائفے کو بھی صورت و شکل اور کمالات رقص و سرود کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا اور اعلیٰ متوسط اور ادنیٰ ہر قسم کی اجرت مقرر کی۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب تمام چیزوں کا نرخ پائدار ہو گیا تو بادشاہ نے سوداگروں کو حکم دیا کہ سرائے عدل کے علاوہ سوداگر خود بھی دوسری جگہ خرید و فروخت کر سکتے ہیں بشرطیکہ شاہی نرخ کا اسی طرح لحاظ رکھا جائے جیسا کہ سرکاری منڈی میں رائج و سائر ہے ان سوداگروں کو یہ حکم دیا گیا کہ اگر اول قسم کا کوئی عربی یا عراقی گھوڑا یا قسم اعلیٰ کا خطائی۔ چرکی یا ترکی دوسرے ممالک کا کوئی بردہ اُن کے ہاتھ لگے اور وہ اسے سرائے عدل کی معرفت نہ فروخت کرنا چاہیں تو انھیں چاہیئے کہ پہلے اپنا مال بادشاہ کے ملاحظے میں پیش کریں اس پیش کردہ مال میں جو چیز بادشاہ خود نہ لے اُسے جس امیر کی بابت بادشاہ حکم دے اُس کے ہاتھ فروخت کریں۔ علاء الدین خلجی کے عہد کے تنگے کا وزن ایک تولہ تھا یہ سکہ چاندی اور سونے دونوں دھاتوں کا بنایا جاتا تھا سونے کا سکہ تنگۂ طلائی کہلاتا تھا اور چاندی کے سکے کو تنگۂ نقرہ کہتے تھے۔ ایک تنگۂ نقرہ کی قیمت پچاس جیتل تھی جیتل کا وزن ٹھیک معلوم نہیں ہوا بعضے اس سکے کو بھی یک تولہ وزنی بتاتے ہیں اور بعضوں کا بیان ہے کہ موجودہ پیسے کی طرح جیتل کا وزن بھی پونے دو تولے تھا۔ علائی عہد کا من چالیس سیر کا اور سیر چوبیس تولہ کا ہوتا تھا۔ مذکورۂ بالا بیان میں جہاں کہیں کہ تنگے کا ذکر آیا ہے وہاں اس لفظ سے مراد چاندی کا ایک تولہ سکہ ہے۔

اسباب معاش اور آلات سپاہ گری کو ارزاں کرنے کے بعد بادشاہ نے فوج کی تنخواہ کا تعین کیا۔ اور مندرجۂ ذیل مدارج مقرر کیئے گئے۔

درجۂ اول	سالانہ	[illegible] تنگہ
درجۂ دوم	سالانہ	[illegible] تنگہ
درجۂ سوم	سالانہ	[illegible] تنگہ

اس تنخواہ کے اعتبار سے فوج میں حسب دلخواہ اضافہ ہوا اور چار لاکھ پچھتر ہزار سواروں کی ایک جرار فوج تیار ہو گئی اور سپاہیوں کی کثرت کی وجہ سے مغلوں کی دست درازیاں اور اُن کی غارت گری سے ملک کو امن و امان نصیب ہوا خود مغلوں

پر بھی ہیبت چھائی اور ان کی غارت گری کا بالکل خاتمہ ہوگیا اگر اتفاق سے کوئی گروہ کبھی ہندوستان میں قدم رکھتا بھی تھا تو ہر فرد اس گروہ کا قتل و قید کی سزائیں بھگتتا تھا۔
سنہ ۷۰۵ھ میں چنگیز خان کے نواسے اور خواجہ ترپال نے باہم مل کر چالیس ہزار سواروں کی جمعیت سے ہندوستان پر دھاوا کیا۔ مغلوں نے کوہ سوالک پر قبضہ کر کے امروہے تک سارا ملک جی کھول کر لوٹا اور فسق و فجور کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ بادشاہ نے ملک نائب اور غازی ملک تغلق کو مغل فوج کی سرکوبی کے لیئے روانہ کیا۔ دونوں امیر ایک جرار لشکر ہمراہ لے کر جلد سے جلد مغلوں کے سر پر پہنچ گئے۔ بادشاہ نے ملک نائب اور غازی ملک کو حکم دیا کہ مغلوں کے قتل و غارتگری میں پوری جانفشانی سے کام لیں اور ان میں سے ایک فرد کو بھی زندہ واپس جانے نہ دیں۔ ملک نائب اور غازی ملک نے حدود امروہہ میں مغلوں کو شکست دی اور بہتوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر بقیہ لوگوں کو گرفتار کیا۔ علی بیگ اور خواجہ ترپال بھی زندہ اسیر ہوئے۔ ملک نائب اور غازی ملک بیس ہزار گھوڑے مال غنیمت اور قیدیوں کے پابزنجیر گروہ کو ساتھ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علاءالدین خلجی نے اس روز نئے شہر سے باہر نکل کر چبوترہ سبحانی پر دربار عام کیا بادشاہ کی نشست سے لے کر اندرپست تک دورویہ فوج کھڑی کیگئی اور علی بیگ اور خواجہ ترپال اس وقت بادشاہ کے ملاحظے میں پیش کیئے گئے۔
علاءالدین نے ان دونوں اسیروں کو ہاتھیوں کے پیر کے نیچے ڈلوایا اور ان کے ساتھیوں کو اپنے سامنے تہ تیغ کرایا۔ کہتے ہیں کہ اس دن خلقت خدا کا ایسا ہجوم تھا کہ بیس جیتل اور نیم تنگۂ نقرہ کو بھی ایک کٹورہ پانی کا میسر نہ ہوتا تھا۔ بادشاہ نے مال غنیمت کے گھوڑے اپنے امیروں میں تقسیم کیئے اور حکم دیا کہ شہر سیری کے برج جو نئے تعمیر ہو رہے ہیں ان میں پتھر اور اینٹوں کے بجائے آٹھ ہزار مقتول مغلوں کے سروں سے کام لیا جائے۔ علاءالدین خلجی نے غازی ملک تغلق کو پہلے سے بھی زیادہ نوازش اور تقرب سے سرفراز کر کے اُسے مملکت پنجاب کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا اور الپ خاں کو گجرات کا امیر الامرا بنا کر سپاہ و لشکر کے ساتھ اُسے ادھر روانہ کیا۔
بادشاہ نے عین الملک ملتانی کو ایک بہت بڑی فوج کا سردار مقرر کر کے مالوہ اوجین چندیری اور دھار فتح کرنے کے لیئے عین دہلی سے رخصت کیا عین الملک مالوہ پہنچا۔

کوکا راجہ چالیس ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیادوں کی جمعیت سے عین الملک کے مقابلے میں آیا اور ایک خونریز لڑائی کے بعد ملتانی سردار سے شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگا۔ عین الملک نے دسویں جمادی الاول ۷۰۵ھ کو اوجین۔ مندو۔ دھار انگری اور چندیری پر قبضہ کرکے بادشاہ کی خدمت میں فتح نامہ روانہ کیا۔ اس فتح کی دار الخلافت میں بڑی خوشی منائی گئی اور سات دن شبانہ روز شہر میں شادیانے بجائے گئے اور تمام اہل شہر کو مٹھائی تقسیم کی گئی۔ کاتر دیو حاکم قلعۂ جالور نے کوکا کا انجام دیکھ کر عین الملک کے وسیلے سے امان نامہ حاصل کیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شاہی امیروں میں داخل ہوا۔ انھیں واقعات کے دوران میں قلعۂ چیتور کے حاکم راجہ رتن سین نے جو اس زمانے تک زندان میں قیدیوں کی زندگی بسر کر رہا تھا غیر معمولی طریقے پر اسیری سے نجات پائی۔ اس راجہ کے آزاد ہونے کا مفصل قصہ یہ ہے کہ راجہ کے قید ہونے کے ایک زمانے کے بعد علاء الدین نے سنا کہ راجہ کی رانیوں میں ایک عورت پدمنی نام بھی موجود ہے جو قد و قامت چشم و رخسار غرض ہر اعتبار سے مرغوب اور تمام صفات خوبی سے آراستہ ہے بادشاہ نے رتن سین کو پیغام دیا کہ اگر اپنی رہائی چاہتا ہے تو پدمنی کو بادشاہ کے ملاحظے میں پیش کرے۔ راجہ نے یہ رائے قبول کی اور چند معتبر آدمیوں کو اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لانے کے لیے کوہستان روانہ کیا۔ راجہ کے اعزہ جو قوم کے راجپوت تھے راجہ کو لعنت و ملامت کرکے اس بات پر تیار ہوئے کہ زہر کے ذریعے سے رتن سین کا قدم درمیان سے اٹھا کر عزت و آبرو کو بچائیں راجہ رتن سین کی بیٹی عقل و دانش میں اپنے اور بیگانوں میں ضرب المثل تھی اس لڑکی نے بھی اپنے عزیزوں کا منصوبہ سنا اور اُن سے کہا کہ میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے اگر تم لوگ اُس پر عمل کرو تو یقین ہے کہ میرے باپ کی جان اور تمہاری عزت دونوں بچ جائیں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ راجپوت سورماؤں کی ایک جماعت پالکیوں میں مسلح بیٹھ کر سوار اور پیادوں کے ہمراہ دہلی روانہ ہو۔ ایک پہر رات گزرنے پر یہ جماعت شہر میں داخل ہو اور مشہور کیا جائے کہ بادشاہ کے حسب الحکم پدمنی راجہ کے دوسرے متعلقین کو بھی ہمراہ لے کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئی ہے۔ قید خانے کے قریب پہنچ کر راجپوت سوار اپنی تلواروں کو نیام سے باہر کریں اور پالکیوں سے نکل کر قید خانے کے دربانوں کو تہ تیغ کریں اور راجہ کی

زنجیر قید کو توڑ کر میرے باپ کو ایک تیز رفتار گھوڑے پر بٹھا کر جلد سے جلد اپنے ملک کی راہ لیں راجپوت سرداروں نے یہ رائے پسند کی اور فدائیان ملک و قوم کی ایک مسلح جماعت محافوں میں سوار ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوئی۔ قید خانے کے قریب پہنچکر راجپوت پالکیوں سے باہر آئے اور انھوں نے دربانوں کو قتل کر کے رتن سین کو قید سے آزاد کیا اور راجہ کو برق رفتار گھوڑے پر سوار کر کے اپنے کوہستان کی سمت روانہ ہوئے۔ بادشاہی سواروں نے ان کا تعاقب کیا اور راستے میں کئی جگہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔ اگرچہ بہت سے راجپوت راستے میں کام آئے لیکن راجہ کرتا پڑتا ہزار مشقت اور خرابی کے ساتھ اپنے اہل و عیال سے جاملا۔ ۷۰۵ھ رتن سین کو بیٹی کے حسن تدبیر سے علائی پنجے سے رہائی ملی اور راجہ نے اپنے کو محفوظ کر کے قلعۂ چیتور کے اطراف و نواح کو لوٹنا شروع کیا۔ علاء الدین خلجی نے وقت اور موقع کا لحاظ کر کے قلعے کو خضر خاں سے واپس لیا اور حصار کی حکومت راجہ رتن سین کے بھانجے کو سپرد کی۔ رتن سین کا بھانجہ اس وقت بھی شاہی ملازم تھا اور ہمیشہ بادشاہ کا مطیع اور فرمانبردار رہا۔ اس ہونہار راجہ نے تھوڑے ہی زمانے میں اپنا اقتدار ایسا بڑھا لیا کہ سارے راجپوتوں نے اس کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ یہ راجہ اخیر عمر تک علاء الدین خلجی کا تابعدار بنا رہا اور ہر سال اپنے ملک سے تحفے اور ہدیے لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اسپ و خلعت سے سرفراز ہو کر اپنے ملک کو واپس جاتا تھا۔ جس معرکے پر راجہ نامزد کیا جاتا وہاں پانچ ہزار سواروں اور دس ہزار پیادوں کی جمعیت سے حاضر ہوتا اور شرائط جاں نثاری بخوبی بجالاتا تھا۔ ۷۰۵ھ میں دوا خاں کے ایک معتبر امیر مسمی گنگ نے علی بیگ اور خواجہ ترپال کے خون کا بدلہ لینے کے لیئے ہندوستان پر دھاوا کیا۔ گنگ نے ملتان کے اطراف و جوانب سے گزر کر سوالک میں اپنے قدم جمائے۔ غازی ملک نے اپنی فوج مرتب کی اور لڑنے کے لیئے تیار ہو کر مغلوں کی سرکوبی کو دریائے سندھ کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ مغل شہر دل کو لوٹ کر واپس ہوئے اور عین موسم گرما میں دریائے سندھ کے کنارے پہنچے۔ ساحل پر پہنچکر انھیں معلوم ہوا کہ چشمۂ چناب دشمن کے قبضے میں ہے۔ مغلوں نے اپنی جان سے ہاتھ دھویا اور ہندی سپاہ کے مقابلے میں لڑنے کو تیار ہوئے۔ اس اضطرابی جنگ سے کچھ فائدہ نہ نکلا اور مغل سپاہیوں کا ایک کثیر گروہ لڑائی میں کام آیا

گنگ زندہ اسیر ہوا مغلوں کے جو سپاہی اس جنگ سے بچ کر بھاگے وہ جنگل میں پیاس کے
مارے مر گئے۔ دشمنوں کے زن و فرزند گرفتار ہوئے اور اس راہ زن جماعت پر ایسی
مصیبت پڑی کہ پچاس یا ساٹھ ہزار آدمیوں میں مشکل سے تین چار ہزار سپاہی زندہ بچے
اس فتح سے غازی ملک کا شہرہ اور بلند ہوا۔ غازی ملک نے گنگ اور اس کے
ہمراہی قیدیوں کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ علاء الدین نے کوشک ہزار ستون
کے سامنے گنگ اور اس کے ہمراہیوں کو ہاتھیوں کے پیر کے نیچے پامال کرایا اور اس
معرکے کے مقتولین کے سروں سے بداؤن دروازے کے مقابل ایک جنگل میں ایک
برج تیار تعمیر کرایا کہتے ہیں کہ اس برج کے نشانات اب تک باقی ہیں اس سال مغلوں
کے زن و فرزندوں کو دہلی اور تمام بلاد ہندوستان میں ہندی قیدیوں کی طرح فروخت
کرنے لگے۔ ایک زمانے کے بعد پھر مغلستان سے ایک سیلاب آیا اور اقبالمند نام
ایک مغل سردار بہت بڑی فوج ساتھ لے کر ہندوستان پہنچا اور اس نے فساد برپا
کرنے شروع کیے۔ غازی ملک نے اقبال مند پر بھی لشکر کشی کی۔ اقبال کے سر پر بھی ادبار
کی گھٹا چھائی اور سردار مع اپنے بیشمار ساتھیوں کے موت کے گھاٹ اترا۔ غازی ملک
نے بہت سے قیدی گرفتار کیے اور انھیں دہلی بھیج دیا کہ ہاتھیوں کے پیر کے نیچے پامال
کر دیئے جائیں۔ اقبال کے واقعے کے بعد مغلوں پر کچھ ایسا خوف غالب ہوا کہ انھوں
نے عرصے تک ہندوستان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور سلطان قطب الدین
کے زمانے تک سرزمین ہندوستان مغلوں کے سیلاب سے بالکل محفوظ اور مامون
رہی۔ غازی ملک کا مستقر دیپالپور تھا لیکن یہ تغلقی امیر ہر سال کابل غزنی قندھار
اور گرم سیر پر حملہ آوری کر کے ان ملکوں کو تاخت و تاراج کیا کرتا تھا اور ان شہروں سے
خراج لے کر اپنے ملک کو واپس آتا تھا۔ مذکورہ بالا پے در پے شکستوں سے مغلوں میں
اتنا دم نہ رہا تھا کہ غازی ملک کے مقابلے میں آ کر اپنی سرحد کی حفاظت کرتے۔ غرض کہ
مغلوں کی غارتگری کا سلسلہ منقطع ہوا اور ہندوستان کے اکثر شہر جو مفسدوں اور
سرکشوں کا ملجا اور ماویٰ تھے شاہی حکومت کے زیر اثر ہو گئے اور مالوہ کا ملک باغیوں
اور فتنہ پردازوں کے وجود سے ایسا صاف ہو گیا کہ آمد و شد کے تمام راستے کھل گئے
تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں کو امن و چین کا دور نصیب ہوا ملک میں امن و اما[illegible]

کا دور دورا ہوا اور بادشاہ تخت سلطنت پر اطمینان سے بیٹھ کر دور دراز ملکوں کو اپنی فاتحانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ علاء الدین نے جس سمت نگاہ اٹھائی اُسے تسخیر کرکے چھوڑا اور جس غیر ملک کو چاہا بے محنت و مشقت اپنا کرلیا۔ علاء الدین خلجی نے جس طرح اپنے ارادوں اور مقصدوں میں کامیابی حاصل کی اور دوران تدبیریں جو جو سامانات کامیابی بے کوشش و اتفاق سے پیدا ہوئے انھیں دیکھ کر بعضے تو بادشاہ کی کرامت کے قائل ہوئے اور اس کے ارادوں کو کشف و الہام سے تعبیر کرنے لگے اور بعضوں نے بادشاہ کے کارناموں کو استدراج سمجھ کر اس کی تمام کامیابیوں کو خدا کے ابتلا و امتحان کا نتیجہ سمجھا ایک کثیر گروہ علاء الدین کی اس کامیابی کا راز حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی کے وجود کو جانتا رہا۔ رام دیو والی دیوگڑھ نے تین سال سے خراج ادا نہ کیا تھا اور اس سے سرکشی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے بادشاہ نے ملک نائب کافور ہزار دیناری کو بہت سے نامدار امیروں کے ساتھ جنوبی بلاد کی فتح کے لیئے جنھیں اہل ہند کی اصطلاح میں دکن کہتے ہیں روانہ کیا۔ بادشاہ ملک نائب پر والہ و شیدا تھا اور اسی محبت کا تقاضا ہوا کہ کافور پر ایسی نوازش کرے کہ تمام گروہ امرا میں ملک نائب ممتاز و سرفراز نظر آئے اور جو امیر اس کے ہمراہ رکاب جائیں وہ اس کا لحاظ کریں اور کافور کے آگے سر تسلیم جھکائیں۔ علاء الدین خلجی نے ملک نائب کو سایہ بان اور سراپردہ جو خاص بادشاہوں کے لیئے مخصوص ہے عنایت کیا۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ ہر امیر اور شاہی درباری اس سفر میں روزانہ ملک نائب کے سلام کو جائے اور تمام ملکی مہمات اُس کے حکم سے سرانجام پائیں۔ امیروں کو حکم تھا کہ ملک نائب کے حکم سے انحراف نہ کریں اور اس کی اطاعت میں کسی طرح کی کوتاہی کو دخل نہ دیں خواجہ حاجی نائب عرض ممالک جو ایک نیک اور سلیم النفس امیر تھا ملک نائب کے ہمراہ کیا گیا غرضکہ علاء الدین خلجی نے خواجہ حاجی کو مال غنیمت کی حفاظت اور لشکر کی دیکھ بھال کی تاکید کرکے دونوں کو رخصت کیا۔ قاضی احمد غفاری صاحب تاریخ جہاں آرا کی روایت کے موافق علاء الدین نے ملک نائب اور خواجہ حاجی کو ایک لاکھ سواروں کے ساتھ اوائل ۷۰۶ھ میں دکن روانہ کیا۔ بادشاہی احکام عین الملک ملتانی حاکم مالوہ اور الغ خاں حاکم گجرات کے نام صادر ہوئے اور ان امیروں کو حکم دیا گیا کہ اپنے کو ملک نائب کا معین و مددگار سمجھ کر اس کی رائے کے مطابق عمل کریں اور کوئی بات ایسی نہ ہونے پائے جس سے ملک نائب کو ان امیروں سے

شکایت کا موقع ملے۔ اس درمیان میں کنولادی رانی نے جو اپنے حسن و جمال اور خط و خال کی وجہ سے عدیم المثال تھی بادشاہ سے کہا کہ کنولادی کی دو بیٹیاں رانی کے ساتھ رائے کرن کے محل میں پرورش پاتی تھیں دونوں لڑکیاں ماں کے پہلو بہ پہلو اور آغوش مادری کی زیب و زینت تھیں۔ رانی تو علاء الدین خلجی کے محل میں داخل ہوگئی اور اس کی دونوں بیٹیاں اسی طرح محل میں پرورش پاتی رہیں۔ کنولادی نے بادشاہ سے کہا کہ اب اس رانی کو یہ معلوم ہوا ہے کہ بڑی لڑکی دنیا سے رخصت ہوگئی لیکن چھوٹی بیٹی جسے کنولادی چار برس کا بچہ چھوڑ کر جدا ہوئی تھی اور جو دیولدی کے نام سے مشہور ہے زندہ اور صحیح و سالم ہے کنولادی نے بیٹی کی جدائی کا درد بیان کر کے بادشاہ سے درخواست کی کہ ملک نائب کو حکم دیا جائے کہ جس طرح ممکن ہو دیولدی کو کنولادی کے پاس پہنچا کر ماں کے دل کو بیٹی کے دیدار سے ٹھنڈا کرے علاء الدین نے کنولادی کی یہ التجا سنتے ہی ملک نائب اور الغ خاں کے نام فرامین صادر کیئے کہ سرحد دکن کے مشہور راجہ رائے کرن کی دختر دیولدی نام کو خواہ بہ خوشی و خواہ بہ جبر جس طرح ممکن ہو راجہ سے لے کر جلد سے جلد بادشاہ کے حضور میں روانہ کریں۔ ملک نائب دکن سے کوچ کر کے مالوہ پہنچا اور اس نے بادشاہ کا فرمان رام دیو اور راجہ کرن اور نیز دوسرے دکن کے راجاؤں کے نام معتبر آدمیوں کے ذریعے سے بھیجا۔ ملحقات کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصبہ نندربار اور سلطان پور اسی زمانے میں آباد کیئے گئے راجاؤں نے بادشاہ کا یہ حکم قبول کرنے سے انکار کیا۔ ملک نائب نے سلطان پور سے کوچ کر کے سرحد دکن میں قدم رکھا۔ الغ خاں بھی حشر انبوہ لشکر ساتھ لے کر گجرات سے نکلا اور روانہ ہوا رائے کرن نے اپنے حدود کو فوج اور سامان حرب سے مضبوط اور مستحکم کیا الغ خاں اور راجہ کرن میں کئی معرکے ہوئے راجہ نے ہر لڑائی میں داد مردانگی دی اور ہر مرتبہ بلا شکست کھائے میدان جنگ سے واپس ہوا سنگلدیو پسر رامدیو پہلے ہی سے دیولدی کا شیدائی اور اس بات کا کوشاں تھا کہ دیولدی کو خود بیاہ لائے۔ سنگلدیو قوم کا مرہٹہ تھا اس لیئے رام دیو یہ نہ چاہتا تھا کہ راجپوت راجہ کی لڑکی مرہٹوں کے گھر میں بیاہی جائے۔ اور سنگلدیو کی درخواست کا صاف جواب نہ دیتا تھا۔ سنگلدیو نے اس پر آشوب زمانے سے فائدہ اٹھایا اور بغیر باپ کی اجازت کے اپنے بھائی بھیم دیو کو نفیس تحفوں اور ہدیوں کے ساتھ راجہ کرن کے پاس روانہ کیا اور اسے پیغام دیا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں جو ہمیشہ کی

عداوت ہے وہ ظاہر ہے بہتر یہ ہے کہ اپنی مایۂ فساد بیٹی کو میرے ساتھ بیاہ کر میرے حوالے
کر دے تاکہ مسلمان مایوس ہو کر تیری مزاحمت نہ کریں اور اپنے ملک کو واپس چلے جائیں۔
رائے کرن رام دیو سے مدد کا طلبگار تھا اُس نے مجبوراً سنگلدیو کی درخواست قبول کر لی
اور پری کو دیو کے ساتھ بیاہ کرنے کے لیئے ارادہ کیا کہ دلھن کو بھیم دیو کے ہمراہ دیوگڑھ
روانہ کرے۔ الغ خاں اس قصے کو سن کر بیحد پریشان ہوا اور علائی تلوار کی خون آشامی
سے بید کی طرح کانپنے لگا۔ الغ خاں نے فوراً ایک انجمن مشورہ منعقد کی اور اپنے ہمراہیوں
سے کہا کہ دیولدی ابھی یہیں موجود ہے میرے نزدیک مناسب ہے کہ یا تو ہم اپنی پوری
طاقت صرف کر کے اس نازنین کو ہندوؤں سے چھین لیں اور یا اپنے خون سے اس زمین کو
لال کریں اور اپنا منھ بادشاہ کو نہ دکھائیں۔ تمام امیروں نے الغ خاں کی اس رائے
سے اتفاق کیا اور علائی تلوار کے ڈر نے خدا پرستوں کو ایک بت کے لیئے اپنے گلے
کٹوانے پر تیار اور آمادہ کر دیا۔ الغ خاں اور اس کے تمام ہمراہی کوہستان میں گھس آئے
اور ہندوؤں کے مقابلہ میں تلواریں چلانے لگے۔ رائے کرن کو شکست ہوئی اور راجہ
میدان جنگ سے دیوگڑھ کی طرف بھاگا۔ الغ خاں نے رائے کرن کے گھوڑے
ہاتھی اور تمام لوازمات شاہی پر قبضہ کر کے راجہ کا تعاقب کیا الغ خاں جنگلوں اور پہاڑوں
کو طے کرتا ہوا بجلی کی طرح رائے کرن کے تعاقب میں جا رہا تھا۔ ایک دن میں دیوگڑھ
کا راستہ طے ہو گیا لیکن رائے کرن اور دیولدی کا کہیں پتا نہ لگا۔ دفعتہً اس مایوسی کے
تاریک افق پر علائی آفتاب اقبال کی شعائیں نمودار ہوئیں اور دیولدی ایک عجیب غریب
طریقے پر الغ خاں کے ہاتھ آئی۔ جو لوگ بادشاہ کو صاحب کشف و کرامات سمجھتے تھے
وہ اپنے عقیدوں میں اور پختہ ہو کر علاء الدین کی ولایت کا کلمہ پڑھنے لگے اس اجمال
کی تفصیل یہ ہے کہ الغ خاں رائے کرن اور دیولدی کے ہاتھ نہ آنے سے مایوس ہوا
اور کسل سفر سے آرام لینے کے لیئے اُس نے دو روز دریا کے کنارے قیام کیا مسلمانوں
کے کچھ سپاہی ایلورہ کی سیر کے مشتاق ہوئے اور تین یا چار ہزار سوار الغ خاں سے
اجازت لے کر اس عجائب روزگار مقام کو دیکھنے کے لیئے اپنے لشکر سے روانہ ہوئے
ان سپاہیوں کو ایک دکنی فوج دور سے نظر آئی مسلمان سمجھے کہ دیو رائے کے لشکر کا ایک حصہ
ان پر دھاوا کرنے کے لیئے آرہا ہے۔ ان سپاہیوں نے اپنے کو اکٹھا کیا اور دشمن سے

مقابلہ کرنے کے لیئے تیار ہو گئے۔ حسن اتفاق سے ہندوں کا یہ جتھا بھیم دیو کی فوج تھی جو رائے کرن سے دیولدی کو رخصت کرا کے دلہن کو دیو گڑھ لیئے جارہی تھی۔ فریقین ایک دوسرے کی سر کوبی کرنے لگے۔ ہندو سپاہی مغلوں اور خلجیوں کے سینہ دوز تیروں کی بوچھار سے پریشان ہو کر میدان جنگ سے بھاگے اتفاق سے ایک تیر دیولدی کے گھوڑے کے لگا اور جانور بے کار ہو گیا مسلمانوں کا ایک گروہ دیولدی کے قریب پہنچ گیا اور فوج کے جوانوں نے ہجوم کر کے تلاش و تصرف شروع کیا۔ دیوی کی ایک خادمہ یہ حال دیکھ کر زور سے چلائی اور مسلمانوں کو بتایا کہ یہ سوار رانی دیولدی ہے اس کی عزت کرو اور رانی کو اپنے افسر کے پاس لے چلو۔ مسلمان سپاہی دیولدی کا نام سنتے ہی اُسے فوراً الغ خاں کے پاس لے گئے۔ الغ خاں خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ اس سردار نے خدا کا شکر ادا کیا اور فوراً گجرات روانہ ہوا الغ خاں نے دیولدی کو پالکی میں بٹھا کر دہلی روانہ کیا دیولدی آخر ؁۷۰۷ھ میں بادشاہ کی خدمت میں پہنچی اور کنولا دیوی کی آنکھیں بیٹی کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں۔ بادشاہ کو خضر خاں کے حالات سے پتہ چل گیا کہ شاہزادہ دیولدی کے تیر عشق کا زخمی ہو گیا ہے علاء الدین نے بیٹے کے ساتھ انصاف سے کام لیا اور دیولدی کو خضر خاں کے حوالے کر دیا۔ امیر خسرو نے اپنی کتاب خضر خانی و دیولدی میں ان دونوں کی داستان عشق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ناظرین اس کتاب کو ملاحظہ کریں؛

ملک نائب نے دکن پہنچ کر اس صوبے کو اپنے زیر انتظام لیا اور اس خوبی کے ساتھ نظام حکومت کو مرتب کیا کہ ادنیٰ سے اعلیٰ تک کسی کو بھی آزار نہ پہنچا۔ ملک نائب نے اپنے طرز حکومت اور فیاضی سے ہر حاجت مند کی کار برآری کر کے رعیت اور فوج دونوں طبقوں کو اپنا مطیع بنا لیا۔ جب انتظام ملک کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو ملک نائب نے مرہٹواڑی کو امیروں میں تقسیم کیا۔ اور خود قلعۂ دیو گڑھ کے جو اس زمانے میں دولت آباد کے نام سے مشہور ہے سر کرنے کے لیئے روانہ ہوا۔

رام دیو راجہ دیو گڑھ نے لڑائی میں اپنی خیر نہ دیکھ کر اپنے بڑے بیٹے مسمی سنگل دیو کو قلعے میں چھوڑا اور خود اپنے دوسرے بیٹوں اور قرابت داروں کے ساتھ بیش قیمت تحفے ہمراہ لے کر ملک نائب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملک نائب نے پہلے فتح نامۂ دہلی بھیجا اور اس کے بعد رام دیو کو قابل نذر تحفے اور سترہ ہاتھیوں کے ساتھ اپنے ہمراہ لیکر

بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کارگزاری کے صلے میں ملک نائب کا مرتبہ دہ چند بلند ہو گیا۔ اور بادشاہ کی عنایتوں سے اتنا سرفراز ہوا کہ لوگوں کو ملک نائب اور بادشاہ کے مرتبے میں امتیاز باقی نہ رہا۔ چونکہ رام دیو نے ملک نائب کو اپنا کر لیا تھا اس لیئے ملک نائب ہمیشہ رام دیو کے خلوص اور اس کی اطاعت کا تذکرہ علاء الدین سے کیا کرتا تھا۔ علاء الدین پہلے ہی سے اپنی بادشاہت کو رام دیو کے خزانے کی بدولت سمجھتا تھا۔ ملک نائب کی سفارشوں نے اُسے اور زیادہ اس راجہ پر متوجہ اور مہربان کر دیا۔ علاء الدین نے رام دیو کو چتر سفید اور خطاب رائے رایاں سے سرفراز کیا۔ اور دیوگڈھ اور دوسرے پرانے ملکوں کی حکومت اس کے سپرد کر کے قصبۂ نوساوری کو بھی جو گجرات کا ایک ٹکڑا ہے رام دیو کو بطور انعام مرحمت کیا۔ اور ایک لاکھ تنگہ اُسے نقد دے کر راجہ اور اُس کے فرزندوں اور عزیزوں کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ رام دیو اپنے وطن پہنچا۔ اور بادشاہ کے دیئے ہوئے ممالک پر حکمراں ہوا۔ اس راجہ نے تمام عمر علاء الدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کے دائرے سے قدم باہر نہیں نکالا۔ جس وقت ملک نائب نے دکن پر چڑھائی کی علاء الدین نے اس زمانے میں سیوانہ کے قلعے پر دھاوا کیا جو دہلی کے جنوب میں واقع ہے اور جسے کئی سال تک دہلی کی فوج محاصرہ کر کے فتح نہ کر سکی تھی۔ بادشاہ نے اس قلعے کو مرکز کی طرح چاروں طرف سے گھیر کر اہل قلعہ کی زندگی وبال کر دی۔ سیوانہ کے راجہ مسمی سیتل دیو نے اپنی سورت سونے کی گھڑوائی اور زریں رسی اس مورت کے گلے میں ڈال کر اپنی اظہار عاجزی کے لیئے مورت کو سو ہاتھیوں اور دوسرے بیش قیمت تحفوں کے ساتھ علاء الدین کی خدمت میں روانہ کیا اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ بادشاہ نے ازراہ خوش طبعی مورت کو تو قبول کر لیا اور راجہ کو پیغام دیا کہ جب تک وہ خود حاضر نہ ہوگا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ سیتل دیو ناچار قلعے سے باہر نکل کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ علاء الدین نے قلعے کے چاقو اور سوئی تک تمام چیزیں ضبط کر لیں۔ اس ضبط کردہ مال میں سے جو اسباب قیمتی اور شاہی ضرورتوں کے لائق تھا وہ خود اپنے کارخانوں میں رکھوا دیا اور بقیہ سامان کو اپنے سپاہیوں اور شاگرد پیشیوں کو ان کے روزینے میں دیدیا۔ بادشاہ نے سیوانہ کو امیروں کی جاگیروں میں تقسیم کیا۔ اور خالی قلعے کا انتظام سیتل دیو سے متعلق کر دیا۔ اسی زمانے میں

جالور کا قلعہ بھی فتح ہوا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جالور کا راجہ مسمیٰ کانیر دیو بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دہلی میں مقیم تھا۔ ایک دن علاء الدین نے کہا کہ اب ہندوستان کے کسی راجہ میں یہ قدرت نہیں رہی کہ میرے لشکر کے ساتھ معرکہ آرائی کر سکے۔ کانیر دیو اس وقت بادشاہ کی مجلس میں حاضر تھا اس ناعاقبت اندیش راجہ نے حماقت سے کہا کہ اگر میں مقابلہ کروں اور بازی نہ جیتوں تو اپنے کو زندہ نہ رکھ سکوں گا۔ بادشاہ کو راجہ کی یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ بادشاہ نے اس وقت تو کچھ نہ کہا اور چند روز کے بعد راجہ کو رخصت کیا لیکن دو یا تین مہینے گزرنے پر بادشاہ نے اس طرح اپنی قدرت اور طاقت کا اظہار کیا کہ ایک لونڈی گل بہشت نام کو لشکر کے ساتھ جالور کی مہم پر روانہ کیا۔ گل بہشت نے جالور پہنچکر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ گل بہشت نے بیحد مردانگی کے ساتھ لڑائی کی خدمت انجام دی۔ اور راجہ کے چھکے چھڑا دیئے۔ اہل قلعہ محاصرے کی سختیوں سے تنگ آگئے اور قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے کہ دفعۃً گل بہشت نے چند روز علیل رہ کر جنت کی راہ لی گل بہشت کے بعد اس کے بیٹے شاہین نے معرکہ جنگ کا علم اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور ماں کی طرح اہل قلعہ کو زندگی دوبھر کر دی کانیر دیو علاء الدین کے غیظ وغضب سے واقف تھا اس نے تمام کاموں کو چھوڑا اور اپنے تمام لشکر اور اعوان و انصار کو ساتھ لے کر قلعے کے باہر نکلا۔ اتفاق سے کانیر دیو اور شاہین کا سامنا ہو گیا اور شاہین میدان جنگ میں مارا گیا۔ دوسرے شاہی امیر معرکے میں نہ ٹھیر سکے۔ اور چند منزل پیچھے ہٹ گئے۔ علاء الدین اس خبر کو سن کر بہت غضبناک ہوا اور کمال الدین نام ایک شخص کو جرار لشکر کے ہمراہ سیوانہ روانہ کیا۔ کمال الدین نے بڑی مردانگی کے ساتھ قلعہ سر کیا اور کانیر دیو اور اس کے بیٹوں اور بہی خواہوں کو قتل کر کے اس کے خزانے پر قابض ہو گیا۔ جب فتح نامہ دہلی پہنچا تو خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔

چونکہ تھوڑے ہی دنوں پیشتر ایک لشکر بنگالہ کی راہ سے ورنگل بھیجا گیا تھا اور یہ لشکر بغیر کسی کارگزاری کے پریشان و تباہ ہو کر واپس آیا تھا اس لیئے ۷۰۹ھ میں ایک دوسری جرار فوج ملک نائب کی سرکردگی میں ورنگل روانہ کی گئی۔ بادشاہ نے ملک نائب سے تاکید کر دی کہ اگر لدر دیو راجہ ورنگل خزانہ و جواہر اور ہاتھی پیشکش کر کے ہر سال خراج ادا کرنے کا وعدہ کرے تو اسی پر اکتفا کر کے قلعہ ورنگل اور مملکت تلنگانہ

کے فتح کرنے میں جان و مال کو برباد نہ کرے اور ہر کام میں خواجہ حاجی سے مشورہ لیکر
عمل پیرا ہو اور معمولی قصور پر امیروں کو سزا نہ دے۔ اگر کسی سپاہی کا گھوڑا لڑائی میں
مارا جائے یا چور اُسے چرا لیجائے یا کسی اور وجہ سے گھوڑا بیکار ہو جائے تو اس کے
معاوضے میں اس سپاہی کو لشکر سے گھوڑا دیا جائے۔ ملک نائب اور خواجہ حاجی سفر
کی منزلیں طے کرتے ہوئے دیوگڑھ پہنچے۔ رام دیو نے ان امیروں کا استقبال کیا
اور بہت سے تحفے ملک نائب کی خدمت میں پیش کر کے شاہی لشکر کی مہمانداری اچھی
طرح بجا لایا۔ راجہ نے اپنے لشکر اور منڈی کو ملک نائب کے ہمراہ روانہ کیا اور بقالوں
اور دیگر تاجروں کو تاکید کر دی کہ تمام چیزیں بادشاہی نرخ کے موافق فروخت کریں
راجہ خود ہر روز سایہ بان لعل کے پاس حاضر ہو کر حق خدمت ادا کرتا تھا۔ جب ملک نائب
نے دیوگڑھ سے تلنگانے کا رُخ کیا تو رام دیو چند منزل اُس کے ساتھ گیا اور بہت سے
سوار اور پیادے اجناس کی منڈی کی حفاظت اور تلنگانہ کے راستے کی رہبری
کے لیئے ملک نائب کی خدمت میں چھوڑ کر خود اس کی اجازت سے واپس آیا راجہ
نے واپس ہوتے وقت بھی اپنے سوداگروں بنیوں اور رعایا کو تاکید کر دی کہ غلے
اور ہر ضرورت کی چیز ہمیشہ شاہی لشکر میں پہنچاتے رہیں اور اس بات کا بیحد خیال
رکھیں کہ فوج کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے ملک نائب تلنگانہ کی سرحد یعنی پرگنہ
اندور میں پہنچا اور اُس نے سرحد پر قدم رکھتے ہی غارتگری کا بازار گرم کیا۔ تاخت و تاراج
اور قتل و اسیری سے اہل اندور کے دلوں میں بے انتہا خوف پیدا ہو گیا اطراف و جوانب
کے راجہ اسلامی لشکر سے خوف زدہ ہو کر لدر دیو کے پاس پناہ گزین ہوئے اور مسلمانوں
کے قریب پہنچتے ہی لدر دیو ورنگل کے اندرونی قلعے میں جو پتھر کا تھا مقیم ہوا اور دوسرے
راجاؤں نے شہر کے بیرونی اور کچے قلعے میں جو بڑا وسیع تھا قیام اختیار کیا ملک نائب
نے قلعے کا محاصرہ کر کے درآمد و برآمد کے تمام راستے بالکل بند کر دیئے۔ ہندوؤں نے
بھی مسلمانوں کی مدافعت پر کمر ہمت باندھی اور ہر روز ہزاروں ہندو سپاہی ملک و قوم
پر قربان ہونے لگے لیکن باوجود ان جاں بازیوں کے بھی تھوڑے ہی دنوں کے بعد
بیرونی قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اکثر ہندو راجہ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب
کے ہمراہ مسلمانوں کے قیدی بنے اور ان کے سپاہی کثیر تعداد میں جنگ میں کام آئے

بیرونی قلعے کے سر ہونے سے لدر دیو کے چھکّے چھوٹ گئے اور اس نے تین سو ہاتھی سات ہزار گھوڑے اور بیشمار نقد و جواہر پیشکش کر کے ہر سال خراج دینے کا بھی اقرار کیا۔ ملک نائب اس واقعے کے بعد دہلی کی طرف واپس آیا۔ علاء الدین نے اس فتح کی خبر سن کر دہلی میں شادیانے بجوائے۔ اور فتح نامے کو سر منبر پڑھوا کر خدا کی درگاہ میں شکریہ ادا کیا۔ ملک نائب کے پہنچنے کے بعد بادشاہ نے شہر سے نکل کر چبوترہ ناصری پر جو بداؤں دروازے کے قریب واقع ہے جلوس کیا ملک نائب نے تمام اسباب غنیمت بادشاہ کے ملاحظے میں پیش کیا اور پہلے سے زیادہ بادشاہ کی عنایتوں سے سرفراز ہوا۔ مورخین کہتے ہیں کہ جس جگہ علاء الدین لشکر بھیجتا تھا تو وہیں سے لشکر کی فرودگاہ تک ڈاک چوکی جس کو پرانے لوگ یام کہتے تھے بٹھائی جاتی تھی اور ہر کوس پر دو پیادے جن کو ہندی میں پایک کہتے ہیں متعین کئے جاتے تھے راستے کے تمام قصبوں اور شہروں میں وقائع نویس مقرر کیئے جاتے تھے۔ تاکہ میدان جنگ کے حالات روزانہ قلمبند کر لیئے جائیں۔ اتفاق سے جس زمانے میں ملک نائب نے ورنگل پر دھاوا کیا اس وقت تلنگی سواروں کی کثرت اور ان کے ہجوم سے راستے پُرخوف و خطر ہو گئے اور شاہی تھانوں کا انتظام درہم برہم ہو گیا جس کی وجہ سے چند روز تک بادشاہ کو لشکر کا حال بالکل نہ معلوم ہو سکا اس واقعے سے بڑی پریشانی ہوئی علاء الدین نے قاضی مغیث اور ملک قرابیگ کو حضرت سلطان نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا اور حضرت شیخ سے عرض کیا کہ اسلام کا خیال مجھ سے زیادہ حضرت کو ہے اگر جناب شیخ کو اپنے کشف باطن سے کچھ حال معلوم ہوا ہو تو اس سے مجھے بھی مطلع فرمائیں اس لیئے کہ لشکر ورنگل کی کیفیت نہ معلوم ہونے سے میں بہت پریشان ہوں علاء الدین نے قاضی مغیث سے یہ کہہ دیا تھا کہ جو کچھ شیخ جواب میں فرمائیں بغیر کسی کمی اور زیادتی کے میرے روبرو بیان کرنا۔ قاضی مغیث اور قرابیگ حضرت محبوب الٰہی کے حضور میں حاضر ہوئے اور حضرت شیخ کو بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ شیخ نے جواب میں کسی ایک قدیم بادشاہ کی حکایت فتح بیان کی اور اسی ضمن میں کہا کہ اس کے علاوہ اور فتوحات کی بھی خدا کی بارگاہ سے امید ہے۔ قاضی مغیث اور ملک قرابیگ نے بادشاہ کی خدمت میں پہنچکر حضرت شیخ کی تقریر حرف بحرف بیان کی

بادشاہ حضرت سلطان الاولیا کا ارشاد سن کر بیحد خوش ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ ورنگل کا
معرکہ سر ہو گیا ہے۔ خدا کے حکم سے اسی روز عصر کے وقت قاصدوں نے پہنچکر ورنگل کا
فتح نامہ بادشاہ کے ملاحظے میں پیش کیا۔ علاء الدین کا اعتقاد حضرت کے بارے میں
روز زیادہ ہو گیا اور اگرچہ بادشاہ نے حضرت سلطان صاحب سے ظاہر میں ملاقات
کبھی نہیں کی لیکن خطوط کا سلسلہ برابر جاری رکھا اور اپنی تحریروں میں ہمیشہ یکجہتی اور
خلوص کا اظہار کر کے حضرت شیخ کے انوار باطن سے مدد طلب کرتا رہا۔ جب علاء الدین
کی سلطنت کابل و سندھ کی سرحد سے لے کر بنگالہ۔ گجرات اور دکن کے کنارے تک
پھیل گئی اور تمام ہندوستان کے ملک و شہر اور تمام راجاؤں کے محل اور خزانے
بادشاہ کے قبضے میں آگئے اور تمام سرزمین ہند میں کس جگہ زمین بھی ایسی باقی نہ رہی
جہاں علائی خطبہ و سکہ نہ رائج ہو گیا ہو تو بادشاہ کی ہمت اور بلند ہوئی اور اس نے
دریائے عمان کے ساحلی ممالک اور دکن کے دور و دراز سرحدی ملکوں پر توجہ کی ۱۰۷ھ
میں علاء الدین نے دوبارہ ملک نائب اور خواجہ حاجی کو دھور سمندر[۲۳۷] اور معبر کی مہم پر روانہ
کیا۔ ان ممالک کے بت خانے نفیس زر و جواہر سے بھرے ہوئے تھے اور یہاں کے
راجاؤں کے خزانوں کی معموری تمام ہندوستان میں مشہور تھی۔ جب ملک نائب اور
خواجہ حاجی دیوگڑھ پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ رام دیو نے دنیا سے کوچ کیا اور اس کا
بیٹا راجہ کا جانشین ہوا ہے۔ ان امیروں نے یہ معلوم کر لیا کہ رام دیو کا بیٹا اپنے باپ کے
خلاف علائی حلقہ بگوشوں میں داخل نہیں ہے۔ ملک نائب نے احتیاطاً ایک امیر کو
قصبہ جالنہ پور[۲۳۸] کے نزدیک جو دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے مقرر کیا اور خود آگے
بڑھا۔ اس مرتبہ ملک نائب نے غیر مسلموں کے قتل و قید میں ہر بار سے زیادہ مبالغہ کیا
ملک نائب اسی قتل و غارت گری کے عالم میں آگے بڑھتا چلا جاتا تھا یہاں تک کہ
تین مہینے کے بعد مذکورہ بالا بندرگاہوں کے قریب پہنچ گیا۔ ملک نائب نے بلال دیو
راجہ کرناٹک کو گرفتار کر کے اس کی مملکت کو تاخت و تاراج کیا اور شہر کے تمام بتخانے
توڑ ڈالے اور تمام جواہر نگار بتوں پر اپنا قبضہ کر لیا مسلمان امیروں نے یہاں ایک
مختصر سی مسجد بھی چونے اور پتھر کی تعمیر کی اور اس میں اذان دے کر علاء الدین کا خطبہ
پڑھا۔ یہ مسجد اب تک ست بندرا میر[۲۳۹] کے نواح میں موجود اور علائی مسجد کے نام سے مشہور ہے

اسی جگہ سے یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ بندر دھور سمندر جو دریائے عمان کے کنارے واقع تھا اس زمانے میں طغیانی کی وجہ سے تباہ ہوگیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیر مسلموں نے خانۂ خدا کی حرمت کا لحاظ رکھا اور مسجد کو مسمار نہیں کیا لیکن بعضوں کا خیال ہے کہ چونکہ ہندوؤں کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ایک وقت تمام شہر بلکہ روئے زمین کے تمام قصبے اور قریئے مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گے اس لیئے ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں نے مسلمانوں کے معبد تباہ کرنے کا فتویٰ نہیں دیا۔ غرضکہ ملک نائب نے ان بندرگاہوں کے تمام خزانوں اور دفینوں پر قبضہ کرکے واپسی کا ارادہ کیا جس صبح کو ملک نائب روانہ ہونے والا تھا اس کی گذشتہ رات برہمنوں کے ایک گروہ میں جو مسلمانوں کی حمایت میں آچکا تھا ایک دفینے کی تقسیم کی بابتہ جو بتخانوں کے نیچے گڑا ہوا تھا جھگڑا ہوا۔ اس جھگڑے میں برہمنوں کی آوازیں بھی بلند ہوئیں اور ایک مسلمان سپاہی اصل واقعے سے آگاہ ہوگیا۔ سپاہی نے کوتوال لشکر کو خبر دی اور کوتوال نے برہمنوں کو گرفتار کرکے ملک نائب کے سامنے پیش کیا۔ برہمنوں پر ملک نائب کی سیاست کا رعب پہلے ہی سے چھایا ہوا تھا اس لیئے انھوں نے شکنجہ اور تعذیب کے خوف سے جو کچھ اس دفینے سے حاصل کیا تھا اُسے ملک نائب کے ملاحظے میں پیش کیا اور اس کے علاوہ چھ اور دفینوں کا جو جنگل کی زمین میں پنہاں تھے ملک نائب کو نشان دیا۔ ملک نائب نے ان نشان دادہ دفینوں پر بھی قبضہ کیا اور بے حساب و بے شمار مال و دولت ہاتھیوں پر لاد کر ملابار روانہ ہوا۔ ملابار پہنچکر ملک نائب نے یہاں کے بت خانوں کو بھی مسمار کیا اور ہزار ہا برس کا اندوختہ نقد و جواہر حاصل کرکے صحیح و سالم اور کامیاب و بامراد واپس ہوا۔

۷۱۱ھ میں ملک نائب دہلی پہنچا اور اُس نے تین سو بارہ ہاتھی بیس ہزار گھوڑے اور چھیانوے من سونا جو قریب دس کروڑ تنکہ کے ہوتا ہے۔ اور بیشمار صندوقچے اشرفیوں اور موتیوں سے بھرے ہوئے کوشک ہزار ستون کے سامنے بادشاہ کے ملاحظے میں پیش کیئے۔ بادشاہ اس خزانے کو دیکھ کر جس کے سامنے گنج باد آورد و گنج پرویز بھی ہیچ تھے بیحد خوش ہوا اور اس مرتبہ عادت کے خلاف اس نے خزانے کا دروازہ کھول دیا۔ ہر امیر کو دس من اور کسی امیر کو پانچ من سونا عنایت کیا اور اسی طرح دوسرے لوگوں

اور مستحقوں اور مشائخین کو ڈیڑھ من یا اس سے کم سونا ہر شخص کی حیثیت کے مطابق مرحمت کیا باقی سونے کی علائی اشرفیاں اپنے سامنے ڈھلوا کر خزانہ شاہی میں داخل کیں۔ کرناٹک کی مہم میں جو مال غنیمت ملک نائب کے ہاتھ آیا اُس میں کسی مورخ نے چاندی کا ذکر بالکل نہیں کیا ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں چاندی کی زیادہ قدر و قیمت نہیں ہے چنانچہ اس زمانے میں اُس نواح کے اکثر لوگوں کے طرز معاشرت میں سونے ہی کا استعمال ہے۔ کرناٹک کے غریب بھی چاندی پہننا باعث شرم سمجھتے ہیں چہ جائیکہ دولت مند و امیر۔ متوسط طبقے کے لوگ اب بھی سونے کے برتن میں کھانا کھاتے ہیں۔ سب سے زیادہ عجیب واقعہ جو سلطان علاء الدین کے آخری زمانے میں حادث ہوا وہ نومسلم مغلوں کا قتل ہے اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ بادشاہ کے دل میں یہ بات جاگزیں ہوئی کہ نومسلموں کو جن سے مراد مغل ہیں اپنی نوکری اور ملازمت سے بالکل علیحدہ کردے۔ اس خیال کی بنا پر بادشاہ نے حکم دیا کہ نومسلم سرکاری ملازمت سے برطرف کئے جاتے ہیں ان میں سے جس کا جی چاہے امیروں کی ملازمت اختیار کرے اور جس کسی کو امرا کی نوکری منظور نہ ہو اس کا جہاں سینگ سمائے چلا جائے۔ اس فرمان کی بنا پر بعض مغل تو امیروں کے سلسلۂ ملازمت میں داخل ہوگئے اور بعضوں نے شاہی آستانے کو چھوڑ کر مغلوں کی ڈیوڑھی پر سر جھکانا اپنی کسر شان سمجھی اور دہلی میں مقیم رہے۔ اس دوسرے گروہ نے تھوڑے زمانے کے بعد کم تنخواہوں پر شاہی ملازمت اختیار کرلی اور اسی میں اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور بادشاہ کی آئندہ مرحمت کے امیدوار رہے اتفاق سے اس واقعے کو ایک زمانہ گزر گیا اور بادشاہ نے ان مغلوں پر کوئی توجہ نہ کی ان مغلوں کے ایک فلاکت زدہ گروہ نے جس میں سب کے سب جاہل اور کمینہ طبیعت تھے یہ ارادہ کیا کہ اثنائے شکار میں بادشاہ کو قتل کرے۔ بدقسمتی سے اس کی خبر بادشاہ کو ہوگئی چونکہ علاء الدین ملکی مصلحتوں کے آگے اپنے باپ اور بیٹے کی بھی رعایت نہ کرتا تھا اور رحم و کرم سے چشم پوشی کرکے ایسے موقعوں پر گناہ گار اور بے گناہ سب اسکی سیاست کی زد میں آجاتے تھے اور اس حالت میں اُسے شرع کا بھی کچھ پاس و لحاظ نہیں رہتا تھا بادشاہ نے حکم دیا کہ مغلوں کو جو شخص جہاں پائے قتل کر ڈالے دہلی اور دیگر مقامات اس خونریز حکم میں مساوی قرار دیئے گئے غرضکہ عام فرمان جاری ہوگیا کہ مغلوں کا خون حلال

کر دیا گیا ہے اور مغلوں کے قاتل مقتولوں کے مال و زیور کے مالک ہیں۔ اس حکم کی بناء
پر اجیر و سپاہی بازاری اور کمینے سب کے سب شمشیر بکف ہو گئے اور ہندوستان کے
ہر گوشے میں مال کی طمع اور بادشاہی خوف سے مغلوں کے گلے کٹنے اور اُن کے خاندان
تباہ و برباد ہونے لگے۔ غرضکہ تمام ممالک محروسہ میں چودہ یا پندرہ ہزار مغل انتقام اور گری
کے شکار ہوئے اور ان کے مال اور اُن کی عورتیں اور بچے سب کے سب فنا اور تباہ
کر دیئے گئے اور اس طرح ان کی نسل بالکل منقطع کر دی گئی اور علائی عہد کے کارنامے
ضحاک اور فرعون کے سیاسی مظالم سے بھی بلند اور بالا سمجھے گئے۔ جس سال کہ ان
نو مسلموں کا واقعہ پیش آیا اسی سال بادشاہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اباحیوں کا ایک گروہ
دہلی میں جمع ہو گیا ہے اور اپنے رسم کے موافق سال میں ایک رات مجلس عیش منعقد کرتے
ہیں اور اس رات ماں بہن بلکہ سارے محرمات شرعی کو اپنے لیئے حلال سمجھتے ہیں علاؤالدین
نے گویا سابقہ گناہ کا کفارہ یوں ادا کیا کہ اس جماعت کو بھی تہ تیغ کر کے ان کا نام صفحۂ ہستی
ہی سے بالکل مٹا دیا۔ چونکہ سلطان علاء الدین بہت سخت اور تند خو تھا کسی درباری کی
یہ مجال نہ تھی کہ کسی گناہگار یا مجرم کی بادشاہ سے سفارش کرے۔ اس بادشاہ کا
خاصۂ طبیعت تھا کہ جس سے ایک مرتبہ آزردہ ہو جاتا تھا پھر تمام عمر اُس سے صاف نہیں
ہوتا تھا۔ علاء الدین اپنے ابتدائی زمانے میں تو امورات ملکی میں لوگوں سے مشورہ
کرتا تھا اور چند امیروں کو سیاسی حکمرانی میں کچھ دخل بھی تھا لیکن آخری عہد میں جب اس کے
فتوحات کے سیلاب نے ہندوستان کے چپے چپے کو سیراب کیا تو بادشاہ کے غرور و نخوت
کی انتہا نہ رہی اور اُس نے امرا سے مشورہ کرنا بالکل ترک کر دیا۔ مورخین لکھتے ہیں
کہ جس قدر فتوحات علاء الدین خلجی نے حاصل کیں ہندوستان کے کسی فرمانروا کو نصیب
نہیں ہوئیں اور جس کثرت سے مسجد و خانقاہ۔ حوض و منار و حصار علاء الدین نے تعمیر
کرائے کسی بادشاہ کے کارنامے میں اس تعداد کا پتہ نہیں چلتا۔ اہل ہنر اور ہر فن کے
ماہر اس کثرت سے اس زمانے میں جمع تھے کہ ایسا مجمع کسی دوسرے زمانے میں نہ ہوا تھا
انصاف اور سچائی اور اطاعت کا دور دورہ اور بغاوت اور سرکشی کی کساد بازاری جیسی
اس عہد میں ہوئی کسی زمانے میں میسر نہ ہوئی ہوگی۔ اسی طرح مشائخ کبار اور اولیا اللہ
کا مقدس مجمع جیسا کہ اس دور میں دہلی میں جمع ہو کر باعث برکت ہوا ایسا کسی زمانے میں

یکجا نہ ہوا ہوگا۔ من جملہ ان مشایخ کے حضرت شیخ الاسلام نظام الدین اولیا جو اپنے تقدس کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت شیخ نظام الدین عہد علائی میں اپنے انوار باطن سے خلائق کی ہدایت فرماتے تھے۔ ہر سال پانچویں محرم سے دسویں محرم تک حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ میں اُن کے پیر و مرشد حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا عرس ہوتا تھا۔ ہندوستان کے ہر گوشے سے لوگ اس مقدس مجمع میں آکر شریک ہوتے تھے۔ اور اہل اللہ اور صاحبان دل کے وجد اور مستانہ نعروں سے در و دیوار سے فریاد کی آواز بلند ہوتی تھی۔ اس عہد کے دوسرے شیخ حضرت فریدالدین شکر گنج کے پوتے حضرت شیخ علاءالدین ہیں جو قصبۂ اجودھن کے سجادہ نشین اور بڑے متقی اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ یہ حضرت ظاہری عبادات میں اسقدر مشغول و منہمک رہتے تھے کہ لوگ ان کو فرشتہ سیرت کہتے تھے۔ علائی عہد کے تیسرے قابل ذکر شیخ حضرت شیخ رکن الدین بن حضرت شیخ صدرالدین عارف ہیں۔ یہ بزرگ ملتان میں طالبان حق کی ہدایت فرماتے تھے ملتان اور اوچھ کے تمام باشندے انھیں سے مدد طلب کرتے اور انھیں کے بافیض آستانے سے دینی اور دنیاوی سعادتوں کا ذخیرہ اکٹھا کرتے تھے۔ حضرت شیخ صدرالدین عارف باوجود اس کے کہ ولی کامل اور صاحب تمکین بزرگ تھے اپنے وقت کے بہت بڑے سخی بھی تھے۔ ان حضرت کو جو کثیر دولت اپنے والد بزرگوار سے میراث میں ملی تھی اُس کے علاوہ بے شمار نذرانے اور فتوحات خود ان کی خانقاہ میں روزانہ پہنچتے تھے لیکن اس دولت پر بھی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ان کی زندگی ہمیشہ قرض پر بسر ہوتی تھی۔ ان بزرگوں کے علاوہ سید تاج الدین ولد سید قطب الدین جو مدتوں اودھ اور بداؤن کے قاضی رہے سخاوت اور علم و فضل اور حلم و بردباری اور دیگر کمالات انسانی میں بے نظیر اور نزدیک و دور مشہور و معروف تھے۔ سید تاج الدین صاحب کے بھائی سید رکن الدین صاحب قاضی کرہ بھی اپنے برادر بزرگ کی طرح مرجع خاص و عام تھے سادات کیتھل[۲۴۰] میں سید نجیب الدین و سید مغیث الدین دونوں بھائی زہد و تقویٰ اور دیگر کمالات باطنی میں خاص طور پر ممتاز تھے۔ ان حضرات کو عام طور پر سادات نوابیتہ کہتے تھے بزرگان مذکورۂ بالا کے سوا اور دیگر سادات عظام اور بزرگان دین اس کثرت سے علائی عہد میں موجود تھے کہ اس کی تفصیل بیان کرنا اس جگہ بیجا طول کلام ہے۔ ان

حضرات ہیں قاضی صدرالدین عارف قاضی الممالک المخاطب بہ صدر جہاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگ کے بعد قاضی جلال الدین قاضی الممالک ہوئے اور مولانا ضیاء الدین بیانوی صدر جہاں مقرر کیے گئے۔ علاء الدین خلجی کے آخری زمانے میں ملک افتخار حمید الدین ملتانی عہدۂ قضا پر سرفراز کیے گئے۔ بزرگان طریقت اور سادات و قضاۃ کے علاوہ چھیالیس علمائے باکمال جو تمام علوم کے جامع تھے اس عہد میں درس و تدریس سے ملک کو مستفید فرما رہے تھے ان علمائے کرام کے نام حسب ذیل ہیں:۔

قاضی فخر الدین ناقلہ۔ قاضی فخر الدین کرمانی۔ مولانا نصیر الدین غنی۔ مولانا تاج الدین مقدم۔ قاضی ضیاء الدین بیانوی۔ مولانا ظہیر الدین لنگ۔ مولانا ظہیر الدین بھکری۔ قاضی زین الدین ناقلہ۔ مولانا شراکتی۔ مولانا نصیر الدین رازی مولانا علاء الدین صدر شریف۔ مولانا میراں ماپک مولانا نجیب الدین بیانوی۔ مولانا شمس الدین — مولانا صدر الدین مولانا علاء الدین لاہوری۔ قاضی شمس الدین کازرونی مولانا شمس الدین بخشبی۔ مولانا شمس الدین۔ مولانا صدر الدین یادہ۔ مولانا معین الدین لونی مولانا افتخار الدین رازی۔ مولانا معین الدین اندرپتی۔ مولانا نجم الدین انتشا مولانا حمید الدین بلبھوری۔ مولانا علاء الدین کرگ۔ مولانا حسام الدین ساوہ۔ محی الدین کاشانی۔ کمال الدین کولوی۔ وجیہ الدین کابلی۔ مولانا منہاج الدین۔ مولانا نظام الدین کلاتی۔ مولانا نصیر الدین کرہی۔ مولانا نصیر الدین صدبونی مولانا علاء الدین تاجر۔ مولانا کریم الدین جوہری۔ مولانا محب ملتانی۔ مولانا حمید الدین مخلص مولانا برہان الدین بھکری۔ مولانا افتخار الدین برنی۔ مولانا حمید الدین ملتانی مولانا گل محمد شیرازی۔ مولانا حسام الدین سرخہ۔ مولانا شہاب الدین ملتانی مولانا فخر الدین ہانسوی۔ مولانا فخر الدین شقاقلی ہے۔

علاء الدین خلجی کے آخری زمانے میں حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے مولانا علیم الدین ملتانی جو اپنے وقت کے علامۂ دہر تھے دہلی میں تشریف لائے اور انھوں نے علوم معقول و منقول کی تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ علم قراءت کے استادوں میں مولانا شاطبی جن کا ایک رسالہ علم مذکور میں بیحد مقبول اور مشہور ہے اسی عہد کی بابرکت یادگار ہیں۔ علاوہ مولانائے موصوف کے مولانا علاء الدین مقری

اور خواجہ زکی خواہرزادہ حضرت شیخ حسن بصری رحمۃ اللہ بھی علائی دور حکومت میں علم قرأت کے مستند استاد تھے۔ واعظین کے گروہ میں مولانا حسام الدین درویش اور ان کے بھائی مولانا جلال الدین اور مولانا شہاب الدین جلیلی اور مولانا کریم اپنے وقت کے عدیم المثال عقر رمانے گئے ہیں۔ اور سپہ سالار تاج الدین عراقی اور خداوندزادہ چاشنی گیر نبیرہ بلبن بزرگ اور ملک رکن الدین اور ملک اعز الدین تغال خاں اور نصر الدین نصرخاں جیسے لوگ بادشاہ کے ندیم اور اس کی صحبت کے جلیس وہم نشین تھے۔ علائی عہد کے شعرائے شیریں کلام کی جدت طبع اور بلند پروازی کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف دہلی بلکہ سارا ہندوستان اُن کے عدیم المثال وجود پر فخر و ناز کرتا تھا اور ان کی سخن سنجی کی دلکش اور سریلی آوازوں سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا تھا ان شعرا میں بعض باکمال دہلی ہی میں تشریف رکھتے تھے اور ان کو دربار شاہی سے بھی تعلق تھا درباری شعرا کے مایۂ ناز حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ ہیں حضرت خسرو کو شاعری پر پوری قدرت حاصل تھی اور جدت طرازی اور معنی آفرینی میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اوصاف محتاج بیان نہیں ہیں ان کے فضل و کمال پر خود ان کی تصنیف کردہ نظم و نثر کی کتابیں گواہ ہیں۔ کمال سخن کے علاوہ حضرت خسرو بہت بڑے صوفی اور صاحب وجد و حال بھی تھے اور ان کی زندگی کا بیشتر حصہ نماز و روزہ ہی میں بسر ہوتا تھا۔ اتقا کے علاوہ حضرت خسرو عشق و محبت کی چاشنی سے بھی اچھی طرح واقف تھے غرض کہ اس طرح کا باکمال کوئی دوسرا ہندوستان کی خاک سے نہیں اٹھا (اور نہ اب امید ہے) خسرو کو ایک ہزار تنگہ بادشاہی خزانے سے ماہ بماہ ملتا تھا۔ دوسرے درباری شاعر حضرت حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ تھے حضرت حسن سلاست کلام اور لطافت بیان میں تمام عالم میں مشہور و معروف تھے۔ چونکہ حضرت حسن کا کلام بہت شستہ اور سادہ ہوتا تھا اور یہ حضرت داد سخن دینے میں بھی کمال رکھتے تھے اس لئے عام طور پر حسن سنجری سعدی ہندوستان کے نام سے پکارے جاتے تھے تہذیب اخلاق۔ ترک دنیا۔ قناعت گوشہ گزینی میں یہ بزرگ اپنے وقت میں یگانہ اور بے مثل تھے۔ حضرت حسن کو سلطان الاولیاء نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل تھی حضرت حسن نے جو کچھ اپنے زمانہ مریدی میں حضرت محبوب الٰہی کی زبان سے سنا تھا اس کو ایک کتاب میں جمع کر کے اس کتاب کا نام فوائد الفواد رکھا ہے اس نسخے کے علاوہ

حضرت حسن کی اور بھی بہت سی تصنیفات نظم و نثر میں موجود اور ان کے فضل و کمال کی یادگار ہیں۔ خسرو اور حسن کے علاوہ صدرالدین عالی۔ فخرالدین قواس۔ حمیدالدین راجہ مولانا عارف عبدالحکیم اور شہاب الدین صدر نشین جیسے شیوا زبان شاعر بھی اسی عہد علائی کی یادگار اور اسی بادشاہ علم پرور کی بخشش و سخاوت کے ممنون احسان تھے۔ ان بزرگوں میں سے ہر ایک اپنے طرز بیان میں ایک خاص دلکش ادا رکھتا تھا چنانچہ ان کے دیوان ان کے فضل و کمال پر خود گواہ ہیں واقعات نویسی میں بھی چند عدیم المثال مورخ اس زمانے میں موجود تھے۔ عیسیٰ نفس طبیبوں کے گروہ میں مولانا بدرالدین دمشقی کا وہ مرتبہ تھا کہ اگر چند جانوروں کا بول ایک ہی برتن میں ملا کر اس کے سامنے پیش کیا جاتا تو حکیم صاحب فوراً بتا دیتے کہ فلاں فلاں جانوروں کا پیشاب اس شیشے میں موجود ہے۔ مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ چونکہ حکیم صاحب بہت بڑے صوفی بھی تھے اس لیئے بذریعہ کشف اس قسم کا حکم لگانا ان کے لیئے تعجب کی بات نہیں ہے۔ ورنہ محض علم طب کی رو سے ایسی تشخیص کرنا بہت دشوار ہے۔ منجموں اور رمالوں میں بھی چند لوگ ایسے موجود تھے جو پیشین گوئی اور دل کی بات بتانے میں درحقیقت جادو کرتے تھے ان کے سوا مطربوں گویوں اور غزل خوانوں اور ارباب طرب اور دوسرے اہل ہنر کی بھی علائی عہد میں وہ کثرت تھی کہ ان کا تفصیلی بیان اس مختصر کتاب میں نہیں سما سکتا۔

جب علاء الدین خلجی کی حکومت کو عرصہ گزر گیا اور بادشاہ کی کامیابی اور کامرانی انتہا کو پہنچ گئی تو بمقتضائے مثل مشہور کہ ہر کمالے را زوالے دہر بداینہ را نہایہ بادشاہ سے بھی ایسے کام سرزد ہونے لگے جو زوال مملکت کا باعث اور بقائے دولت کے بالکل منافی تھے۔ ان تباہ کن اسباب میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ بادشاہ ملک نائب پر ایسا والہ و شیدا ہوا کہ سلطنت کی باگ بالکل اس کے ہاتھ میں دیدی۔ بادشاہ کی فریفتگی اس حد کو پہنچ گئی کہ ملکی مہمات کے انجام دینے میں بھی ملک نائب کی خاطر داری کو ہاتھ سے نہ دیتا۔ اور اس کی ہر بات کو گو کیسی ہی نا صواب کیوں نہ ہو بے چون و چرا قبول کر لیتا تھا دوسرا سبب تباہی کا یہ ہوا کہ علاء الدین نے اپنے بیٹوں کو قبل اس کے کہ وہ ادب اخلاق سے کامل طور پر آگاہ ہوں حرم خانہ سے باہر نکال کر ان کو مطلق العنان کر دیا اور شاہزادے خضر خاں کو بغیر اس کے کہ اس کی استعداد کا اندازہ لگائے چتر عنایت کر کے اپنا ولی عہد

مقرر کیا اور کسی تجربہ کار معلم و مودب کو خضر خاں اور نیز دوسرے بیٹوں کی حفاظت اور نگہبانی کے لیئے متعین نہ کیا کہ آزمودہ کار مصاحب و ادیب نوعمر شاہزادوں کو عیش پرستی سے روکیں اور ان کو لہو و لعب میں مبتلا نہ ہونے دیں۔ اسی دوران میں تلنگانہ کے راجہ نے بیس ہاتھی ایک عریضے کے ساتھ علاء الدین خلجی کی خدمت میں روانہ کیئے۔ راجہ کے خط کا مضمون یہ تھا کہ میں نے جو کچھ سایہ بان لعل کے سامنے ملک نائب سے اقرار کیا ہے اُسی پر قائم اور ثابت قدم ہوں چنانچہ اپنے بیانات کا ایک اقرارنامہ بھی لکھ کر ملک نائب کے حوالے کر چکا ہوں اُس اقرارنامے کے بموجب جو کچھ دینا ہے اس کے حاضر کرنے کے لیئے تیار ہوں۔ جس کو حکم ہو اُسے بادشاہی پیشکش حوالے کر کے میں سبکدوشی حاصل کروں۔

راجہ کا خط پہنچتے ہی ملک نائب نے جو خضر خاں اور ملکۂ جہاں سے دل میں رنجیدہ اور خوف زدہ تھا بادشاہ سے عرض کیا کہ یہ خدمت اُس کے سپرد کی جائے ملک نائب نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ وہ راجہ تلنگانہ سے چند سال کا خراج وصول کر کے رام دیو کے بیٹے کی بھی جو باپ کا جانشین ہو کر بادشاہ سے منحرف ہو گیا ہے لگے ہاتھوں خبر لیتا ہوا دکن کے ملک کو دشمنوں اور سرکشوں سے بالکل پاک و صاف کر دے گا۔ علاء الدین نے ملک نائب کی درخواست قبول کی اور ۷۱۲ھ میں اُسے چوتھی بار دکن کی مہم پر روانہ کیا۔ ملک نائب دیوگڑھ پہنچا اور رام دیو کے بیٹے کو گرفتار کر کے اس سرکش کو قتل کیا۔ ملک نائب نے مرہٹواری کے اکثر شہر گلبرگہ اور رائچور تک بالکل دشمنوں سے خالی کر دیئے اور تلنگ دابل و چیپور دو صور سمند اور دوسرے کرناٹک کے مشہور شہروں کو ہندو راجاؤں کے قبضے سے نکال کر اور قلعوں کو فتح کر کے دشمنوں اور سرکشوں کو ایسا نیچا دکھایا کہ کسی باغی کو سر اٹھانے کی مجال نہ رہی۔ ان مہمات کو سر کر کے ملک نائب نے دیوگڑھ میں قیام کیا اور تلنگانہ اور کرناٹک کے راجاؤں سے نذرانے کی رقم حاصل کر کے بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے راجہ کرناٹک اور ملابار کے راجاؤں کو بھی بادشاہی خراج گزار بنا لیا۔ اس دوران میں بادشاہ کو عیش پرستی نے بستر رنجوری پر ڈالا اور خضر خاں اور ملکۂ جہاں کو مجلس آرائی اور جشن عشرت نے ایسا دنیا و مافیہا سے غافل کیا کہ بادشاہ کے علاج اور اس کی تیمارداری کی طرف بھی انھیں متوجہ نہ ہونے دیا۔ علاء الدین بی بی اور بیٹے کو اپنی طرف سے ایسا بے پروا دیکھ کر اور اپنی بیماری کو ان کی غفلت کا نتیجہ سمجھ کر دل میں

رنجیدہ ہوتا تھا غرضکہ ہر روز خضر خاں اور ملکۂ جہاں دونوں ماں بیٹوں سے کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور سرزد ہوتی تھی جس سے بادشاہ کی کبیدگی اور بدگمانی میں دن بدن اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ خضر خاں کو ان دنوں سوا مجلس آراستہ کرنے اور شراب پینے اور ساز و نغمہ سننے اور چوگان کھیلنے اور ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کے دوسرا کام نہ تھا اور ملکۂ جہاں کو سوا بیٹیوں کی شادی اور پوتوں کا عقیقہ اور ختنہ وغیرہ رسوم عشرت کے منانے کے اور کچھ نہ سوجھتا تھا غرض کہ ان دونوں کو سوا علاءالدین اور اس کی بیماری کے خیال کے سب کام یاد تھے اور دن رات ان ہی شغلوں میں بسر کرتے تھے۔ علاءالدین نے بیٹے اور بی بی کو اپنی طرف سے بے پروا دیکھ کر ملک نائب کو دکن سے اور الغ خاں کو گجرات سے بلایا یہ لوگ جلد سے جلد دارالخلافت پہنچ گئے بادشاہ ان کے آنے سے بیحد خوش ہوا اور اس نے خلوت میں ملک نائب سے خضر خاں اور ملکۂ جہاں کی بے پروائی کی شکایت کی۔ ملک نائب کے سر میں حکومت کا سودا سما چکا تھا اس نے اس موقعے کو غنیمت سمجھا اور بادشاہ سے کہا کہ ملکۂ جہاں خضر خاں اور الغ خاں خاندان شاہی کے تینوں ارکین بادشاہ کے قدم کو درمیان سے اٹھانا چاہتے ہیں اور بادشاہ کی موت کے دل سے آرزومند ہیں۔ ادھر علاءالدین اور ملک نائب میں یہ گفتگو ہوئی اور ادھر ملکۂ جہاں کے دل میں عیش پرستی کی نئی لہر اٹھی اور ملکہ نے بادشاہ سے الغ خاں کی بیٹی کو شادی خاں کے ساتھ بیاہ لانے کی اجازت مانگی۔ ملک نائب کو پھر بادشاہ کے کان بھرنے کا موقع مل گیا اور اس نے چند اور وحشت ناک خبروں سے بادشاہ کی بدگمانی کو بڑھایا۔ علاءالدین نے احتیاط کو مدنظر رکھا۔ اور خضر خاں کو شکار کے بہانے سے امروہہ کی طرف روانہ کر دیا اور چلتے وقت بیٹے سے کہا کہ صحت یاب ہو کر تم کو امروہہ سے بلواؤنگا خضر خاں نے روانگی کے وقت یہ منت مانی کہ اگر خدائے تعالٰے بادشاہ کو صحت عطا فرمائیگا تو خضر خاں امروہہ سے دہلی تک مشایخوں کی زیارت کے لیئے پیادہ پا آئے گا۔ خضر خاں نے سنا کہ بادشاہ کا مزاج رو بہ اصلاح ہے اور اس نیک دل شاہزادے نے اپنی نذر پوری کی اور اپنے خاصے کے لشکر کے ساتھ امروہہ سے پیادہ دہلی تک آیا۔ ملک نائب نے بادشاہ سے کہا کہ خضر خاں بلا اجازت دارالخلافت آیا ہے شاہزادے سے ہوشیار رہنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ امیروں سے سازش کر کے نیا رنگ لائے۔ علاءالدین کو ملک نائب کی باتوں کا یقین نہ آیا اور اس نے خضر خاں کو اپنے سامنے بلایا اور شاہزادے کو لپٹا کر اس کے سر اور

آنکھوں پر بوسہ دیا اور اجازت دی کہ حرم سرا میں جاکر ماں اور بہنوں کے دیدار سے مسرور ہو۔ چند روز کے بعد خضر خاں غافل ہو گیا اور دربار کی حاضری کی اُسے پابندی نہ رہی اور اس کا سارا وقت حرم سرا میں عیش و عشرت میں بسر ہونے لگا۔ خضر خاں کی اس غفلت سے ملک نائب کو موقع ملا اور اس ظالم نے ایک بار بادشاہ کو خضر خاں سے بالکل بدگمان کر دیا۔ ملک نائب نے بادشاہ کو اس بات کا یقین دلا دیا کہ خضر خاں، فلاں فلاں اشخاص کے اتفاق سے جس میں ملک شادی کی زیادہ تر شرکت ہے آج ہی کل میں بادشاہ کی جان لینے والا ہے۔ اس مکار نے چند غلاموں کو ہموار کر کے اپنے دعوے پر جھوٹے گواہ بھی بادشاہ کے سامنے پیش کر کے اپنی مکاری سے خضر خاں اور شادی خاں دونوں بھائیوں کی نظر بندی کا حکم بادشاہ سے لے لیا۔ ملک نائب نے ان دونوں شہزادوں کو گوالیار کے قلعے میں اور ملکۂ جہاں کو محل سے نکال کر دہلی کہنہ میں قید کر دیا۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ ملک نائب نے خضر خاں اور شادی خاں کے خالو الغ خاں کے جو حال ہی میں گجرات سے دہلی آیا تھا قتل کا فرمان حاصل کر کے اس کو بھی تلوار کے گھاٹ اتارا۔ ملک نائب نے سید کمال الدین کرک کو بادشاہ کے حکم کے مطابق جالور روانہ کیا تاکہ نظام الدین حاکم جالور کو بھی جو الغ خاں کا بھائی تھا تہ تیغ کرے۔ خضر خاں اور شادی خاں کی نظر بندی اور الغ خاں اور اس کے بھائی کے قتل سے سینکڑوں خوابیدہ فتنے پھر جاگ اٹھے گجرات کا لشکر باغی ہو گیا اور اس لشکر کی بغاوت سے ملک میں عظیم الشان فساد برپا ہوا۔ بادشاہ نے ملک نائب کی رائے سے سید کمال الدین کرک کو گجرات کا فتنہ فرو کرنے کیلئے روانہ کیا لیکن الغ خاں کے سرداروں نے سید کمال الدین کو گرفتار کر کے اُسے بری طرح حلال کر ڈالا۔ ادھر چیتور کے حاکم نے بغاوت کی اور بادشاہی نوکروں کے ہاتھ اور پانوں باندھ کر انھیں قلعے کے نیچے پھینکدیا۔ ہرپال دیو رام دیو کے داماد نے دکن میں سر اٹھایا اور اکثر بادشاہی تھانوں کو ویران اور تباہ کیا۔ علاء الدین ان خبروں کو سنتا تھا اور رنج و غصے سے سانپ کیطرح بل کھا کر اپنی بوٹیاں آپ نوچتا تھا۔ بادشاہ اس کاہش غم میں دن بدن گھلا جاتا تھا اور کسی طبیب کی دوا اُسے کارگر نہ ہوتی تھی یہاں تک کہ چھٹی شوال کی آخری رات آئی اور بادشاہ نے ۷۱۶ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی اور بے شمار زر و جواہر اور ہاتھی جو محمود غزنوی کو بھی میسر نہ ہوئے تھے اور جن کو خون جگر پی کر اپنی زندگی میں جمع کیا تھا ہزاروں حسرت کے ساتھ دوسروں کے لیئے چھوڑ گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملک نائب نے بادشاہ کو زہر دیا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

مورخین لکھتے ہیں کہ علاء الدین کے زمانے میں چوراسی بار چھوٹی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں اور ہر لڑائی میں یہ اقبالمند بادشاہ خدا کی مشیت اور اپنی خوش قسمتی سے جس میں کسی انسان کو دخل نہیں ہے کامیاب ہوا۔ علاء الدین کی شوکت و حشمت کا اس بات سے اندازہ کرنا چاہئے کہ اس کے دربار میں ستر ہزار صرف شاگرد پیشہ ملازم تھے۔ جن میں سات ہزار معمار بیلدار اور گلکار تھے جو بڑی سے بڑی عمارت کو بھی دو ہفتے میں تیار کر دیتے تھے اور چھوٹی عمارتیں تو دو ہی تین دن میں کھڑی کر دی جاتی تھیں۔ جو وقت کہ بادشاہ عمارت کی تکمیل پانے کا مقرر کر دیتا تھا مجال نہ تھی کہ اس میں ایک لمحہ کی بھی دیر ہو جائے۔ علاء الدین پہلا شخص ہے جس نے ہاتھی پر عماری کھی اور اس پر سوار ہوا۔ اس بادشاہ نے کچھ اوپر بیس سال فرماں روائی کر کے دنیا کو خیر باد کہا۔

شہاب الدین عمر بن سلطان علاء الدین خلجی

علامہ صدر جہاں گجراتی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ علاء الدین خلجی کی وفات کے دوسرے دن ملک نائب نے امیروں اور ارکان دولت کو جمع کیا اور مرحوم بادشاہ کا وصیت نامہ پڑھ کر سبھوں کو سنایا علائی وصیت نامہ کا مضمون یہ تھا کہ میں اپنے بڑے بیٹے مسمی خضر خاں کو اپنی ولی عہدی سے معزول کرتا ہوں اور اس کی جگہ اپنے چھوٹے بیٹے مسمی شہاب الدین عمر کو اپنا جانشین قرار دیتا ہوں ملک نائب نے شاہزادے شہاب الدین کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ ملک نائب خود اس ہفت سالہ فرماں روا کا نائب السلطنت بنا یہ ناعاقبت اندیش علائی امیروں کو اپنا ہم خیال سمجھ کر ان پر پورا بھروسہ کرنے لگا۔ جلوس کے پہلے ہی دن ملک نائب نے ملک سنبل کو عہدۂ باربکی پر مقرر کر کے گوالیار روانہ کیا تاکہ بارکنے دیدگان سلطنت یعنی شاہزادہ خضر خاں اور شاہزادہ شادی خاں کو اندھا کر دے۔ اس کور باطن نے کچھ بھی پاس نمک نہ کیا اور گوالیار پہنچکر دونوں شاہزادوں کی آنکھوں میں اس نے لوہے کی سلائی پھیر کر شاہزادوں کی ماں یعنی ملکۂ جہاں کو نظر بند کر دیا۔ کافور کافر نعمت نے اسی پر اکتفا

تھی بلکہ باوجودیکہ وہ فطرتاً ناکارہ تھا شہاب الدین کی ماں سے نکاح بھی کرلیا۔ ملک نائب نے
چاہا کہ خضر خاں اور شادی خاں کی طرح یہ کمبخت شاہزادہ مبارک خاں کو بھی اندھا کرکے خود
سلطنت کا ڈنکہ بجائے مبارک کی ماں بی بی ماہک نے ایک شخص کو حضرت شیخ نجم الدین کی
خدمت میں بھیجا شیخ نجم الدین حضرت شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندوں میں بہت
باوقار اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ بی بی ماہک نے حضرت شیخ نجم الدین سے امداد طلب
کی شیخ نے جواب دیا کہ کچھ رنج مت کرو اور غیبی امداد کا انتظار کرو۔ یہ جواب دیکر شیخ نجم الدین
نے اپنے سر سے ٹوپی اتار لی اور پھر دوبارہ ٹوپی کو الٹ کر سر پر رکھا اور کہا کہ انشاء اللہ اب
اس ٹوپی کو میں اسی وقت سیدھا کروں گا جب مبارک شاہ تخت سلطنت پر جلوس کریگا۔

ملک نائب ہر روز دو ایک گھڑی کے لیئے شہاب الدین عمر کو محل سے لاکر
ہزار ستون کے کوٹھے پر تخت بادشاہی پر بٹھا دیتا تھا اور امیروں اور ارکان دولت کو حکم دیتا تھا
کہ صف باندھ کر ادب سے تخت شاہی کے سامنے کھڑے رہیں دربار ختم ہونے کے بعد
ملک نائب شہاب الدین کو تو محل میں اس کی ماں کے پاس بھجوا دیتا تھا اور خود ایک خیمے
کے اندر جو ہزار ستون پر نصب کیا گیا تھا خواجہ سراؤں کے ساتھ چوسر کھیلنے میں دن رات
بسر کرتا تھا۔ وہ ہر وقت خاندان علائی کی تباہی اور بربادی کی فکر میں غلطاں پیچاں رہتا اور
اپنے حاشیہ نشینوں سے اس کا مشورہ کیا کرتا تھا۔ ایک رات ملک نائب نے چند خواجہ سراؤں
کو جو اس رات ہزار ستون کے محافظ تھے خفیہ مبارک شاہ کی مجلس میں بھیجا تاکہ یہ گروہ وہاں
جاکر مبارک شاہ کو قتل کردے۔ جب یہ جماعت مبارک شاہ کی مجلس میں پہنچی تو شاہزادے
نے جڑاؤ گلوبند اپنے گلے سے اتار کر ان خواجہ سراؤں کو دیا اور اپنے باپ کے حقوق خدمت
ان کو یاد دلائے۔ خواجہ سرا اپنے ارادے سے شرمندہ ہوکر ویسے ہی لوٹ آئے اور اپنے
سرداروں یعنی بشیر اور مبشر سے سارا قصہ بیان کرکے شاہزادے کا عطیہ ان کے حوالے کیا
چونکہ مبارک شاہ کی قسمت میں فرماں روائی لکھی تھی بشیر اور مبشر اور ان کے ساتھی اس
قصے سے بیحد متاثر ہوئے اور اسی رات انھوں نے مبارک شاہ کے دشمنوں کے قتل کا
ارادہ کرلیا۔ جب رات زیادہ گئی اور لوگ ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور بادشاہی محل کے
تمام دروازے بند ہوگئے تو بشیر اور مبشر ملک نائب کی خوابگاہ میں گھسے اور ان سرداروں
نے علاء الدین کی وفات کے پینتیس ۳۵ روز بعد ملک نائب اور اس کے بہی خواہوں کو قتل کرڈالا

ملک نائب کے قتل کے بعد ان خواجہ سراؤں نے مبارک خاں کو قید سے آزاد کر کے اُسے شہاب الدین عمر کی نیابت پر مقرر کیا۔ مبارک شاہ نے دو مہینے تو چھوٹے بھائی کی نیابت کی لیکن آخر کار اُس نے امیروں اور ارکان دولت کو ملا کر شہاب الدین کو حکومت سے معزول کیا اور خود تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ مبارک شاہ نے شہاب الدین کی آنکھوں میں لوہے کی سلائی پھیر کر اُسے گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔ شہاب الدین نے کچھ اوپر تین مہینے حکمرانی کی۔ جس زمانے میں کہ سلطان علاء الدین خلجی کی اولاد پر اپنے اور غیروں کے ہاتھ سے مظالم ہو رہے تھے اس وقت کسی شخص نے شیخ بشیر مجذوب سے پوچھا کہ علائی خاندان کی تباہی اور بربادی کا کیا سبب ہے مجذوب نے جواب دیا کہ یہ اسی کفران نعمت کا وبال ہے جو علاء الدین سے اپنے چچا اور ولی نعمت جلال الدین کے حق میں سرزد ہوا ہے۔

قطب الدین مبارک شاہ خلجی

قطب الدین مبارک شاہ نے آٹھویں محرم ۷۱۷ھ کو تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ ملک نائب کے قتل کے بعد مبشر اور بشیر نے جو پائکوں کے سردار تھے میدان خالی پا کر خوب سر اٹھایا ان خودسروں سے بہت سے ناشائستہ حرکات ایسے ظہور میں آئے کہ مجبوراً مبارک شاہ نے ان دونوں کو بھی موت کے گھاٹ اتارا اور ان کے تابعین کو مختلف قصبوں اور پرگنوں پر بھیج کر ان کی جماعت کو منتشر کر دیا۔ پائکوں کے قضیے کو پاک کر کے مبارک شاہ نے امیروں اور ارکان دولت کی دلجوئی کی طرف توجہ کی۔ اور ہر امیر کو اس کی حیثیت کے موافق خلعت اور انعام سے سرفراز کر کے بہتوں کو طبل و علم بھی مرحمت کیا۔ بادشاہ نے اپنے قدیم غلاموں کو ان کی قدیم خدمتوں پر بحال رکھا اور ان غلاموں کو بھی دیہات اور جاگیریں عطا کیں۔ اس کے بعد امرا کے خطاب اور عہدوں کے تقررات کی نوبت آئی۔ ملک دینار شحنہ پیل کو ظفر خاں کا خطاب ملا۔ اور بادشاہ کے چچا محمد مولائی شیر شاہ کے خطاب سے اور مولانا شہاب الدین کے مشہور خلف مولانا ضیاء الدین صدر جہاں کے لقب سے چشموں میں ممتاز کیے گئے مبارک شاہ نے ملک قرابیگ کو خاص قرب سلطانی سے سرفراز کیا۔ اور حسن نام ایک پردار بچہ پر جو ملک گجرات

کا پہلوان تھا اور ملک شادی نائب خاص پر کہ بادشاہ علاء الدین نے اُسے پالا تھا خاص
نظر عنایت مبذول کی اور اسے خسرو خاں کا خطاب دیا۔ مبارک شاہ حسن کا ایسا والہ و شیفتہ
ہوا کہ تمام لوازمات حشمت جو اس کے اسلاف کے وقت سے ملک نائب اور ملک شادی
کے لیئے مختص تھے حسن کو عنایت کیئے۔ بلکہ بلا لحاظ اس بات کے کہ اس نوعمر آدمی میں بار سلطنت
اٹھانے کی لیاقت بھی ہے یا نہیں وزارت کا اہم ترین عہدہ بھی اسی سے متعلق کر دیا گیا۔
چونکہ قطب الدین شاہ نے اپنی عمر کا ابتدائی حصہ نہ صرف قید خانے میں بسر کیا تھا بلکہ اس قید
میں ہر وقت اس کی جان کے لالے بھی پڑے رہتے تھے۔ اس لیئے حکمرانی کے ابتدائی زمانے
میں بادشاہ کو بھی قیدیوں اور زندانیوں کے ساتھ ایک خاص ہمدردی تھی۔ اور رعایا اور
ارکان دولت کے ساتھ خوش خلقی اور رحمدلی سے پیش آتا تھا۔ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی
مبارک شاہ نے حکم دیا کہ ستر ہزار قیدی نظربندی سے آزاد کر دیئے جائیں۔ جلال الدین خلجی
کی پس ماندہ اولاد کو بھی مبارک شاہ نے ہر چہار جانب سے طلب کر کے ان کو بھی گرانبہا عطیے
اور وظیفے عطا کیئے۔ اور اپنے تمام ملازمین میں سے ہر ایک کو چھ مہینے کی تنخواہ بطور انعام
مرحمت کی۔ مبارک شاہ نے امیروں اور باجگذار فرماں رواؤں کے منصب اور ان کی
جاگیروں میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا۔ جو لوگ افلاس اور تہیدستی کی وجہ سے دربدر بھیک
مانگتے تھے وہ بھی شاہی انعامات سے مالا مال ہو کر صاحب بخشش وجود ہو گئے غرضکہ عرصے
کے بعد لوگوں نے روپے پیسے کا منہ پھر دیکھا۔ اہل احتیاج کی عرضیاں شاہی ملاحظے میں
پیش ہونے لگیں۔ اور ہر حاجت مند کی حاجت روائی ہونے لگی۔ علما۔ صوفیہ اور مستحقین کے
وظائف اور روزینوں میں اضافہ کیا گیا۔ جو دیہات کہ زمینداروں اور جاگیرداروں کی ملکیت
سے علیحدہ کر کے علائی عہد میں خالصے میں شامل کر دیئے گئے تھے وہ پھر ان کے مالکوں کو واپس
کر دیئے گئے۔ بھاری خراج اور ناقابل برداشت مطالبات جو علاء الدین کے زمانے سے
اب تک برابر واجب الوصول سمجھے جاتے تھے یک قلم موقوف کر دیے گئے۔ حب جاہ اور
دنیاوی لذتوں کی ہوسیں جو علائی عہد کے سخت گیر قوانین کی پابندی سے مردہ ہو گئی تھیں
ان میں پھر تازہ جان پڑ گئی۔ غرضکہ مبارک شاہ نے اپنے باپ کے تمام مصلحت آمیز قاعدوں
کو اپنی نرمی اور غیر محل بخششوں سے بالکل مٹا دیا۔ علاء الدین خلجی نے ملکی مصلحتوں کے لحاظ سے
ہر چیز کا ایک نرخ معین کر دیا تھا۔ قطبی عہد میں اشیاء کا نرخ بھی درہم و برہم کر دیا گیا۔ ظاہرا

شراب پینے کی سخت ممانعت کی جاتی تھی لیکن چونکہ خود بادشاہ کی مجلس ہمیشہ ساقی اور شراب سے گرم رہتی تھی رعایا کو بھی اس ممانعت کی بالکل پروا نہ تھی۔ امیر و غریب سب فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ اور علاء الدین خلجی کے وقت میں جو کچھ کہ غیر مشروع باتوں کے کرنے میں کمی رہ گئی تھی اس کی جی کھول کر اس عہد میں تلافی کی گئی ۔

اسی درمیان میں گجرات کا حادثہ پیش آیا۔ اور اس ملک میں عام بغاوت پھیلی قطب الدین نے اس فتنے کا فرو کرنا بقائے سلطنت کے لیئے ضروری سمجھا۔ اور عین الملک ملتانی کو جو علاء الدین کے معتبر سرداروں میں تھا اور جس نے علائی عہد کے بڑے بڑے معرکے سر کیئے تھے ایک جرار لشکر کا سردار بنا کر گجرات روانہ کیا۔ عین الملک نے گجرات پہنچکر خود سروں کو شکست دی۔ اور نہروالہ اور سارے گجرات کو پھر قطبی قلمرو میں داخل کیا۔ اور اطراف و نواح کے زمینداروں کو اطاعت گزار بنا کر دہلی واپس آیا۔ عین الملک کی واپسی کے بعد قطب الدین نے ظفر خاں کی بیٹی سے شادی کی اور ظفر خاں کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا۔ ظفر خاں نے گجرات پہنچکر تین ہی چار مہینے میں فتنہ انگیز مفسدوں کو ایسا تباہ کیا کہ دنیا میں انکا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ظفر خاں نے اس نواح کے زمینداروں اور راجاؤں سے بے شمار روپیہ اور جواہرات فراہم کیئے۔ اور تمام دولت اور مال غنیمت خزانۂ شاہی کو روانہ کیا۔ علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد ہرپال دیو نے جو راجہ رام دیو کا داماد تھا دکن کے اور چھوٹے چھوٹے راجاؤں سے اتحاد پیدا کر کے مرہٹواڑی پر بالکل قبضہ کر لیا تھا۔ جب یہ راجہ ملک مرہٹ پر قابض ہو گیا تو اس نے شاہی عہدہ داروں کو شہر بدر کر دیا اور خود دیوگڑھ کے قلعے کے محاصرے میں مشغول ہوا۔ قطب الدین کو جب رام دیو کے ان حرکات کا علم ہوا تو بادشاہ نے شاہین نام ایک غلام بچے کو وفا بیگ کا خطاب دیا اور اس کو اپنی نیابت میں دہلی میں چھوڑا اور خود سال دوم سنہ جلوس میں ایک جرار لشکر ہمراہ لے کر دیوگڑھ پر حملہ آور ہوا۔ جب شاہی لشکر دیوگڑھ کے قریب پہنچا اور ہندوؤں نے اسلامی فوج کی کثرت اور ساز و سامان کا حال سنا تو رام دیو اور اس کے ہند و حلیف راجہ مقابلے کی تاب نہ لا کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے قطب الدین نے میدان خالی پا کر اپنے چند امیروں کو ہندو راجاؤں کے تعاقب میں روانہ کیا ان امیروں نے بیحد کوشش کی اور پسپا ہندی فوج کو تہ تیغ کر کے ہرپال کو زندہ گرفتار کیا اور اُسے قطب الدین کے سامنے لے آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہرپال کی کھال کھینچکر اُسکا سر دیوگڑھ کے

حصار کے دروازے پر لٹکا دیا جائے۔ اس درمیان میں برسات کا موسم آگیا اور قطب الدین نے مجبوراً تھوڑے دنوں دیوگڑھ میں قیام کیا۔ بادشاہ نے اپنے دوران قیام میں مرہٹواڑی پر تمام و کمال پھر قبضہ کیا۔ اور دیوگڑھ میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کرا کے جواب تک موجود ہے گلبرگہ۔ ساغر[۲۴۳]۔ دسور، سمند وغیرہ مشہور مقامات پر پاسبانوں کے پہرے بٹھائے۔ اور ملک[۲۴۴] بیگ لکھی کو جو علاء الدین کے ممتاز غلاموں میں تھا دکن کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اس کے بعد قطب الدین نے مرہٹواڑی کو اپنے امیروں کی جاگیر میں تقسیم کیا اور باپ کی طرح شاہد پرستی میں مشغول ہو کر خسرو خاں کی نازبرداریاں کرنے لگا۔ قطب الدین نے خسرو خاں کو توجبر و دور باش وغیرہ لوازمات بادشاہی سے سرفراز کر کے اور اپنے معتبر اور نامی امیروں پر سردار بنا کے ملابار روانہ کیا اور خود دہلی واپس چلا۔ قطب الدین اپنی عادت کے موافق راستے میں کثرت شراب سے مخمور ہو کر جان و مال سے بے خبر زندگی بسر کرنے لگا۔ بادشاہ کو اس حالت میں دیکھ کر علاء الدین خلجی کے چچیرے بھائی ملک اسدالدین کے دماغ میں حکمرانی کا سودا سمایا۔ اسدالدین نے شاہی چوبداروں سے سازش کر کے یہ امر طے کر لیا کہ جب قطب الدین کاتی ساگون[۲۴۵] سے گزر کر حرم سرا میں داخل ہو تو اس وقت چونکہ اس کے قریب کوئی محافظ اور چوبدار نہ ہوگا اس لیئے بہتر ہے کہ ہم بھی فوراً حرم سرا میں داخل ہو کر بادشاہ کا کام تمام کردیں۔ جس رات کہ بادشاہ کاتی ساگون سے گزرنے والا تھا اسی شب اسدالدین کے ایک ہمراز نے بادشاہ سے آکر تمام حقیقت حال بیان کردی۔ بادشاہ نے اسی جگہ کھڑے ہو کر سازش کی تفتیش شروع کردی۔ چونکہ واقعہ سچا تھا قطب الدین پر ثابت ہوگیا کہ مخبر نے صحیح اطلاع دی ہے۔ اسدالدین گرفتار ہو کر شاہی حکم سے قتل کیا گیا۔ اور اس بانیِ سازش کے علاوہ بیس آدمی اور شاہی غیظ و غضب کے نذر ہوئے۔ ان بیس مقتولوں میں بعض بالکل بے گناہ تھے۔ اور دہلی سے باہر بھی نہ نکلے تھے۔ مجرموں کو سزا دینے کے بعد قطب الدین نے کاتی ساگون سے سفر کیا اور جھائن پہنچا۔ جھائن پہنچکر قطب الدین نے سلاحداروں کے سردار شادی کہنہ کو گوالیار بھیجا اور وہ دونوں نابینا شاہزادوں یعنی خضر خاں اور شادی خاں اور ملک شہاب الدین کو قتل کر کے ان کے اہل و عیال کو دہلی میں لے آیا۔ اور خضر خاں کی منکوحہ دیولدی قطب الدین کے حرم میں داخل کی گئی۔ جب قطب الدین نے دیکھا کہ گجرات۔ دکن بلکہ تقریباً پورا ہندوستان اس کے زیر نگین ہوگیا اور امرا اور جاگیردار فرماں روا سب اس کے حلقۂ اطاعت میں آگئے

اور سلطنت مدعیان حکومت سے پاک ہوگئی تو احتیاط اور دور اندیشی کو چھوڑ کر اس نے غفلت اور ناعاقبت اندیشی سے کام لیا۔ شراب اور غرور کے تباہ کن نشے میں سرشار ہو کر اس نے ایسی مطلق العنانی شروع کی کہ نہ کسی بہی خواہ کا مشورہ اسے بھلا معلوم ہوتا تھا اور نہ کسی وفا پیشہ امیر کے معروضوں کا اس پر کچھ اثر ہوتا تھا۔ بلکہ اگر کوئی نمکحلال حاشیہ نشین از روئے خیر خواہی بادشاہ کی رائے کے خلاف کبھی کچھ کہتا بھی تھا تو نہ صرف بادشاہ اس کو قبول کرنے سے انکار کرتا بلکہ اس خیر خواہی کرنے والے کو فحش گالیوں سے یاد کرتا تھا کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ رمز اور اشارے میں ہی کچھ خیر خواہی کرسکے۔ غرضکہ قطب الدین نے اپنی تمام پسندیدہ صفتوں کو یکلخت ترک کر دیا۔ اور ان کے عوض بری عادتیں اختیار کیں۔ بادشاہ کے قہر و غضب کی کچھ انتہا نہ رہی اور باپ کی طرح قطب الدین نے بھی بے گناہوں کی خونریزی کا تہیہ کر لیا۔ ظفر خاں والی گجرات جو رکن سلطنت تھا محض بے گناہ مارا گیا۔ ظفر خاں کے بعد ملک شاہین کی باری آئی۔ یعنی وہی ہر دلعزیز امیر جو وفا بیگ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا اہل غرض کی غمازی سے قتل کر دیا گیا۔ غرضکہ بادشاہ کا ہر کام زوال سلطنت کا پتا دینے لگا۔ اور ہر شاہی حکم اور ہر فعل سے تباہی کے آثار روز روشن کی طرح ظاہر ہونے لگے اپنے مقتول بھائی مسمی خضر خاں کی ارادت کی وجہ سے بادشاہ کو حضرت نظام الدین محبوب الٰہی سے بھی عداوت ہوگئی۔ اور بے تحاشا حضرت کے حضور میں بے ادبیاں کرنے لگا۔ بادشاہ نے شیخ زادۂ جام کو محض اس بناء پر اپنے خاص قرب سے سرفراز کیا کہ شیخ زادۂ مذکور حضرت محبوب الٰہی کے برا کہنے والوں میں تھے۔ شیخ زادۂ جام کی التجا پر حضرت شیخ رکن الدین ملتانی سے طلب کیئے گئے۔ حضرت شیخ ملتانی کی شاہی دربار میں بیحد عزت و توقیر کی گئی۔ بادشاہ کے قابل نفرت حرکات اس حد تک پہنچ گئے کہ اکثر اوقات عورتوں کی طرح زیور اور لباس پہن لیتا تھا اور اسی ہیئت سے مجمع میں آکر لوگوں سے ملتا تھا۔ مسخری اور بازاری عورتیں کوشک ہزار ستون پر جمع ہوتی تھیں۔ اور بادشاہی اشارے سے عین الملک اور قرابیگ جیسے نامی اور معزز امیروں سے مسخراپن کرکے ان کی ہر طرح کی توہین کرتی تھیں۔ اور اس طرح بادشاہ کے امیروں کو آزردہ اور خود بادشاہ کو مسرور و خوش کیا کرتی تھیں۔ غرضکہ زوال سلطنت اور تباہی خاندان کے جس قدر اسباب ممکن ہوسکتے تھے سب کے سب قطب الدین کے دربار میں مہیا کرتی تھیں۔

ظفر خاں کے قتل کے بعد گجرات کی حکومت خسرو خاں کے برادر مادری حسام الدین کے سپرد کی گئی۔ حسام الدین بھی اپنے بھائی خسرو خاں کی طرح بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا۔ جب خسرو خاں موجود نہ ہوتا تو حسام الدین اس کی جگہ بادشاہ کا دل خوش کرتا تھا۔ جب حسام الدین گجرات پہنچا اور اس کے حاشیہ نشین اور عزیز و قریب پٹن اور اطراف و جوانب سے آکر اس کے گرد جمع ہوئے تو اس نے ناعاقبت اندیشی سے گجرات کے ارکین سلطنت سے علانیہ مخالفت شروع کر دی۔ چونکہ ان امیروں کی قوت اور ان کے اقتدار میں اب تک کوئی فرق نہ آیا تھا امیروں سے حسام الدین کی مخالفت نہ دیکھی گئی۔ اور سبھوں نے ایکا کر کے اس کو زندہ گرفتار کیا۔ اور بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ حسام الدین اسی حالت اسیری میں شاہی بارگاہ میں داخل ہوا لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی بادشاہ کی محبت نے جوش مارا۔ اور فوراً قید سے رہا کر دیا۔ قطب الدین نے بجائے کسی قسم کی چشم نمائی کے حسام الدین کو اپنی خاص عنایتوں سے سرفراز کیا۔ اور امرائے گجرات کے معروضے پر مطلق توجہ نہ کی۔ گجراتی امیروں نے جب مبارک شاہ کا یہ حال سنا تو بیحد رنجیدہ ہوئے۔ حسام الدین کی معزولی کے بعد گجرات کی حکومت ملک وجیہہ الدین قریشی کے سپرد کی گئی۔

اگرچہ ملک قریشی کو ملک میں از سر نو انتظام و بندوبست کرنے میں بیحد جانفشانی کرنی پڑی لیکن پھر بھی یہ امیر اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا اور ملک میں پھر امن و امان کا سکہ رائج ہو گیا۔ اسی درمیان میں یہ معلوم ہوا کہ ملک بیگ لکھی نے دکن میں مخالفت کا جھنڈا بلند کر کے بادشاہ سے بغاوت کر دی ہے۔ قطب الدین نے ایک جرار لشکر اپنے چند نامی امیروں کی ماتحتی میں ملک بیگ حاکم دیوگڑھ کے مقابلے کے لیئے روانہ کیا۔ ان امیروں نے اپنے حسن تدبیر سے ملک بیگ کو شکست دے کر سردار اور دوسرے فتنہ پردازوں کو زندہ گرفتار کیا اور پابہ زنجیر بارگاہ سلطانی میں لے آئے۔ قطب الدین نے ملک بیگ کی ناک اور کان کاٹ کر اسے تو آزاد کر دیا لیکن اس کے فتنہ انگیز مشیروں کو بدترین سزا سے قتل کیا۔ ملک بیگ کا تصفیہ پاک کر کے قطب الدین نے دیوگڑھ کی حکومت عین الملک ملتانی کے سپرد کی۔ اور خواجہ علاءالدین کے فرزند ملک تاج الدین کو اس صوبے کا مشرف مقرر کیا۔ اور ملک وجیہہ الدین کو گجرات سے بلایا اور اسے تاج الملک کا خطاب دے کر وزیر سلطنت مقرر کیا۔ جب خسرو خاں ملابار پہنچا تو وہاں کے حاکم شاہی فوج کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔ اور

اپنا اسباب اور خزانہ ہمراہ لے کر کسی طرف چلے گئے۔ خواجہ نقی نامی ایک سوداگر البتہ اس خیال سے ملابار ہی میں مقیم رہا کہ سردار مسلمان ہے اور غالباً اسلامی سپاہی اسے تکلیف نہ پہنچائیں گے لیکن اس غریب کا یہ خیال غلط نکلا۔ اور خسرو خاں نے خواجہ نقی سے بیشمار دولت ظلم و جبر کے ذریعے سے حاصل کی اور آخر میں اس بیچارے کو بھی کنار لحد میں سلا دیا ملابار سے اسلامی لشکر تلنگانہ پہنچا۔ راجہ تلنگانہ اس فوج سے مقابلہ نہ کرسکا اور مجبوراً قلعہ بند ہوگیا خسرو خاں نے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ اور اہل قلعہ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگا۔ جب یہ تکلیفیں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو راجہ نے عاجز ہوکر ایک سو ایک زنجیر فیل اور دوسرے بیش قیمت تحفے خسرو خاں کی خدمت میں پیش کرکے اپنی اور رعایا کی جان بچائی تلنگانے سے خسرو خاں کتلی آیا اور یہاں سے بھی بیس ہاتھی اور ایک الماس جس کا وزن چھ درم تھا حاصل کرتا ہوا ملابار واپس ہوا۔ برسات بھر ملابار ہی میں مقیم رہا۔ ملابار کے دوران قیام میں خسرو خاں کے سر میں حکومت کا سودا سمایا اور سرکشی نے اس کے دل میں جگہ کی۔ اس بیوفا نے چاہا کہ اپنے نامی امیروں کو تلوار کے گھاٹ اتارے اور خود تمام ملک پر قابض ہوکر خود مختاری کا ڈنکا بجائے۔ قبل اس کے کہ خسرو اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو امیروں کو اس کے ارادے سے اطلاع ہوگئی۔ ملک تلبغہ حاکم جزیرۂ گووا اور ملک تیمور حاکم چندیری اور ملک کل افغان وغیرہ نامی امرا نے ایک جا جمع ہوکر خسرو خاں کو پیغام دیا کہ خیال محال کو سر سے نکال اور قبل اس کے کہ تیرا راز فاش ہو جلد سے جلد دہلی واپس جا۔ جب خسرو خاں نے دیکھا کہ اس کا راز قبل از وقت فاش ہوگیا۔ اور اب ملابار میں ٹھیرنا جان کا کھونا ہے تو مجبوراً ملابار کی حکومت چند امیروں کے سپرد کرکے اس نے دہلی کا ارادہ کیا۔ ملابار کے امیروں نے اپنی حق شناسی اور کارگزاری پر امیدیں باندھ کر سارا حال لکھکر قطب الدین کو اطلاع دی قطب الدین خسرو خاں کی محبت میں اندھا ہو رہا تھا۔ امیروں کی عرضیوں کو پڑھتے ہی جواب میں انھیں لکھا کہ خسرو خاں جس جگہ پہنچے فوراً پالکی میں سوار کرکے دوسری منزل تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے تاکہ وہ جلد دہلی پہنچ جائے۔ امیروں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی اور خسرو خاں کو سات روز میں دیوگڑھ سے دہلی پہنچا دیا خسرو خاں نے بادشاہ سے ملاقات کی۔ اور جب دیکھا کہ بادشاہ اس پر بیحد متوجہ ہے تو مکاری سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔ اور بادشاہ سے کہا کہ چونکہ شاہی امیر میری افسری کو اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے

مجھ پر یہ نمک حرامی کی تہمت باندھ کر مجھے اس طرح ذلیل اور رسوا کیا ہے۔ قطب الدین خسرو خاں کی اس مکاری کو اپنی فرط محبت سے اس کی راست بیانی سمجھا اور اپنے بہی خواہ امیروں سے ناراض ہوگیا۔ خسرو خاں کے پہنچنے کے دو ہی ایک روز بعد یہ امیر بھی شاہی دربار میں حاضر ہوئے ہر چند ان امیروں نے خسرو خاں کے فاسد خیالات اور باغیانہ منصوبے کی شکایت کی بلکہ اپنی راستی کے ثبوت میں معتبر گواہ بھی پیش کیے لیکن قطب الدین نے ان راست باز امیروں کی ایک نہ سنی۔ بلکہ ان امیروں سے جھگڑنے لگا اور ان سے ناراض ہوکر ان کی جاگیریں ضبط کیں اور ان کا سلام بند کر دیا۔

حاکم چندیری کو صوبہ داری سے معزول کرکے اس کی جگہ اس کے بیٹے کو دی ملک تلیغہ کی جاگیر ضبط کرلی اور قید خانے میں بھیجدیا۔ جن لوگوں نے کہ خسرو خاں کے خلاف گواہی دی تھی ان کو زد وکوب کرکے ان کی پوری رسوائی کی۔ غرض کہ اس قصے سے تمام دنیا پر روشن ہوگیا کہ خسرو خاں کے خلاف کسی بات کا منھ سے نکالنا اپنے پاؤں خود کنویں میں گرنا ہے۔ درباری امیروں میں سے بعض تو کسی نہ کسی حیلے سے رخصت لے کر دور دراز ممالک میں چلے گئے۔ اور بعضوں نے خیریت اسی میں دیکھی کہ خسرو خاں کے حلقہ بگوش ہوکر زندگی کے دن کاٹنے لگے۔ بادشاہ کا یہ حال تھا کہ ایک لمحہ بھی بے خسرو خاں کے اُسے چین نہ تھا۔ اس بے وفا خسرو خاں نے جب دیکھا کہ بادشاہ اوس کی محبت میں بالکل اندھا ہو رہا ہے تو اسے خود فرماں روائی کی خواہش دامنگیر ہوئی۔ اپنے اس ارادے کو پورا کرنے کے لیئے اس نے عملی کارروائی شروع کی۔ بہاء الدین دبیر نے جو بادشاہ سے اس وجہ سے ناراض تھا کہ قطب الدین نے اس کی عزت ریزی کا ارادہ کیا تھا خسرو خاں کا ساتھ دیا۔ ایک روز خسرو خاں نے خلوت میں قطب الدین سے کہا کہ بادشاہ کبھی کبھی اس نمک خوار کو شاہانہ مرحمت سے سرفراز فرماکر دور دراز ملکوں کے فتح کرنے کے لیئے روانہ فرماتے ہیں چونکہ ایسے سفر میں میں سردار لشکر ہوتا ہوں اور درباری امیر اپنی عالی نسبی اور شرافت خاندانی سے میری افسری کو اپنی کسر شان سمجھتے ہیں اس لیئے اگر حکم ہو تو میں بھی اپنے قبیلے کے ہوشیار لوگوں کو جمع کرکے اپنی قوم سے ایک ایسا جرار لشکر تیار کرلوں جو میری ماتحتی میں اس قسم کے مہمات کو اچھی طرح انجام دے سکے۔ بادشاہ نے خسرو خاں کے معروضے کو بڑے شوق سے منظور کرلیا۔ اور اب خسرو خاں نے بادشاہ سے اجازت

حاصل کرکے گجرات کے اکثر خانہ بدوش ہندوؤں کو انعام و اکرام کی امیدیں دلا کر اپنی فوج میں بھرتی کرلیا۔ اور اس طرح بیس ہزار گجراتیوں کا ایک لشکر تیار کرکے اپنے جمع کردہ روپے سے اس لشکر کے لیئے گھوڑے اور دوسرے سامان حرب مہیا کیئے اور وقت اور موقع کا منتظر رہا۔ ان گجراتیوں کے علاوہ اس کے اعوان و انصار بھی خسرو خاں کے پاس چلے آئے۔ اور چالیس ہزار کی ایک فوج اس کے گرد جمع ہوگئی۔ خسرو خاں نے قمرہ قمار کے بیٹے اور یوسف صوفی وغیرہ جیسے دلی کے اور مفسدوں کو ملا کر بادشاہ کے قتل کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس درمیان میں قطب الدین سیر سادہ کی طرف شکار کے لیئے گیا خسرو خاں نے چاہا کہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر عین شکارگاہ میں بادشاہ کو تیر اجل کا نشانہ بنائے لیکن یوسف صوفی نے اس کو اس ارادے سے روکا اور کہا کہ اگر ہم راستے میں بادشاہ کی جان لیں گے تو شاہی لشکر ہمارا دشمن ہو کر ہم کو تہ تیغ کر ڈالے گا۔ بہتر یہ ہے کہ کسی روز موقع پا کر ہم شاہی محل ہی میں بادشاہ کا کام تمام کریں اور امرا کو اپنے پاس بلا کر نظر بند کرلیں۔ اگر یہ امیر بادشاہ کے خون کا بدلا نہ لیں اور ہمارے تابع ہو جائیں تو ان کی جاں بخشی کریں۔ ورنہ امیروں کو بھی بادشاہ کے ساتھ تلوار کے گھاٹ اتاریں خسرو خاں کو یوسف صوفی کا مشورہ پسند آیا۔ اور اپنے حصول مقصد کی کوشش میں سرگرم ہوا۔ قطب الدین شکارگاہ سے واپس آیا۔ اور عادت کے موافق عیش پرستی میں مشغول ہوا۔ خسرو خاں جو کچھ بادشاہ سے مانگتا تھا قطب الدین اُسے فوراً قبول کرتا تھا ایک دن خسرو خاں نے قطب الدین سے کہا کہ اکثر اوقات میں رات کو دیر تک بادشاہ کے حضور میں رہتا ہوں جب مجھے رخصت ملتی ہے تو اس وقت میں مکان جا نہیں سکتا مجبوراً قصر شاہی کے کسی گوشے میں بقیہ رات بسر کرتا ہوں۔ میرے بھائی بند جو محض مجھ سے ملنے اور مجھے دیکھنے کے لیئے دور دراز جگہوں سے آکر میری جان نثاری کرتے رہتے ہیں کئی کئی دن مجھے دیکھ نہیں سکتے اگر بادشاہ حکم دیدیں کہ میرے ہم قوم بلا حصول اجازت شب کو قصر شاہی میں آجایا کریں اور مجھ سے مل کر اپنا دل خوش کرلیا کریں تو شاہانہ نوازش سے بعید نہ ہوگا۔ اگر ایسا ہوگیا تو میں بھی تمام رات شاہی حضور میں حاضر رہونگا قطب الدین نے اس درخواست کو بلا کسی عذر کے منظور کرلیا۔ اور شاہی حرم سرا کی کنجیاں خسرو خاں کے سپرد کرکے کہا کہ تجھ سے اور تیرے ہم قوم جوانوں سے زیادہ میرے لیئے

اور کون صاحب اعتبار ہو سکتا ہے۔ آج سے دولت خانۂ شاہی کا اہتمام تیرے ہی سپرد ہے۔ حرم سرا کے دروازوں کی کنجیاں پاتے ہی خسرو خاں کی باچھیں کھل گئیں اور سمجھا کہ تخت شاہی پر جلوس کرنے کے دن قریب آگئے۔ جب سلطانی بارگاہ بالکل خسرو خاں کے قبضے میں آگئی تو اس کے خویش و اقارب کے گروہ کے گروہ سامان حرب سے آراستہ ہو کر رات دن خسرو خاں کے شبستان میں جمع ہونے لگے۔ خیر خواہان دولت خسرو خاں کے تیور پہچان گئے لیکن چونکہ بادشاہ کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ خسرو خاں کے خلاف کچھ بھی بادشاہ سے کہہ سکے۔ امرا اپنی باری باری جان سے ہاتھ دھو کر حرم سرا کی حفاظت کو جاتے تھے۔ جب اس مخدوش حالت کو چند روز گزر گئے اور بادشاہ کے قتل میں صرف دو دن رہ گئے تو قاضی ضیاء الدین المعروف بہ قاضی خاں نے جو اپنے علم اور فضل کی وجہ سے تمام ملک میں ممتاز اور صاحب عزت تھے اور جنھیں بادشاہ کی اُستادی کا بھی فخر حاصل تھا اور جو حرم سرا کے اندرونی اور بیرونی دروازوں کے کلید بردار تھے اپنی عزت اور جان سے ہاتھ دھو کر بادشاہ کے حضور میں ادب سے عرض کیا کہ خسرو خاں کی دغا بازی اور اس کے باغیانہ منصوبوں کو دربار کے چھوٹے بڑے سب سمجھ گئے ہیں۔ ہم بھی خواہان دولت یہ چاہتے ہیں کہ بادشاہ اس بات کا امتحان فرمائیں اگر ہم سب کا خیال غلط نکلے تو خسرو خاں کے مرتبے اور اس کے اعتماد میں اور زیادہ اضافہ کیجیے۔ اور اگر ہم حلقہ بگوشوں کی رائے صحیح ثابت ہو تو اپنی جان کی حفاظت فرمایئے۔ اس لیئے کہ کاروبار سلطنت بلا احتیاط اور دور اندیشی کے انجام نہیں پاتے چونکہ ان دنوں خسرو خاں ہر لحظہ بادشاہ کے پاس موجود رہتا تھا اس وجہ سے قطب الدین اس کی محبت میں اپنے انجام سے بالکل بے خبر ہو گیا تھا ہر چند قاضی خاں نے نشیب و فراز سمجھائے لیکن قطب الدین نے ایک نہ سنی۔ بلکہ قاضی خاں کو سخت کلمات سے یاد کیا۔ اسی وقت خسرو خاں زنانہ لباس پہنے ہوئے بادشاہ کے سامنے آیا۔ قاضی خاں تو پابوس ہو کر قطب الدین کے پاس سے چلے گئے۔ اور بادشاہ نے سارا ماجرا خسرو خاں سے بیان کر دیا۔ خسرو خاں نے قاضی کی تقریر جب بادشاہ کی زبان سے سنی تو مکاری سے رونا شروع کیا اور کہا کہ چونکہ میرے حال پر بادشاہ کی عنایت حد سے زیادہ ہے تمام درباری حسد کے مارے میری جان کے دشمن ہو گئے مجھے

اس بات کا یقین ہے کہ جب تک یہ امیر میری جان نہ لے لیں گے اپنی غمازی سے باز نہ رہیں گے
خسرو خاں کے رونے پر بادشاہ کا دل بھر آیا۔ قطب الدین نے خسرو خاں کو گلے لگایا اور
اس سے کہا کہ تو خاطر جمع رکھ میں اپنی تمام حشمت و سلطنت تیرے ایک موئے بدن پر
صدقے اور قربان کرنے کو تیار ہوں چہ جائیکہ ان غمازوں کی بدگوئی سے میں تجھ سے
آزردہ خاطر ہوں۔ خسرو خاں کو اس طرح تسلی دے کر بادشاہ نے اسے تو رخصت کیا اور
خود حرم سرا میں داخل ہوا۔ اس واقعے کی دوسری رات خسرو خاں کے تمام مفسد پروا
حاشیہ نشین دربار شاہی کے اہتمام کے بہانے سے ہزار ستون میں آئے اور کمین گاہ میں
چھپکر بیٹھ رہے۔ جب تھوڑی رات گزری اور سناٹا ہو گیا اور ہر شخص اپنے بستر پر آرام
کے لیئے لیٹا اور سوا ان امیروں کے جن کی باری پاسبانی کی تھی دوسرا کوئی محافظ ہزار ستون
میں نہ رہا تو قاضی ضیاء الدین چوکیداروں کی حاضری لینے کے لیئے ہزار ستون میں داخل
ہوئے خسرو خاں کے چچا مندل نام ایک شخص نے قاضی سے ملاقات کی اور ان کو باتوں
میں لگایا۔ مندل نے اپنے ہاتھوں سے ایک گلوری پان کی قاضی کو دی۔ چونکہ قاضی صاحب
کا وقت آچکا تھا اس مکار کی باتوں میں آگئے اور غافل ہو کر اس سے گفتگو کرنے لگے
جاہر نام ایک پروار بچہ جو پہلے سے قاضی کے قتل کا بیڑا اٹھا چکا تھا کمین گاہ سے نکلکر
قاضی کی پشت پر آیا اور اس نے ایک ایسا کاری وار تلوار کا قاضی کے سر پر لگایا کہ تلوار
جسم کے دو ٹکڑے کرتی ہوئی پاؤں سے اتر گئی۔ قاضی صاحب گرے اور صرف اتنا کہہ سکے
کہ مکاری ظاہر ہو گئی۔ وہ تین آدمی جو قاضی صاحب کے ساتھ تھے فوراً بھاگے اور
انھوں نے باواز بلند پکارنا شروع کیا کہ پرواریوں نے قاضی کو قتل کر ڈالا۔ دوسرے
پہرے والے تحقیقات حال کے لیئے اپنی جگہ سے اٹھے۔ خسرو خاں کے ملازم یہ ہنگامہ
دیکھتے ہی قرارداد کے موافق کمین گاہ سے باہر آئے اور تلوار کھینچے ہوئے ہزار ستون
کے اندر گھس گئے۔ اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ قطب الدین اپنے خلوت خانے
میں خسرو خاں کے ساتھ عیش پرستی میں مشغول تھا اس شور کے سنتے ہی خواب غفلت
سے جاگا اور اس نے خسرو خاں سے اس ہنگامے کا سبب پوچھا۔ خسرو خاں بادشاہ سے
جدا ہو کر باہر آیا۔ اور چند لمحے کوٹھے پر کھڑے رہ کر پھر بادشاہ کی خدمت میں واپس آیا
خسرو خاں نے بادشاہ سے کہا کہ نوبت کے گھوڑے جو ہزار ستون میں آج رات آ لیے تھے

جلو داروں کے ہاتھ سے چھوٹ گئے ہیں۔ لوگ ان کو پکڑنے کے لیئے ہر طرف دوڑ رہے ہیں اور اسی وجہ سے اتنا شور بلند ہو رہا ہے۔ اسی درمیان میں جاہر اور اس کے دوسرے ہمراہی ہزار ستون کے دروازے سے کوٹھے پر پہنچے اور ان ظالموں نے خاص شاہی چوکیداروں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ جب ابراہیم و اسحق محل خاص کے دربان ان بے دینوں کے ہاتھوں نذر اجل ہوئے تو اور زیادہ شور بلند ہوا۔ چونکہ اب ہنگامہ شاہی خلوت خانے کے قریب پہنچ چکا تھا بادشاہ گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور سمجھا کہ معاملہ دگرگوں ہے۔ قطب الدین نے اپنی جان بچانے کے لیئے حرم سرا میں جانے کا قصد کیا۔ خسرو خاں نے جب بادشاہ کو حرم سرا کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ شاید حرم سرا میں داخل ہونے کے بعد بادشاہ قبضۂ اقتدار سے نکل جائے یہ بے وفا بادشاہ کی طرف لپکا اور اس نے ہمت کی اور جھپٹ کر بادشاہ کے سر کے بال ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیئے۔ بادشاہ نے یہ دیکھ کر کہ خسرو خاں نے اس کے بال پکڑے ہیں خسرو خاں کو بغل میں دبوچ لیا۔ لیکن اس بے حیا نے بادشاہ کے سر کے بال نہ چھوڑے یہاں تک کہ اس کے ساتھی اس کے قریب آگئے۔ اپنے ملازموں کو دیکھ کر خسرو خاں نے فریاد کی اور کہا کہ جلد آکر میری خبر لو۔ جاہر نامراد نے قریب پہنچکر ایک ہی ضرب شمشیر سے قطب الدین کا کام تمام کر دیا۔ اور بادشاہ کے سر کے بال پکڑ کے اس کی لاش خسرو خاں کے سینے پر سے کھینچکر زمین پر پھینک دی۔ اس بے دین نے بادشاہ کا سر تن سے جدا کیا۔ اور ہزار ستون کے نیچے پھینک دیا۔ چوکیداروں اور دوسرے شاہی خدمت گاروں نے جب آقا کا سر دیکھا تو خوف کے مارے بھاگے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ حسام الدین اور جاہر حرم سرائے شاہی میں گھس گئے اور علاء الدین کے دو کم عمر نوجوان لڑکوں اور بادر فرید خاں کو قتل کر کے ان بدنصیبوں نے بادشاہ کے بیٹوں یعنی فرید خاں عمر خاں اور علی خاں کو بھی تلوار کے گھاٹ اتارا اور اہل حرم کی بے عزتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

خسرو خاں نے چراغ اور مشعلیں روشن کرائیں اور امیروں کی گرفتاری کیلیئے اپنے ملازم روانہ کیئے۔ عین الملک ملتانی (جو اس زمانے میں دیوگیر سے آیا ہوا تھا) اور ملک جونا (جو آخر میں محمد شاہ تغلق کے نام سے مشہور ہوا) اور وجیہ الدین قریشی

اور پسران قرابیگ جیسے نامی امراجو اس واقعے سے غافل اپنے اپنے گھروں میں آرام سے سو رہے تھے گرفتار ہو کر ہزار ستون میں لائے گئے۔ خسرو خاں نے ان امیروں کو اپنے پاس حفاظت کے ساتھ نظربند رکھا۔ غرضکہ جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے ساتھ بیوفائی اور نمک حرامی کرنے کا وبال علاء الدین کے خاندان پر جس سے قطب الدین تھا ایسا نازل ہوا کہ علائی سلسلے کا نام لیوا بھی دنیا میں باقی نہ رہا۔ قطب الدین کے قتل کا واقعہ پانچویں ربیع الاول ۷۲۱ھ کو پیش آیا۔

قطب الدین کے قتل کے دوسرے دن پرواریوں اور خسرو خاں کے دوسرے حلقہ بگوشوں کا ایک کثیر مجمع اس کے گرد جمع ہوا۔ خسرو خاں نے نظربند امیروں کو بھی اپنے حضور میں طلب کیا۔ اور ان سبھوں کے سامنے سلطان ناصر الدین کا لقب اختیار کر کے تخت سلطنت پر جلوس کیا اس کم ظرف پروار بچے نے قطبی اور علائی امیروں کو جن میں عین الملک اور ملک جونا جیسے امرا بھی شامل تھے تخت شاہی کے سامنے مودب کھڑا رکھا۔ تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی خسرو خاں نے علائی اور قطبی غلاموں کے معتبر اور جاں نثار گروہ کو تہ تیغ کیا۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گجرات کے ہندوؤں کے حوالے کیا۔ خسرو خاں نے اپنے بھائی کو خان خاناں کے خطاب سے سرفراز کر کے سلطان علاؤ الدین خلجی کی بیٹی کو اس کے حوالے کیا۔ اور قطب الدین مبارک شاہ کی بیوی کو خسرو نے اپنے محل میں داخل کیا۔ قطب الدین اور علاء الدین کے دوسرے حرم اور ان کی بیبیاں خسرو خاں کے اور لشکریوں کے حصے میں آئیں۔ خسرو خاں نے قاضی اور قطب الدین کے قاتل جاہر نام کو بے شمار زر و جواہر عطا کر کے اسے مالامال کیا۔ اور مندل کو رائے رایاں کا خطاب دیکر قاضی خاں کی تمام املاک و جاگیر اسے عطا کی۔

خسرو خاں نے تخت پر بیٹھتے ہی علائی اور قطبی خزانوں کا دروازہ کھول دیا اور اپنے تمام ملازمین کو چھ مہینے کی تنخواہ بطور انعام مرحمت کی۔ خسرو خاں نے ان اوباش اور رذیلوں کو بھی جو صرف روپے کے لالچ سے اس کے گرد جمع ہوئے تھے تہ تیغ کر کے اطمینان حاصل کر لیا۔ خسرو خاں نے علاء الدین خلجی کے بھانجے ملک مسرت کو بھی جس نے عرصے سے دنیا چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی کنار تحد میں سلا کر علائی خاندان کا چراغ بالکل گل کر دیا۔

اس ہنگامۂ بے غیرتی میں دین کی یہ حالت ہو گئی کہ غیر مسلم قرآن پاک کو بجائے کرسی کے

استعمال کرکے اُس پر بیٹھتے تھے۔ علائی امیروں میں بیسر قمرہ قمار اعظم الملک شائستہ خاں کے
خطاب سے سرفراز ہو کر عارض ممالک مقرر کیا گیا۔ عین الملک ملتانی عالم خاں کا خطاب
پاکر امیر الامرا کے مرتبے پر فائز ہوا اور ملک وجیہ الدین تاج الملک کے خطاب کے
ساتھ وزیر الممالک مقرر ہوا۔ اور اُسکے بیٹوں کو بھی ملک میں عہدے دیئے گئے
خسرو خاں ملک فخر الدین جونا کی بیحد رعایت کرتا تھا یہاں تک کہ خسرو نے ملک جونا
کو منصب اخور بیگی کے مرتبے پر سرفراز کرکے بیشمار دولت عطا کی۔ ملک جونا کے احترام
سے خسرو خاں کا مقصود یہ تھا کہ شاید بیٹے کی عزت اور وقعت کا حال سنکر غازی ملک
حاکم لاہور اور دیپالپور بھی خسرو کا مطیع ہو جائے۔

ملک فخر الدین ظاہر اتو خاموش تھا لیکن دل ہی دل میں خسرو نمک حرام کی بیوفائی
سے جلا جاتا تھا۔ غازی ملک نے بھی جو ایک باوفا اور نمک حلال امیر تھا خسرو کی
نالائق حرکات کو سنکر اس کمینے سے اپنے ولی نعمت کے انتقام لینے کا مصمم ارادہ کرلیا
خسرو خاں کی تخت نشینی کے دو ہی تین مہینے کے بعد ملک جونا ایک روز آدھی رات
کو موقع پاکر فرار ہو گیا۔ اور اپنے چند معتمد ملازموں کے ساتھ دیپالپور روانہ ہوا۔ ملک جونا
کے بھاگنے سے خسرو خاں غفلت کی نیند سے جاگا اور زوال سلطنت کے خواب دیکھنے
لگا۔ خسرو خاں نے قمرہ قمار کے فرزند اور دوسرے نامی امیروں کو ملک جونا کے تعاقب
میں روانہ کیا۔ لیکن یہ کم ہمت امرا اوس کی گرد تک بھی نہ پہونچے۔ اور قصبہ سرستی
کے نواح تک جا کر بے نیل مرام واپس آئے۔ غازی ملک نے اسی عاقبت اندیشی
سے اس واقعے کے چند روز قبل ہی سے دو سو سوار قلعہ سرستی میں مقرر کر دیئے تھے
ملک جونا نے ان سواروں میں سے چند جوانوں کو اپنے ہمراہ لیا۔ اور دیپالپور روانہ
ہوا۔ ملک جونا نے دیپالپور پہونچکر باپ سے ملاقات کی۔ اور غازی ملک بھی بیٹے کے
آنے سے خوش اور مطمئن ہوا۔ جب غازی ملک کو بیٹے کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو
اوس نے قطب الدین کا بدلا لینے کی تیاریاں شروع کیں۔ اور اطراف وجوانب کے
امیروں اور صوبہ داروں کو خطوط لکھے اور اونکو خاندان علائی کا حق نمک ادا کرنے کی
ترغیب دی۔ تقریباً تمام امیروں نے اس نمک حلالی میں غازی ملک کا ساتھ دیا۔
اور اسکی مدد کو آمادہ اور مستعد ہو گئے۔ لیکن مغلطی نام حاکم ملتان نے غازی ملک کو جواب

میں لکھا کہ تو امیر دیپالپور ہے اور میں امیر ملتان ہوں۔ ہم دونوں کو اپنی حیثیت سے زیادہ بڑھنا اور خسرو خاں بادشاہ دہلی کے مقابلے میں معرکہ آرائی کرنا سزاوار نہیں ہے غازی ملک نے حاکم ملتان کا جواب پاکر اپنے ایک معتمد دوست بہرام نامی کو ایک خط لکھا کہ مغلطی کا قصہ پاک کرکے تم ملتانی سپاہ کو اپنے ہمراہ لو اور میری مدد کیلئے جلد دیپالپور آؤ۔ بہرام نے مغلطی کا کام تمام کرکے ملتانی فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ اور سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔ ملک بیگ لکھی حاکم سمانہ نے باوجود اس کے کہ قطبی عہد میں خسرو کے ہاتھوں اپنی ناک وکان کٹا چکا تھا غازی ملک کی تحریر خسرو خاں کے پاس بھیجدی اور خود اپنی فوج ساتھ لیکر غازی ملک پر حملہ آور ہوا۔ چونکہ حق غازی ملک کے ساتھ تھا ملک بیگ شکست فاحش کھاکر سامنے سے بھاگا۔ اور سمانہ میں آکر اس نے پناہ لی۔ ملک بیگ چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے کو خسرو خاں کے پاس پہنچائے لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہونے پائی۔ اور سمانہ کے زمینداروں نے اسے پکڑ کر اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

خسرو خاں نے اپنے بھائی خان خاناں کو چتر و دورباش عنایت کیا اور یوسف صوفی کو جو صوفی خاں کے خطاب سے سرفراز ہو چکا تھا اپنے فدائیوں کی قابل اعتماد جماعت کے ہمراہ غازی ملک کے مقابلے کیلئے مقرر کیا۔ اسی دوران میں ملک بہرام ایبہ ایک جرار فوج ہمراہ لیکر اچھ اور ملتان سے گزرتا ہوا غازی ملک سے آملا۔ سرستی کے حدود میں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور طرفین سے معرکۂ جنگ کی صفیں آراستہ ہوئیں لیکن چونکہ غازی ملک اور اس کے ساتھی تجربہ کار تھے۔ اور خسرو شاہ کے کافر نعمت ملازمین آئین جنگ سے کچھ بھی واقفیت نہ رکھتے تھے غازی ملک کے پہلے ہی حملے میں یہ بے وفا گروہ شکست کھاکر ذلت اور رسوائی کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگا اور بے شمار ہاتھی اور گھوڑے اور تمام خزانہ میدان جنگ میں چھوڑ گیا۔ غازی ملک نے اس فتح کا خدا کی درگاہ میں شکریہ ادا کیا۔ اور جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اسے لشکریوں میں تقسیم کرکے بصد شان وشوکت کے ساتھ جلد سے جلد سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا دہلی روانہ ہوا۔ غازی ملک کے آنے سے خسرو خاں بیحد پریشان ہوا اور اس نے چاہا کہ دہلی سے نکل کر مقابلہ کرے

لیکن اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ اور علائی حوض کے پہلو میں ایک مقام کو مستحکم کر کے حصار کو اپنا پشت پناہ اور باغات کو پیش رو قرار دیکر بیٹھ رہا غازی ملک بیحد شان و شوکت کے ساتھ آرہا تھا۔ خسرو خاں نے غازی ملک کے آنے کی خبر سنکر خزانے کا دروازہ کھول دیا اور سپاہیوں میں چار سال کا اور بعضوں کو تین یا ڈھائی سال کا وظیفہ پیشگی عنایت کیا خسرو خاں نے فوجیوں کے علاوہ مشائخوں کو بھی بہت سا روپیہ تقسیم کیا۔ غرضکہ اس آخری داد و دہش سے خسرو خاں نے ایک حبہ بھی خزانے میں نہ چھوڑا یہانتک کہ جواہرات بھی لشکریوں میں بانٹ دئیے۔ صبح جنگ کی گزشتہ رات کو عین الملک ملتانی بھی خسرو خاں سے جدا ہو کر مندو کی طرف روانہ ہو گیا۔ عین الملک کے جانے سے خسرو خاں اور دل شکستہ ہو گیا اور اسکی پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے خسرو خاں نے اندرپت کے میدان میں غازی ملک سے مقابلہ کیا۔ خسرو خاں کے مقدمۃ لشکر یعنے ملک تلیغہ ناگوری اور شایستہ خاں جنگ رستمانہ کر کے لڑائی میں کام آئے۔ خسرو خاں نے پھر بھی تحمل اور مردانگی سے کام لیا اور عصر کے وقت تک لڑائی میں مشغول رہا۔ لیکن آخر شکست کر پرواریوں کی ایک جماعت کے ساتھ تلپت کی طرف بھاگا۔ خسرو خاں کے ہمراہیوں نے راستے ہی میں اس سے کنارہ کشی کر لی۔ خسرو خاں آخر غازی ملک کے ہاتھ آگیا۔ یہ اجل رسیدہ اس رات پریشان ادھر ادھر چھپتا پھرتا تھا۔ یہانتک کہ اپنے پرانے مالک ملک شادی کے حظیرے میں اس نے پناہ لی۔ دوسرے دن لوگوں نے اسے گرفتار کر کے غازی ملک کے حوالے کر دیا۔ غازی ملک نے خسرو خاں کو قتل کرا کے اس کے بھائی خان خاناں کو بھی جو باغ میں چھپا ہوا تھا موت کے گھاٹ اتارا۔ اس واقعے کے دوسرے دن یعنی یکم شعبان ۷۲۰ ہجری کو تمام اعیان شہر اور شرفا غازی ملک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سبھوں نے اس کو اس فتح کی مبارکباد دی اور شہر کے دروازے کی کنجیاں اس کے سپرد کر دیں۔ غازی ملک سوار ہو کر شہر میں آیا۔ اور ہزار ستون کے قریب پہنچکر رو دیا۔ اور بیحد متاسف ہوا۔ غازی ملک نے سلطان قطب الدین اور اسکے بیٹوں کی تعزیت کر کے حاضرین سے بہ آواز بلند کہا کہ میں تمھیں لوگوں کے مانند ایک امیر ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے نمک حراموں سے اپنے مالک کے خون کا بدلا لے لیا۔

اب اگر ہمارے ولی نعمت اور آقاؤں کی نسل سے کوئی باقی ہو تو اسے بلا تامل تخت سلطنت پر بٹھاؤ۔ اور ہم سب اس کی اطاعت اور فرماں برداری کریں۔ اور اگر خاندان علائی بالکل تباہ ہوگیا ہے تو تم لوگ جسکو چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کرو۔ میں بھی اسکی اطاعت کیلیے جان و دل سے تیار ہوں۔ تمام حاضرین نے بالاتفاق کہا کہ شاہی نسل کا بالکل خاتمہ ہو چکا ہے اور عرصہ دراز سے تم برابر مغلوں کے ہم تشین چلے آرہے ہو۔ پہلے بھی تم نے اپنے کو تمام اہل ہند کی سپر بنا کر ہم کو ممنون احسان کیا ہے۔ چہ جائیکہ اب جب کہ تم نے ہمارے ولی نعمت کا انتقام لیکر ہم کو اور زیر بار منت کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں حکمرانی کا تم سے زیادہ مستحق اور اہل ہم میں کوئی دوسرا موجود نہیں ہے۔ یہ کہکر امیروں نے غازی ملک کا ہاتھ پکڑا۔ اور اسے تخت سلطنت پر بٹھاکر سلطان غیاث الدین کے نام سے اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ قطب الدین مبارک شاہ نے چار برس چار مہینے اور خسرو خاں نے کچھ دن کم پانچ مہینے حکمرانی کی۔

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخی حواشی فرشتہ جلد اول

حالات

ابراہیم عادل شاہ ۲۲۹

ابراہیم عادل شاہ ثانی بن طہماسپ بن ابراہیم اول بن اسمٰعیل عادل بن یوسف عادل خاندان عادل شاہیہ کا چھٹا فرمانروا ہے ابراہیم عادل اپنے چچا علی عادل شاہ کے قتل کے بعد صفر ۹۸۸ہجری میں تخت نشین ہوا مورخ فرشتہ اسی فرمانروا کی بارگاہ کا ملازم اور اسی بادشاہ کا مدح سرا ہے ابراہیم عادل کے حالات تاریخ فرشتہ میں مفصل مندرج ہیں جو ترجمہ تاریخ فرشتہ کی جلد چہارم میں تفصیل کیساتھ مذکور رہیں۔

ابو العباس مامون خوارزم شاہ ۸۷۰۰ و ۸۸

یہ شخص خاندان خوارزم شاہی سے نہیں ہے فرشتہ نے اس کا نام لکھنے میں غلطی کی ہے اور اسے خوارزم شاہ کے لقب سے یاد کرکے ناظرین کو دھوکہ میں ڈالدیا ہے اصل یہ ہے کہ محمود کے ابتدائی زمانہ میں خوارزم کی حکومت مامون نامی ایک شخص سے متعلق تھی مامون کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابو علی حاکم خوارزم ہوا ابو علی نے محمود کی بہن کے ساتھ نکاح کیا اور ہمیشہ سلطان محمود کا اطاعت گزار رہا ابو علی کے مرنے کے بعد مامون ابن مامون بھائی کا جانشین ہوا یہی شخص ہے جس کا حال فرشتہ نے لکھا ہے اصل یہ ہے کہ اسے بجائے ابو العباس مامون خوارزم شاہ کے ابو العباس مامون بن مامون حاکم خوارزم کے نام سے یاد کرنا چاہیئے تھا۔ مامون نے اپنے بھائی کی بیوہ یعنی خواہر سلطان محمود سے عقد کیا۔ مامون کے آخری زمانہ میں محمود نے ایک قاصد بھیجکر اُسے اس بات پر مجبور کیا کہ مامون اپنے ملک میں محمود کا خطبہ و سکہ جاری کرے۔ مامون نے اس بارے میں اپنے امیرون سے مشورہ کیا خوارزم کے امیرون نے جواب دیا کہ ہم اُسی وقت تک تمھارے فرمانبردار ہیں جب تک کہ تم خود کسی دوسرے کے محکوم نہیں ہو محمود کے ایلچی نے درباریون اور مامون کی تمام گفتگو سنی اور غزنی واپس آکر سارا ماجرا

محمود سے بیان کیا مامون درباریون کی تقریر سنکر خاموش ہو رہا لیکن درباری خود سلطان محمود کے غضب سے بیحد خوف زدہ ہوئے اس واقعہ کے بعد دربار میں حسب عادت ایک روز ماموں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دفعتہً ماموں کے قتل کی خبر سارے ملک میں پھیل گئی لیکن حقیقت حال سے کسی کو آگاہی نہ ہوئی ماموں کے بعد نیالتگین نے اس کے بیٹے کو تخت حکومت پر بٹھا کر تمام گنہ گار امیرون سے اس بات کا عہد و پیمان لیا کہ اگر سلطان محمود ان پر حملہ کرے تو سارے امیر اتفاق اور اتحاد کے ساتھ اپنی متفقہ طاقت سے محمود کا مقابلہ کرین - محمود نے ابوالعباس ماموں کے قتل کی خبر سنی اور ۴۰۸ھ ہجری میں خوارزم پر حملہ آور ہوا اہل خوارزم محمود کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے - خوارزمیون کی ایک کثیر تعداد میدان جنگ میں کام آئی اور پانچ ہزار قیدی محمود کے ہاتھ آئے بقیہ لشکر میدان جنگ سے بھاگا نیالتگین جو ماموں کے قاتلون کا سرگروہ تھا ایک کشتی میں سوار ہوا تاکہ دریائے جیحون کو عبور کرکے اپنی جان بچائے لیکن اپنی کم فہمی سے کشتی کے ایک مسافر سے لڑا اس شخص نے نیالتگین کو گرفتار کرکے اس کے ہاتھ پاؤن مضبوط باندھ دئے اور کشتی کو نہر خوارزم کی طرف چلا دیا - نیالتگین محمود کی بارگاہ میں لایا گیا محمود نے نیالتگین اور ابوالعباس کے دوسرے قاتلون کو مقتول کی قبر کے پاس پھانسی دلوائی

اباکالنجار (۱۴۶)	اباکالنجار امیر زیار کی اولاد میں ہے زیار طبرستان کے نامی امیرون میں تھا اور اس کا سلسلہ نسب امیر ارغش پر منتہی ہوتا ہے - ارغش کیخسرو بادشاہ ایران کے زمانہ میں گیلان کا حاکم تھا زیار کی اولاد میں سب سے

پہلے مرداویج نے مرتبہ حکمرانی حاصل کیا اور اسفار بن شیرویہ کے بعد ۳۱۹ھ ہجری میں طبرستان کا مستقل فرمانروا ہوا مرداویج کے بعد آل زیار میں سات فرمانروا اور ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں وشمگیر بن زیار شمس المعالی قابوس بن زیار - منوچہر بن قابوس - اباکالنجار بن منوچہر کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس - گیلان شاہ بن کیکاؤس -

اباکالنجار بن منوچہر بن قابوس بن زیار خاندان زیاریہ کا پانچوان فرمانروا ہے - اس کا باپ منوچہر بن قابوس سلطان محمود کا باجگزار اور اس کا داماد تھا امیر کالنجار نے بھی سلطان مسعود غزنوی کی ابتداءً اطاعت و فرمانبرداری کی لیکن جب مسعود حوالی جرجان میں پہونچا تو اباکالنجار سے کچھ ایسے حرکات سرزد ہوئے کہ اوسے مسعود کے خوف سے جرجان چھوڑ کر بعض قلعون میں پناہ گزین ہونا پڑا اباکالنجار نے اسی قلعہ بندی کی حالت میں ۴۲۱ھ ہجری

میں وفات پائی ۔

الپ ارسلان
۱۷۳

سلطان عضدالدولہ ابوشجاع محمد المعروف بہ الپ ارسلان بن جغر بیگ سلجوقی نے اپنے باپ کی وفات کے بعد ۵۱ھ ہجری میں خراسان کے تخت حکومت پر جلوس کیا ۵۵ھ ہجری میں طغرل نے وفات پائی اور سلیمان بن جغر بیگ داؤد اس کا جانشین ہوا طغرل کے چچیرے بھائی کلتمش بن اسرائیل نے ترکمانیون کے ایک گروہ کے ساتھ سلیمان پر حملہ کیا دونون فریق دمغان میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوے اور سلیمان کو شکست ہوئی الپ ارسلان نے بھائی کی شکست کے بعد کلتمش سے معرکہ آرائی کی کلتمش دوران جنگ میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوا اور الپ ارسلان نے بلاشرکت غیرے ۴۵۵ھ ہجری میں عراق کے تخت حکومت پر بھی جلوس کیا۔ علامہ یافعی کی روایت یہ ہے کہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی نے اپنے وارثون میں کسی کے لئے بھی کوئی وصیت نہیں کی تھی طغرل کے بعد سلیمان اوس کا جانشین ہوا اور الپ ارسلان نے اپنے علاتی بھائی سلیمان بن داؤد کے مقابلہ میں معرکہ آرائی کی ۔ کلتمش بن اسرائیل نے الپ ارسلان کا ساتھ دیا کلتمش میدان جنگ میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوا ۔ سلیمان نے شکست کھائی اور الپ ارسلان نے خراسان کے ساتھ عراق کی عنان حکومت بھی ۴۵۵ھ ہجری میں اپنے ہاتھ میں لی اور اس طرح باپ اور چچا دونون کا جانشین ہوا خلیفہ القائم بامر اللہ نے الپ ارسلان کو اوسکے باپ اور چچا کا صحیح وارث تسلیم کرکے اوسے عضد الدولہ برہان امیر المومنین کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ ارمانوس بادشاہ روم نے مسلمانون کے روزافزون اقتدار اور اُن کی وسعت سلطنت کو رقابت اور تعصب کی نگاہ سے دیکھ کر ارادہ کیا کہ مسلمان فرمانرواؤن کے مرکز یعنی دارالسلام بغداد کو فتح کرکے سمرقند اور نیشاپور تک تمام بلاد اسلام کو تاخت و تاراج کرے اس خیال کو دل میں جاگزین کرکے ارمانوس نے فرنگیون رومیون اور ارمینون کا ایک جرار لشکر ساتھ لیا اور بلاد اسلام کی طرف روانہ ہوا ارمانوس کے اس ارادہ سے عیسائیون میں ایسا مذہبی جوش پھیلا یا کہ ہزارون بطریق اور اسقف اپنے اپنے شیدائیونکے مختلف گروہون کے ساتھ ارمانوس کے جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہو گئے اور اس طرح ارمانوس کے سپاہیون کی تعداد لاکھون تک پہونچ گئی سلجوقیون کا باہمت فرمانروا سلطان الپ ارسلان بارہ یا پندرہ ہزار سوارون کے ساتھ ارمانوس کے مواج لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا

جب فریقین کا مقابلہ ہوا تو قبل اس کے کہ لڑائی کا بازار گرم ہو بارگاہ سلجوقیہ کے ایک نامی امیر ساوتکین نے قیصر کے پاس قاصد بھیجکر اس سے صلح کی گفت وشنید شروع کی قیصر نے جو غرور اور تکبر کے نشہ مین سرشار تھا مسلمانون کی اس درخواست کو اون کی کمزوری پر محمول کر کے رد کیا اور معرکہ آرائی کرنے پر اور زیادہ مستعد اور آمادہ ہوا غرضکہ جمعہ کے دن فریقین نے ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنی صفین درست کین الپ ارسلان نے اپنے سپاہیون کو مسلمانون کی عزت اور اون کے ناموس کو عیسائیوں سے محفوظ رکھنے کی ترغیب دے کر اپنے سر سے دستار اور کمر سے تلوار کہولی اور اوسی میدان میں خدا کے سامنے سجدہ میں گرا اور فتح ونصرت کی دعا مانگی دینی اور دنیاوی تمام تدبیرون سے فراغت حاصل کر کے بادشاہ مسلح ہوا اور گہوڑے پر سوار ہو کر اوس نے رومیون پر حملہ کیا تہوڑی دیر تو قیصر اور اوس کے سپاہی بھی مسلمانوں سے کلہ بکلہ لڑتے رہے لیکن آخر کار عیسائیون کے پاؤن میدان جنگ سے اکہڑے اور غروب آفتاب کے وقت سپاہی مع سردار میدان جنگ سے بہاگے مورخین لکھتے ہیں کہ اس معرکہ میں عیسائیون کی تعداد تقریباً تین لاکھ تھی الپ ارسلان ارمانوس کے لشکر گاہ میں گیا اور اس کے تخت سلطنت پر جلوس کر کے اپنے ایک امیر گوہر آئین نام کو قیصر کے تعاقب میں روانہ کیا گوہر آئین قیصر کو گرفتار کر کے الپ ارسلان کے سامنے لایا الپ ارسلان نے قیصر کو صلح نہ کرنے پر سخت سُست الفاظ سے یاد کیا قیصر نے تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار سالانہ خراج کے عوض اپنی اور اپنے دوسرے قیدیون کی رہائی کی درخواست کی الپ ارسلان نے قیصر کی درخواست قبول کی اور اسے اپنے پہلو میں کرسی پر بیٹھا کر قیصر اور اس کے مذہبی پیشواؤن کو خلعت فاخرہ عنایت کئے الپ ارسلان نے اپنے فرزند ملک شاہ کا قیصر کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا اور قیصر کو دس ہزار دینار دیکر اسے ملک روم واپس جانے کی اجازت دی الپ ارسلان بطریق مشایعت ایک کوس قیصر کے ساتھ ہی گیا اس واقعہ کے بعد الپ ارسلان اپنے باغی بھائی کی تنبیہہ کرتا ہوا اپنے دار الملک نیشاپور پہونچا اور ایک بہت بڑا جشن منعقد کر کے اپنے بڑے بیٹے ملک شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا الپ ارسلان کے عہد میں جازغ نامی ایک شخص نے نواح خوارزم میں بغاوت کی الپ ارسلان نے جازغ پر دہاوا کر کے اسے شکست دی اور خوارزم کی حکومت اپنے بیٹے ارسلان شاہ کو دی الپ ارسلان خوارزم سے طوس ہوتا ہوا ازادکان پہونچا ازادکان میں بادشاہ نے چند روز قیام کیا اور سونے کا

ایک تخت طیار کرایا تخت طیار ہو کر بارگاہ میں آیا اور الپ ارسلان نے اپنے بیٹے ملک شاہ کو اس تخت پر بٹھایا امیرون اورارکان دولت نے بادشاہ کے حکم سے ملک شاہ کے ہاتھ پر اوس کی ولی عہدی کی بیعت کی - الپ ارسلان نے اپنے آخری زمانہ میں ماوراالنھر پر لشکر کشی کی بادشاہ نے دریاے امویہ کو عبور کیا اور قلعہ برزم کا جو دریا کے کنارہ واقع تھا محاصرہ کرکے قلعہ کو سر کیا یوسف نامی ایک شخص جو اس قلعہ کا کوتوال تھا الپ ارسلان کے سامنے لایا گیا الپ ارسلان نے یوسف سے کچھ امور دریافت کیے اوس نے جواب میں کچھ ایسی پریشان باتین کہین کہ الپ ارسلان نے غضبناک ہو کر اُس کے قتل کرنے کا حکم دیا یوسف نے ایک چاقو اپنے موزے سے نکالا اور بادشاہ کی طرف دوڑا شاہی چوبدار یوسف کی طرف بڑہے بادشاہ کو اپنی تیراندازی پر بڑا بھروسا تھا چوبدارون کو منع کیا اور تیر کمان میں جوڑ کر یوسف کی طرف پھینکا بادشاہ کا وقت آچکا تھا تیر نے خطا کی یوسف فوراً بادشاہ تک پہونچ گیا اور چاقو سے الپ ارسلان کو شہید کیا یوسف کا سر بھی ہیچ کوب سے پاش پاش کیا گیا الپ ارسلان کم وبیش دس برس حکومت کرنے کے بعد ۴۶۵ھ ہجری میں قتل کیا گیا الپ ارسلان ظہیرالدولہ سلطان ابراہیم غزنوی کا معاصر تھا اور ایک مرتبہ اپنے باپ چغر بیگ داؤد کے عہد میں سلطان فرخ زاد کے لشکر کے مقابلہ میں صف آرا ہو کر غزنیون پر فتح بھی حاصل کرچکا ہے

القادر باللہ عباسی القادر باللہ ابوالعباس احمد خلفاء بنی عباس کے پچیسوین تاجدار ہیں ان کا نسب نامہ حسب ذیل ہے القادر باللہ ابوالعباس احمد بن اسحاق بن المقتدر بن ولی العہد الموفق طلحتہ بن المتوکل بن المعتصم بن الرشید بن المہدی بن المنصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس عم رسول اللہ صلعم ابوالعباس تین سو چھتیس ہجری میں پیدا ہوے اور الطایع کی آخری زمانہ میں خلیفہ وقت سے خوف زدہ ہو کر بغداد سے فراری ہوئے اور بطیحہ میں مہذب الدولہ دیلمی کے دامن میں اونھون نے پناہ لی بہاؤالدولہ نے طایع کو خلافت سے معزول کیا اور ابوالعباس احمد بن اسحاق نبیرہ خلیفہ المقتدر کو مسند خلافت پر بٹھانے کے لئے بغداد آنے کی دعوت دی مہذب الدولہ نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ ابوالعباس کو بغداد روانہ کیا ابوالعباس نواح بغداد میں پہونچے اور ایوان خلافت کے ارکین نے اُنھین القادر باللہ کے لقب سے اپنا حکمران تسلیم کیا اور اُن سے بیعت کی القادر باللہ نے تیرھوین رمضان ۳۸۱ھ ہجری کو دارالسلام بغداد میں داخل ہو کر عنان

حکومت اپنے ہاتھ میں لی القادر کے عہد میں ملوک و یالمہ کا وہ اقتدار باقی نہ رہا جو اون کو اس سے پیشتر حاصل تھا القادر باللہ پسندیدہ صفتوں اور شایستہ عادتوں کا مجموعہ تھا - جو اپنے تمام عہد حکومت میں انصاف اور مہر و محبت کے ساتھ حکمرانی کرتے رہے ابو العباس نے اکتالیس سال حکومت کرکے شب دوشنبہ گیارہ ذیحجہ ۴۲۲ھ ہجری کو چھیاسی یا ترانوے برس کی عمر میں وفات پائی علامہ سیوطی کی روایت کے مطابق القادر باللہ کا سن وفات کے وقت چھیاسی سال کا تھا القادر باللہ کے جلوس کے نوین سال یعنی سنہ ۳۹۰ھ ہجری میں سجستان میں سونے کی ایک کان برآمد ہوئی اور سنہ ۴۰۰ھ ہجری میں دریائے دجلہ میں ایسا عظیم الشان سیلاب آیا کہ اس کی وجہ سے جان و مال کا بیحد نقصان ہوا مورخین لکھتے ہیں کہ اس سے پیشتر دجلہ میں کبھی ایسا سیلاب نہ آیا تھا القادر باللہ کے عہد حکومت میں یہ واقعہ ہی عجائب روزگار میں سمجھا جاتا ہے کہ ایک سال کے اندر یعنی ۳۸۷ھ اور ۳۸۸ھ کے درمیان نوح بن منصور سامانی منصور سرخی - امیر اخویہ - والی مصر - والی چیال - حاکم جرجان خوارزم شاہ - امیر بست اور صمصام الدولہ دیلمی نو فرمانرواؤن نے دنیا سے رحلت کی ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے جو علامہ ذہبی کی روایت کے مطابق ۳۸۶ھ ہجری ہے - علامہ خطیب لکھتے ہیں کہ القادر باللہ کی دیانت اور ان کی سیادت اور کثرت عبادت اور ان کی راستبازی شہرۂ آفاق تھی - القادر نے علم فقہ علامہ ابی بشر الہروی الشافعی سے حاصل کیا علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ القادر باللہ کی تخت نشینی کے دوسرے مہینے یعنے شوال ۳۸۱ھ ہجری میں ایک بہت بڑی مجلس منعقد کی گئی اور القادر اور بہاء الدولہ دیلمی نے ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کرنے کا حلف اٹھایا -

۳۸۷ھ ہجری میں فخر الدولہ دیلمی نے وفات پائی اور اس کا چہار سالہ فرزند مسمی رستم باپ کا جانشین ہوا القادر باللہ نے رستم کو مجد الدولہ کے خطاب سے سرفراز کیا جن علمائے اعلام نے القادر باللہ کے عہد میں وفات پائی ان میں ابو طالب مکی صاحب قوت القلوب - علامہ جوہری صاحب صحاح علامہ بدیع الزمان ہمدانی - قاضی ابو بکر باقلانی - ابو عبد اللہ الحاکم صاحب مستدرک اور ابو عبد الرحمن سلمی شیخ الصوفیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ القادر کے زمانہ میں کے طبقہ میں ابو اسحاق اسفرائینی معتزلہ میں قاضی عبد الجبار شیعوں میں شیخ مفتد ؟ قرامطہ میں محمد بن ہیثم - قاریوں میں ابو الحسن حمامی - محدثین میں حافظ

عبدالغنی بن سعید۔ صوفیہ میں ابوعبدالرحمن سلمی۔ شاعروں میں ابوعمرو بن دراج محمود بن حسین ابن البواب اور فرمانرواؤں میں سلطان محمود غزنوی مشاہیر مقتدائے زمانہ تھے علامہ سیوطی ذہبی کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس فہرست میں چند نام اور اضافہ کرنے کی ضرورت ہے یعنی زنادقہ کے طبقہ میں الحاکم بامراللہ۔ اہل لغت میں جوہری۔ نحویوں میں ابن جنی او با اور فصحا میں علامہ بدیع ہمدانی۔ خطیبوں میں ابن نباتہ۔ مفسرین میں ابوالقاسم بن حسین نیشاپوری اور خود خلفاء کے گروہ میں القادر باللہ کو اس عصر کے بہترین لوگوں میں شمار کرنا چاہیئے۔

آل بویہ
۱۱۸

آل بویہ جو عام طور پر ملوک دیالمہ کے نام سے مشہور ہیں اپنے جد اعلیٰ ابوشجاع بویہ کیطرف منسوب ہیں صابی کی روایت کے مطابق بویہ کا نسب بہرام گور پر منتہی ہوتا ہے چنانچہ حمداللہ مستوفی نے بویہ کے آبا اور اجداد کے نام مفصل حالات کے لکھے ہیں لیکن تجارب الامم میں ابن مسکویہ نے بویہ کا نسب نامہ یزدجرد شہنشاہ ایران سے ملایا ہے اس خاندان کا اجمالی حال یہ ہے کہ ظہور اسلام کے ابتدائی زمانہ میں ایک شخص سپاہ عرب کے خوف سے ایران سے بھاگ کر گیلان میں پناہ گزین ہوا اس کی اولاد نے گیلان ہی میں سکونت اختیار کی اور انہیں کی نسل آئندہ چلکر ملوک دیالمہ کہلائی شہریار بن رستم دیلمی سے منقول ہے کہ ابوشجاع متوسط طبقہ کا آدمی تھا جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ زندگی کے دن بسر کرتا تھا ابوشجاع کو اپنی زوجہ کے ساتھ بیحد محبت تھی اس عورت نے ابوشجاع کے سامنے وفات پائی اور بویہ بی بی کے مرنے سے بیحد رنجیدہ ہوا ابوشجاع کے زمانۂ رنج وملال میں ایک نجومی نے اوس سے ملاقات کی ابوشجاع نے نجومی سے اپنا ایک خواب بیان کیا اور اس کی تعبیر پوچھی نجومی نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تیرے تین بیٹے فرمانروائے ملک ہونگے ابوشجاع نجومی کے جواب سے حیران ہوا اور اس سے کہا کہ مجھ ایسے فقیر کی اولاد کا مرتبہ حکمرانی تک پھونچنا تقریباً محال ہے غالباً تم میرا مضحکہ کرتے ہو نجومی اور ابوشجاع کی گفتگو کے وقت بویہ کے تینوں بیٹے علی اور حسن اور احمد بھی باپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے نجومی نے بویہ کے بیٹوں کے اوقات ولادت کو پوچھا اور اس کے بعد ان کا زایچہ بنایا زایچہ طیار کرنے کے بعد نجومی نے ابوشجاع کے بڑے بیٹے علی کا جو بعد کو عماد الدولہ کے لقب سے مشہور ہوا ہاتھ چوما اور کہا کہ سب سے

پہلے تیرا یہی بیٹا فرمانروائے مملکت ہوگا اس کے بعد نجومی نے احمد اور حسن کے ہاتھ بھی بوسے دئے اور کہا کہ ان دونوں بھائیوں کو بھی مرتبہ حکمرانی حاصل ہوگا غرضکہ اوسی دن سے آل بویہ کے سر میں حکومت کا خیال پیدا ہوا۔ سنہ ۳۱۲ہجری ابوالقاسم جعفر بن ناصر الحق والی گیلان نے وفات پائی اور ماکان بن کاکی نے اپنے نواسہ اسمعیل بن ابوالقاسم کے ہاتھ پر بیعت کرکے تمام حدود طبرستان پر غلبہ حاصل کیا ابوشجاع اور اس کے تینوں فرزند ماکان کے ملازم ہوئے اسی زمانہ میں ابوعلی بن ابوالحسن احمد بن ناصر الحق کے ایک نامی رکن سلطنت اسفار بن شیرویہ نے ماکان پر حملہ کرکے اس سے معرکہ آرائی کی ماکان شکست کھاکر خراسان بھاگا اور اسفار نے مسند امارت پر جلوس کیا اسی اثنا میں اسفار اور اوس کے ایک نامی امیر مرداویج بن زیار میں رنجش پیدا ہوئی اور مرداویج اسفار سے جدا ہو کر اپنی جاگیر پر چلا گیا اور وہاں سے اسفار پر حملہ آور ہوا اسفار شکست کھاکر بھاگا اور رقھستان ہوتا ہوا طبیس پہونچا اکان بن کاکی نے خراسان میں یہ خبر سنکر اسفار پر حملہ کیا اسفار طبیس سے بھی بھاگا مرداویج کو اور موقع ہاتھ آیا اور وہ اسفار کے سر پر آپہونچا اور اسفار نواح طالقان میں مارا گیا اسفار کے قتل کے بعد مرداویج مستقل فرمانروا ہوا۔ ماکان بن کاکی نے مرداویج سے معرکہ آرائی کی لیکن حریف سے شکست کھاکر خراسان بھاگا مرداویج نے رستمدار- مازندران رے- قزوین- ابھر- اور زنجان پر قبضہ کیا اور عراق کے دوسرے شہروں کو فتح کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

ماکان اور مرداویج کے زمانہ معرکہ آرائی میں ابوشجاع بویہ کے بیٹے ماکان سے جدا ہوکر مرداویج کے سلسلہ ملازمت میں داخل ہو چکے تھے مرداویج نے اپنے زمانہ کشورکشائی میں علی بن بویہ اور اس کے بھائیوں کو اپنی ایک حصۂ سلطنت کا امیر مقرر کر دیا تھا ابوالحسن علی بن بویہ نے اپنے زمانہ امارت میں رفتہ رفتہ اتنی طاقت اور جمعیت حاصل کرلی کہ سنہ ۳۲۱ ہجری میں اوس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اصفہان اور عراق کے دوسرے ممالک کو فتح کرکے خودمختاری کا ڈنکہ بجائے ابوالحسن اپنے اس ارادہ میں بالکل پختہ ہو گیا اور اس نے اصفہان پر دھاوا کرکے مظفر بن یاقوت غلام کو جو خلیفہ المقتدر باللہ عباسی کے طرف سے فارس کا عامل تھا شکست دی مظفر اپنے باپ کے پاس شیراز چلا گیا مرداویج نے ابوالحسن علی کے اس عزم جہان کشائی کو اچھی نگاہوں سے نہ دیکھا اور ابوالحسن کی بیخ کنی کے لئے اصفہان پر حملہ آور ہوا۔ ابوالحسن علی میں مرداویج سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی اور اپنے مآل کار میں بیحد پریشان تھا ابوالحسن کے

بہی خواہوں نے یہ مشورہ دیا کہ اس وقت اصفہان سے دست بردار ہو کر فارس کا رخ کرنا بہتر اور
مناسب ہے ابوالحسن نے اس مشورہ کو پسند کیا اور فارس پر حملہ آور ہوا مظفر بن یاقوت نے شیراز
سے نکل کر ابوالحسن کا مقابلہ کیا مظفر نے حریف سے شکست کھائی اور شیراز پر ابوالحسن کا قبضہ ہو گیا
ابوالحسن علی نے شیراز کو اپنا دارالخلافت بنایا اور سنہ ۳۲۲ ہجری میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر کے سکہ
اور خطبہ اپنے نام کا جاری کیا اسی زمانہ میں مرداویج اصفہان میں سنہ ۳۲۳ ہجری میں حمام کے اندر غلاموں
کے ہاتھ سے مارا گیا اور ابوالحسن علی نے اصفہان رے حلوان اور دوسرے ممالک پر بھی قبضہ کر لیا
ابوالحسن علی نے اپنے منجھلے بھائی ابو علی حسن المخاطب بہ رکن الدولہ کو عراق کا اور اپنے چھوٹے بھائی
ابوالحسین احمد المخاطب بہ معز الدولہ کو کرمان کا حاکم مقرر کیا۔ سنہ ۳۲۶ ہجری میں ابوالحسن علی المخاطب بہ
عماد الدولہ نے ایک قاصد خلیفہ الراضی باللہ عباسی کے پاس بغداد بھیجا اور خلیفہ سے درخواست کی
کہ بارگاہ خلافت سے عماد الدولہ کے استقلال حکمرانی کے بابت احکام جاری کئے جائیں خلیفہ نے
عماد الدولہ کی درخواست منظور کی عماد الدولہ نے تقریباً سترہ سال حکمرانی کرنے کے بعد سنہ ۳۳۸ھ
میں وفات پائی چونکہ عماد الدولہ لاولد مرا اس لئے اس کے بھائی رکن الدولہ نے عماد الدولہ کے
مرنے کے بعد شیراز کے تخت سلطنت پر جلوس کیا میجر راورٹی نے اپنے طبقات ناصری کے انگریزی
ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ عماد الدولہ کا باپ بویہ تھا خسرو دیلمی کا بیٹا تھا میجر راورٹی لکھتے ہیں کہ
ابوشجاع بویہ ماہی گیر کا پیشہ کرتا تھا عماد الدولہ رکن الدولہ معز الدولہ تینوں بھائیوں کے مفصل حالات
تقریباً ہر تاریخ میں مذکور ہیں ناظرین بخوبی ان کے حالات سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں اس خاندان
کے مزید مگر مختصر حالات فخر الدولہ دیلمی کے تذکرہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

آل سامان

۴۹ و ۵۱ و ۵۷ و ۶۸ و
۶۹ و ۱۱۹ و ۱۸۰ و ۲۱۸

سامانی فرمانروا اپنے جد اعلیٰ کی طرف منسوب ہیں اور سامان خداۃ کی
نسبت سے سامانی کہلاتے ہیں صاحب تاریخ جہاں آرا لکھتا ہے کہ
سامان خداۃ کے معنی رئیس سامان کے ہیں صاحب معجم البلدان کے
نزدیک ماوراءالنہر میں ایک موضع ہے جسے سامان کہتے ہیں لیکن بعض
مورخ جن میں صاحب منتخب التواریخ بھی داخل ہے لکھتے ہیں کہ سامان مضافات بلخ سے
ایک قصبہ کا نام ہے اس شخص کو پیشتر سامان خداۃ کے نام سے پکارتے تھے لیکن آخر میں اختصار
کے لحاظ سے خداۃ کا لفظ محذوف کر دیا اور مسکن کے ساتھ ساکن بھی سامان کے نام سے مشہور ہو گیا۔
سامان کا نسب نامہ بہرام چوبین سے ملایا گیا ہے بہرام فارس کا وہی نامی امیر ہے جس نے ہرمز

بن نوشیروان کے زمانہ میں خاقان ترکستان کے بیٹے کو بلخ کی دیواروں کے نیچے شکست دی لیکن آخر میں ہرمز نے اس امیر کی توہین کی بہرام نے بادشاہ سے بغاوت کرکے اسے تخت سلطنت سے اتار دیا سامان خداۃ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے۔

سامان خداۃ بن جثمان (جمان۔جسمان۔چتیمان) بن طمغان (طمغاث۔طرغان۔طغماد بن شیر (نوشیرو۔یوشید) بن بہرام چوبین (شوبین)۔

سامان خداۃ کے صرف ایک ہی بیٹا تھا جو اسد بن سامان کے نام سے مشہور تھا اسد کو خدا نے چار اقبال مند فرزند عنایت کئے جو نوح۔یحییٰ۔الیاس اور احمد کے نام سے مشہور ہیں خاندان سامان کے اقتدار کا آغاز اسد بن سامان کے انہیں چاروں اقبال مند بیٹوں کی ذات سے وابستہ ہے اسد بن سامان کے ان چاروں بیٹوں کی ترقی اور ان کے معراج کمال پر پہونچنے کا مختصر حال یہ ہے کہ جب خلیفہ مامون عباسی ممالک خلافت کا دورہ کرتا ہوا مرو پہونچا تو علاوہ دوسرے اشخاص کے اسد کے یہ چاروں فرزند بھی کسی تقریب سے خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوئے مامون الرشید نے جو اپنی مردم شناسی اور کمال پروری میں معروف اور مشہور ہے اسد کے ان ہونہار بیٹوں کے قیافے اور ان کی روشن پیشانیوں سے ان کی شجاعت قابلیت استعداد اور عالی ہمتی کا پورا پتا لگا لیا اور ان چاروں بھائیوں کو شاہانہ نوازش سے سرفراز کرکے اعلیٰ عہدے عطا کئے خلیفہ مرو سے بغداد واپس گیا اور اس نے ۲۰۴ھ ہجری میں غسان بن عباد کو حاکم خراسان و ماوراءالنہر مقرر کیا غسان نے ان بھائیوں کے مراتب میں اور زیادہ ترقی دی اور نوح کو سمرقند کا احمد کو فرغانہ کا یحییٰ کو شاش (تاشقند) کا اور الیاس کو ہرات کا والی مقرر کیا اسی دوران میں طاہر ذوالیمینین بن الحسن حاکم خراسان ہوا طاہر نے بھی ان بھائیوں کو ان کی حکومت پر بحال رکھا نوح نے وفات پائی اور طاہر نے نوح کی جاگیر اوس کے بھائیوں یحییٰ اور احمد میں تقسیم کردی اسی اثنا میں الیاس نے بھی دنیا سے رحلت کی اور طاہر نے ہرات کی حکومت خود اپنے بیٹے عبداللہ کو عنایت کی۔

اس استقلال اور انقلاب کے بعد ہی سامانیوں کے روزافزوں اقتدار کی ترقی شروع ہوئی اسد کے چاروں بیٹوں میں احمد بن اسد خاص طور پر قابل ذکر ہے اس لئے کہ اسی کے فرزند اسمعیل بن احمد نے اوس عظیم الشان حکومت کا سنگ بنیاد رکھا جس کے آغوش میں خود فرزندان اسمعیل کے علاوہ الپتگین اور سبکتگین کے سے کشورکشا غلاموں نے پرورش پائی۔

احمد بن اسد جس طرح اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ اقبال مند تھا اوسی طرح سب سے زیادہ مدبر اور عاقل بھی تھا نوح کی وفات کے بعد احمد اپنے بھائی کی جاگیر کا بھی مالک ہوا احمد اپنی بہادری ہمت اور سیاست میں سارے ایران و توران میں مشہور و معروف ہوگیا اور اس کی اولاد میں نوپشت برابر فرمانروائی کا سلسلہ رہا جیسا کہ مشہور ہے کہ فرزندان احمد بن اسد بن سامان میں ایک اسمٰعیل ایک نصر دو نوح دو عبدالملک اور دو منصور فرمانروائے مملکت ہوئے احمد بن اسد نے سمرقند میں وفات پائی اور اس کی وصیت کے مطابق اوس کا فرزند نصر باپ کا جانشین ہوا صاحب تاریخ گزیدہ وغیرہ معتبر مورخ لکھتے ہیں کہ احمد کی وفات کے خلیفہ بغداد المعتمد باللہ عباسی نے آل سامان کے تمام مقبوضات پر نصر بن احمد کو جو خاندان سامانی کا بہترین رکن تھا حکمران مقرر کیا اور نصر نے اپنے بھائی اسمٰعیل کو ۲۶۱ھ ہجری میں بلخ کا حاکم مقرر کیا اگرچہ نصر و اسمٰعیل میں معرکہ آرائی بھی ہوئی جس میں نصر گرفتار ہوکر اسمٰعیل کے سامنے لایا گیا لیکن اسمٰعیل نے بھائی کے قدموں پر بوسہ دیکر اسے بیحد عزت و احترام کے ساتھ سمرقند روانہ کیا اور خود بلخ ہی میں مقیم رہا جب تک نصر زندہ رہا اسمٰعیل اس کا فرماں بردار اور باجگزار رہا۔

نصر نے اٹھارہ برس حکومت کرکے دنیا سے رحلت کی اور خلیفہ المعتضد باللہ نے اسمٰعیل کو ماوراءالنہر اور نصر کے تمام مقبوضات کا فرمانروا تسلیم کیا صاحب تاریخ جہان آرا مورخ تاریخ ابراہیمی اور مولف معجم الفصیح تمام معتبر مورخ اسمٰعیل بن احمد کو خاندان سامان کا پہلا فرمانروا لکھتے ہیں یہ مورخین ۲۷۹ھ کے حالات میں سب سے بڑا اہم واقعہ یہی تسلیم کرتے ہیں کہ اسی سنہ میں اسمٰعیل سامانی نے ماوراءالنہر خراسان طبرستان فارس۔ کرمان۔ عراق سجستان اور ہندوستان کے بعض حصوں پر (کابل) پورا قبضہ کرکے اوس عظیم الشان شہنشاہی کا سنگ بنیاد رکھا جس کے سلسلہ میں نو فرمانرواؤں نے یکے بعد دیگرے ایک سو تین برس نو مہینہ گیارہ دن فرمانروائی کی اسی زمانے میں خلیفہ المعتضد باللہ نے اسمٰعیل کو خراسان۔ طبرستان۔ جرجان کا لوائے حکومت اور خلعت فاخرہ عنایت کیا۔

امیر اسمٰعیل کے عہد کا سب اہم واقعہ عمرو بن لیث صفار کا حملہ اور اوس کی شکست ہے عمرو بن لیث نے امیر اسمٰعیل کے خلاف کارروائیاں شروع کیں اسمٰعیل نے ایک جرار لشکر ساتھ لے کر دریائے جیحوں کو عبور کیا اور بلخ میں عمرو بن لیث سے معرکہ آرائی کی اسمٰعیل کو فتح ہوئی اور عمرو بن لیث حریف کے ہاتھ میں گرفتار ہوا اسمٰعیل نے عمرو بن لیث کو خود اپنی ذاتی رائے

خلیفہ کی خواہش کے مطابق بغداد بھجوا دیا خلیفہ نے عمرو بن لیث کو ۲۸۸ھ ہجری میں قید کیا اور عمرو نے اسی قید کی حالت میں ۲۸۹ھ ہجری میں وفات پائی خاندان صفاریہ کے مفصل حالات عمرو بن لیث کے تذکرہ میں بیان کئے جائیں گے۔

اسمٰعیل کے عہد کا دوسرا واقعہ امیر محمدؐ زید علوی کا خروج ہے خلیفہ المعتضد باللہ نے امیر اسمٰعیل کو ہدایت کی کہ طبرستان اور گرگان کو امیر محمد کے قبضہ اقتدار سے نکال لے امیر اسمٰعیل نے ایک جرار فوج امیر ہارون کی ماتحتی میں محمدؐ علوی کے مقابلہ میں روانہ کی محمدؐ علوی معرکہ جنگ میں کام آئے اور ان کے فرزند زید ہارون کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے امیر اسمٰعیل نے زید کو بصد عزت و احترام کے ساتھ بخارا بھجوا دیا اوسی زمانہ میں خلیفہ المعتضد نے وفات پائی اور اس کے بیٹے المکتفی باللہ نے تخت خلافت پر جلوس کیا المکتفی باللہ نے بھی اسمٰعیل کو لوائے سلطنت اور خلعت نیابت عطا کر کے اوس کی حکومت اور اوس کے استقلال کو جائز تسلیم کیا امیر اسمٰعیل نے آٹھ برس سلطنت کرنے کے بعد ۲۹۵ھ ہجری میں وفات پائی اور امیر ماضی کے لقب سے مشہور ہوا امیر اسمٰعیل کا وزیر علامہ ابو الفضل البلامی تھا جس نے امیر اسمٰعیل کے حکم سے تاریخ طبری کا عربی سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔

اسمٰعیل کے بعد اس کا فرزند ابونصر احمدؐ فرمانروا ہوا ابونصر سخت اور جفاکش فرمانروا تھا جس نے اپنے بہت سے غلاموں کو ان کے ناشایستہ حرکات پر تہ تیغ کیا تھا آل سامان کے بقیہ غلام ابونصر سے اپنے بھائیوں کا انتقام لینے پر تیار ہو چکے تھے اور وقت اور موقعہ کے منتظر تھے لیکن ابونصر کے پاس ایک پالو شیر تھا جو رات کے وقت بادشاہ کے پلنگ کے گرد پہرا دیا کرتا تھا اور اس جانور کی وجہ سے بادشاہ کی جان محفوظ تھی اسی زمانہ میں بادشاہ نے ایک دن سفر کیا اور واپسی میں اتنی دیر ہو گئی کہ وقت پر اپنی مقرر کردہ منزل کو نہ پہونچ سکا ابونصر نے راستہ میں ایک جگہ قیام کیا بادشاہ کے دشمن اوس کے ساتھ تھے اور اس کا محافظ اس سے دور تھا غلاموں نے موقعہ پاکر ابونصر کو ۳۰۱ھ ہجری میں تہ تیغ کیا ابونصر وفات کے بعد امیر شہید کے لقب سے مشہور ہوا ابونصر کے عہد کا سب سے اہم واقعہ سجستان کا فتنہ ہے جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ سنجری (سگیزی) یا سیجری عمرو بن لیث کے غلام نے بغاوت کی سیجری کو شکست ہوئی اور کرمان کے ایک قلعہ بام نام میں قید کر دیا گیا سنجزی قلعہ سے بھاگ کر خراسان کے جنگلوں میں جا چھپا امیر ابونصر سامانی نے سجستان فتح کیا اور مختلف طریقوں سے سیجری

طاہر و یعقوب پسران عمرو بن لیث اور لیث بن علی کو گرفتار کیا اور بغداد روانہ کیا اور سیستان کی حکومت اپنے ابن عم ابو صالح منصور بن اسحاق بن احمد سامانی کو عطا کی ابونصر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نصر بن احمد تخت حکومت پر بیٹھا نصر نے آٹھ برس کے سن میں تخت حکومت پر جلوس کیا مورخین لکھتے ہیں کہ جب ارکان سلطنت نصر کو حرم شاہی سے نکال کر ایوان سلطنت تک لائے تو چونکہ نصر بالکل بچہ تھا اور باپ کے واقعہ سے سہما ہوا تھا چلا چلا کر رونے لگا نصر نے اراکین دربار سے کہا کہ تم لوگ مجھے کہاں لئے جاتے ہو کیا مجھے بھی میرے باپ کی طرح قتل کرو گے خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو نصر کے تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد ابو عبداللہ محمد بن احمد نائب السلطنت مقرر ہوا بادشاہ بالکل نوعمر اور دنیا کے نشیب و فراز سے بالکل ناواقف تھا امیروں اور اراکین خاندان شاہی میں بغاوت کا مادہ پیدا ہوا اور پے در پے واقعات رونما ہوئے سب سے پہلے ابو نصر کے چچا اسحاق بن احمد سامانی اور اوس کے بیٹے الیاس نے بغاوت کی یہ دونوں باپ بیٹے بخارا پر حملہ آور ہوئے نصر کے ایک نامی امیر حمزہ بن علی نے ان دونوں کو شکست دی اسحاق نے اپنے قصور کی معافی مانگی اور اس کے خطا معاف کی گئی اس واقعہ کے بعد نصر کے ابن عم منصور بن اسحٰق نے ۳۰۲ھ ہجری میں خراسان اور نیشاپور میں فتنہ برپا کرنا چاہا حسین علی والی ہرات نے منصور کا ساتھ دیا نصر کا سپہ سالار حمویہ باغیوں کے مقابلہ میں روانہ ہوا لیکن قبل اس کے کہ حمویہ ان تک پہونچے منصور نے وفات پائی اور حمویہ ہرات واپس آیا حسین علی اس کے بعد بھی برابر معرکہ آرائیاں کرتا رہا لیکن آخر کار شاہی فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہوا حسین بن علی نے بھی معافی تقصیر کی درخواست کی اور اس کا قصور معاف کیا گیا ۳۰۹ھ ہجری میں ابو منصور چیچانی ہرات - فوشنج اور بادغیس کا والی مقرر کیا گیا ۳۱۱ھ ہجری میں شاہ ملک بن یعقوب بن لیث صفاری صفاریوں کے ایک گروہ کے ساتھ ہرات پر حملہ آور ہوا سیمجوری اوس زمانہ میں ہرات ہی میں مقیم تھا صفاریوں نے چار مہینہ کامل ہرات کو تاخت و تاراج کیا لیکن ناکام واپس ہوئے ۳۱۹ھ ہجری میں ابو زکریا یحییٰ بن احمد بن امیر اسمٰعیل سامانی نے ہرات پر دھاوا کیا ابو زکریا نے شباسی والی ہرات کو شہر بدر کیا ابو زکریا نے شہر کے بعض دروازوں کو جلایا اور شہر پناہ کے ایک حصہ کو ڈھا کر ابو ابراہیم کے غلام مسمی کاراتگین کو ہرات کا والی بنا کر اوسے وہیں چھوڑا اور خود سمرقند کی طرف روانہ ہوا لیکن امیر نصر اوسی دن ہرات پہونچگیا اور اوس نے پھر سیمجوری کو والی ہرات مقرر کیا اور خود کارونج کے راستہ سے ابو زکریا کے تعاقب میں

روانہ ہوا ۳۲۲ھ ہجری میں منصور بن علی والی ہرات مقرر کیا گیا لیکن منصور نے تین سال امارت کرنیکے بعد ۳۲۴ھ ہجری میں وفات پائی اور محمد بن حسن بن اسحٰق والی ہرات مقرر ہوا اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد ابو العباس محمد بن الجراح ہرات پرحملہ آور ہوا ابو العباس نے محمد بن حسن کو گرفتار کرکے اوسے بلکاتگین کے پاس جرجان بھیجدیا ۳۲۶ھ ہجری میں نصر نے محمد بن محمد الجیہانی کو وزیر سلطنت مقرر کیا نصر کے عہد کا سب سے اہم واقعہ ماکان ابن کاکی دیلمی کا استیصال اور آل بویہ کے اقتدار کی ابتدا ہے جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ ماکان ابن کاکی نے رفتہ رفتہ ایسی ترقی کی کہ آخر میں والی گرگان ہوگیا ماکان ابو علی بن الیاس سامانی کے والی ہرات مقرر ہونے تک والی گرگان رہا نصر کے عہد حکومت کے انقلابات نے ماکان کی بھی ہمت افزائی کی اور وہ خراسان پر حملہ آور ہوا ابو علی نے ماکاں کا مقابلہ کیا اور اوسے شکست دے کر گرگان سے بھی بھگادیا ماکان رے چلا گیا اور اس نے وشمگیر بن زیار کے دامن میں پناہ کی ابو علی نے ماکان کا تعاقب کیا اور ماکان اور وشمگیر دونوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوا اس لڑائی میں ماکان قتل کیا گیا اور آل بویہ کے اقتدار کا آغاز ہوا جیسا کہ خود ان کے حالات میں مرقوم ہے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ امیر نصر سامانی نے ماکان کے معرکہ میں ایک انشاپرداز واقعہ نویس کو بھی ابو علی کے ساتھ کردیا تھا تاکہ لڑائی کے تمام حالات قلمبند کئے جائیں اور ان حالات سے بادشاہ کو اطلاع دیجائے انشاپرداز نے جس لطیف اور بے مثل پیرائے میں ماکان کے قتل کی خبر بادشاہ کو لکھی وہ ضرب المثل اور مقبول خاص و عام ہے انشاپرداز کا جملہ یہ تھا[1] "اَمّا ماکان صار کما کان" یعنی ماکان (نہ تھا) اپنے نام کی طرح ہوگیا امیر نصر نے تیس سال حکومت کرکے ۳۳۱ھ ہجری میں وفات پائی اور مرنے کے بعد امیر سعید کے نام سے مشہور ہوا بعض مورخین لکھتے ہیں کہ امیر نصر اپنے ایک غلام کے ہاتھ سے مارا گیا واللہ اعلم بالصواب۔

امیر سعید کے بعد اوس کا بیٹا امیر نوح سامانی شعبان کی پانچویں ۳۳۱ھ ہجری کو تخت سلطنت پر بیٹھا المتقی باللہ عباسی نے فرمان نیابت اور خلعت حکومت سے سرفراز کرکے نوح کو تمام بلاد عجم اور خراسان کا فرمانروا تسلیم کیا امیر نوح سامانی شمس الائمہ ابو الفضل بن الحاکم سرخسی مصنف مختصر الکافی کو وزیر سلطنت مقرر کرکے ملک کی عنان حکومت امام کے ہاتھ میں دیدی صاحب حبیب السیر نے شمس الائمہ سے فرزانہ روزگار اور مقتدائے زمانہ

شخص کو وزیر بے تدبیر کے لقب سے یاد کرکے لکھا ہے کہ اس شخص نے نہایت معمولی معمولی باتوں پر امیرون اور ارکان سلطنت سے جھگڑا کرکے امیرون کو بادشاہ سے بالکل برگشتہ کردیا اور دربار کے بڑے بڑے نامی امیر خود وزیر کے خون کے پیاسے اور امیر نوح کی حکومت کے مخالف ہوگئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیروں کے ایک گروہ نے جس کا سرغنہ ابو علی بن محمد تھا ابراہیم بن امیر اسمعیل سامانی کو موصل سے تخت سلطنت پر بٹھانے کے لئے بلایا ابراہیم نوے سواروں کے ساتھ عراق روانہ ہوا امیر نوح نے یہ خبر سنین اور ماوراء النہر کی فوج کو ساتھ لیکر دریائے اموبہ کو عبور کیا اور مرو میں مقیم ہوا مرو میں ارکان دولت نے امیر نوح سے عرض کیا کہ امیرون اور عمائدین سلطنت کی ناراضی اور شکستہ دلی کا باعث وزیر سلطنت کے ناشائستہ حرکات ہیں اگر بادشاہ وزیر سلطنت کو ہمارے سپرد کردے تو ہم جان نثاری کے لئے تیار ہیں ورنہ ہم بادشاہ کو چھوڑ کر اس کے حریف کا ساتھ دینگے بادشاہ نے ناچار وزیر کو امیروں کے حوالہ کیا اور انھوں نے بہت بُری طرح ابوالفضل کی جان لی صاحب طبقات ناصری شمس الائمۃ کی شہادت کا تو انہیں واقعات اور حالات کے ساتھ معترف ہے جو حبیب السیر میں مندرج ہیں لیکن امرائے حکومت سامانی کی شمس الائمہ کے ساتھ ناراضی کا سبب دوسرا بیان کرتا ہے جو ہر طرح پر قرین قیاس ہے مورخ جوزجانی لکھتا ہے کہ امیر نوح نے شمس الائمہ کو وزیر سلطنت مقرر کرکے حکومت کی باگ امام کے ہاتھ میں دیدی امام نے مہمات سلطنت کو عقل و دانش عدل و انصاف دیانت اور امانت کے ساتھ انجام دینا شروع کیا جو خائن اور بددیانت حاکم اور امیر تھے ان سے سخت بازپرس کی بلکہ بعضوں کو معزول کرکے اون کی جگہ متدین حاکم مقرر کئے اور اسی وجہ سے امرا کے گروہ میں ناراضی پھیل گئی یہ امیر شمس الائمہ سے انتقام لینے کے لئے وقت اور موقع کے منتظر تھے جب انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ دشمنون کے نرغہ میں گرفتار ہے تو انھون نے امیر نوح کو مجبور کرکے امام کو ۳۳۵ھ ہجری میں بری طرح شہید کیا۔

فصیحی کا بیان ہے کہ ۳۳۵ھ ہجری میں ابو علی سمجوری امیر نوح سے برگشتہ ہوا اور نوح کے سران فوج نے الحاکم ابوالفضل بن محمد وزیر سلطنت کو بادشاہ سے مانگا امیر نوح نے بخوشی خاطر وزیر کو امیرون کے سپرد کیا جنھون نے اسے بری طرح ہلاک کیا ابوالفضل کے قتل کے بعد امیر نوح نے شمس الائمہ کو وزیر سلطنت مقرر کیا۔

فصیحی کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ منہاج سراج اور صاحب حبیب السیر

وغیرہ مورخین نے الحاکم ابو الفضل بن محمد اور ابو الفضل محمد بن احمد الحاکم دو مختلف اشخاص کو فرد واحد تصور کر کے بجائے الحاکم ابو الفضل کے شمس الائمہ ابو الفضل محمد بن الحاکم کو سامانی امیروں کے مظالم کا شکار بنایا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

فصیحی میں ۳۳۲ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن اشکام نے امیر نوح کی مخالفت کی مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ کیوں اور کہاں اس مخالفت کی ابتدا ہوئی۔

۳۳۱ہجری میں فراتگین ہرات کی حکومت سے معزول کیا گیا اور ابراہیم بن سیمجور اس کا قائم مقام ہوا۔

امیر نوح بارہ برس تین مہینہ سلطنت کرنے کے بعد ذیقعدہ ۳۴۳ہجری میں فوت ہوا اور مرنے کے بعد امیر حمید کے لقب سے یاد کیا گیا۔

امیر نوح کی وفات کے بعد ارا کین سلطنت اور سران فوج نے بالاتفاق امیر نوح کے فرزند ابو الفوارس عبد الملک کو اپنا فرمانروا تسلیم کیا عبد الملک نے محمد بن العزیز کو وزیر سلطنت اور ابو سعید بکر بن الملک الفرغانی کو سپہ سالار لشکر مقرر کیا منہاج السراج کے علاوہ دوسرے مورخین لکھتے ہیں کہ ابو جعفر العتبہ عبد الملک کا وزیر تھا۔

عبد الملک کے ابتدائی زمانہ میں بلاد خراسان وقہستان میں بہت بڑی وبا پھیلی جس سے لاکھوں بندگان خدا ہلاک ہوئے عبد الملک کے زمانہ میں ملوک دیالمہ سے ایک معاہدہ ہوا جسمیں ابو الحسن بن بویہ نے عبد الملک کی سیادت قبول کر کے دو لاکھ رکنی درم (غالباً رکنی درم سے مراد رکن الدولہ ابو علی حسن بن بویہ کا سکہ ہے) خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا اس صلح میں ابو سعید عبد الملک کا وکیل تھا بادشاہ پر ثابت ہوا کہ ابو سعید نے صلح میں آل بویہ کی جانب داری کی ہے اور ابو سعید اسی شب میں قتل کیا گیا عبد الملک نے وزیر سلطنت کو قید کر کے اوسے بھی تلوار کے گھاٹ اتارا ابو سعید اور وزیر سلطنت کے قتل کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں مقتول دین حق سے برگشتہ ہوئے اور قرامطہ کے گروہ میں داخل ہو کر ملحد ہو گئے تھے۔

عبد الملک نے چوگان یا شکار کھیلتے وقت گھوڑے سے زمین پر گر کر وفات پائی عبد الملک کے سنہ رحلت میں اختلاف ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ اس نے سات برس چھ مہینہ گیارہ دن حکومت کر کے ۳۵۱ہجری میں دنیا سے کوچ کیا۔

عبد الملک کی وفات کے بعد امرا اور ارا کین سلطنت نے منصور بن عبد الملک سامانی کو

دارالسلطنت بخارا میں تخت حکومت پر بٹھایا الپتگین اور عبد الملک کی آپس کی کشیدگی اور الپتگین کی خود مختاری کا مختصر ذکر تاریخ فرشتہ میں موجود ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے منصور بن عبد الملک کے عہد میں رکن الدولہ حسن بن بویہ نے وفات پائی اور اس کے بیٹے ابو شجاع عضد الدولہ فنا خسرو نے اپنے باپ کا تمام اندوختہ خزانہ اپنے ساتھ لیا اور اپنے ابن عم عز الدولہ بختیار بن معز الدولہ سے معرکہ آرائی کی اس معرکہ میں عز الدولہ کام آیا اور عضد الدولہ نے علما اور قاضیوں کی ایک جماعت امیر منصور کی بارگاہ میں بھیجکر یہ معاہدہ کیا کہ عضد الدولہ عراق - رے - گرگان اور طبرستان پر بطور اجارہ اپنا قبضہ رکھیگا اور اور تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار سرخ امیر منصور کو ادا کرتا رہیگا -

امیر منصور کے عہد میں عراق اور طبرستان میں برابر عمال وغیرہ بغاوت کرتے رہے لیکن منصور کے اقبال نے ہر باغی کو ہمیشہ نیچا دکھایا -

منصور نے سترہ برس چھ مہینے گیارہ دن حکومت کرنے کے بعد شوال ۳۶۵ھ میں وفات پائی اور امیر سدید کے لقب سے مشہور ہوا - اسی سامانی فرمانروا کے عہد میں سبکتگین کا رشید اور نامی فرزند سلطان محمود غزنوی ۳۶۰ھ ہجری میں پیدا ہوا -

امیر منصور کی وفات کے بعد آل سامان کے اوس فرمانروا کا ذکر آتا ہے جس سے ہماری تاریخ کو خاص تعلق ہے اس بادشاہ سے ہماری مراد امیر نوح ثانی بن منصور سامانی ہے سبکتگین کے واقعات کے ضمن میں اسی سامانی فرمانروا کا نام بھی ہماری کتاب میں مندرج ہے - اور نیز سبکتگین اور اس کے فرزند سلطان محمود غزنوی نے اسی فرمانروا کی قابل قدر خدمتیں انجام دیکر ناصر الدین اور سیف الدولہ کے پر فخر خطابات حاصل کئے ہیں اس لئے ممکن تھا کہ ہم صرف امیر نوح سامانی کا مختصر حال لکھکر اپنے حاشیہ کو ختم کر دیتے اور آل سامان پر اس قدر بسیط نوٹ نہ لکھتے لیکن دو باتوں نے ہمیں اس امر پر مجبور کیا کہ ہم سامانی حکومت کے ابتدائے قیام سے امیر نوح اور اس کے فرزند عبد الملک تک کے حالات اختصار کے ساتھ بیان کریں اول یہ کہ ہر فرمانروا کے عہد کے واقعات اس کے اسلاف کے سوانحات زندگی کا نتیجہ ہوا کرتے ہیں اور جب تک کہ کسی خاندان کے سلسلۂ حکومت اور اس کے تمام فرمانرواؤں کے مختصر حالات سے واقفیت نہ ہو اس خاندان کے کسی خاص فرمانروا کے حالات اور اسکے عہد کے واقعات کو اس کے ہم عصر فرمانرواؤں کے سوانحات زندگی سے مطابق کر کے صحیح

نتائج نکالنا دشوار ہو جاتا ہے خصوصاً جبکہ فرمانروا کسی ایسے عظیم الشان خاندان سے ہو جسکے مختلف دست گرفتہ دنیا کے مختلف حصوں میں حکمرانی کا ڈنکا بجاتے ہوں۔

دوسرے یہ کہ غزنوی خاندان کو جس کے تمام فرمانرواؤں کے حالات ہماری کتاب میں ایک حد تک شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہیں دراصل حکومت سامانی کے ساتھ وہی تعلق ہے جو خاندان غلامان کو سلاطین غور کے ساتھ حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ خاندان غلامان کی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جاتی جب تک کہ سلاطین غور کا مختصر حال بھی ان کے ساتھ ہی ساتھ نہ لکھدیا جائے تو اگر غزنوی فرمانرواؤں کے حالات قلمبند کرنے میں سامانیوں کا مختصر مگر مکمل تذکرہ نہ کردیا جائے تو آل سبکتگین کی تاریخ کیونکر مکمل سمجھی جاسکیگی اس کے علاوہ حکومت سامانی کے اقتدار اور اس کی سیادت کو سلاطین غزنویہ کے ان ہم عصر فرمانرواؤں نے بھی تسلیم کیا ہے جو آل سبکتگین کے مقابلہ میں میدان کارزار میں برابر صف آرا ہوتے رہے ہیں اس امر کی زیادہ توضیح کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک ہی خاندان کے دو دست گرفتہ رقیب ہمیشہ ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کی ذرا سی لغزش پر بھی مالک کے ساتھ جاں نثاری کرنے پر جان و دل سے آمادہ ہو جاتا ہے اور اگر اس خدمت گزاری میں حریف کی تباہی اور اپنے نام و نمود کی ذرہ برابر بھی جھلک نظر آجاتی ہے تو جاں نثاری کا ولولہ دس گنا زیادہ بڑھ جاتا ہے ان حالات اور واقعات پر نظر رکھکر ہم نے آل سامان پر اس قدر بسیط حاشیہ لکھا ہے تاکہ سامانیوں کے حالات کے علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کے ان خدام اور مرہون منت امیروں اور فرمانرواؤں کے واقعات بھی معلوم ہو جائیں جن کی باہمی کشمکش اور رقابت نے سرزمین عراق و شام اور نیز ملک ہندوستان کو ہمیشہ بنی آدم کے خون سے سیراب رکھا ہے۔

منصور کی وفات کے بعد اوس کے فرزند امیر نوح ثانی نے تخت حکومت پر جلوس کیا الطایع للہ عباسی نے امیر نوح کو منشور حکومت اور خلعت نیابت عطا کیا امیر نوح نے فائق خاصہ اور ابو العباس تاش کو صیغہ فوج کا انتظام سپرد کیا۔

امیر ابو علی سیمجوری جو خاندان سامانی کے غلام کا فرزند تھا امیر نوح کیطرف سے ہرات نیشاپور اور مضافات ماوراءالنہر پر حکومت کر رہا تھا نوح نے سیمجوری کے اقتدار کو اور بڑھایا اور اوسے ناصر الدولہ کا خطاب دیکر طوس کی امارت بھی اسی کے سپرد کی اور ابو الحسن عبد اللہ بن احمد العتبہ کو وزیر سلطنت مقرر کیا بادشاہ نے ابو العباس تاش کو

حسام الدولہ کا خطاب دیکر امیر الامرا بنایا اور قابوس بن وشمگیر کو والی گرگان مقرر کیا۔ امیر نوح نے امیروں کے ایک گروہ کو ابوالعباس تاش کے ہمراہ عراق روانہ کیا تاکہ یہ امیر بویہ بن الحسن بن ابو شجاع کے مخالف ریشہ دوانیاں کریں سامانی امیروں نے بویہ کے مقابلہ میں معرکہ آرائی کی لیکن حریف کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئے۔ ابوالعباس تاش کو شکست ہوئی اور ناکام واپس آیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد تاش اور ابوالحسن سیمجوری دونوں نے بغاوت کی اور ان دونوں نے ملوک دیالمہ سے چند معرکے کیئے اور ان پر فتح پائی اور اوس کے بعد پھر امیر نوح کی اطاعت کا اقرار کیا تھوڑے دنوں کے بعد امیر نوح نے فوج کی کمان ابو علی سیمجوری کے ہاتھ میں دی اور ابو علی کو نیشاپور کا حاکم بنا کر اوسے عماد الدولہ کے خطاب سے سرفراز کیا صاحب تاریخ گزیدہ روایت کرتا ہے کہ امیر علی سیمجوری نے جو اس درمیان میں خودمختاری کے خواب دیکھ رہا تھا بغراخاں حاکم ترکستان سے مدد مانگی اسی اثنا میں الپتگین نے غزنی میں وفات پائی اور امیر سبکتگین اس کا جانشین ہوا۔ اہالیان بخارا نے سامانی فرمانروائی کمزوری کو محسوس کرکے امیر سبکتگین سے فائق خاصہ کے مقابلہ میں مدد مانگی وسبکتگین نے اہل بخارا کی امداد پر کمر باندھی فصیحی کی روایت کے مطابق امیر نوح اور سبکتگین نے ۳۸۲ھ ہجری میں ابو علی سیمجوری پر حملہ کیا اور حریف پر فتح پائی ۳۸۳ھ ہجری میں شہاب الدولہ ہارون المعروف بہ بغراخاں بن سلیمان بن ایلک خاں حاکم کاشغر نے بخارا پر حملہ کیا لیکن اپنے ارادوں میں ناکام ہو کر واپس گیا ۳۸۴ھ ہجری میں امیر نوح نے سبکتگین کو والی خراسان مقرر کیا۔ ابو علی سیمجوری اور امیر نوح وسبکتگین کی بعد کی معرکہ آرائیوں کا حال تاریخ فرشتہ میں خود مرقوم ہے۔

خلف بن احمد — یہ امیر ابن اثیر کے نزدیک عمرو بن لیث کی بیٹی کا پوتا ہے مگر دوسرے مورخین خلف بن احمد کو یعقوب بن لیث صفار کا پوتا بتاتے ہیں بہر نوع اگر خلف بن احمد کو خاندان صفاریہ کے ساتھ کوئی نسبت ہوسکتی ہے تو ابن اثیر کا قول زیادہ قرین قیاس ہے علامہ بدیع الدین ہمدانی نے اپنے قصیدہ لامیہ میں خلف بن احمد کو یعقوب وعمرو دونوں کی طرف منسوب کیا ہے بدیع ہمدانی کی مدح سرائی سے ہم ابن اثیر اور دوسرے مورخین کے اقوال کو اس طرح پر ایک دوسرے سے مطابق کرسکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ خلف ماں کی طرف سے عمرو بن لیث اور باپ کی طرف سے یعقوب بن لیث کی یادگار ہو معین الدین اسفراینی تاریخ ہرات میں خلف بن احمد کا نسب نامہ بہ ترتیب ذیل نوشیروان عادل تک

پہونچاتے ہیں۔ خلف بن احمد بن محمد بن خلف بن ابی جعفر بن لیث بن فرقد بن سلیمان بن ہامان بن کیخسرو بن اردشیر بن قباد بن خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیروان عادل۔

اس نسب نامہ میں یعقوب و عمرو کسی کا بھی ذکر نہیں لیکن خلف کی چھٹی پشت میں لیث کا نام مذکور ہے ممکن ہے کہ اسی نام نے ابن اثیر وغیرہ مورخین کو دھوکے میں ڈالکر خلف کو آل صفار کا فرزند بنا دیا ہو واللہ اعلم بالصواب۔

بھر نوع خلف نے منصور بن نوح سامانی کے عہد میں خروج کرکے ولایت نیمروز پر قبضہ کر لیا خلف بن احمد باوجود ایک عادل فرمانروا ہونے کے صاحب علم و فضل بھی تھا اور یہی وجہ تھی کہ اہل علم کا کوئی طبقہ بھی اس کے انعام و اکرام سے محروم نہیں رہا شعرا نے اس کی مدح سرائی کی اور علما اور اہل قلم نے اس کی سرپرستی میں بیش بہا کتابیں تصنیف کیں لیکن باوجود ان صفات حمیدہ کے اس کی بیرحمی اور سنگدلی بھی مشہور اور ضرب المثل ہے۔

تاریخ یمینی میں خلف بن احمد کے واقعات کے ضمن میں مذکور ہے کہ خلف کی علم پروری اور ہنر نوازی نے اسے تقریباً تمام بلاد اسلام میں معروف اور ہر دلعزیز بنا رکھا تھا اس کے عہد کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ خلف نے نامی اور متبحر علما کے ایک گروہ کو اس بات پر مامور کیا کہ قرآن مجید کی ایک ایسی تفسیر لکھیں جس میں تمام مفسرین کے اقوال۔ صرف و نحو کے قواعد۔ علم قرارت کے مسائل اور تذکیر و تانیث کی بحث کے علاوہ وہ تمام احادیث بھی کتاب میں مذکور ہوں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات کلام اللہ کے معانی سمجھانے اور انکے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً بیان فرمایا ہے۔ اس تفسیر کی تالیف اور کتابت میں تیس ہزار دینار سرخ صرف ہوئے مورخ یمینی لکھتا ہے کہ تفسیر مذکور نیشاپور کے صابونی کتب خانہ میں موجود ہے۔

۳۵۰ھ ہجری میں خلف بن احمد طاہر بن حسین کو سیستان میں اپنا نائب مقرر کرکے خود حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوا خلف کی روانگی کے بعد طاہر ایسا حکمرانی کے خوشگوار نشہ میں سرشار ہوا کہ خود سیستان کا مستقل فرمانروا بن بیٹھا خلف حج بیت اللہ سے فراغت کرکے اپنے ملک کو واپس آیا اور اس نے معاملہ دگرگوں پایا خلف بن احمد منصور بن نوح سامانی کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور بادشاہ سے حریف کے مقابلہ میں مدد کا خواستگار ہوا امیر منصور نے ایک جرار فوج خلف بن احمد کے ساتھ کر دی خلف نے طاہر پر دھاوا کیا اور طاہر اسفرار کے

قلعہ میں پناہ گزین ہوا خلف نے سیستان پر قبضہ کیا اور سامانی لشکر اپنے ملک کو واپس گیا طاہر نے سپاہ ماوراء النہر کی واپسی کی خبر سنتے ہی خلف پر حملہ کر دیا اور خلف حریف سے شکست کھا کر دوبارہ بخارا روانہ ہوا اور امیر منصور سے مدد کا طلبگار ہوا منصور نے اس مرتبہ بھی ایک جرار لشکر خلف کے ہمراہ روانہ کیا لیکن قبل اس کے کہ خلف حدود سیستان میں پہونچے طاہر نے وفات پائی ۔

حسین بن طاہر باپ کا جانشین ہوا اور اس نے خلف کی واپسی کی خبر سنکر شہر میں قلعہ بندی اختیار کی خلف نے سیستان کا محاصرہ کر لیا اور حسین بن طاہر نے عاجز ہو کر امیر منصور کو ایک عریضہ لکھا اور اوس سے امان کا خواستگار ہوا امیر منصور کے حکم سے حسین بخارا چلا گیا اور خلف سیستان پر قابض ہوا اس واقعہ کے بعد خلف بن احمد سلاطین سامانی ملوک دیالمہ اور فرمانروایان غزنی سب کے مقابلہ میں برابر صف آرا ہوتا رہا، لیکن آخر میں گردش روزگار نے اسے نیچا دکھایا اور سلطان محمود غزنوی کے ہاتھ میں گرفتار ہوا خلف اور محمود غزنوی کے درمیان جو نزاع واقع ہوئی اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ امیر ناصر الدین سبکتگین کے عہد میں خلف نے سبکتگین کی غیبت میں بست پر قبضہ کر لیا اور ہر ممکن طریقہ سے اہالیان بست سے زر و مال حاصل کر کے بہت بڑی دولت جمع کی امیر ناصر الدین نے سفر ہندوستان سے واپس آکر یہ واقعات سنے اور بست پر حملہ آور ہوا خلف کے عامل شہر چھوڑ کر بھاگے اور سبکتگین نے خلف کے ملک پر دھاوا کیا خلف بن احمد نے سبکتگین کے پاس قاصدوں کے ذریعہ سے یہ پیام بھیجا کہ میرا بست پر قبضہ کرنا دشمنی اور مخالفت پر مبنی نہ تھا بلکہ میں نے بہی خواہی اور خلوص سے ایسا کام کیا تھا جس قدر مال واسباب میں نے بست سے جمع کیا ہے وہ حاضر ہے بلکہ اس دولت کے ساتھ ایک بہت بڑی رقم تاوان کی پیشکش کرتا ہوں جس کو میں اپنے اس گناہ کی مکافات سمجھتا ہوں کہ میں نے آپ کی بلا اجازت آپ کے عاملوں کو بست سے خارج کر دیا ناصر الدین نے خلف کا عذر قبول کیا اور اس سے صلح کر لی اسی اثنا میں امیر سبکتگین اور ابو علی سیمجور میں معرکہ آرائی ہوئی اور خلف نے سبکتگین کا ساتھ دیا اور اس طرح امیر سبکتگین اور خلف میں باہم صفائی ہو گئی لیکن ان دونوں امیروں کا یہ اتحاد بہت دنوں تک قائم نہیں رہا اور جب ایلک خان امیر رضی پر حملہ آور ہوا اور سبکتگین نے سامانی فرمانروا کی مدد کر کے امیر رضی اور ایلک خاں میں صلح کرادی تو خلف نے ایلک خاں کو اس مضمون کے خفیہ خطوط بھیجے کہ ایلک خاں بست پر قبضہ کر کے غزنی اور اس کے متعلقات پر بھی حملہ آور ہو امیر سبکتگین کو ان تمام واقعات کی خبر ہوئی اور اس نے نہایت غیظ و غضب میں خلف پر فوج کشی کرنے کا

ارادہ کیا لیکن حملہ کی نوبت نہ آئی اور ایک طرف تو ابوالفتح علی محمد البستی نے ان تمام خبروں کو دروغ بیفروغ کہہ کر ناصر الدین کے غصہ کو ٹھنڈا کیا اور دوسری طرف خلف بن احمد نے سبکتگین کو اس مضمون کے خطوط بھیجنے شروع کئے کہ میں ان تمام باتوں سے بری اور ایسے حرکات سے خود بیزار ہوں امیر ناصر الدین نے بھی مصلحتاً خاموشی اختیار کی اور پھر اس واقعہ کے بعد تمام عمر سبکتگین اور خلف میں کسی قسم کی رنجش نہیں ہوئی ناصر الدین سبکتگین نے وفات پائی اور خلف نے سبکتگین کے مرنے پر بجائے تاسف کے خوشی کا اظہار کیا سلطان محمود غزنوی کو یہ معلوم ہوا کہ خلف اس کے باپ کے مرنے سے خوش ہوا اوس کی یہ ادا بیحد ناپسند ہوئی محمود نے اس وقت انتقام نہ لیا لیکن وقت اور موقع کا منتظر رہا اس درمیان میں خلف نے اپنے بیٹے طاہر کو قہستان بھیجا طاہر نے قہستان کو فتح کر کے فوشنج پر بھی قبضہ کر لیا فوشنج اور ہرات دونوں شہر بغراجق کی جاگیر میں تھے بغراجق نے محمود غزنوی سے طاہر پر حملہ کرنے کی اجازت مانگی محمود نے اپنے چچا کی درخواست قبول کی او بغراجق فوشنج کے میدان میں طاہر کے مقابلہ میں صف آرا ہوا ایک شدید اور خونریز لڑائی کے بعد طاہر میدان سے بھاگا بغراجق نے جنگ سے پہلے شراب پی تھی اور ایسا نشہ میں سرشار تھا کہ طاہر کے تعاقب میں خود بھی بھاگتا ہوا چلا گیا طاہر نے موقع پاکر بغراجق کو قتل کر ڈالا محمود نے یہ واقعات سنے اور اس کو چچا کے مارے جانے کا بیحد غم ہوا ۳۹۰ھ ہجری میں سلطان محمود نے خلف پر حملہ کیا خلف اصبہبد کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا محمود نے حریف کو اتنا ستایا کہ اوس نے اس شرط پر امان چاہی کہ لاکھ دینار اور نذر و تصدق کی رقم خدمت سلطانی میں پیش کرے گا محمود کا ارادہ تو یہی تھا کہ سیستان کو فتح کرے لیکن چونکہ ہندوستان کی یورش اور جیپال کی مہم پیش نظر تھی۔ اس نے برائے چندے اپنا ارادہ ملتوی کیا اور اپنے معتبر لوگ حصار اصبہبد کے گرد چھوڑے اور ان کو یہ تاکید کی کہ جب تک خلف اپنی شرط پوری نہ کرے اسے اسیطرح حصار میں مقید رکھیں سلطان محمود تو ہندوستان روانہ ہوا اور خلف نے اپنے بیٹے طاہر کو اپنی زندگی ہی میں سیستان کا والی مقرر کر دیا اور خود خلوت نشین ہو گیا اس کارروائی کا منشا یہ تھا کہ محمود پر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ خلف دنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف ہے اور اب اس سے کسی قسم کے فساد کا اندیشہ نہیں ہے جب طاہر کی فرمانروائی کو ایک عرصہ گزر گیا تو اس نے اپنے باپ کی نافرمانی شروع کی جب خلف بیٹے سے بالکل مایوس ہو گیا تو اس نے

اس بہانے سے طاہر کو قلعہ اصبہبد میں بلایا کہ آخر وقت میں بیٹے کو وصیت کر کے جو کچھ اس کے پاس زر و امانت ہے بیٹے کے سپرد کر دے طاہر اس مکر سے بےخبر باپ کے پاس آیا اور خلف کے آدمیوں نے طاہر کو گرفتار کر کے اسے قید کر دیا۔ طاہر نے اسی قید میں وفات پائی خلف کی اس سنگدلی کی خبر تمام ملک میں پھیل گئی اور اس کے سپہ سالار دفعتاً اس سے برگشتہ ہو گئے ان سپہ سالاروں نے خلف کو سیستان کے باہر نکال دیا اور سلطان محمود کو اس قسم کے خطوط بھیجے کہ ہم سب آپ کی اطاعت میں داخل ہو گئے ہیں آپ اپنا کوئی معتمد امیر یہاں بھیجیے تاکہ ہم شہر اس کے سپرد کر کے خود خدمت سلطانی میں حاضر ہو جائیں محمود نے ان کی درخواست قبول کی اور ۳۹۳ہجری مطابق ۱۰۰۲ء میں محمود کے نام کا خطبہ سیستان میں پڑھا گیا ۔

محمود سیستان پر قبضہ کر کے خلف پر حملہ آور ہوا خلف ان دنوں طاق کے قلعہ میں مقیم تھا اس قلعہ کے گرد سات شہر پناہیں کھنچی ہوئی تھیں جن کی دیواریں بہت بلند تھیں حصار کے گرد ایک بہت بڑی اور چوڑی خندق تھی جس پر سے گذرنا محال تھا اور خندق کے چاروں طرف کثرت سے درخت لگے ہوئے تھے سلطان محمود نے حکم دیا کہ درختوں کو کاٹ کر خندق ان لکڑیوں سے پاٹ دی جائے غرضکہ خندق اس طرح سے پٹ گئی اور محمود کے سپاہی اور ہاتھی اس خندق سے گذر کے قلعہ کے قریب پہونچے خلف کے آدمیوں نے دشمن کی مدافعت کی لیکن جب دیکھا کہ حریف کے ہاتھی اپنے دانتوں سے قلعہ کے در و دیوار اکھاڑ کر ان کے سپاہیوں کو پامال کر رہے ہیں تو ان کے اوسان جاتے رہے خلف نے حریف کا غلبہ اور اپنی کمزوری کا یہ حال دیکھکر سلطان محمود سے امان چاہی محمود نے اس کی درخواست قبول کی اور خلف محمود کے دربار میں حاضر ہوا اور باوجود بڑھاپے کے زمیں بوس ہو کر جواہرات اور موتیوں کی لڑیاں محمود کے پاؤں کے نیچے بچھا دیں محمود نے خلف کی بیحد عزت اور حرمت کی اور اسے اجازت دی کہ قلعۂ طاق کے مال و اسباب میں جو اور جس قدر اسے پسند ہو اپنے ساتھ لے اور جہاں رہنا چاہے وہاں قیام اختیار کرے۔ خلف نے جوزجان کی آب و ہوا کو پسند کیا اور محمود نے اسے عزت و حرمت کے ساتھ وہیں بھجوا دیا خلف چار برس اس قلعہ میں آرام آسائش کے ساتھ رہا اس کے بعد سلطان کو معلوم ہوا کہ خلف اس کے خلاف ایلک خان سے خط و کتابت کرتا ہے محمود نے خلف کو جوزجان سے ہٹا کر گردیز میں نظربند کیا اور خلف نے یہیں ۳۹۹ہجری میں وفات پائی ۔

ابونصر فریغون
۵۸ - ۵۹

یہ شخص آل فریغون کا نامی فرمانروا ہے اس خاندان کے افراد کو جو باعتبار اپنی نسل کے بیحد صاحب حسن و جمال تھے اہل فارس پری گون کہا کرتے تھے عربی مورخین نے پری گون کو معرب کرکے فریغون بنا لیا سامانی فرمانرواؤں کے عہد میں آل فریغون ولایت جوزجان (جرجان) کے حاکم تھے اس خاندان کے فرمانروا عالی ہمت نیکخو اور شریف تھے جو علما اور اہل کمال کی پرورش اور قدردانی کرتے رہتے تھے امیر سبکتگین کے عہد میں ابوالحارث احمد بن محمد ولایت جوزجان کا والی تھا یہ امیر صاحب عدل و انصاف اور عاقل اور مدبر تھا امیر سبکتگین نے ابوالحارث کے ساتھ اس طرح رشتۂ قرابت قائم کیا کہ ابوالحارث کی بیٹی کے ساتھ اپنے فرزند سلطان محمود غزنوی کا نکاح کیا اور ابوالحارث کے فرزند کو اپنی بیٹی بیاہی ابوالحارث نے سبکتگین ہی کے عہد میں وفات پائی اور امیر مرحوم نے جوزجان کی حکومت ابوالحارث کے بیٹے ابونصر فریغون کو عطا کی ابونصر خود بھی اپنے اسلاف کی طرح بڑا سخی اور عادل فرمانروا تھا چنانچہ اکثر شعرا کے قصیدے اب تک اس کی تعریف میں مشہور اور یادگار زمانہ ہیں۔

مجد الدولہ دیلمی
صفحہ ۱۳۰

مجد الدولہ ابوطالب رستم بن فخر الدولہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد باوجود صغر سنی کے تخت حکومت پر بیٹھا مجد الدولہ کی ماں اپنے زمانہ کی بڑی صاحب فہم و فراست اور عقلمند اور مدبر عورت تھی یہ بیگم بیٹے کی نابالغی کی حالت میں مہمات سلطنت کو بیحد دانائی اور خوبی کے ساتھ انجام دیتی تھی جب مجد الدولہ جوان ہوا تو اس ناعاقبت اندیش نے مہمات سلطنت کے انجام دینے میں ماں کی رائے سے اختلاف کرنا شروع کیا بیگم نے بیٹے سے رنجیدہ ہو کر قصر شاہی کو چھوڑا اور طبرک کے قلعہ میں جاکر قیام پذیر ہوئی اور وہاں سے ایک رات فرار ہو کر کردستان چلی گئی۔

بدر بن حسنویہ حاکم کردستان نے اس بیگم کی بیحد تعظیم و تکریم کی اور ایک ہزار لشکر ساتھ لیکر بیگم کے ہمراہ ملک رے کو روانہ ہوا مجد الدولہ بھی ماں سے لڑنے کے لئے طیار رہا لیکن میدان جنگ میں کامیاب نہ ہوا اور مع اپنے وزیر کے ماں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا بیگم نے عراق کی حکومت پھر اپنے ہاتھ میں لی اور ملک کی آبادی اور مرفہ الحالی کی بہترین تدبیریں کیں اور اپنی ہر تدبیر میں کامیاب ہوئی مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے فخر الدولہ کی بیگم کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ملک عراق میں بھی محمود کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرے

بیگم نے سلطان کے ایلچی سے جواب میں یہ کہا کہ جب تک میرا شوہر زندہ تھا میں ہر وقت سلطان سے خائف رہی لیکن جب سے کہ میں بیوہ ہوئی ہوں مجھے محمود سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ محمود غزنوی عقلمند اور مدبر فرمانروا ہے اُسے اچھی طرح معلوم ہے کہ جنگ میں ہر فریق کو فتح ممکن ہے اگر محمود نے مجھ پر فتح پائی تو ایک بیوہ عورت کو شکست دینے سے اس کی شہرت میں کوئی اضافہ نہ ہوگا اگر میدان میرے ہاتھ رہا تو ایک لاوارث بیگم سے شکست کھانے کا ننگ محمود جیسے جہاں دار فرمانروا کے لئے بیحد برا ہے قاصد بے نیل مرام واپس ہوا اور اس نے بیگم کا پیام محمود تک پہونچایا محمود قاصد کی تقریر سنکر چپ ہو رہا اور جب تک بیگم زندہ رہی اس نے عراق کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔

مجد الدولہ کے عہد میں ابن فولاد نامی ایک امیر نے جو آل بویہ کے زمانہ میں بیحد صاحب اقتدار ہو گیا تھا عربی و دیلمی کردی سپاہیوں اور سرداروں کا جرار لشکر طیار کرکے مجد الدولہ اور اس کی ماں سے یہ درخواست کی کہ اگر شہر قزوین اس کی جاگیر میں دیدیا جائے تو ابن فولاد ہر وقت مجد الدولہ اور اس کی ولایت کا مددگار رہیگا مجد الدولہ اور اس کی ماں نے یہ عذر کیا کہ ان کی سلطنت زیادہ وسیع نہیں ہے اس لئے وہ اپنے ملک کا کوئی حصہ بھی اپنے سے علیٰحدہ نہیں کر سکتے ابن فولاد یہ دل شکن جواب سنکر رے پر حملہ آور ہوا اور شہر کو خوب تاخت و تاراج کیا مجد الدولہ کی ماں نے اپنے بھائی اصبہبد شہریار سے مدد مانگی۔ اصبہبد نے اہل جبل کا لشکر ساتھ لیکر ابن فولاد پر حملہ کیا ایک شدید لڑائی کے بعد ابن فولاد شکست کھا کر دامغان چلا گیا اور اس نے منوچہر فلک المعالی بن قابوس شمس المعالی سے مدد مانگی منوچہر نے دو ہزار سپاہی ابن فولاد کی مدد کو بھیجے ابن فولاد یہ جمعیت لیکر پھر رے پر حملہ آور ہوا اور اس نے شہر کو تاراج کرنا شروع کیا اب مجد الدولہ ناچار ہوا اور اس نے اصفہان کا شہر فولاد کو دیکر سنہ ۴۰۷ھ میں اس سے صلح کر لی بیگم نے تھوڑے دنوں کے بعد بیٹے کو قید سے رہا کیا اور پھر اسے تخت سلطنت پر بیٹھایا لیکن عنان حکومت اپنے ہی ہاتھ میں رکھی غرضکہ جب تک یہ بیگم زندہ رہی مملکت عراق ہر قسم کے بیرونی او اندرونی فتنہ و فساد سے پاک اور صاف رہی بیگم کی وفات کے بعد سنہ ۴۲۰ھ ہجری میں محمود نے عراق پر حملہ کیا اور ملک کو فتح کرکے مجد الدولہ اور اس کے بیٹے کو گرفتار کرکے دونوں باپ بیٹوں کو ان کے بہی خواہوں کی ایک جماعت کے ساتھ غزنی بھیجدیا۔

روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ محمود نے مجد الدولہ کو گرفتار کرکے خلیفہ القادر باللہ

عباسی کو ایک نامہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ جب میں نے مجد الدولہ کو گرفتار کیا تو اوس کے حرم سرا میں پچاس آزاد عورتیں اس کی بیگمات موجود تھیں جن میں تیس سے زائد عورتیں صاحب اولاد تھیں میں نے اس قدر منکوحہ عورتوں کو ایک شخص کے محل میں دیکھکر مجد الدولہ سے سوال کیا کہ اس نے کس مذہب کے موافق اتنی عورتوں سے عقد کیا مجد الدولہ نے جواب دیا کہ اس معاملہ میں اس نے اپنے آبا و اجداد کے طریقہ پر عمل کیا ہے مجد الدولہ کا یہ جواب سنکر میں نے اسے تو قید کر کے غزنی بھیجدیا اور اوس کے بد باطن حاشیہ نشینوں کو موت کے گھاٹ اتار کر معتزلہ کے گروہ کو رے سے خارج البلد کر دیا۔

محمود نے عراق کی حکومت اپنے بیٹے مسعود کو عنایت کی اور خود غزنی واپس گیا مجد الدولہ اور اس کی ماں دونوں نے تقریبًا انتالیس ۳۹ سال حکومت کی۔

فخر الدولہ دیلمی صفحہ ۵۸ و ۵۹

آل بویہ کے حاشیہ میں ہم بویہ کے تینوں بیٹوں کا مختصر ذکر کر چکے ہیں غرضکہ جب علی بن بویہ المشہور بہ عماد الدولہ نے فارس کو فتح کر کے پوری قوت اور استقلال حاصل کر لیا تو اپنے ایک بھائی حسن بن بویہ المشہور بہ رکن الدولہ کو عراق کی حکومت عطا کی اور سب سے چھوٹے بھائی احمد بن بویہ المخاطب بہ معز الدولہ کو کرمان کا حاکم مقرر کیا۔ عماد الدولہ نے خود بحیثیت بانی سلطنت ہونے کے فارس کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں رکھی اور شیراز کو دار السلطنت مقرر کیا۔ عماد الدولہ کے دونوں بھائی حکومت فارس کے ماتحت اور حاکم فارس کے فرمانبردار سمجھے گئے عماد الدولہ نے جب خلیفۂ بغداد سے منشور نیابت اور لوائے حکومت حاصل کیا تو اپنے سب سے چھوٹے بھائی معز الدولہ کو بطور اپنے نائب کے بارگاہ خلافت میں چھوڑ کر خود فارس واپس آیا معز الدولہ کے اقتدار اور نیز اس کے ان کارناموں کا جو بغداد کے حالت قیام میں اس کی طرف منسوب ہیں ذکر کرنا ہمارے مبحث سے خارج ہے لہذا ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

غرض کہ عماد الدولہ نے ۳۳۸ھ ہجری میں لاولد وفات پائی اور رکن الدولہ اس کا جانشین ہوا رکن الدولہ زمانۂ دراز تک فارس اور عراق دونوں ممالک پر حکومت کرنے کے بعد ۳۶۵ھ ہجری یا ۳۶۶ھ ہجری میں فوت ہوا رکن الدولہ نے سلطنت دیالمہ کو اس طریقہ پر اپنے وارثوں میں تقسیم کیا کہ اپنے چھوٹے بھائی معز الدولہ کو بدستور والی کرمان اور نائب بغداد رکھا اور اپنے بڑے بیٹے عضد الدولہ ابو شجاع فنا خسرو کو والی فارس مقرر کیا اور اپنے دوسرے بیٹے مؤید الدولہ کو

حاکم عراق اور تیسرے بیٹے فخر الدولہ کو رے ہمدان قزوین اور صوبہ جات آذربائیجان کا والی بنایا چونکہ بانی خاندان عماد الدولہ والی فارس کرمان اور عراق دونوں ممالک کے فرمانرواؤں کا سرتاج تھا اس لئے اس کی رفعت اور عظمت تازہ رکھنے کے لئے والی فارس ہمیشہ کے لئے اپنے تمام ہمعصر دیلمی فرمانرواؤں کا سردار سمجھا گیا اور اس طریقہ پر رکن الدولہ کے بعد اس کا بڑا بیٹا عضد الدولہ افسر خاندان اور تمام ممالک دیالمہ کا حقیقی فرمانروا تسلیم کر لیا گیا اور اس کے تمام حقیقی بھائی اور بنی اعمام عضد الدولہ کے مطیع اور اس کے باجگذار سمجھے گئے۔

رکن الدولہ کی وفات کے بعد مؤیدالدولہ نے والی فارس کے حفظ مراتب کا خیال مدنظر رکھکر عضد الدولہ سے فرمان نیابت و اجازت حکومت حاصل کیا لیکن فخر الدولہ نے صرف باپ کی وصیت اور اس کی تقسیم کو کافی سمجھ کر عضد الدولہ کی بلا اجازت رے اور ہمدان وغیرہ ممالک پر فرمانروائی شروع کی عضد الدولہ کو جس طرح کہ ایک بھائی کی اطاعت بیحد پسند آئی اسیطرح وہ دوسرے بھائی کی سرکشی پر بہت ناراض ہوا غرضکہ عضد الدولہ نے مؤیدالدولہ کو ہر طرح کی مدد دیکر اسے فخر الدولہ سے لڑنے کے لئے آمادہ کیا۔ فخر الدولہ بھائیوں سے شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگا اور اس نے اپنے خالو اور خسر قابوس بن وشمگیر کے دامن میں پناہ لی قابوس نے بھی داماد کی پوری حفاظت اور خاطرداری کی اور ہرچند مؤیدالدولہ اور عضد الدولہ نے فخر الدولہ کو قابوس سے مانگا لیکن قابوس نے داماد کو اس کے نامہربان بھائیوں کے ہاتھ میں ندیا۔

۳۷۱ھ میں مؤیدالدولہ نے جرجان پر لشکرکشی کی فخر الدولہ اور قابوس جرجان سے بھاگ کر خراسان پہونچے اور دونوں نے ملکر آل سامان کے نامی امیر حسام الدولہ ابوالعباس تاش والی نیشاپور سے حریف کے مقابلہ میں مدد مانگی حسام الدولہ نے امیر نوح کی اجازت سے فخر الدولہ اور قابوس کو اپنے ساتھ لیا اور جرجان پر حملہ آور ہوا مؤیدالدولہ جرجان کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا اور رمضان ۳۷۱ھ میں ایک رات کو خراسانیوں کے لشکر پر اس نے شبخون مارا مؤیدالدولہ کے اس ناگہانی حملہ سے حریف کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اور فخر الدولہ قابوس بن وشمگیر اور حسام الدولہ ابوالعباس تاش تینوں امیر میدان جنگ سے ایسا بھاگے کہ نیشاپور ہی میں جاکر انھوں نے دم لیا مؤیدالدولہ تو اس فتح کے بعد عراق اور رے دونوں ممالک کا مستقل فرمانروا ہوا اور فخر الدولہ پریشان حال خراسان ہی میں زندگی کے دن بسر کرتا رہا

فخر الدولہ کی فلاکت اور پریشاں حالی کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ اوس کا ستارۂ اقبال عروج پر آیا۔ مؤید الدولہ نے سنہ ۳۷۳ ہجری میں وفات پائی اور عراق کے اراکین دولت نے بڑے غور اور تامل کے بعد فخر الدولہ کو خراسان سے بلا کر اسے اپنا فرمانروا تسلیم کیا فخر الدولہ نے تخت سلطنت پر بیٹھکر صاحب عباد کو بدستور سابق عہدہ وزارت پر بحال رکھا۔

سنہ ۳۷۷ ہجری میں فخر الدولہ نے صاحب عباد کو طبرستان کا مالی انتظام درست کرنے کے لئے وہاں بھیجا صاحب عباد نے نظام سیاست درست کرکے طبرستان کے چند قلعے فتح کئے اور کامیاب واپس آیا۔

سنہ ۳۷۹ میں فخر الدولہ نے بغداد پر حملہ کیا بہاؤ الدولہ بن عضد الدولہ نے جو اس زمانہ میں بغداد کا امیر الامرا تھا فخر الدولہ کا مقابلہ کیا اہواز کے میدان میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے اتفاق سے ایک رات دریائے اہواز میں طغیانی آئی اور سیلاب فخر الدولہ کے لشکر گاہ تک پہونچگیا عراقی فوج یہ سمجھی کہ اہل بغداد نے اس کے ساتھ مکر و فریب کیا ہے اور اپنے اسی خیال باطل کے مطابق میدان جنگ سے بھاگی فخر الدولہ رے ہوتا ہوا ہمدان پہونچا اور بہاؤ الدولہ نے چچا کے پاس قاصد بھیجکر اس سے موافقت اور خلوص کا اظہار کیا فخر الدولہ بھی بھتیجے سے راضی ہوگیا اور بغداد کی تسخیر سے اس نے ہاتھ اٹھایا۔ سنہ ۳۸۵ ہجری میں صاحب عباد بیمار ہوا فخر الدولہ صاحب عباد کی عیادت کو گیا اور وزیر نے فخر الدولہ سے کہا کہ جب تک عنان وزارت میرے ہاتھ میں رہی میں نے اپنے حتی الامکان بہترین طریقہ پر مہمات سلطنت کو انجام دیا اور ملک کی سرسبزی اور رعایا کی مرفہ الحالی کے لئے بہترین قوانین جاری کئے اگر بادشاہ میری وفات کے بعد میرے قوانین کو اسیطرح جاری رکھینگے تو مجھے امید ہے کہ ملک میں کسی طرح کا فتنہ و فساد نہ پیدا ہوگا فخر الدولہ نے صاحب عباد کی وصیت پر کاربند ہونے کا اقرار کیا لیکن صاحب عباد کی وفات کے بعد وزارت کی باگ دوسرے نااہلوں کے ہاتھ آگئی اور انھوں نے رعایا پر جبر و تشدد کرکے ان سے بہت سا مال و دولت حاصل کیا اور ملک میں بجائے امن و امان کے فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا سنہ ۳۸۷ ہجری میں ایک دن طبرک کے قلعہ میں فخر الدولہ نے گائے کے کباب اور انگور کھائے کھانے سے فراغت پاتے ہی فخر الدولہ کے پیٹ میں درد اٹھا اور چند گھنٹے اس مرض میں مبتلا رہکر اسی روز اس نے وفات پائی۔

فخر الدولہ نے چودہ سال فرمانروائی کی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اگرچہ فخر الدولہ نے بے شمار مال و اسباب چھوڑا لیکن چونکہ اسکی وفات کے وقت خزانے کی تمام کنجیاں اس کے بیٹے مجد الدولہ کے پاس تھیں اس لئے کفن بھی ادھے بہزار دقت وخرابی میسر آیا۔

شمس المعالی قابوس بن وشمگیر صفحہ ۵۸

اگر آل زیار کی حکومت کی ابتدا مرداویج بن زیار سے سمجھی جائے تو شمس المعالی قابوس خاندان زیار کا چوتھا فرمانروا ہے اس خاندان نے ایکسو اکاون برس حکمرانی کی جس کی تفصیل یہ ہے کہ بانی خاندان مرداویج بن زیار ۳۱۹ھ ہجری میں مستقل فرمانروا ہوا اور خاندان زیار کے آخری فرمانروا گیلان شاہ بن کیکاؤس بن اسکندر بن شمس المعالی قابوس نے ۴۷۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

قابوس نے اپنے بھائی بیستون بن وشمگیر کی وفات کے بعد ۳۶۶ھ ہجری میں جرجان کے تخت سلطنت پر جلوس کیا قابوس فہم و فراست عقل و دانش تدبیر و سیاست میں یگانۂ روزگار تھا یہ فرمانروا ان تمام خوبیوں کے ساتھ ہی ساتھ متقی اور پرہیزگار بھی تھا لیکن باوجود ان تمام صفات کے شمس المعالی بڑا سخت گیر تھا اس کے آئین سیاست میں ہر خطا کی سزا موت اور ہر قصور کا بدلہ تلوار تھی قابوس نے صرف چار برس حکومت کی تھی کہ فخر الدولہ اپنے بھائیوں سے شکست کھا کر اس کے دامن میں پناہ گزین ہوا قابوس نے فخر الدولہ کو اپنے ظل حمایت میں لیا فخر الدولہ کے بھائی نے قابوس پر لشکرکشی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فخر الدولہ کی طرح قابوس بیچارہ بھی آوارہ وطن ہو کر خراسان چلا گیا سامانی فرمانروا فخر الدولہ کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے رہے اور ہر سامانی امیر کی یہ خواہش رہی کہ کسیطرح فخر الدولہ کو پھر سریر آرائے سلطنت کریں لیکن چونکہ ان دنوں آل سامان خود بے سر و سامان ہو رہے تھے اس لئے فخر الدولہ کے مرض کا کچھ علاج نہ کر سکے جب امیر ناصر الدین سبکتگین نے خراسان کا میدان جیتا اور ابوعلی سیمجوری پر فتح پائی تو قابوس سے یہ وعدہ کیا کہ اس کی مدد کرے گا لیکن وعدے کے وفا کرنے میں اتنی دیر ہوئی کہ ابوعلی فوت ہوا اور امیر سبکتگین نے طوس کا سفر کیا۔ طوس پہونچکر شمس المعالی اور سبکتگین سے پھر عہد و پیمان ہوئے اس مرتبہ سبکتگین نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنے وعدہ کو وفا کرے سبکتگین نے امیر تونتاش کو ایلک خاں کے پاس بھیجا اور اسے پیام دیا کہ جو وعدہ باہمی امداد کا میرے اور تمھارے درمیاں ماوراءالنہر میں ہوا تھا اس کے وفا کرنے کا وقت آ گیا مجھے ایک معرکہ درپیش ہے تم دس ہزار جانباز اور جنگ آزما ترکوں کا

ایک لشکر میری مدد کے لئے جلد روانہ کرو۔

امیر سبکتگین نے ایلک خاں کو یہ پیام بھیجکر شمس المعالی کو اپنے پاس ٹھہرایا اور طوس سے بلخ روانہ ہو لیکن قبل اس کے کہ ایلچی جواب لیکر واپس آئے امیر ناصر الدین نے دنیا سے کوچ کیا اور سلجھا ہوا معاملہ پھر تھوڑے دنوں کے لئے الجھکر رہ گیا۔

سبکتگین کے مرنے کے بعد قابوس نے اس کے بیٹے محمود کا دامن پکڑا محمود نے قابوس کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ اپنے معاملات سلطنت کو سلجھا کر قابوس کی پوری مدد کرے گا لیکن کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ محمود سے بھی قابوس کی کاربراری نہ ہوئی ادھر فخر الدولہ نے پوری بیوفائی کی اور باوجود اس کے کہ قابوس نے فخر الدولہ ہی کی بدولت تخت سلطنت چھوڑا تھا لیکن فخر الدولہ نے صاحب جاہ وحکومت ہوکر قابوس کی ہمدردی کا کچھ پاس ولحاظ نکیا کچھ اپنے پاس سے دینے کے بجائے جرجان کو بھی اپنے قلمرو میں داخل کر لیا فخر الدولہ کی وفات کے بعد قابوس کو حصول مقصد کی کچھ امید پیدا ہوئی اور اس نے اصبہبد شہریار والی کوہستان مازندران کے دامن میں پناہ لی اصبہبد نے قابوس کی مدد پر کرہمت باندھی آخر اس کی کوشش سے جرجان فتح ہوا قابوس نے نیشاپور سے جرجان پہونچکر تخت سلطنت پر جلوس کیا اور تھوڑے ہی زمانہ میں گیلان اور طبرستان دونوں شہروں کو فتح کرکے اپنے بیٹے منوچہر کو گیلان کا والی مقرر کیا اور طبرستان کی حکومت اپنے ایک غلام کو عطا کی۔

قابوس کی سخت گیری جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس کی تمام ذاتی فضیلتوں کو مٹانے والی ثابت ہوئی۔

اسی اثنا میں قابوس گرمی کا زمانہ بسر کرنے کے لئے جرجان چھوڑ کر جناشک کی چھاونی میں مقیم ہوا قابوس کے ارکان دولت اور سران فوج نے بالاتفاق یہ طے کر لیا کہ قابوس کو تخت سلطنت سے اتار دیں ایکدن جبکہ قابوس حوالی جرجان کے ایک قلعہ میں مقیم تھا یہ امیر اس پر حملہ آور ہوئے، اور اس کا تمام مال واسباب لوٹ کر شہر میں داخل ہوئے اور جرجان پر قبضہ کرکے منوچہر بن قابوس کو تخت نشینی کے لئے گیلان سے بلایا شمس المعالی کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی اور وہ اپنے غلاموں کی ایک جماعت کے ہمراہ بسطام چلا گیا منوچہر جلد سے جلد جرجان پہونچا اور ارکین دولت نے اس سے کہا کہ اگر تم اپنے باپ کی معزولی کے جھگڑے میں ہمارا ساتھ دو تو ہم تمھیں اپنا فرمانروا تسلیم کریں۔

منوچہر بظاہر تو باغی امیروں کا ہمنوا رہا لیکن دل میں باپ کا ہمدرد اور اسکے

مخالفوں کا دشمن بنا رہا۔

امیروں نے منوچہر کو ساتھ لے کر شمس المعالی کے تعاقب میں بسطام کا رخ کیا بسطام میں منوچہر شمس المعالی سے ملا اور اس نے باپ کے قدموں پر سر رکھکر کہا کہ اگر حکم ہو تو ابھی باغیوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھاؤں اور اپنا سر آپ کے قدموں پر سے تصدق کر دوں۔

شمس المعالی نے جواب دیا کہ ایکدن یہ ہونا ہی تھا کہ میں تخت سلطنت چھوڑ دوں اور تم میری جگہ تخت وتاج کے مالک ہو جو کل ہونے والا تھا وہ آج ہی ہو گیا اور جو کچھ ہوا وہ حق ہوا اور بہتر ہوا اب جھگڑے کو طول دینے سے کیا فائدہ۔

منوچہر باپ کی یہ تقریر سنکر خاموش ہو رہا اور قابوس اور جرجانی امیروں میں یہ طے پایا کہ شمس المعالی جناشک کے قلعہ میں نظر بند رہ کر بقیہ عمر عبادت الٰہی میں گزارے اور منوچہر جرجان کے تخت حکومت پر بیٹھ کر حکمرانی کرے اس قرار داد کے مطابق قابوس نے جناشک کی اور منوچہر نے جرجان کی راہ لی قابوس کے قیام کو جناشک کے قلعہ میں تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ اس کے دشمن امیروں نے سازش کر کے اسے قتل کرایا اور قابوس کی نعش استر آباد کے قریب اسی کے ایک بنا کردہ گنبد میں دفن کی گئی۔

شاہ شار ابو نصر حاکم غرجستان

امیر سبکتگین اور امیر رضی سامانی کے عہد حکومت میں غرجستان کا حاکم ابو نصر محمد شار ابن اسد تھا۔

شار کے معنی مالکیت اور عظمت کے ہیں یہ لفظ ہر فرمانروائے غرجستان کا لقب ہوتا تھا اور جو شخص بھی غرجستان کا والی ہوتا تھا اس کو شار کہتے تھے ابو نصر شار غرجستان کا اس وقت تک والی رہا جبتک کہ اوس کا بیٹا شاہ محمد نابالغ رہا شاہ محمد نے جوان ہو کر باپ سے ملک چھین لیا باپ تو گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر درس تدریس ومطالعۂ کتب میں مصروف ہوا اور بیٹا شاہ محمد شار کے نام سے غرجستان پر حکمرانی کرنے لگا اسی زمانہ میں ابو علی ابن محمد سیمجوری نے امیر رضی نوح ابن منصور سامانی سے باغی ہو کر ارادہ کیا کہ مملکت غرش اور اس کے متعلقات پر قبضہ کر کے ابو نصر اور شاہ محمد دونوں باپ بیٹوں کو بھی اپنا فرمانبردار اور باجگذار بنائے ان ہر دو شار نے سامانی فرمانروا کے خلاف اس کے ایک سپہ سالار کے سامنے گردن جھکانا اپنی کسرشان سمجھا اور ابو علی نے ابو القاسم فقیہ اپنے معتمد امیر کو ایک جرار لشکر کے ہمراہ غرجستان کی مہم پر نامزد کیا ابو نصر اور شار محمد دونو پدر وپسر حریف سے

شکست کھا کر ایک مستحکم قلعہ میں جو کوہستان کے عقب میں واقع اور ان کا موروثی گھر تھا پناہ گزین ہوئے اور ابو علی نے ان کے مال اور ملک پر قبضہ کر لیا۔

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد امیر سبکتگین اور امیر رضی دونوں نے ملکر ابو علی سے معرکہ آرائی کی دونوں شار بھی امیر رضی کے ہمراہ رکاب ہوئے اس معرکہ میں ابو علی کو شکست ہوئی اور وہ اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر جرجان بھاگ گیا ابو نصر اور شاہ محمد اپنے ملک پر قابض ہو کر پھر اطمینان اور آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ انکی حکومت کو بہت زمانہ نگذرا تھا کہ امیر سبکتگین نے وفات پائی اور سلطان محمود غزنی کا فرمانروا ہوا۔ محمود غزنوی نے ابو نصر اور شاہ محمد دونوں کو پیغام دیا کہ اس کی اطاعت قبول کریں ان دونوں باپ بیٹون نے محمود کے حکم کی تعمیل کی اور ۳۸۹ھ ہجری میں غرجستان میں محمود کا خطبہ و سکہ جاری ہوا۔ اس درمیان میں جو لوگ کہ بمقام مرو شکست کھا کر بخارا میں جمع ہوئے تھے انھوں نے ابو نصر و شاہ محمد کو خفیہ خطوط بھیجے کہ آپ ہم اپنا انتقام لینے کے لئے آمادہ ہیں تم لوگ بھی جنگ کی تیاری کرو لیکن ابو نصر و شاہ محمد نے ان خطوط پر مطلق توجہ نہ کی یہاں تک کہ ایلک خان بخارا پر متسلط ہوا اور اس نے تمام باغیوں کو قتل کر کے سلطان محمود کو حقیقت حال سے اطلاع دی۔

اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد شاہ محمد شار محمود غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوا محمود نے شار کی بیحد تعظیم و تکریم کی اور شار خوش و خرم اپنے مسکن افشین کو واپس گیا۔ اسی اثنا میں سلطان محمود غزنوی نے کسی بہت بڑی مہم کی طیاری کی اور اپنے تمام امرا اور ارکان دولت کے علاوہ ابو نصر اور شاہ محمد کو بھی اس مہم میں شریک ہونے کیلئے بلایا شار نے عذرات لنگ پیش کر کے آنے سے انکار کیا محمود کو معلوم ہو گیا کہ اس کی طبیعت میں نافرمانی کا مادہ پیدا ہو گیا ہے مگر مصلحتاً اس وقت خاموش رہا۔ محمود نے اپنی پیش پا افتادہ مہم سے فراغت حاصل کر کے ایک مرتبہ پھر اس بات کی کوشش کی کہ شاہ محمد راہ راست پر آئے لیکن شار کی بغاوت پسند طبیعت نے اس مرتبہ بھی محمود کی نصیحت پر عمل نہ کیا۔ محمود غزنوی نے اپنے حاجب کبیر التونتاش اور اپنے غلام ارسلان جاذب والی طوس کو شاہ محمد کی سرکوبی اور غرش کو فتح کرنے کے لئے غرجستان روانہ کیا یہ دونو امیر دشوار گزار گھاٹیاں طے کرتے ہوئے حریف کے سر پر ہو پہنچے۔ ابو نصر تو امان طلب کر کے التونتاش کے پاس آ گیا اور اس سے کہا کہ میں اس معاملہ سے بالکل بری ہوں جو کچھ کیا میرے سرکش اور نافرمان بیٹے نے کیا تم سلطان سے میری

سفارش کرو کہ میں بالکل بے گناہ اور بے قصور اور اطاعت کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔
تونتاش نے ابونصر کو ہرات بھیجا اور سلطان سے اس کی سفارش کی محمود نے حکم دیا کہ ابونصر رہا کر دیا جائے لیکن شاہ محمد قلعہ میں پناہ گزیں ہوا تو نتاش اور ارسلان نے شاہ محمد کا محاصرہ کیا شاہ محمد نے بھی عاجزی سے امان مانگی تونتاش اور ارسلان جاذب نے اس کو گرفتار کیا اور اس کا تمام مال واسباب ضبط کر کے محمود کو تمام حقیقت حال کی اطلاع دی محمود نے حکم دیا کہ شاہ محمد اس کے پاس بھیجا جائے جب شاہ محمد سلطان کی خدمت میں چلا تو اس وقت اس نے اپنے غلام سے کہا کہ ہمارا یہ حال لکھکر ہمارے گھر اطلاع کردو اور لکھدو کہ چند روز کے بعد ہم بخیر وعافیت واپس آجائینگے شاہ محمد غزنی پہونچا اور سلطان نے شار کو خود خط لکھنے کا حکم دیا شار نے پہلے تو خط لکھنے میں تامل کیا لیکن اس کے بعد قلم اوٹھایا اور اپنی زوجہ کو لکھا کہ اے قحبہ تو مجھکو غافل جانتی ہے لیکن تجھے جاننا چاہئے کہ جو کچھ تو نے کیا اور کر رہی ہے اس سے مجھکو پوری اطلاع ہے دیکھ کہ میں تھوڑے دنوں میں آکر تجھکو اور تیرے ماں باپ کو کیسی سزا دیتا ہوں۔

شار نے یہ خط تمام کر کے اپنے غلام کو دیا اور غلام نے یہ خط اس کے گھر روانہ کرا دیا جب یہ نامہ شار کی زوجہ کو ملا تو اس بیچاری کی عجیب حالت ہوئی اور اس کے گھر میں کہرام مچگیا اور سبھوں نے ایک زبان ہو کر یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے شار سے ہماری بدگوئی کی ہے اور ہماری طرف سے اس کے کان خوب بھر دیے ہیں غرضکہ ان لوگوں نے شار کے خوف سے مکان خالی کر دیا اور کسی گوشۂ عافیت میں جا کر چھپ رہے تھوڑے دنوں کے بعد شار کا ایک غلام اس کے مکان پر گیا اور اسے حقیقت حال سے آگاہی ہوئی غلام نے سارا ماجرا سنکر کہا کہ لعنت خدا کی خط لکھانے والے اور لکھنے والے اور بھیجنے والے اور لانے والے سب پر محمود غزنوی کو اس تمام واقعہ کی اطلاع ہوئی پہلے تو محمود کو شار کے اس فعل پر ہنسی آئی کہ اس نے کس حیلہ سے محمود پر لعنت کرائی لیکن جب اس نے یہ سنا کہ شاہ محمد شار خود یہ کہتا ہے کہ وہ شخص لعنت کا مستحق ہی تھا جس نے مجھ سے خط لکھوایا تو محمود کو بہت غصہ آیا اور اس نے شاہ محمد کو برہنہ کر دا کر دُرّے سے پٹوایا اور اس سے کہا کہ یہ سزا ہے اس شخص کی جو حق نعمت فراموش کرے محمود نے شاہ محمد کو یہ سزا دیکر حکم دیا کہ شار کو

کسی عمدہ مقام پر قید رکھا جائے اور اس کے اخراجات کا معقول انتظام کر دیا جائے لیکن شاہ محمد کو خود یہ نہ معلوم ہوا کہ اس کی راحت رسانی کا سارا انتظام محمود کے حکم سے ہو رہا ہے محمود نے شاہ محمد کے فتنہ کو فرو کر کے اس کے باپ ابو نصر شار کی طرف توجہ کی محمود نے ابو نصر کو ہرات سے غزنی بلوایا اور اس کی تمام جائداد جو غرش میں تھی مناسب قیمت پر خرید کے اپنی مملکت میں شامل کر لی اور ابو نصر کو عزت اور حرمت کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔

تمت

اشاریہ

(الف) اشخاص کے نام

اشاریہ

(ب) شہروں قصبوں قلعوں اور محلوں کے نام

اسماء	[illegible]	صفحات
۱	۲	۳
بیکر		۴۹
بکرام	بگرام	۲۰۹
بیکلانہ		۳۹۰ و ۳۹۵
بلخ		۴۵ و ۴۶ و ۵۸ و
		۶۰ و ۶۳ و ۶۴ و ۶۵ و
		۷۵ و ۸۸ و ۱۰۰ و
		۱۱۶ و ۱۱۷ و ۱۳۳ و
		۱۳۸ و ۱۴۰ و ۱۴۲
		و ۱۴۸ و ۱۴۹ و ۱۵۰
		و ۱۵۱ و ۱۵۴ و ۱۶۳
		و ۱۶۴ و ۲۰۶ و ۳۰۴
بنارس		۳۰ و ۲۱۷ و ۲۲۸ و
		۲۳۹ و ۲۶۶
بندر دیو		۱۰۱
بندر معمور سمندر		۴۰۳
بنگالہ		۴ و ۲۳ و ۲۸ و ۳۰ و
		۳۱ و ۳۲ و ۳۵ و ۳۹
		و ۴۲ و ۲۴۳ و ۲۴۸
		و ۳۰۹ و ۳۵۰ و ۳۵۵
		و ۳۸۱ و ۳۹۹ و ۴۰۳ و ۴
بہادرپور		۳۱۹ و ۳۲۰ و ۳۲۲ و ۳۲۵
بہار		۲۴ و ۲۷ و ۳۹ و ۲۳۳ و
		۲۴۸ و ۳۱۲ و ۳۱۳

اسماء	[illegible]	صفحات
۱	۲	۳
بھاطنہ	بھاطیہ	۴۹ و ۵۰ و ۵۱
بھٹنڈہ		۵۴ و ۷۰ و ۷۴ و ۲۰۱
		و ۲۱۲ و ۲۴۵ و ۲۶۹
		و ۲۷۳ و ۲۷۴
بہرائچ		۲۹ و ۲۶۶ و ۲۶۸ و
		۲۷۴
بھکر		۲۴۰ و ۲۴۲ و ۲۴۹
بھلسہ		۳۳۹
بھینبر		۲۶۹ و ۲۷۴ و ۲۹۱
بھوج پور		۲۸۹ و ۲۹۰
بیانہ		۲۶ و ۲۱۸ و ۲۳۲ و
		۲۴۰ و ۲۴۱ و ۲۷۵
بیت المقدس		۳
بیجاپور		۱ و ۲۲۹ و ۲۹۹
بیجاگر		۳۹
بیجانگر		۳۵ و ۴۱
بیجور		۴۹
بیدر		۳۸
	(پ)	
پانی پت		۱۹۶
پائین		۱۹۲
پیٹن		۱۰۲ و ۱۷۷

اشاریہ

(ج) پہاڑوں، دریاؤں اور ندیوں کے نام

ضمیمۂ اشاریہ

(الف) اشخاص کے نام

اسماء	صحت	صفحات
۱	۲	۳
ناصر الدین پسر بزرگ التمش		۲۴۸ و ۲۴۹ و ۲۵۰
ناصر الدین محمود		۲۵۰، ۲۶۵، ۲۶۶ و ۲۶۷ — ۲۷۸، ۲۸۰ و ۳۰۸
قاآن الملک محمد سلطان خاں شہید		۲۹۶
علی بن قدر سلجوقی		۹۸

سلسلۂ مطبوعات تاریخ و معاشیات جامعۂ عثمانیہ
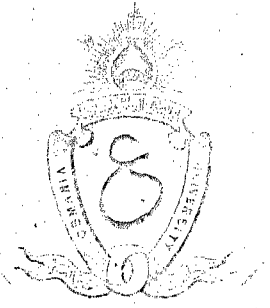
حواشی تاریخ فرشتہ

(جلد اول ترجمۂ اردو)

تالیف

مولوی سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی

رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

۱۳۴۱ھ ۱۳۳۲ف ۱۹۲۳ع

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

گذارش

سہولت کی غرض سے تاریخ فرشتہ کے یہ حواشی اصل فارسی کتاب پر تحریر کئے گئے تاکہ اس تحشیہ اور اردو ترجمے کا کام ساتھ ساتھ ہوتا رہے۔ خاکسار مؤلفِ حواشی کو ترجمۂ اردو کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ اور اس ترجمے کے اصل فارسی تاریخ سے مقابلے اور تصحیح کتابت وغیرہ کا سب کام خود لائق مترجم مولوی فدا علی صاحب نے (زیر نگرانی جناب ناظم صاحب دارالترجمہ) انجام دیا ہے فقط

خاکسار

سیّد ہاشمی

(مؤلّف حواشی)

۲۰ر جمادی الاول سنہ ۱۳۴۴ھ

فہرست مضامین حواشی

جلد اول اردو ترجمۂ تاریخ فرشتہ

[۱] اس حاشیہ میں اصل فارسی کتاب (تاریخ فرشتہ مطبوعہ نولکشور ۱۲۸۱ھ) کے صفحات کا نشان دیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حواشی تاریخ فرشتہ

(اردو ترجمہ جلد اول)

۱۔ "کنپلا" یہ مقام موجودہ ضلع فرخ آباد کی تحصیل قائم گنج میں گنگا کے قریب واقع ہے اور مشہور ہے کہ ان دنوں پنچال کے راجہ درو پد کا پائے تخت تھا۔ اب ایک گاؤں رہ گیا ہے جس کا نام کنپل ہے لیکن گرد و نواح میں دور دور تک قدیم عمارات کے کھنڈر موجود ہیں۔ (گزیٹیر جلد چہارم صفحہ ۳۲۸)

۲۔ بریگز لکھتا ہے کہ یہ نام مسلمانوں کے زمانے میں داخل روایت کیے گئے ہوں گے۔ مہابھارت میں ان ملکوں کا کوئی ذکر نہیں ہے (انگریزی ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد اول حاشیہ صفحہ LVIII)

۳۔ وائین یہ مقام ستارا سے چند میل شمال میں دریائے کرشنا کے کنارے واقع ہے۔

۴۔ ہندوؤں کی قدیم کتابوں میں اکثر مغربی حملہ آوروں کو خواہ یونانی تھے یا تاتاری یا عرب، یون کے نام سے موسوم کیا ہے اور عجب نہیں کہ یہ لفظ یونان ہی کے

حملے کی یادگار رہا اور یہ نام جو ابتدا میں انہیں دیا گیا تھا بعد میں سب مغربی حملہ آوروں کے واسطے استعمال ہونے لگا ہو ۱۲

---

۵ ایک کروہ تقریباً دو میل کا ہوتا تھا گرودار کا جدید پیمائش کے حساب سے احمد آباد سے تقریباً ڈھائی سو میل مشرق میں واقع ہے۔

---

۶ "بادرائن" اصل کتاب میں یہ لفظ کتابت کی غلطی سے "ددی باین" چھپا ہے۔ بادراین درحقیقت کتاب "برہم سوتر" کا مصنف سمجھا جاتا ہے لیکن چونکہ "ویاس" (یا بیاس) کے معنی ترتیب دینے والے کے ہیں۔ لہٰذا اکثر اہل الرائے جیسا کہ فرشتہ نے بیان کیا لفظ "ویاس" کو اسی بادرائن کا لقب سمجھتے ہیں۔

---

۷ راجپوتوں کے نسب کے متعلق ایک اور بھی روایت فرشتہ نے لکھی ہے جسے ہم نے کمزور اور نازیبا سمجھ کر حذف کر دیا۔

---

۸ زابل (زابلستان یا زاوستان) مغربی افغانستان اور موجودہ خراسان کے چند اضلاع کا نام تھا اور اسی کے جنوب میں وہ علاقہ جس کا بیشتر حصہ اب سیستان (یا سجستان) میں داخل ہے نیمروز کے نام سے موسوم تھا۔

---

۹ مُنیر۔ اصل کتاب میں کاتب کی غلطی سے "فیروز" لکھا ہے۔

---

۱۰ مُنیر۔ پٹنے سے چند میل مشرق میں یہ قدیم قصبہ اب تک موجود ہے۔

---

۱۱ "جہار کھنڈ" دریائے سون کے دائیں کنارے کا وہ علاقہ جس کا بیشتر حصہ آج کل "بگھیل کھنڈ" اور "چھوٹے ناگپور" میں داخل ہے مسلمانوں کے عہد حکومت میں جہار کھنڈ یا جہاڑ کھنڈ کہلاتا تھا۔

۱۲ معلوم نہیں یہ روایت فرشتہ کو کہاں سے ملی۔ ورنہ ہندوؤں کے نزدیک بنارس (کاشی) بہت قدیم، جنگ مہابھارت سے بھی پہلے کا شہر ہے ؎

۱۳ "سوالک" کوہستان سوالک یا ملک سوالک کا ذکر فارسی تاریخوں میں جابجا آتا ہے اور چونکہ اب اس نام سے کوئی ملک یا علاقہ مشہور نہیں ہے اسلیئے ملک سوالک کا ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھ میں نہیں آیا کرتا "کوہستان سوالک" آجکل بھی انہی پہاڑیوں کو کہتے ہیں جن کا سلسلہ مشرقی پنجاب کے ضلع ہوشیارپور سے شروع ہوتا اور انبالے سے گزر کر سہارنپور کے ضلع تک پہنچتا ہے منصوری اور شملے کے مشہور مقامات اسی سلسلہ کوہ کی چوٹیوں پر آباد ہیں اور اس اعتبار سے کوہستان سوالک کو ہمالیہ کی محض ایک جنوبی شاخ سمجھنا چاہیئے ؎

لیکن ملک یا علاقہ سوالک کی ٹھیک حدود کا تعیّن کرنا بہت دشوار ہے۔ لہٰذا اجمالاً اسقدر بتانا کافی ہوگا کہ اکثر فارسی تواریخ میں "ملک سوالک" سے شمالی راجپوتانہ پنجاب اور صوبۂ متحدہ کے وہ اضلاع مراد ہیں جو ہمالیہ کے جنوب میں گنگا اور ستلج کے درمیان واقع ہیں ؎ (دیکھو گزیٹیر جلد بست و سوم صفحہ ۹۱۔ حواشی ترجمہ طبقات ناصری صفحات ۴۶۸، ۶۱۱ وغیرہ) ؎

۱۴ ان قدیم جغرافی ناموں کے محل وقوع کا اب صحیح تعیّن کرنا دشوار ہے ؎ کنک وژ، کا ذکر شاہنامے میں جابجا آیا ہے کہ وہ تورانیوں یا ترکوں کا مشہور جنگی قلعہ تھا ایک قیاس یہ ہے کہ شاید یہی لفظ بگڑ کر کندز ہو گیا ہو جو آجکل شمالی افغانستان کا ایک شہر ہے۔

۱۵ غالباً اوّل اوّل شمال مغربی چین کا علاقہ "خطا" کے نام سے موسوم ہوا جسے مغلوں یا تاتاریوں کی ایک قوم "خطان" نامی نے فتح کیا تھا لیکن بعد میں وسط ایشیا کے قریب قریب وہ تمام علاقے جہاں ترک یا نسل مغول کے لوگ قابض ہوئے تھے "خطا" کہلانے لگے ۔ خطا نامی ایک چھوٹا سا قصبہ خجند کے جنوب میں اب تک موجود ہے اور ختن چینی ترکستان میں واقع ہے اسی شہر کے نام پر ترکستان کا یہ تمام مشرقی علاقہ ملک ختن

کہلاتا تھا ۔

۱۶ ۔ "ترہٹ" یہ علاقہ اب مظفر پور اور دربھنگہ (بنگال) کے دو جدید ضلعوں میں تقسیم کر لیا گیا ہے اسی لئے یہ پرانا نام متروک ہو گیا ۔

۱۷ ۔ ہماوراں شاہنامے کی ایک مشہور جنگ کا مقام ہے ۔

۱۸ ۔ "رہتاس" یہ پہاڑی قلعہ (رہتاس گڑھ) بہار کے موجودہ ضلع شاہ آباد میں واقع ہے ۔ ہندوؤں کی قدیم کتابوں میں اس کے بانی کا پورا نام "روہٹاسو" (پسر ہریشچندر) لکھا ہے (گزیٹیر جلد بست و یکم صفحہ ۳۲۲)

۱۹ ۔ فور ۔ پنجاب کے راجہ پورس کو جو اسکندر مقدونی سے لڑا تھا مسلمان مورخ "فور" کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔

۲۰ ۔ سینسار چند برگز لکھتا ہے کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہی راجہ ہے جس کو قدیم یونانی "سینڈرا کوٹس" کہتے ہیں اور جس کا دوسرا نام "چندر گپت" تھا ۔

۲۱ ۔ ان مقامات میں ہنڈیا تو وسط ہند کا مشہور تاریخی مقام ہے ۔ باقی "کھڑگون" اور "بیجا گڑھ" ابھی اسی کے قریب جنگل ریاست اندور کے علاقے میں واقع ہیں کھڑگون کی نسبت بعض اہل تحقیق خیال کرتے ہیں کہ وہ سلاطین مغلیہ کے عہد میں آباد ہوا تھا (گزیٹیر جلد پانزدہم صفحہ ۱۲۵)

۲۲ ۔ نرور یہ قدیم شہر جسے راجہ نل کی کہانی کی بدولت بڑی شہرت حاصل ہے گوالیار کے قریب اسی ریاست کی عملداری میں واقع ہے ۔

۲۳ ۔ منکوٹ ۔ اس شہر کا ٹھیک نام اور مقام معلوم نہیں ہو سکا ۔ برگز

شیوکوٹ پنڈی" لکھتا ہے ۔

---

۲۴ نہر "بہت" سے پنجاب کا دریا جہلم مراد ہے۔ اس کا قدیم سنسکرت نام "ویستا" تھا جسے یونانیوں نے بگاڑ کر "ہِدَاسپیس" اور پھر "ہِدَاسپیس" بنا لیا۔ کشمیری زبان میں اس کا نام "وتھ" ہے اور مسلمان مورخ کبھی کبھی "وہت" ورنہ عام طور پر "بہت" لکھتے ہیں ۔

---

۲۵ سوالک سے یہاں بظاہر کوہستان ہمالیہ کے تمام جنوبی پہاڑ مراد ہیں۔

۲۶ "نسسودیہ" جسے کتاب میں "سنسودیہ" لکھا ہے، راجپوتوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے ۔

---

۲۷ کول مری۔ اودے پور کے قریب (کومل میر یا) کومبل گڑھ کا پہاڑی قلعہ اب تک موجود ہے اور ممکن ہے کہ اس کے قریب کی پہاڑیوں کو اس قلعے کے نام سے منسوب کرتے ہوں جسے کاتب نے غلطی سے "کول مری" لکھ دیا ۔

---

۲۸ کچھ عرصہ پہلے تک رام گڑھ اور ماہور برار کے مشہور مقامات تھے اور منڈو یا مانڈو کا قلعہ اب تک مشہور اور دھار کی ریاست میں واقع ہے ۔

---

۲۹ ان ناموں میں بہت سے اختلاف اور شبہات ہیں مثلاً قنوج کے راجہ کو طبقات اکبری میں (صفحہ ۱۷) کورہ لکھا ہے اور عجب نہیں کہ یہ دونوں محض "کنور" کا غلط املا ہوں؟ وقس علیٰ ہذا ۔

---

۳۰ ہندوؤں کے یہ حالات محض اس لئے حذف نہیں کئے گئے کہ تاریخ فرشتہ کا یہ اردو ترجمہ ناقص نہ رہے ورنہ فرشتہ نے اس عہد قدیم کے

متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ جدید تحقیقات کے مقابلے میں کوئی خاص تاریخی وقعت نہیں رکھتا۔ اس کی بعض روایات تو صریحاً غلط ہیں۔

---

۳۱ مسلمانوں نے ہند پر سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں بحری تاختیں کی تھیں (۱۵ھ) اور فتح ایران کے بعد سیستان کی جانب سے بھی مکران و سندھ کے علاقوں تک کئی بار بڑھ آئے تھے لیکن محمد بن قاسم سے پہلے خشکی کی جانب سے مسلمانوں کا سب سے مشہور حملہ یہی ہے جس کا سردار مہلب تھا۔

---

۳۲ جُرجان بحر خزر کے جنوب مشرقی ضلع کا نام تھا جسے اب استر آباد کہتے ہیں مگر استر آباد زمانۂ قدیم سے علاقہ جرجان کا مشہور شہر یا صدر مقام ہے اور ہمارے مورّخ ابوالقاسم فرشتہ کی جائے ولادت بھی یہی شہر ہے۔ جُرجان کو "جور جان" اور قدیم فارسی تلفظ میں "گورگان" بھی کہتے تھے۔

---

۳۳ قہستان کو اب عام طور پر "کوہستان" کہتے ہیں اور یہ صوبہ ایرانی مکران اور خراسان کے وسط میں واقع ہے۔

---

۳۴ طوس حوالی نیشاپور میں شمال مشرقی ایران کا مشہور قصبہ تھا۔

---

۳۵ سرخس (بسکون خاو سین) یہ مقام موجودہ سلطنت ایران کی شمال مشرقی سرحد پر (صوبہ خراسان میں) واقع ہے۔

---

۳۶ بادغیس یہ بھی پہلے صوبہ خراسان کا (ہرات کے مغرب میں) ایک ضلع تھا اب روسیوں کی ایشیائی سلطنت کا سب سے جنوبی علاقہ ہے۔

ح ۳۷ **غور و غرجستان** موجودہ افغانستان کے وہ شمال مغربی اضلاع جنھیں رود ہری سیراب کرتی ہے غور کہلاتے تھے۔ اور اس کے شمال میں غرجستان یا غرستان کا صوبہ تھا۔

ح ۳۸ **مرو** وسط ایشیا کا مشہور شہر ہے۔ پہلے ایرانی خراسان میں تھا اب روسیوں کی عملداری میں داخل ہے۔

ح ۳۹ **طالقان**۔ اس نام کا اصلی اور مشہور شہر تو وہ تھا جو خراسان کے علاقے میں **بلخ** اور **مرو** کے درمیان واقع تھا لیکن ایک اور قصبہ بھی جس کا اصلی نام **طائے قان** تھا کبھی کبھی اسی نام (طالقان) سے پکارا جاتا ہے۔ اور غالباً یہی دوسرا **طائے قان** **بلخ** کے مشرق میں **قندز** کے قریب آجکل **تالے خان** کے نام سے مشہور و موجود ہے۔ طالقان کا جدید نقشوں میں پتہ نہیں چلتا۔

ح ۴۰ **جی لان یا گیلان** جورجان سے متصل ساحل بحر خزر کے جنوبی علاقے کو کہتے ہیں۔

ح ۴۱ **طبس یا طبّس** صوبہ **کہستان** (ایران) کا مشہور تاریخی شہر اُن پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے جنھیں "کوہ شتری" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ح ۴۲ **کرلج یا کرماچ** غالباً وادیٔ خرّم کا کوئی قدیم مقام تھا۔

ح ۴۳ **شنُوزان** (ش، ن، و، ز، ا، ن) یا **سنقُران** دراصل صوبہ مکران مگر موجودہ جنوب مغربی افغانستان کا ایک ضلع تھا۔ جدید نقشوں میں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ کتاب (تاریخ فرشتہ) کے دونوں نسخوں میں اسے غلطی سے (رائے مہملہ کے ساتھ) "شنوران" لکھا ہے (نیز دیکھو حاشیہ ح ۱۵۰)

۴۴ نیلاب سے دریائے سندھ یا اٹک مراد ہے۔

۴۵ خلج یا خلج اصل میں تاتاریوں کی ایک قوم کا نام ہے جس کے بہت سے قبائل ماقبل تاریخ زمانے میں خراسان اور جنوب مغربی افغانستان میں بھی آبسے تھے۔ انہی کے نام سے بعض اوقات یہ علاقہ خلج کہلاتا تھا۔ ہیں کے اکثر سپاہی اور سردار غزنوی اور غوری بادشاہوں کے ساتھ ہندوستان آئے اور مراتب عالیہ تک پہنچے مدت دراز تک افغانستان میں رہنے کی وجہ سے یہ لوگ نیم افغانی ضرور ہو گئے تھے لیکن حال کی انگریزی تاریخوں نے ان کو مطلق "پٹھان" یا "افغان" بنا دیا ہے اور خ کو مکسور بنا کے تلفظ بھی غلط کر دیا ہے۔

۴۶ پٹھان کی عام طور پر ایک اصل "پختوان" یا "پشتان" سمجھی جاتی ہے یعنی پختو یا پشتو بولنے والا لیکن میجر راورٹی نے جا بجا انہیں بتنی یا بتانی افغان لکھا ہے اور بتن بن قیس افغانی اقوام کا ایک مورث اعلیٰ سمجھا جاتا ہے جس کی اولاد اس کے نام سے منسوب ہوئی یہی لفظ ہندوستان میں بگڑ کر پتان یا پٹھان ہو گیا۔

۴۷ بظاہر یہ لفظ بھاطیہ یا بھاٹیہ ہے جو ملتان کے قریب ایک ہندو راجہ کا صدر مقام تھا۔

۴۸ بجو و سیوی سے باجوڑ (یعنی چترال اور دریائے کابل کے درمیان کا علاقہ) اور سیبی (علاقہ ریاست قلات) مراد ہیں۔

۴۹ بکر سجستان یعنی ملک خراسان کے ایک صوبے میں اس کا نام قلعہ تھا لیکن اس کا باجوڑ اور سیبی سے تعلق، صاف طور پر سمجھ میں نہیں آتا۔

۵۰ لمغان یا لمغانات افغانستان کے ان مشرقی اضلاع کا نام

تھا جو پشاور کے قریب تک ہندوستان کی موجودہ حدود کے اندر بھی پھیلے ہوئے تھے الفنسٹن نے اسے مغ مان لکھا ہے اور اس زمانے کی اکثر انگریزی تواریخ بھی ظاہرا اسی کی تقلید کرتی ہیں۔

---

۵۱ الپ یا الپتگین کی خودمختاری اور وفات کے مذکورہ بالا سنہ غلط ہیں۔ الپتگین ۳۲۲ھ میں دربار بخارا سے بگڑ کر غزنی آیا اور تیس برس تک حکومت کر کے ۳۵۲ھ میں وفات پائی۔ (دیکھو ریورٹی کا ترجمہ طبقات۔ حاشیہ صفحہ ۷۱) نیز تاریخ ہند برائے ایف۔ اے عثمانیہ یونیورسٹی جلد دوم صفحہ (۷۹)

---

۵۲ یہ سن اور واقعات نادرست ہیں۔ تاریخ بیہقی، فصیحی اور طبقات ناصری وغیرہ اکثر قدیم تواریخ کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الپتگین کے بیٹے اسحٰق (نہ کہ "ابو اسحٰق") نے تقریباً چار برس حکومت کی اور اس کا جانشین امیر بلکاتگین ہوا (۳۵۵ھ) پھر آٹھ برس کے بعد جب اس نے وفات پائی تو امیر پیری اس کا جانشین ہوا (۳۶۲ھ) لیکن اس کی بدعنوانیوں سے تنگ آ کر امرائے ترک نے آخر اسے معزول کر دیا اور سبکتگین کو اپنا فرمانروا بنا لیا۔ اس واقعے کا سنہ جیسا کہ فرشتہ نے لکھا ہے عام طور پر ۳۶۷ھ مانا جاتا ہے لیکن طبقات ناصری میں سبکتگین کی تخت نشینی کی تاریخ ۲۷ شعبان ۳۶۶ھ تحریر ہے (طبقات ناصری، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۷۔ نیز دیکھو حواشی راورٹی صفحہ ۷۲، ۷۳ وغیرہ)۔

---

۵۳ بست مشرقی خراسان کا ایک شہر اور ضلع۔ برگز کے انگریزی ترجمہ تاریخ فرشتہ کے ایک حاشیے سے (صفحہ ۱۵) معلوم ہوتا ہے کہ اب سے سو برس پہلے تک یہ شہر زابلستان کا صدر مقام اور ایک مستحکم جنگی قلعہ سمجھا جاتا تھا۔

---

۵۴ قصدار موجودہ بلوچستان میں واقع اور آجکل خزدار کے نام سے مشہور ہے۔

---

۵۵ یہ نام بھٹنڈہ صریحاً کتابت کی غلطی ہے کیونکہ شہر مذکور سرحد غزنی کے ایسا قریب نہ تھا کہ وہاں آ کر راجہ جے پال مسلمان حملہ آوروں کو روکنے کی تدابیر کرتا۔ لہٰذا

راقم الحروف کا قیاس ہے کہ دراصل یہاں قلعہ نندنہ مراد ہے جو دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر موجودہ خوشاب کے قریب اس زمانے کا بہت مشہور پہاڑی قلعہ تھا۔ اس نام (نندنہ) کے متعلق فارسی تاریخوں میں عجیب عجیب غلطیاں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے بعض جگہ تاریخی واقعات کی صورت ہی بدل گئی لیکن تاریخی روایات کو غور سے پڑھنے کے بعد اس بارے میں میجر راورٹی کی عالمانہ اور قابل تعریف تحقیق بالکل درست معلوم ہوتی ہے جنہوں نے اپنے ترجمہ طبقات میں بڑی عرق ریزی سے اس قلعے کے اصلی محل وقوع کا سراغ لگایا ہے (ترجمہ طبقات ناصری حواشی صفحات ۵۳۴ وغیرہ)]

۵۶ عجیب نہیں کہ یہ "ولایت ملتان" بھی کتابت کی غلطی ہو اور صحیح ولایت ملغان ہو جیسا کہ برگز نے اپنے ترجمے میں لکھا ہے لیکن اس جگہ خاص طور پر بتانے کی بات یہ ہے کہ ان دنوں ہندوستان کے راجہ کی حدود رود کرم (کرمم یا کرمہ) تک وسیع تھیں جو کوہ سفید کے مغرب سے نکلی اور وادئی کرم و بنوں سے گزر کر دریائے سندھ میں آملی ہے۔ فرشتہ نے اس لڑائی کا جس میں راجہ جے پال خود پکڑا گیا تھا، سنہ بھی نہیں لکھا مگر دوسری تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) کا واقعہ ہے۔

۵۷ اس مشہور نتیجہ خیز فتح کا سنہ الفنسٹن نے ظاہراً محض قیاس سے ۳۸۳ھ لکھ دیا ہے حالانکہ وہ ۳۷۶ھ (۹۸۶ء) میں ہوئی تھی۔

۵۸ فائق ("فائق خاصہ") دربار بخارا کا مشہور امیر تھا جسے خود امیر نوح سامانی (تخت نشینی ۳۶۶ھ) نے منصب جلیل عطا کیا اور اگرچہ آخر میں سخت ناراض ہو گیا تھا لیکن فائق کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور وہ امیر موصوف کی وفات (۳۸۷ھ) کے بعد حکومت بخارا کی افواج کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔

۵۹ کلات یہ خراسان میں قصبۂ طوس کے قریب ایک قلعہ تھا۔

۹۰ـــ ترمذ (ت مکسور اور م مفتوح) بلخ کے قریب خراسان کا ایک قصبہ تھا۔ اسے ماوراالنہر کے اس مشہور شہر ترمذ (م مکسور) کے ساتھ خلط نہ کرنا چاہیئے۔ جو دریائے جیحون کے کنارے کتاب جامع ترمذی شریف کے مشہور مؤلف امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ کا وطن تھا۔
(برگز نے اس لفظ کو اپنے ترجمے میں "تور موز" کر دیا ہے !)

۹۱ـــ کتاب میں یہ لفظ جا بجا غلط درج ہے اصل نام (ترجمہ) تاریخ یمینی ہونا چاہیئے۔

۹۲ـــ معلوم نہیں فرشتہ نے یہ غلط سنہ ولادت کس ماخذ سے نقل کیا۔ طبقات ناصری کے مطبوعہ نسخے میں جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے احدی و ستین و ثلثمائۃ تحریر ہے (صفحہ ۹) تعجب ہے اس نسخے کے لائق اڈیٹروں نے تصحیح کے وقت اس بات کا بھی خیال نہیں کیا کہ تھوڑی ہی دور آگے چل کر اسی نسخے میں محمود کا سنہ وفات ۴۲۱ھ اور عمر اکسٹھ سال کی بتائی ہے۔ غرض صحیح تاریخ ولادت ماہ محرم ۳۶۱ھ ہونی چاہیئے جیسا کہ راورٹی کے ترجمے میں مرقوم ہے (صفحہ ۷۶)

۹۳ـــ سودرہ (یا سودھرا) دریائے چناب کا پرانا نام ہے اور اس نام کا قصبہ سودھرا ابھی اب تک موجود ہے لیکن فرشتہ کی یہ روایت بجائے خود صحیح نہیں۔ اور طبقات ناصری میں اس تجانے کا مقام بہند (یا وہند) لکھا ہے جو دریائے سندھ کے کنارے پشاور کے قریب واقع تھا (برگز نے اپنے انگریزی ترجمے سے اس روایت ہی کو اڑا دیا ہے)

۹۴ـــ موجودہ چینی ترکستان کا مشرقی حصہ ملک کاشغر کہلاتا تھا اور اس کی قدیم حدود جنوب مغرب میں دریائے جیحون تک وسیع تھیں۔ زیر نظر عہد میں یہاں ایک آزاد ترکی ریاست قائم تھی اور انہی کے فرماں روا ایلک (الک) خان بن بغرا خاں نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں سامانیوں کی حکومت بخارا کا خاتمہ کیا۔ اور خراسان کیلئے عرصے تک سلطان محمود سے زور آزمائی کرتا رہا۔

۹۵ تاریخ فرشتہ کے دونوں مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح "پھندہ" تحریر ہے اور برگز صاحب نے کمال دلیری سے اسے "بٹھنڈہ" لکھدیا ہے (صفحہ ۳۸) جو غلط در غلط ہے اور انکی بدولت اکثر انگریزی تاریخوں میں نقل ہوتا چلا آتا ہے مگر یہ لڑائی جیسا کہ فرشتہ کے اجمالی بیان اور قدیم ماخذوں سے تصریحاً ثابت ہے پیشاور کے قریب ہوئی تھی لہذا قرین قیاس ہے کہ اس موقع پر وہی مقام "بھند" (یا وہند) مراد ہوگا جس کا ہم حاشیہ ۹۳ میں ذکر کر چکے ہیں۔

---

۹۶ بھاٹیہ [جسے کتاب میں بعض جگہ غلطی سے "بھاطنہ" اور طبقات اکبری کے مطبوعہ نسخے میں "بھاریتہ" لکھا ہے اور جس کا برگز کو پتہ نہ چل سکا، (حاشیہ صفحہ ۳۸)] ملتان کے قریب ایک ہندو راجہ کی راج دھانی تھا (دیکھو حاشیہ ۴۷)

---

۹۷ بیجے رائے کے متعلق بہت اختلاف ہے قیاس غالب یہ ہے کہ اصل نام بھی رائے یا بھیرا رائے تھا اور اُس نواح میں بسنے والی قوم کو بھی "بڑار" کہتے تھے (دیکھو راورٹی حاشیہ صفحہ ۴۸ وغیرہ)

---

۹۸ تھندہ غلط ہے۔ یہاں اور اس فقرے میں آگے دونوں جگہ وہی قلعہ نندنہ مراد ہے جس کا محل وقوع ہم پہلے ایک حاشیے میں (۵۵) بتا چکے ہیں، یہ (فتح) غالباً ۴۰۵ھ کا واقعہ ہے جیسا کہ طبقات اکبری (صفحہ ۷) میں مرقوم ہے (نیز دیکھو راورٹی حاشیہ صفحہ ۸۵)

---

۹۹ اب شا ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ اس عرف کی اصلیت کیا تھی کچھ دور آگے چلکر فرشتہ نے اسے "آب سار" لکھا ہے اور برگز نے اگرچہ اس کے مسلمان ہونے کے واقعے کو حذف کردیا ہے لیکن ایک حاشیے میں لکھا ہے کہ تاریخ فرشتہ کے بعض قلمی نسخوں میں یہ عرف "زب سا" تحریر ہے۔ طبقات اکبری میں ایک جگہ غالباً اسی شخص کو "سایغ" کے نام سے یاد کیا ہے مگر قیاس کہتا ہے کہ شاید لفظ "آبا ساہ" ہو۔

ـــــ۷۰ نگرکوٹ (ضلع کانگڑہ) کی فتح سنہ ۳۹۹ھ (مطابق سنہ ۱۰۰۹ء) کا واقعہ ہے لیکن فرشتہ کی اس روایت کی بدولت اس زمانے کی تمام انگریزی کتابوں حتیٰ کہ امپیریل گزیٹیر تک میں اس فوج کشی کا سنہ غلطی سے سنہ ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ء) قرار دیدیا گیا ہے

ـــــ۷۱ تھانیسر پر فوج کشی کے اس سنہ میں اختلاف ہے اور دوسری فارسی تاریخیں سنہ ۴۰۵ھ (۱۰۱۴ء) بتاتی ہیں جو درایتاً بھی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

ـــــ۷۲ نندونہ سے وہی قلعہ نندنہ مراد ہے جس کا حاشیہ (۵۵) میں ہم ذکر کر چکے ہیں اس نواح میں جو پہاڑیاں اب نمک کی پہاڑیاں (Salt Range) کہلاتی ہیں خاص وہاں کے رہنے والوں میں کھیالا، تھجوری، جود اور بالناتھ کے نام سے مشہور تھیں۔ اور یہی دو آخری نام اسلامی تاریخوں میں "کوہ جود" یا "کوہ بالنات" کی صورت میں محفوظ ہیں۔ اصل قلعے کے نام میں "و" غالباً کتابت کی غلطی سے بڑھ گئی ہے ورنہ ہمارے قدیم ماخذوں (بیہقی، زین الاخبار وغیرہ) میں اس کا املا "نندنہ" ہی لکھا ہے۔ برگز کے انگریزی ترجمے میں، پہاڑ اور شہر دونوں کا املا غلط تحریر ہے (صفحہ ۴۵ جلد اول) الیٹ کو تلاش کے باوجود ان ناموں کی صحت نہ ہوئی اور کوئی سراغ نہ مل سکا (جلد دوم صفحہ ۴۵۱)

ـــــ۷۳ خوارزم کا جدید نام خیوا ہے۔ زیر نظر عہد میں یہاں مسلمان ترکوں کی ایک آزاد حکومت قائم ہو گئی تھی جس کے مشرق میں جھیل ارال (یا ارل) جنوب مغرب میں سلطنت بخارا اور شمال میں دریائے جیحون حد فاصل بناتا تھا مگر جنوب مشرق میں یہ ملک دریائے جیحون کے جنوب میں ہر طرف دور دور تک ایسے ویران علاقے میں پھیلا ہوا تھا کہ اس کی حدود کا ٹھیک ٹھیک تعین نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً اسی جنوبی سمت میں سرحد کا شہر خضر شبد واقع تھا جس کا اب نشان تک نہیں ملتا ممکن ہے موجودہ قصبہ خضرلی اس کا جانشین ہو جو شہر خیوا سے سوا سو میل جنوب میں واقع ہے۔

ـــــ۷۴ ہزار اسپ خیوا سے تقریباً پچاس میل مشرق میں یہ شہر اب تک

جیحون کے جنوبی کنارے پر آباد ہے۔

ــــــــــــــــ

۷۵ــ اورکند کتابت کی غلطی ہے۔ فرشتہ نے یہ پوری روایت لفظاً لفظاً طبقات اکبری سے نقل کی ہے اور اس کے مطبوعہ نسخے میں بھی (جس میں کتابت کی بیشمار غلطیاں پائی جاتی ہیں) صحیح لفظ اُرگنج چھپا ہے (صفحہ ۷) اور یہی اس زمانے میں شاہان خوارزم کا صدر مقام تھا۔ ہزار اسپ سے تقریباً چھتیس میل اور جیحون کے کنارے ابھی تک موجود ہے اسی شہر کو ایرانی گرگنج کہتے تھے جسے عربوں نے جرجانیہ بنالیا تھا۔ برگز صاحب کو اصل مقام کی خبر نہیں لہذا فرشتہ کے بعض نسخوں میں اُرگنج لکھا دیکھنے کے باوجود انھوں نے اپنے ترجمے میں اُرگند ہی رہنے دیا جس سے سخت غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کیونکہ اُرکند یا اُرگند نام کا ایک شہر بہت دور ترکستان میں واقع تھا۔

ــــــــــــــــ

۷۶ــ کورہ معلوم نہیں بعد کی تاریخوں میں یہ نام کہاں سے آیا۔ ہمارے قدیم ماخذ اس راجہ کا نام جے پال بتاتے ہیں اور جدید ترین تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ اصلی نام راجے پال (پرتیہار) تھا (اوکسفورڈ ہسٹری صفحہ ۱۹۲) مگر فرشتہ کے انگریز مترجم نے اصلی تلفظ پر التفات نہیں کی بلکہ ترقی دے کر اسے اپنی دانست میں ایک باقاعدہ نام "کور رائے" بنا دیا ہے (برگز صفحہ ۵۷)

ــــــــــــــــ

۷۷ــ مثقال۔ تقریباً پونے دو ماشے کے مساوی ہوتا ہے۔

ــــــــــــــــ

۷۸ــ قنوج کی اس مہم کے حالات میں بہت سے جزئی اختلافات پائے جاتے ہیں اشخاص اور بعض مقامات کے ناموں کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا اور یہ بھی مسلم نہیں ہے کہ قنوج سے مراجعت کے وقت متھرا اور مہابن وغیرہ مقامات پر حملہ کیا تھا یا قنوج کو جاتے وقت یہ "ہفت قلعہ" جس کے راجہ کو فرشتہ والی دہلی کا باج گزار بتاتا ہے قنوج کے قریب بلکہ خاص قنوج ہی کی حفاظت کے لئے سات قلعے بنے ہوئے تھے اسی طرح اگلے قلعے اور مقامات بھی ظاہرا قنوج کے آگے تھے چنانچہ منج سے ایک جابید

تحقیقات کے بموجب منیچ مراد ہے جو کہ موجودہ جونپور کے قریب آباد تھا جہاں اب قصبہ ظفر آباد واقع ہے۔ غرض مختلف روایات کو پیش نظر رکھ کر ونسنٹ اسمتھ کا یہ قول قرین صحت نظر آتا ہے کہ سلطان قنوج سے آگے کم از کم موجودہ ضلع فتحپور کے علاقے تک بڑھ آیا تھا لیکن راقم الحروف کے نزدیک یہ پیشقدمی اور فتوحات قنوج کی دوسری مہم کے زمانے میں ہوئیں جس میں سلطان کو کئی سال تک (۴۱۰ھ تا ۴۱۲ھ) ہندوستان میں رہنا پڑا جیسا کہ تاریخ یمینی وغیرہ میں اجمالاً مذکور ہے ؎

۷۹۔ نندا کو بعض فارسی تاریخوں میں "بیدا" لکھا ہے مگر ونسنٹ اسمتھ کا قول ہے کہ وہ دراصل چندیل یا چندل خاندان کا راجہ اور اس کا نام گنڈا تھا ؎

۸۰۔ قیرات و نار دین جن کا تلاش کے باوجود ہرگز کو پتہ نہیں چلا، غالباً موجودہ وزیرستان کے نواحی اضلاع کا نام تھا جن کو قیرات و نور نامی ندیاں سیراب کرتی ہیں ؎

۸۱۔ یہ ۴۱۵ھ (مطابق ۱۰۲۴ء) صحیح نہیں ونسنٹ اسمتھ نے اسے ایک سال پیچھے کھینچ کر اور بھی غلط کر دیا ہے۔ سومنات پر فوج کشی ۴۱۶ھ بلکہ ۴۱۷ھ (مطابق ۱۰۲۶ء) کا واقعہ ہے ؎

۸۲۔ دریائے عمان سے شمالی بحر عرب مراد لیتے تھے۔ اب اس نام سے فقط خلیج عمان منسوب ہے ؎

۸۳۔ سومنات کے اس قصے میں شاعرانہ مبالغے کا بھی دخل ہے۔ اوّل تو یہاں کے مندر میں اصلی بت کوئی مورت ("صنم") نہ تھی بلکہ محض ایک ستون نما پتھر تھا دوسرے دیگر جزئیات کا بھی معاصر تواریخ میں پتہ نہیں چلتا۔ مسٹر کوول سابق پرنسپل سنسکرت کالج کلکتہ پروفیسر ولسن کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ کہانی سب سے اوّل ابوالفدا کی تاریخ میں ملتی ہے اس کے بعد جن فارسی مؤرخوں نے اسے نقل کیا وہ اپنی طرف سے بھی اس میں

اضافہ کرتے گئے اور آخر میں تاریخ فرشتہ کا یہی مبالغہ آمیز افسانہ ڈاؤ کے غیر معتبر ترجمے کے ذریعے ہماری عام تاریخوں میں نقل ہونے لگا ۔ (الفنسٹن کی تاریخ ہند طبع ہم حاشیہ صفحہ ۲۳۱)

---

۸۴ برہم دیو کو برگز صاحب "برہم دیو" لکھتے ہیں لیکن قلعہ کھندھہ کو (جس کا اب کچھ پتہ نہیں چلتا) "گندابا" لکھکر قیاس کرتے ہیں کہ اس سے گن دیوی مراد ہوگا حالانکہ یہ قصبہ (گن دیوی) سورت کے قریب آباد ہے اور نہ سومنات سے چالیس فرسخ کے فاصلے پر ہے نہ محمود غزنوی کی دسترس کے اندر تھا ۔

---

۸۵ داب شلیم ۔ اس نام کو انوار سہیلی نے فارسی داں لوگوں میں کافی مانوس کر دیا تھا اور اس تمام قصے میں بھی افسانے کی شان پائی جاتی ہے ۔ باقی برگز کے اس دلچسپ قیاس کو کہ یہ "داب شلیم" والی خاندان کے اسل نامی راجپوت راجہ گری نار (جونا گڑھ) کی اولادیں ہونگے، الفنسٹن بظاہر قابل توجہ نہیں سمجھتا اور اس نے اپنی تاریخ میں حاشیہ صفحہ ۳۲۹ پر ڈا اور ٹاڈ کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس زمانے میں گجرات میں چالوکا خاندان کے راجہ حکمراں تھے ۔

---

۸۶ کوہ جودی سے وہی نمک کی پہاڑیاں مراد ہیں جن کا حاشیہ ۴۲ میں ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس کے "دریا" سے سندھ کی کوئی شاخ یا معاون ندی مراد ہوگی ۔

---

۸۷ ابی ورد (یا باورد) اور نسا (جنھیں برگز نے (جلد اول صفحہ ۸۳) ملا کر اباورد نسا کی معجون بنا دیا ہے) شمالی خراسان کے علحدہ علحدہ دو ضلعے تھے ۔ ان میں سے ابی ورد اب تک ایرانی خراسان کی سرحد پر عشق آباد سے کوئی اسی میل جنوب مشرق میں موجود ہے مگر "نسا" کا موجودہ نقشوں میں پتہ نہیں چلتا ۔

---

۸۸ آمو دریا یا آب آمویہ دریائے جیحون کا دوسرا نام ہے ۔

۸۹ آل بُوَیہ (بسکون یا واو) قوم دیلم یا دیالمہ کا مشہور حکمران خاندان ہے جو ۳۲۱ھ سے ۴۵۹ھ تک جنوب مشرقی ممالک ایران اور عراق پر حکومت کرتا رہا اس خاندان کے مورث اعلیٰ کا نام بُوَیہ تھا لیکن اسکی اولاد میں پہلا شخص جس نے خود مختار بادشاہی کا دعویٰ کیا ابو الحسن علی ہوا ہے۔ خود قوم دیلم بحر خزر کے جنوب اور صوبہ قہستان کے غربی اضلاع میں آباد تھی اور اس کے نام پر یہ علاقے بھی (بلا تعیین حدود) ملکِ دیلم کہلاتے تھے۔

۹۰ اس قصے کا کہ محمود نے مرتے وقت اپنے زر و جواہر اور دیگر ساز و سامان کا معاینہ کیا، ہمعصر تواریخ میں کہیں ذکر نہیں۔ فرشتہ نے بھی اپنا ماخذ نہیں بیان کیا لیکن بظاہر طبقات اکبری کی روایت کو زیادہ رنگین بنا کے نقل کر دیا ہے۔ بہر حال یہ اور اگلی روایات، تاریخی طور پر کچھ معتبر نہیں معلوم ہوتیں خاص کر وہ روایت جو طبقات ناصری کے حوالے سے نقل کی ہے۔ فرشتہ کا قابل حیرت اختراع ہے اور عجب نہیں کہ محض فردوسی کی تائید میں اور غالباً وہ مشہور ہجو واقعی فردوسی کی تصنیف ہو، جو بجائے خود نہایت مشتبہ امر ہے) سلطان کے نسب میں رخنہ ڈالنے کے لئے گھڑ دی گئی ہو۔ مگر سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ طبقات ناصری میں جس کا ہمارے مورخ نے حوالہ دیا ہے، اس روایت کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں ملتا نہ وہ طبقات اکبری یا کسی دوسری تاریخ میں موجود ہے۔

۹۱ حضرت شیخ ابو الحسن خرقانیؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ ہیں۔ جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے خرقان ملک خراسان کا ایک قصبہ تھا۔

۹۲ رستم دار بحر خزر کے ایک ساحلی علاقے کا نام تھا طالقان کے لئے دیکھو حاشیہ ۳۹۔ برگز نے اپنے انگریزی ترجمے میں ان ناموں کو اڑا دیا ہے اور یوں بھی اس حصے میں اُن کا ترجمہ جا بجا سے اصلی عبارت کے خلاف نظر آتا ہے۔

۹۳ سلطان محمود کے سات بیٹے تھے: محمد، نصر، مسعود، سلیمان،

اسمعیل، عبدالرشید اور ابراہیم، سلیمان کے متعلق کسی قدر اختلاف ہے مگر نام ہم نے ریورٹی کے ترجمہ طبقات ناصری (صفحہ ۸۰) سے نقل کئے ہیں جس نے بڑی احتیاط سے متعدد نسخوں کا مقابلہ کیا تھا کلکتے کے مطبوعہ نسخہ طبقات ناصری میں صرف چار نام درج کئے ہیں (حاشیہ صفحہ ۱۱) اور وہ بھی صریحاً غلط ہیں، مگر انفنسٹن نے فرشتہ کے ہاں صرف دو بیٹوں کا ذکر دیکھکر لکھدیا ہے (صفحہ ۳۴۳) کہ سلطان محمود کے بیٹے دو ہی تھے!

---

۹۴ تاریخ بیہقی (مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۵۰۴) میں اس نام کو "سوندر" لکھا ہے اور عجب نہیں کہ یہ ہندی کا وہی عام نام ہو جس کا املا آجکل عام طور پر "اسندر" ہو گیا ہے، طبقات اکبری میں اسے سوندر رائے لکھا ہے۔

---

۹۵ جبال سے یہاں صوبہ قہستان مراد ہے۔ موجودہ افغانستان کے شمالی کوہستانی علاقے کو بھی اس نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن مسعود نے خراسان کے مغرب کے علاقوں ہی کو فتح کیا تھا اور سلطان محمود کی وفات کے وقت بھی وہ ہمدان میں تھا۔

---

۹۶ طبرستان۔ اب طہران کے مشرق میں صرف ایک ضلع اس قدیم صوبے کی یادگار رہے ورنہ پہلے اس میں بحر خزر کا تمام جنوبی علاقہ (موجودہ مازندران وغیرہ) داخل تھا۔

---

۹۷ نکیاباد اصلی اور قدیم نام تگین آباد تھا۔ غور اور غزنی کے درمیان واقع تھا۔ برگز کا بیان ہے کہ غزنی سے تیس میل شمال میں ہے مگر جدید نقشوں میں اسکا پتہ نہیں چلا۔

---

۹۸ ویلج کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا، بیہقی وغیرہ بعض قدیم تاریخوں میں

ولوالج نامی ایک قصبے کا کئی جگہ ذکر آیا ہے جو بلخ کے ضلعے میں واقع تھا لیکن بظاہر یہاں قندھار کی نواح کا کوئی قلعہ مراد ہے ❊

۹۹ کیج (کیج یا کوج) یہ مکران یعنی جنوبی بلوچستان کی مشرقی سرحد کا پہاڑی علاقہ ہے ❊

۱۰۰ جرجستان۔ غالباً کتابت کی غلطی ہے (برگز نے ترجمے میں اس نام کو تحریر ہی نہیں کیا) ممکن ہے کہ اصل لفظ جرجان ہو (دیکھو حاشیہ ۳۱) ❊

۱۰۱ آمُل (بضمم) مازندران یا طبرستان کا مشہور شہر تھا۔ ساری اس علاقے میں اب تک موجود ہے ❊

۱۰۲ "شبید القاق" جسے برگز نے "سندوز" بنا دیا ہے غالباً شادباخ کی غلط کتابت ہے۔ یہی قلعہ شادیاخ نیشاپور کے قریب واقع تھا اور اگر ہمارا یہ قیاس درست ہو تو مصنف کا یہ کہ ٹو کا لکھنا بھی گویا مورخ کی ناواقفیت ہے ❊

۱۰۳ ناتھ اور تولک میں سے صرف "تلک" کا نام ایک معاصر تاریخ (بیہقی) میں مذکور ہے جو دربار غزنی کے وزیر کا دبیر اور پھر فوج کا سردار بنا دیا گیا تھا طبقات اکبری میں اس نام کو "تلک بن حسین" لکھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ "حسین" کتابت کی غلطی ہے اور برگز اور الیٹ کے قیاس کے مطابق صحیح لفظ غالباً "جے سین" ہوگا۔ (نیز ملاحظہ ہو تاریخ سندھ برائے ایف۔ اے جلد دوم صفحہ ۷) ضمناً یہ بیان کر دینا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ ناتھ جب باغی سپہ سالار کے مقابلے میں بھیجا گیا تھا وہ احمد نیال تگین تھا جس نے گنگا کے کنارے دور تک بڑھ کر غالباً سب سے پہلے شہر بنارس پر حملہ کیا تھا (تاریخ ہند برائے ایف۔ اے صفحہ ۱) ❊

۱۰۴۔ اتابک ترکی زبان میں اتالیق یا سرپرست کو کہتے ہیں ۔

۱۰۵۔ "باد آورد" کی بجائے وہی ابی ورد یا باورد ہونا چاہئے جس کا حاشیہ ۸۷ میں ذکر آچکا ہے۔ اسی علاقے کیلئے سلجوقیوں کی سلطان مسعود سے کئی بار جنگ ہوئی اور طبقات اکبری میں بھی اس کا صحیح املا باورد تحریر ہے لیکن "ترن" یا "ترن" کا مجھے کچھ پتہ نہیں چلا ۔

۱۰۶۔ مہتہ صحیح نہیں میہنہ یا مہنہ چاہئے جیسا کہ طبقات اکبری میں تحریر ہے۔ یہ پہلے خراسان میں تھا اور آجکل شمالی افغانستان کی حدود میں داخل ہے اور اہل یورپ نے اسی کو "میمنہ" کر لیا ہے ۔

۱۰۷۔ دندانقان یا داندنقاد نام کا ایک قصبہ اسی نواح میں ضرور موجود تھا لیکن راورٹی کی فاضلانہ تحقیق کے مطابق مذکورہ بالا لڑائی طالقان کے مقام پر ہوئی جو بلخ و ہرو کے درمیان واقع تھا (راورٹی ترجمہ طبقات۔ حاشیہ صفحہ ۹۴)

۱۰۸۔ مارکلہ (صحیح "مارگیلہ") راولپنڈی اور اٹک کے درمیان مشہور پہاڑی درہ ہے لیکن قدیم تاریخوں میں "رباط" کا لفظ میری نظر سے نہیں گزرا ۔

۱۰۹۔ گیری۔ دریائے سندھ کے قریب ایک قلعہ تھا مگر میجر راورٹی کا قیاس ہے کہ اس جگہ گیر کوٹ مراد ہوگا جو باجوڑ (مشرقی افغانستان) کا ایک قلعہ تھا ۔

۱۱۰۔ دیپور۔ برگز نے اُسے "دستور" لکھا ہے اور الیٹ کے غلط ترجمے (جلد دوم صفحہ ۲۷۴) کی بدولت اس مقام کے سمجھنے میں اور بھی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے لیکن فرشتہ کا املا (دے پور) صحیح ہے اور اسی مقام کو بیہقی کی روایت کے بموجب سلطان مودود نے "فتح آباد" کے نام سے موسوم کیا تھا جو اب تک مارکلہ اور غزنی کے

درمیان واقع ہے (راورٹی۔ ترجمہ طبقات ناصری حاشیہ صفحہ ۹۶، ۹۷)

---

۱۱۱ طخارستان (بضمہ طا) شمال مشرقی خراسان کا ایک علاقہ جو بلخ کے توابع میں داخل تھا۔

---

۱۱۲ داؤد ترکمان کا بیٹا (پسر داؤد) صحیح نہیں۔ فرشتہ نے یہ فقرہ بظاہر طبقات اکبری (صفحہ ۱۵) یا اس کے ماخذ سے بجنسہ نقل کرلیا ہے اور وہاں امیر داؤد کا تحریر ہے ورنہ ("امیر" نہیں بلکہ) ملک داؤد چغری بیگ کا فرزند مشہور ترک بادشاہ الپ ارسلان تھا جو ۴۲۴ھ میں پیدا ہوا اور اس لڑائی کے وقت پورے چودہ سال کا بھی نہ ہوگا۔ "ارمن" کا لفظ بھی بجنسہ طبقات اکبری میں موجود ہے لیکن قدیم تاریخوں اور جدید نقشوں میں اس کا پتہ نہیں چلتا۔

---

۱۱۳ گرمسیر جنوب مغربی افغانستان کا ایک ضلع۔

---

۱۱۴ قزدار سے وہی "قصدار" یا "خزدار" (حاشیہ ۵۴) مراد ہے۔

---

۱۱۵ برشور۔ فارسی تاریخوں میں بعض جگہ "پشاور" کے املا کو بگاڑ کر اس کے قریب کر دیا ہے لیکن میجر راورٹی لکھتے ہیں کہ قندھار اور دریائے سندھ کے درمیان بھی ایک مقام کا نام "برشور" ہے (ترجمہ طبقات ناصری حاشیہ صفحہ ۲۸۵) جو پشین (بلوچستان) کے قریب واقع ہے اور قرینہ کہتا ہے کہ یہاں یہی برشور مراد ہے۔

---

۱۱۶ باہ تیلہ "طبقات اکبری میں اسے "باہتیہ" لکھا ہے ٹھیک ٹھیک معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مقام کیا اور کہاں تھا؟

---

۱۱۷ "ہجری تک" تاریخ فرشتہ کے دونوں مطبوعہ نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح

لکھا ہے۔ برگز نے اپنے انگریزی ترجمے میں اسے "ببھجی رائے" لکھا ہے اور طبقات اکبری میں اس کا املا "ہبجرائے" پڑھا جاتا ہے ؂

۱۱۸۔ "سجاوند" نواح کابل کے کسی مقام کا نام تھا "لہوکر وہ" کو برگز نے "لوگور" لکھا ہے لیکن غالباً اس سے "لہوگر" (ندی) مراد ہے جو کابل و غزنی کے درمیان سے گزرتی ہے "سانکوٹ" کو طبقات اکبری میں "سانکو" اور برگز نے "سیالکوٹ" لکھا ہے مگر اس کے متعلق صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ وہ کابل کے قریب کوئی قلعہ تھا ؂

۱۱۹۔ "بامیہ" کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے برگز نے اسے "بامیان" لکھا ہے جو افغانستان کی ایک ریاست تھی لیکن نہ تو وہاں کے امرا ان دنوں کوئی خاص اقتدار رکھتے تھے نہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا ملوک ماوراالنہر سے کیا تعلق تھا ؂

۱۲۰۔ "نائے" کابل کے مغرب میں (علاقہ غور کا) قلعہ تھا لیکن برگز نے "از قلعہ نائے بدارالاماں غزنی آوردہ" میں غالباً "بدارالاماں" کو قلعے کا نام سمجھ کر قلعہ "بلامیاں" تحریر کر دیا ہے اور اس کا جغرافی مقام بھی ڈھونڈ لیا ہے ؂

۱۲۱۔ "وندی رو" کو برگز "ویدی رو" لکھتا ہے مگر اس مقام کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں واقع تھا ؂

۱۲۲۔ اسفراین (نیشاپور کے شمال مغرب میں) خراسان کا مشہور مقام ہے ؂

۱۲۳۔ روپال اور درہ دونوں کا اب پتہ نہیں چلتا مگر معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ مقامات موجودہ سہارنپور کے ضلعے میں واقع تھے (دیکھو تاریخ ہند براے ایف۔ آ جلد دوم صفحہ ۷۴ و ۷۵)

---

۱۲۴ ابوالفرج مضافات لاہور کا رہنے والا تھا اس کو عنصری کا استاد لکھنا، سہو کتابت معلوم ہوتا ہے البتہ انوری کی نسبت روایت ہے کہ وہ استاد ابوالفرج کا مقلد تھا۔ (دیکھو تذکرہ لباب الالباب جلد دوم باب دہم)

۱۲۵ مگر یہ صراحت کہیں نہیں ملتی کہ طغاتگین ہندوستان کے کس مقام تک بڑھ آیا تھا۔

۱۲۶ بامیان شہر کابل کے تقریباً سو میل شمال مغرب میں واقع ہے۔

۱۲۷ ناگور سے بظاہر وہی قدیم تاریخی شہر مراد ہے جو اب ریاست جودھپور میں بیکانیر سے تقریباً اسی میل جنوب میں واقع ہے۔

۱۲۸ قطب الدین محمد غوری کے غزنی آنے اور مارے جانے کی وجہ کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے لیکن راقم الحروف نے یہ واقعہ کافی تفصیل سے تاریخ ہند برائے ایف۔ اے میں تحریر کر دیا ہے (دیکھو جلد دوم صفحات ۱۱۰ وغیرہ)

۱۲۹ غز۔ تاتاریوں کا ایک مشہور قبیلہ جو بہت قدیم زمانے سے دریائے سیحون کے دہانے کے قریب آبسا تھا اور تاتاریوں میں سب سے پہلے جن قبائل نے اسلام قبول کیا انہی میں اس کا بھی شمار تھا۔ آخر میں اسی قبیلے کا سب سے بڑا گروہ "سلجوقیوں" کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوا۔

۱۳۰ "توران" سے "توار" یا "تمار" قوم کے راجپوت مراد ہیں۔

۱۳۱ خاندان غور کی ابتدائی تاریخ کے متعلق "تاریخ ہند برائے ایف اے" میں ہم جدید تحقیقات کا خلاصہ بیان کر چکے ہیں (دیکھو تاریخ مذکور جلد دوم باب سوم فصل اول)

ے ۱۳۲ "اچہ" سے اچھ مراد ہے جو موجودہ بہاولپور کے مشرق میں مشہور تاریخی مقام ہے ؎

ے ۱۳۳ بھیم دیو کے نام میں اختلاف ہے۔ ونسنٹ اسمتھ کی تازہ ترین تحقیقات کے مطابق انہلواڑے یا نہرواے کا یہ راجہ جس نے سلطان شہاب الدین غوری کو پسپا کیا مول راج تھا ؎ (اوکسفورڈ ہسٹری صفحہ ۱۸۹ و ۲۱۸)

ے ۱۳۴ دیول یا دیبل پہلے زمانے میں سندھ کی مشہور بندرگاہ اور غالبًا موجودہ کراچی کے قریب آباد تھا۔ ایک قیاس یہ ہے کہ قدیم دیبل اسی مقام یا اس کے قریب واقع تھا جہاں اب ٹھٹھہ آباد ہے ؎

ے ۱۳۵ تبہندہ سے یہاں موجودہ بھٹنڈہ ہی مراد ہے۔ قدیم فارسی تاریخوں میں اسے طرح طرح سے لکھا ہے کہ بعض اوقات بہت الجھن پیدا ہوجاتی ہے اور خود فرشتہ یا اس کے کاتب نے قلعۂ تبرہندہ کو کئی جگہ "تبندہ" بنا دیا ہے۔ لیکن اس جگہ وہی مشہور بھٹنڈہ درست ہے جو دہلی سے تقریبًا ڈھائی سو میل شمال میں واقع ہے۔ فرشتہ کا یہ لکھنا کہ وہ سلطان شہاب الدین غوری کے حملے کے وقت "تخت گاہِ راجگان عظیم الشان" تھا محض لفاظی معلوم ہوتا ہے ؎

ے ۱۳۶ "توپچی" کا لفظ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اس وقت تک توپ ایجاد نہیں ہوئی تھی عجب نہیں کہ اصل لفظ "اوچی" ہو جس کے ترکی زبان میں تیرانداز یا کمان دار کے معنی ہیں ؎

ے ۱۳۷ سرستی عہد اکبری تک اس نواح کا مشہور قصبہ تھا۔ کہرام اور سمانہ دہلی سے تقریبًا سوا سو میل کے فاصلے پر (آجکل ریاست پٹیالہ میں) واقع ہیں ؎

---

۱۳۸ اس جنگ کی مدافعانہ نوعیت اور مقام جنگ کے متعلق جواب چند وال کہلاتا ہے (تفصیلی بحث کے لیئے دیکھو تاریخ ہند برائے ایف۔ اے ج ۲ صفحہ ۱۲۱ میں)

۱۳۹ میجر وورسٹے کی دلچسپ تحقیقات کے بموجب یہ قلعہ آسنی اسی مقام پیچ میں واقع تھا۔ اور اب ظفرآباد کے نام سے موسوم ہے۔ (دیکھو امپیریل گزیٹیر ج ۲۴ صفحہ ۴۲۶)

۱۴۰ "آل سامان" صریحاً کتابت کی غلطی ہے۔ طبقات اکبری (صفحہ ۱۹) میں اس کی بجائے "ممالک برادر خود بر خویشاں قسمت کرد"، تحریر ہے اور قدیم تاریخوں میں (مثلاً طبقات ناصری صفحہ ۱۲۱) اسی کے قریب عبارت ملتی ہے۔ برگز کے انگریزی ترجمے میں (جلد اول صفحہ ۱۸۰) اگرچہ اس جگہ کئی فقرے غلط ترجمہ کئے گئے ہیں تاہم آل سامان کی بجائے اپنے عزیزوں ہی میں ملک کا تقسیم ہونا مذکور ہے ۞

۱۴۱ اندخود یا اندخوان دونوں خراسان میں داخل تھا، اب شمالی افغانستان کا مشہور مقام ہے ۞

۱۴۲ "امیرداد"، اس زمانے میں ایک بادشاہی عہدہ دار ہوتا تھا جسے میجر راورٹی "چیف جسٹس"، کے لفظ سے ترجمہ کرتے ہیں لیکن ہمارے خیال میں غالباً اسے "جوڈیشیل سکرٹری" کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ برگز نے اسے نام کا جزو سمجھ کر پورا نام "امیرداد حسن" بنا دیا ہے ۞

۱۴۳ کوہ جود سے وہی پہاڑیاں مراد ہیں جن کا حال حاشیہ ۶۲ میں گزر چکا ہے ۞

۱۴۴ ایلد گز غلط ہے اس سرکشی کرنے والے غلام کا نام "یالبور"

یا ”اہیک“ تھا۔ اور چونکہ فرشتہ نے آگے چل کر (سلطان) تاج الدین کو بھی اسی ”ایلدگز“ کے لقب سے یاد کیا ہے لہٰذا بڑی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے ؀

---

۱۴۵ ”ترا ہیہ“ برگز نے اس فقرے ہی کو اپنے ترجمے سے غائب کر دیا ہے لیکن یہاں صریحاً ”ترا ہیہ“ سے سرحد ہند کا مشہور علاقہ تیراہ مراد ہے ؀

---

۱۴۶ برھیک، اتہک، (اور بقول برگز) رہتک وغیرہ سب غلط ہیں۔ اس مقام کا صحیح املا جیسا کہ صاف صاف طبقات ناصری وغیرہ قدیم تواریخ میں تحریر ہے دمیک ہونا چاہیئے۔ جو غالباً دریائے جہلم کے مغرب میں آباد تھا ؀

---

۱۴۷ یہ قصہ کہ سلطان کو کھوکروں نے سوتے میں قتل کیا۔ فرشتہ نے بظاہر تاریخ الفی سے نقل کیا ہے لیکن تاج المآثر، تاریخ یافعی، طبقات ناصری وغیرہ تمام ہمعصر و مستند تواریخ میں صاف صاف تحریر ہے کہ سلطان کا قاتل قرامطہ یا باطنی فرقے کا ایک فدائی تھا۔ اور اس ہمعصر و متفقہ شہادت کے مقابل میں الفی کے مصنف کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا با ایں ہمہ عام انگریزی تاریخوں میں وہی فرشتہ کی غلط روایت نقل ہوتی چلی آتی ہے۔ طبقات اکبری میں ”از دست فدائی کھوکھراں شہید شد“ کی عجیب ترکیب نظر آتی ہے مگر صحیح واقعہ یہی ہے کہ سلطان شہاب الدین باطنی فرقے کے کسی فدائی کے ہاتھ سے مارا گیا؀ (دیکھو تاج المآثر (قلمی) زیر عنوان شہادت سلطان شہاب الدین، طبقات ناصری صفحہ ۱۲۴ و ترجمہ راورٹی حاشیہ صفحہ ۴۸۵ نیز حبیب السیر جلد دوم جزو چہارم صفحہ ۱۵۶ وغیرہ)

---

۱۴۸ ”فرساور“ سے جیسا کہ فرشتہ خود تصریح کر چکا ہے پشاور مراد ہے ؀

---

۱۴۹ تاج الدین ”ایلدگز“ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ آگے چل کر فرشتہ نے صحیح نام تاج الدین ”یلدوز“ (ایلدوز) لکھا ہے۔ بہر حال یہ وہ شخص نہیں ہے جس کا پہلے ”ایلدگز“ کے غلط نام سے ذکر آ چکا ہے۔ (دیکھو حاشیہ ۱۴۴)

۱۵۰ "شیوران و کرمان" جنوبی افغانستان کی کرمہ یا کرم نامی ندی کا ایک معاون "شلوزان" یا (شلوزاں) اور اس کا چھوٹا سا معاون "کرمان" ہے اور ان کے "تنگاب" یا سیراب ہونے والے اضلاع کو بھی انہی ناموں سے یاد کرتے ہیں "شلوزان" کو طبقات ناصری میں "سنقراں" لکھا ہے (صفحہ ۱۱۶) اور غالباً اصلی اور قدیم نام یہی تھا لیکن "شیوران" صریحاً کتابت کی غلطی ہے (برگز نے اسکو حذف ہی کر دیا ہے) اور "کرمان" سے وہی "کرمان" مراد ہے جو چند صدی پہلے تک سوبۂ غزنی کا سب سے زرخیز حصہ سمجھا جاتا تھا۔ (نیز دیکھو حاشیہ ۴۳)

---

۱۵۱ جواہرات تولنے کا من تقریباً ۱ چھٹانک کے برابر ہوتا تھا مگر اس حساب سے بھی کل جواہرات کی مقدار چار من پختہ سے زیادہ ہوئی ہو

---

۱۵۲ "ایبک" ترکی میں چھوٹی انگلی یا چھنگلیا کو کہتے ہیں۔ قطب الدین کا پورا عرف "ایبک شل" یعنی "ٹوٹی چھنگلیا" تھا لیکن بعد میں صرف "ایبک" رہ گیا ہو

---

۱۵۳ امیر آخوری: شاہی اصطبل کے داروغہ یا فوج کے گھوڑوں کے انتظامی عہدہ دار کو "امیر آخور" کے لقب سے یاد کرتے تھے ؛

---

۱۵۴ تاج المآثر میں (جو خاص سلطان قطب الدین کے حالات میں اور اسی زمانے میں لکھی گئی ہے) تحریر ہے کہ ۵۸۸ھ کے ماہِ رمضان میں "جاٹوں" نے ہانسی پر حملہ کیا اور وہاں کے قلعہ دار امیر نصرت الدین کو قلعہ بند ہونا پڑا مگر جب قطب الدین کمک لے کر پہنچا تو حملہ آور (جاٹ) فرار ہو گئے لیکن قطب الدین کی فوج نے انھیں جا لیا اور آخر لڑنے پر مجبور کیا جس میں انھیں سخت شکست ہوئی اور ان کا سردار مارا گیا۔ ظاہرا یہی روایت ہے جسے اس مقام پر فرشتہ نے ایک سال کے فرق سے لکھا اور جاٹوں کو "جیتواں" بنا دیا ہے (برگز نے اسے اور بھی ترقی دے کر جیوَن رائے کر دیا ہے (انگریزی ترجمۂ تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۱۹۱) ان حملہ آوروں کے رائے نہروالہ (گجرات) کے

فرستادہ یا متعلقین ہونے کا بھی تاج المآثر میں کوئی ذکر نہیں ہے البتہ جب قطب الدین نے نہروالے پر فوج کشی کی تو اس کو وہاں کے سپہ سالار "جیتوان" نے روکا اور شکست کھائی جیسا کہ خود فرشتہ نے آگے چل کر تحریر کیا ہے ؎

---

۱۵۵ یہ وہی قلعۂ آشی (یا آسی) ہے جس کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (حاشیہ ۱۳۹)

---

۱۵۶ ہیم راج کو تاج المآثر میں بھیراج یا بھوراج لکھا ہے اور بعض تاریخوں میں صرف "ہمیر" تحریر ہے ؎

---

۱۵۷ کولہ ولد پتھورا کو برگز نے "گولہ رائے" بنا دیا ہے۔ کرنل ٹاڈ لکھتے ہیں کہ "گولہ" اصل میں پرتھی راج کا برادر لطفی تھا لیکن تمام فارسی تاریخوں میں اس شخص کو پرتھی راج کا بیٹا بتایا ہے سنسکرت میں بھی "گولک" اولاد لطفی کو کہتے ہیں پس ممکن ہے کہ راورٹی کے قیاس کے مطابق یہ شخص پرتھی راج کا ولد لطفی ہو اور اسی لیئے دوسرے راجپوت امرا اس سے ناراض ہوں اور مسلمان مورخوں کو اس کے صحیح نام کا پتہ نہ چل سکا ہو چنانچہ وہ اکثر مقامات پر اُسے محض "ولد پتھورا" لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں ؎

---

۱۵۸ جہت رائے کے نام کی صحت نہیں ہو سکی لیکن اس موقع پر اس راجہ نے فوج بھیجی تھی جس سے چند سال پہلے مسلمانوں نے دہلی چھینی تھی اور قدیم تاریخوں میں صراحت ہے کہ اب مسلمانوں کو اجمیر کی طرف مصروف جنگ دیکھ کر اس نے کوشش کی کہ ممکن ہو تو دوبارہ دہلی پر قبضہ کرے لیکن جہت رائے کی ہیمراج کی ہدایت سے دہلی پر فوج کشی چند سال بعد کا واقعہ ہے اور معلوم ہوتا ہے فرشتہ نے انہی روایتوں کو یہاں گڈمڈ کر دیا ہے ؎

---

۱۵۹ سلطان قطب الدین ایبک بیشمار مال غنیمت لے کر پھر دہلی واپس آیا۔

بظاہر یہ پوری عبارت اسی فتح اجمیر کی (جس کا حال اوپر بیان ہوا) دوسری روایت ہے جسے ہمارے مورخ نے کسی دوسری قدیم تاریخ سے لے کر نقل کر دیا اور یا تو وہ سمجھا نہیں یا یہ صراحت کرنی بھول گیا کہ یہ کوئی علیحدہ واقعہ نہیں ہے ؎

---

۱۶۰ "راجہائے تتران" کتابت کی غلطی ہے۔ یہ لڑائی راجپوتانے کی ایک قوم سے ہوئی جو "میڈ" کہلاتی تھی لہذا "میڈاں" ہونا چاہیئے اور برگز نے بھی اپنے ترجمے میں یہی لفظ لکھا ہے ؎

---

۱۶۱ "ہوتلی" اور "زدول" کتابت کی غلطی ہے۔ برگز کے انگریزی ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے صحیح قلمی نسخوں میں ان کی املا پالی (دیا بالی) اور ندول تحریر ہے اور یہ دونوں مقام اب تک قصبہ ماروار (جنکشن) کے شمال و جنوب میں چند میل کے فاصلے سے آباد ہیں ؎

---

۱۶۲ "والن" ایسی "بھی کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرا نام تو یقیناً "وارابرس" تھا لیکن "والن" کی بجائے "رائے کرن" ہونا چاہیئے۔ (ملاحظہ ہو تاج المآثر قلمی، راورٹی کا ترجمہ طبقات ناصری حاشیہ ۵۲۱ نیز برگز کا ترجمہ فرشتہ صفحہ ۱۹۶)

---

۱۶۳ "جدھ دیو" کو تاج المآثر میں "اجھ دیو" لکھا ہے ؎

---

۱۶۴ "بلدہ کالپی" کی بجائے "ریاست کالپی" ہونا چاہیئے ؎

---

۱۶۵ "سنگ سوراخ" غزنی کے شمال مغرب میں ایک پہاڑی درے کا نام تھا۔ اسے "سنگ سرخ" سے غلط ملط نہ کرنا چاہیئے جو غور کے علاقے کا ایک مشہور قلعہ تھا ؎

---

۱۶۶ "تراولی" جیسا کہ خود فرشتہ نے سلطان شمس الدین کے حالات میں

لکھا ہے اُس سے تراوڑی یا ترائن مراد ہے جہاں پہلے پرتھی راج کی سلطانوں سے دو لڑائیاں ہو چکی تھیں ۔

---

۱۶۷ آرام شاہ کی نسبت میجر راورٹی کا قیاس ہے کہ غالباً وہ سلطان قطب الدین کا متبنیٰ تھا (ترجمہ طبقات ناصری حواشی صفحہ ۵۲۹) اور اس میں شک نہیں کہ قدیم تاریخوں میں قطب الدین کی بیٹیوں کا تو ذکر آتا ہے لیکن بیٹے کا ذکر نہیں آتا۔ تاہم انھیں تاریخوں میں اور نیز سکوں میں اس کے نام کے ساتھ "ابن قطب الدین" کا لفظ تحریر ہے ۔

---

۱۶۸ "ال تمش" اس کا صحیح املا "ال تمش" (الف تا اور میم مکسور) ہے یا "التتمش" (دیکھو تاریخ ہند برائے ایف۔ اے جلد دوم باب چہارم فصل اول)

---

۱۶۹ "جیتل" یا "چیتل" جو ہمارے ادھنے کے ہموزن اور قیمت میں چاندی کے تنکے (یا روپے) کا چالیسواں حصہ سمجھا جاتا تھا ۔

---

۱۷۰ برن تھوڑے دن پہلے تک موجودہ ضلع بلند شہر پرگنہ برن کے نام سے مشہور تھا ۔

---

۱۷۱ "جاندار" یا جان دار" کے لفظی معنی زرہ بردار کے ہیں لیکن جیسا کہ خود فرشتہ نے تصریح کی ہے اُس سے بادشاہ کے ذاتی غلام یا خاص سپاہی مراد ہوتے تھے جنھیں بعد میں "خاصہ خیل" بھی کہنے لگے۔ میجر راورٹی فرشتہ کے اس قول کو صحیح نہیں مانتے لیکن خود انھوں نے جو معنی بتائے ہیں وہ بھی قریب قریب یہی ہیں (ترجمہ طبقات ناصری حاشیہ صفحہ ۶۰۳)

---

۱۷۲ جالور اجمیر سے تقریباً ڈیڑھ سو میل جنوب مغرب میں واقع ہے لیکن ہمیں سلطان شمس الدین کی اس مہم کا حال کسی معاصر یا بعد کی مشہور تاریخ میں نہیں ملا ۔

۱۷۳ منصوریہ یا منصورہ شمالی سندھ کے ایک مقام کا نام تو ضرور تھا اور بعض تاریخوں میں یہی لکھا ہے کہ یہ لڑائی منصوریہ اور چناب کے درمیان واقع ہوئی لیکن اوّل تو یہ قول درست نہیں دوسرے فرشتہ کا اُسے چناب کے کنارے پر بیان کرنا غلط در غلط معلوم ہوتا ہے۔ دراصل سلطان شمس الدین اور قباچہ کی یہ پہلی لڑائی دریائے بیاس کے کنارے پر ہوئی تھی جیسا کہ تاج المآثر میں صراحتاً مرقوم ہے۔

۱۷۴ سیوستان۔ شمال مغربی سندھ کو جس کا ایک گوشہ اب "ڈیرہ جات" میں بھی داخل ہے سیوستان یا سہوان کہتے تھے۔

۱۷۵ "نظام الملک وزیر خنیدی" کتابت کی غلطی ہے سلطان شمس الدین کے اس مشہور علم دوست وزیر کا پورا نام "محمد بن ابی سعید جنیدی" اور خطاب "نظام الملک" تھا۔

۱۷۶ "منندو" کتابت کی غلطی ہے۔ منڈور چاہیئے جو کہ پہلے مارواڑ کا صدر مقام تھا مگر "منڈو" یا "مانڈو" نامی ایک مشہور قلعہ مالوے میں بھی ہے۔ لہٰذا برگز نے بے تامل اپنے ترجمے میں تحریر کر دیا کہ مانڈو اور ملک مالوہ فتح ہو گیا (جلد اوّل صفحہ ۲۱۰) حالانکہ فرشتہ نے صاف صاف لکھا ہے کہ وہ قلعہ اور تمام "سوالک" فتح ہوا جس کی حدود ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (حاشیہ ۱۳) اور اس میں شبہ نہیں کہ شمالی راجپوتانے کے یہ حصے بھی (یعنی ہانسی، ناگور، منڈور) بعض اوقات "سوالک" میں داخل سمجھے جاتے تھے (منڈور کی فتح اور حالات کے لیئے دیکھو تاریخ ہند برائے ایف۔اے جلد دوم صفحہ ۱۹۱)

۱۷۷ اس امیر کا اصلی نام علاء الدین جانی (جیم کے ساتھ) اور خطاب "عزّ الملک" تھا "عزت الملک" کتابت کی غلطی ہے۔

۱۷۸ "ڈیویل" کو طبقات ناصری میں منگل دیو (یا سپرل دیو) لکھا ہے۔

۱۷۹ "ملک تاج الدین ریزہ" کے آخری لفظ کو برگز نے اپنے انگریزی ترجمے میں "زبیری" لکھا ہے لیکن بظاہر یہاں "صدر الملک سید تاج الدین علی موسوی" سے مراد ہے جو "مشرف ممالک" یعنی شاہی میرمنشی یا دبیر مملکت کے عہدے پر ممتاز تھا ؂

---

۱۸۰ یہ تاریخی حوض "شمسی تلاو" کے نام سے اب تک دہلی کے باہر (قطب صاحب میں) موجود ہے ؂

---

۱۸۱ صاحب طبقات ناصری نے جو اس وقت گوالیار کا قاضی تھا، اس ہنگامے کو سلطان رضیہ کے ابتدائی عہد کا واقعہ لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ قرامطہ اور ملاحدہ تھے جنھوں نے جمعہ ۶ رجب ۶۳۴ھ کے دن جامع مسجد دہلی کے نمازیوں پر حملہ کیا اور بہت کشت و خون کے بعد سب مارے گئے ؂ (طبقات ناصری صفحہ ۱۸۹)

---

۱۸۲ "کیلوکھری" کو بعض آثار قدیمہ کے انگریز ماہروں نے "کلاگڑھی" بنا دیا ہے۔ راورٹی اس کی تردید اور "کیلوکھری" تلفظ کرتا ہے۔ آج کل اسے "کلوکھڑی" کہتے ہیں اور غالباً اصلی اور صحیح نام یہی ہے۔ یہ گاؤں موجودہ شہر دہلی سے پانچ چھ میل جنوب میں واقع ہے ؂

---

۱۸۳ یہاں اور چند سطر آگے "علاء الدین شیر خانی" غلط ہے۔ برگز نے خانی لکھا ہے لیکن صحیح لفظ "جانی" ہے (دیکھو حاشیہ ۱۷۷)

---

۱۸۴ "بابل" جسے سرہنری الیٹ اور برگز نے اور بھی غلط کر دیا ہے، اصل میں "پائل" ہونا چاہئیے جو اب ریاست پٹیالہ کی تحصیل ہے۔ ملک علاء الدین اسی کے علاقے میں نگاواں یا نکاواں نامی ایک تاریخی گاؤں میں مارا گیا ؂

---

۱۸۵ "خواجہ مہدی غزنوی" کتابت کی غلطی ہے۔ خواجہ "مہذب الدین"

جو اس عہد کا مشہور سازشی وزیر تھا مراد ہے ؎

---

۱۸۶ فرشتہ نے تاریخ کے اس حصے میں صفحے کے صفحے تقریباً بلفظہ طبقات اکبری سے نقل کیئے ہیں مگر اس میں "امیر الامرا گشت" کی بجائے "محسود امرا گشت" کا لفظ ہے اور ہمعصر تاریخ میں جو حالات بیان کیئے گئے ہیں انکی بنا پر "محسود" ہی ہونا چاہئیے چنانچہ طبقات ناصری کی عبارت یہ ہے کہ "امیر جمال الدین یاقوت را کہ امیر آخور بود، بخدمت سلطان رضیہ (قربتے افتاد چنانچہ ملوک و امرائے ترک را ازاں قرب غیرت (یعنی رشک) آمدن گرفت" لیکن انگریزی مترجم اور بعد کے تاریخ نویسوں کو فرشتہ کے لفظ "امیر الامرا" سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں اور برگز نے یہ حاشیہ چڑھایا کہ "امیر الامرا" شہزادوں کے بعد سب سے اعلیٰ رتبے کے امیر کا خطاب ہوتا تھا۔ حیرت ہے کہ مورخ (نیز انگریز مترجم) کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ خطاب سلاطین مغلیہ کے زمانے میں رائج ہوا ہے اُن سے پہلے کہیں اس کا نشان نہیں ملتا۔ (نیز دیکھو حاشیہ راورٹی ترجمہ طبقات ناصری صفحہ ۶۴۳)

---

۱۸۷ "ترکان چہل گانی" سلطان شمس الدین التمش کے ان مشہور و ممتاز ترکی غلاموں کا لقب ہے جو ظاہراً تعداد میں چالیس تھے اور عجب نہیں کہ مورخ ضیاء الدین کے قول کے بموجب اُن میں باہمی اتحاد و امداد کی کوئی باضابطہ قرارداد بھی ہوئی ہو۔ اسی بنا پر انھیں "ترکان خواجہ تاش" بھی کہتے ہیں سلطان شمس الدین کے بعد بلبن کے زمانے تک (یعنی کوئی تیس چالیس برس) ان غلاموں کا جو اکثر بڑے بڑے اقطاع کے حاکم اور معزز عہدہ دار تھے، بہت زور رہا۔ برگز نے غالباً لفظ "چہل گانیاں" دیکھکر اسے ایک خاص قوم یا قبیلہ سمجھ لیا ہے۔ (ترجمہ انگریزی جلد اول صفحہ ۲۲۰)

---

۱۸۸ "یتگین" یا "التگین" غلط ہے "ایتگین" چاہئیے۔

---

۱۸۹ "آب بیاہ" سے دریائے بیاس مراد ہے اور اس ندی کا صحیح اور قدیم نام بھی (بیاہ) تھا ؎

۱۹۰؎ فرشتہ کی اس فحش غلطی کا جو بعد کی انگریزی تاریخوں میں متعدی ہوگئی، ماخذ طبقات اکبری ہے بلکہ بجنبسہ اسی تاریخ کا یہ فقرہ فرشتہ نے نقل کرلیا ہے (طبقات اکبری صفحہ ۴۲) دراصل طبقات ناصری میں یہ فقرہ تھا" درسنہ، کفار جاج نگر بدر لکھنوتی آمدند" مگر اس کتاب کے بعض نسخوں میں "جاج نگر" کو غلطی سے "چنگیز" لکھا دیکھکر صاحب طبقات اکبری نے اسے باقاعدہ "کفار مغول" بنا دیا۔ حالانکہ طبقات ناصری کے دوسرے مقامات پر اس واقعے کی تصریح موجود ہے کہ یہ فوج کشی جاج نگر کے راجہ نے کی تھی۔ اور یہ ریاست جیسا کہ ہم اپنی تاریخ برائے ایف اے میں بتا چکے ہیں، موجودہ چھوٹا ناگپور اور مغربی اڑیسہ کے علاقے میں تھی۔ (دیکھو راورٹی۔ حاشیہ صفحہ ۶۶۵ وغیرہ)

۱۹۱؎ یہ قول کہ ملک غیاث الدین بلبن سلطان شمس الدین کا داماد تھا فرشتہ نے طبقات اکبری (صفحہ ۳۵) سے نقل کیا ہے لیکن ہمعصر تاریخ سے اس کی کوئی تصدیق نہیں ہوتی اور غالباً یہ صاحب طبقات اکبری کا سہو یا غلط قیاس ہے۔

۱۹۲؎ بھٹنیر۔ ہانسی، حصار سے تقریباً سوا سو میل شمال مغرب میں مشہور تاریخی مقام ہے اِسے آج کل "ہنومان گڑھ" کہنے لگے ہیں۔

۱۹۳؎ "نبرتھ" کتابت کی غلطی ہے۔ برگز نے اپنے انگریزی ترجمے میں اسے "بٹنڈہ" (یہ بھٹنڈہ) لکھکر یہ شرح کی ہے (جلد اول صفحہ ۲۳۷) کہ "ٹبنڈہ" پہلے بلند شہر کا نام تھا! لیکن ڈاؤ کے انگریزی ترجمے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ فرشتہ کے بعض قلمی نسخوں میں یہ لفظ ٹھیک اسی طرح لکھا ہے جس طرح طبقات ناصری میں تحریر تھا یعنی "تلسندہ" جو قنوج کے مضافات میں تھا۔ طبقات ناصری کے مطبوعہ نسخے میں (صفحہ ۲۱۰) اسے "انسندہ" اور "تلسندہ" بھی درج کیا ہے جو صریحاً کتابت کی غلطی ہے۔ ہمارے خیال میں میجر راورٹی کا یہ قیاس قرین صواب ہے کہ یہ "تلسندہ" وہی مقام ہے جسے آج کل "تل سترا" کہتے ہیں اور جو قنوج سے تقریباً بارہ میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔

---

۱۹۴ "دلکی ملکی" بظاہر اس راجہ کا نام یا لقب تھا مگر کسی قدیم تاریخ سے بھی اس کے نام اور مقام کی صحت کا پتہ نہیں چلتا۔ برگز نے اُسے دو الگ الگ راجاؤں کا نام سمجھ لیا ہے جو کسی طرح درست نہیں البتہ یہ ممکن ہے کہ "ملکی" اس "دلکی" نامی راجہ کے علاقے کا نام ہو۔

---

۱۹۵ "کوہ پایہ میوات" میوات سے دہلی کے جنوب میں میو یا میواتی قوم کا (پہاڑی) علاقہ مراد لیتے ہیں جو الور و بھرت پور تک پھیلتا ہے لیکن ممکن ہے کہ اسی کے ساتھ "کوہ پایہ میوات" کے لفظ میں روہیلکھنڈ کا شمال مغربی حصہ بھی شامل ہو جس میں کہیں کہیں اس قوم (میواتی) کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ بہر حال، یہاں جنوب دہلی ہی کا علاقہ مراد ہے۔

---

۱۹۶ "چیتور" جسے برگز نے راجپوتانے کا چتوڑ سمجھ لیا ہے، کتابت کی غلطی ہے۔ طبقات ناصری کے صحیح نسخوں میں یہ نام اور پوری روایت اس طرح تحریر ہے کہ سلطان کے بھائی ملک جلال الدین مسعود شاہ کو کڑے سے بدل کر سنبھل اور بداؤن کے اقطاع کا صوبہ دار بنایا گیا تھا۔ وہاں اُسے کچھ خوف و اندیشہ پیدا ہوا اور وہ چھپ کر کوہ "سنتور" کے راستے لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں کوہ سنتور سے بظاہر وہی پہاڑیاں مراد ہیں جو دیرہ دون کے جنوب میں شکل کوہ سوالک کہلاتی ہیں۔ میجر راورٹی اس لفظ کو "سہنور" پڑھتے ہیں لیکن راقم الحروف کو اس نام کے کسی پہاڑ یا مقام کا پتہ نہیں چلا حالانکہ "ستنور" اب تک دیرہ دون کے متصل موجود ہے دوسرے طبقات ناصری میں آگے چل کر جا بجا اس مقام کا نام آیا ہے اور وہاں میجر راورٹی بھی اُسے سنتور ہی لکھتے ہیں۔

---

۱۹۷ سلطان ناصر الدین کے عہد حکومت کے یہ حالات طبقات ناصری کے سال وار حالات کا خلاصہ ہیں جنھیں فرشتہ نے طبقات اکبری سے قریب قریب لفظاً لفظاً نقل کر لیا ہے اگرچہ کئی جگہ مطلب خبط ہو گیا ہے اور بعض اوقات غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ اس جگہ ان سب کی روایات کی صحیح تفصیل بیان کرنا طوالت کا موجب ہو گا۔ صرف نمایاں غلطیاں بتانے پر اکتفا کی جاتی ہے کہ قتلغ خاں بیانہ کا صوبہ دار یا مقطع تھا اور وہ اور ملک اعز الدین (بلبن کشلی خاں) اپنے اپنے

مقام سے دریائے بیاس تک بادشاہ کی مشایعت کرنے آئے تھے۔ فرشتہ (نیز طبقاتِ اکبری) میں سہوًا ان کا لفظ (بیانہ کی بجائے) غلط ہے اور یہ فقرہ بھی صحیح نہیں کہ "در کنار آب بیاہ — ("بیاہ" کتابت کی غلطی ہے) بملازمت سلطان آمدند"

---

۱۹۸ "جیت پور" کتابت کی غلطی ہے اور برگز کے انگریزی ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ فرشتہ کے دوسرے نسخوں میں اس کا صحیح املا "ستنور" تحریر ہے اگرچہ ایک جگہ برگز نے اُسے "چتوڑ" بنا دیا ہے۔ نیز "سنتور" لکھ کے یہ حاشیہ چڑھایا ہے کہ شاید اس سے "سنت پور" مراد ہو جو آبو (راجپوتانے) کے قریب واقع ہے (صفحہ ۲۴۲) لیکن ملک قتلغ خاں اس موقع پر بھٹراچ سے کوہستان ہمالیہ کے جنوبی دامن میں بڑھ کر "ستنور" تک پہنچا تھا جس کا مقام ہم حاشیہ ۱۹۶ میں بیان کر چکے ہیں۔

---

۱۹۹ سہ ہزار عرادۂ آتش بازی" کی روایت طبقاتِ ناصری میں جو ان حالات کا اصلی ماخذ ہے نہیں ملتی۔ حالانکہ اس میں کافی تفصیل سے اس فوجی نمائش کا حال بیان کیا گیا ہے (صفحات ۳۱۷ وغیرہ)

---

۲۰۰ "قرہ خطا" جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، خطا سے مغربی چین مراد ہے اور "قرہ خطا" اُس کے شمال کے علاقے کو کہتے تھے۔ یہاں کی تاتاری آبادی میں قفچاقی ترک بھی تھے اور اسی قوم کے ایک قبیلے کا نام "البری" تھا۔

---

۲۰۱ "بازدار خاصہ" کی بجائے طبقاتِ ناصری کے عام نسخوں میں صرف "خاصہ دار" لکھا ہے۔ اوّل اوّل "خاصہ بردار" محض اُن سپاہیوں کو کہتے تھے جن کے اسلحہ اُن کے آقا فراہم کرتے تھے۔ بعد میں "خاصہ دار" کا لفظ بادشاہ کے پان بنانے والے کے واسطے بھی کہیں کہیں استعمال ہوا ہے۔ برگز نے "بازدار" کا ترجمہ "شکاری بازوں کا منتظم" کیا ہے اور بہت ممکن ہے کہ فرشتہ کا مطلب یہی ہو۔

---

۲۰۲ "بلبن" عام ترکی نام تھا، ایک لفظ "بلبان" اس کے لفظی معنی شکاری پرند کے ہیں اور "بال بان" بڑے کے معنی میں بولا جاتا ہے لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ "بلبن" کی اصلیت انہی سے ہے یا کسی اور لفظ سے جس کا اب سراغ نہیں ملتا۔ فرشتہ کا یہ قیاس بھی کہ شاید "بلبن" کسی خاص قبیلے کا نام تھا اگرچہ مستند نہیں مگر ممکن ہے کہ صحیح ہو۔

---

۲۰۳ طبقات اکبری میں یہ لفظ "فخر امانی" لکھا ہے۔

۲۰۴ کنپل وغیرہ مقامات موجودہ بداؤں اور فرخ آباد کے ضلعوں میں واقع ہیں۔ (مزید صراحت کے لیئے دیکھو تاریخ برائے ایف اے جلد دوم، باب پنجم فصل اول)۔

---

۲۰۵ "باربک" یعنی حاجب جسے انگریزی میں "چیمبرلین" کہنا چاہیئے اس زمانے میں ایک معزز بادشاہی عہدہ دار ہوتا تھا۔

۲۰۶ "آب سرو" کو جدید جغرافیوں میں "سرجو" لکھتے ہیں۔ یہ ندی بہرائچ کے ضلع سے گزر کر دریائے گگرا (یعنی گھاگرا) میں آملی ہے۔

---

۲۰۷ "سنام"، کتابت کی غلطی ہے۔ "سنارگاؤں" چاہیئے جیسا کہ تاریخ فیروز شاہی (صفحہ ۸۷) اور نیز برگز کے انگریزی ترجمے میں تحریر ہے۔

---

۲۰۸ "بغراخاں" (ب پر فتحہ یا ضم دونوں صحیح ہیں) ایک ترکی عرف ہے۔ تاریخ فرشتہ کے دوسرے مطبوعہ نسخہ بمبئی میں "یغرا" (حرف یا کے ساتھ) لکھا ہے لیکن برگز نے جو اسے "کرّاخاں" بنا دیا ہے اس کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ بعد کی انگریزی تاریخوں میں برگز کے اسی تصرف کی بدولت اس نام پر عجیب عجیب حاشیے چڑھائے گئے ہیں۔

ک ۲۰۹ "وکیل در" بظاہر حاجب کی مثل ایک اعلیٰ عہدہ دار شاہی کو کہتے تھے۔

ک ۲۱۰ "عارض ممالک" یا "عرض ممالک" فوج کے مرتب کرنے والے عہدہ دار کو کہتے تھے (برگز نے جو معنی بظاہر محض قیاساً لکھے ہیں وہ غلط ہیں)

ک ۲۱۱ "بہادر پور" صحیح نہیں۔ فیروز شاہی (برنی) اور دوسری اکثر تاریخوں میں اسے جابجا "بہار پور" لکھا ہے۔ یہ مضافات دہلی میں کسی مقام کا نام تھا جس کا اب نشان نہیں ملتا۔

ک ۲۱۲ جلال الدین خلجی کی تخت نشینی کی صحیح تاریخ ماہ محرم ۶۸۹ھ ہے (دیکھو تاریخ ہند رائے ایف۔ اے جلد دوم حاشیہ صفحہ ۲۸۷)

ک ۲۱۳ "قوم خلج" کے متعلق ہم اپنی تحریروں میں جابجا صراحت کر چکے ہیں کہ یہ خالص تاتاری نسل سے تھی لیکن عرصہ دراز سے شمال اور مغربی افغانستان میں آبسی تھی۔

ک ۲۱۴ "تلک بجو" کتابت کی غلطی ہے اس کا صحیح عرف "چھجو" اور نام "اختیار الدین" تھا۔

ک ۲۱۵ "میر در" کی بجائے "وکیل در" چاہیئے جیسا کہ برنی (صفحہ ۱۷۷) اور طبقات اکبری (۵۷) میں تحریر ہے (وکیل در کے لئے دیکھو حاشیہ ک ۲۰۹)

ک ۲۱۶ ان ناموں میں اور آئندہ بعض ناموں میں کتابت کی جابجا غلطیاں پائی جاتی ہیں مثلاً ارسلان کلاهی وغیرہ کو فیروز شاہی (برنی) اور بعض دوسری تاریخوں میں "کلاسی"، "اختیار باغ" اور "تاج خطیب" لکھا ہے۔ ہر نام کی صحت کے متعلق تفصیل سے بحث کی گنجائش ہے لیکن ان حواشی میں یہ بحث غیر موزوں ہوگی۔ لہٰذا ہم صرف ایسے مشاہیر کے ناموں کی غلطی بتانے پر اکتفا کریں گے جس سے واقعات تاریخی میں غلط فہمی پیدا ہو جائیگا

احتمال ہے۔ (ڈاؤ اور برگز نے تاریخ فرشتہ کے انگریزی ترجمے میں ان ناموں کی وہ درگت بنائی ہے کہ بعض اوقات نام کی اصلیت کا سمجھنا بھی محال ہو جاتا ہے) ۔

---

۲۱۷ - "منداہ رائے" صحیح نہیں۔ تاریخ فیروز شاہی (صفحہ ۱۹۵ و ۱۹۶) کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شخص کا نام نہیں بلکہ "مندہ ہر" قوم سے مراد ہے جو اس نواح میں آباد تھی اور انہی میں سے کسی منداہر نے سلطان کو زخمی کر دیا۔

---

۲۱۸ - ان ناموں کو تاریخ فیروز شاہی (صفحہ ۲۱۰) میں "ابرج تن" اور "ہتھیا پائک" لکھا ہے جو پہلوانی بھی کرتا تھا۔

---

۲۱۹ - یہاں بھی بہادر پور کی بجائے "بہار پور" (حق حاشیہ ۲۰۱) چاہیئے۔

---

۲۲۰ - "جہاین" اکثر فارسی تاریخوں میں اس شہر کا املا یہی لکھا ہے۔ طبقات اکبری کے مطبوعہ نسخے میں اسے "جہانے" بنا دیا ہے۔ برگز اسے "اجین" سمجھتا ہے (صفحہ ۲۰۱) جو سراسر غلط ہے۔ مگر سر ہنری الیٹ کے نزدیک یہ لفظ "جہاین" ہونا چاہیئے (دیکھو الیٹ کی تاریخ جلد سوم صفحہ ۱۴۲) اور بلوخ مین کی مطبوعہ آئین اکبری میں بھی اس کا املا یہی ہے۔ منتخب التواریخ میں لکھا ہے (جلد اول صفحہ ۱۹۰) کہ جہاین "رنتھمبور کے قریب اور اب "نوشہر" کے نام سے موسوم ہے۔ آئین اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اکبری میں جہاین یا جہابن سرکار رنتھمبور کی حویلی (یعنی تحصیل یا تعلقہ) تھا۔ مگر جدید جغرافیوں میں اس کا پتہ نہیں چلتا۔

---

۲۲۱ - "ہرام" یا "بررام" غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ صحیح لفظ "سنام" ہوگا جیسا کہ منتخب التواریخ میں (صفحہ ۲۱۷) تحریر ہے۔ نیز دیکھو الیٹ جلد سوم صفحہ ۱۴۷۔

۲۲۲ - "تھاسہ" کتابت کی غلطی ہے "بھیلسہ" چاہیئے جو بھوپال کے قریب مشہور تاریخی مقام ہے۔

ص ۲۲۳ کتاب کا صحیح اور پورا نام "الطبقات طبقات ناصری" ہونا چاہیئے ورنہ طبقات ناصری کا مولف بلبن کے عہد سے بھی پہلے انتقال کر چکا تھا۔

ص ۲۲۴ "جُود باغ" یا "باغ جُود" پرانی دہلی کے ایک مشہور باغ کا نام تھا جس کا قدیم تاریخوں میں جا بجا ذکر آتا ہے۔ تاج المآثر میں اس کو "باغ جُون" لکھا ہے (جُون = دریائے جمنا) اسی باغ کے رُخ شہر کا جو دروازہ تھا، اُس کو "دروازہ جود" کہتے تھے اور باغ و شہر کے درمیان کا میدان صحرائے جود کہلاتا تھا۔

ص ۲۲۵ یہ سنہ صحیح نہیں۔ علاء الدین کے دہلی میں داخلے اور تخت نشینی کی صحیح تاریخ ۲۲ ذوالحجہ ۶۹۵ھ ہے۔

ص ۲۲۶ "نائب" اور "خواجہ" بظاہر اس زمانے کے ایسے انتظامی اور مالی عہدہ داروں کا لقب ہوتا تھا جیسے آجکل ڈپٹی کلکٹر یا تحصیلدار ہوتے ہیں۔

ص ۲۲۷ بگلانہ موجودہ ضلع ناسک کا شمالی ٹکڑا جو اُن دنوں ریاست گجرات میں داخل تھا۔

ص ۲۲۸ جالور مغربی راجپوتانے کا مشہور قصبہ آجکل ریاست جودھپور کی عملداری میں داخل ہے۔

ص ۲۲۹ "سیوستان" سے، جیسا کہ ایک حاشیہ میں بیان ہو چکا ہے، سندھ کا شمال مغربی علاقہ (سہوان) مراد ہے۔

ص ۲۳۰ "تلتیب" کتابت کی غلطی ہے اور برگز کا "جھیل پت" بھی صحیح نہیں۔ اصلی نام "تلپت" ہے اور یہ قدیم موضع اب تک دہلی سے تقریباً ۱۸ میل جنوب میں موجود ہے۔

ح ۲۳۱ "افغان پور" نام کا ایک گاؤں ابتک تلپت کے قریب آباد ہے۔

ح ۲۳۲ اس زمانے میں ایک من، جیسا کہ فرشتہ نے آگے تصریح کی ہے، ۹۶۰ تولہ (یعنی ہمارے ۱۲ اسیر) کے برابر ہوتا تھا۔ (اس زمانے کے نرخ اور سکّوں کی تفصیل کے لیئے دیکھو تاریخ ہند برائے ایف۔ اے جلد دوم صفحات ۲۷۹ تا ۲۸۳)۔

ح ۲۳۳ فرشتہ کی یہ تحقیق صحیح نہیں، جیسا کہ ہم حاشیہ ح ۱۶۹ میں بتا چکے ہیں۔ چاندی کا ایک تنکہ چالیس جیتل کے مساوی ہوتا تھا۔

ح ۲۳۴ سپاہیوں کی اس شرح تنخواہ کی تحقیق کے متعلق ملاحظہ ہو تاریخ ہند برائے ایف اے جلد دوم صفحہ ۲۲۷ و ۳۲۸۔

ح ۲۳۵ پدمنی کا یہ افسانہ کسی ہمعصر و مستند تاریخ میں نہیں ملتا۔ فرشتہ نے اپنے کسی ماخذ کا حوالہ بھی نہیں دیا اور جدید تحقیقات کی رو سے بھی اس کی کوئی تاریخی اصلیت ثابت نہیں ہوتی۔

ح ۲۳۶ مغربی خاندیس میں قصبۂ "نندرباد" اب تک آباد ہے اور اسی کے تقریباً تیس میل شمال میں "سلطان پور" جو دو تین صدی پہلے تک مشہور شہر تھا، اجڑتے اجڑتے ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے۔

ح ۲۳۷ "دھورسمند" سے دوارسمدر اور "معبر" سے عام طور پر ساحل ملیبار مراد لی جاتی ہے لیکن الفنسٹن لکھتا ہے کہ "معبر حقیقت میں" کورومنڈل" کے واسطے استعمال ہوتا تھا (تاریخ ہند صفحہ ۴۸۸)۔

ح ۲۳۸ "جالنہ پور" یا جالنہ، دودنا نامی ندی کے کنارے واقع ہے لیکن برگز کے ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے دوسرے نسخوں میں جالنہ کی بجائے پٹن

(ضلع اورنگ آباد) تحریر ہے اور یہی درست ہوگا کیونکہ دکن میں گوداوری کو گنگا یا گنگ بھی کہتے ہیں جس پر یہ قدیم تاریخی شہر (یعنی پٹن) آباد ہے ؏

---

۲۳۹ "ست بندرامیسر" سے بندر رامیشورم مراد ہے جو آجکل مدورا کے ضلع میں پلِ آدم پر واقع ہے ؏

---

۲۴۰ "کہل" کتابت کی غلطی ہے سادات "کیتھل" چاہئیے جیسا کہ برنی کی تاریخ سے ثابت ہے ؏

---

۲۴۱ "دابل" موجودہ "دابھول" کا پرانا نام تھا "جیور" کو برگز نے چول لکھا ہے اور یہ دونوں تاریخی بندرگاہیں بمبئی کے جنوب میں باہم تقریباً سو میل کے فاصلے سے واقع ہیں ؏

---

۲۴۲ "حسن پرواریچہ" طبقات اکبری اور منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ "پرواز" ملکِ گجرات کی ایک نیچ ذات کی ہندو قوم ہے۔ ہمعصر مورّخ برنی اس لفظ کو باے عربی سے "برودار" لکھتا ہے اور اس کی تاریخ سے بھی بالواسطہ ان لوگوں کے گجراتی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ برگز نے لکھا ہے کہ "پرواری" ایسے "ذات باہر" اور نجس سمجھے جاتے تھے کہ انہیں شہروں میں مکان بنانے کی بھی اجازت نہ تھی۔ (حاشیہ صفحہ ۳۰۷) لیکن جدید گزیٹیر سے ان اقوال کی ہمیں تصدیق نہ ہوسکی۔ البتہ برودار نامی ایک جرائم پیشہ قوم کا ذکر ملتا ہے جو اب اودھ کے ضلع گونڈا میں آباد ہے ؏

---

۲۴۳ "ساغر" سے بظاہر وہی قصبہ مراد ہے جو اب ضلع گلبرگہ سے تعلقہ وصف خاص (شاہ پور) میں "سگر" کے نام سے موجود ہے۔ اس کا ایک ہمنام تعلقہ (ساگر) میسور کے علاقے میں بھی ہے لیکن زیرِ نظر عہد میں یہی گلبرگہ کا سگر مشہور مقام تھا (برگز نے اپنے ترجمے سے اس فقرے کو حذف کردیا ہے)

۲۴۴ "بیک لکھی" صحیح نہیں "ایک لکھی" چاہیئے (ملاحظہ ہو برنی صفحہ ۳۹۰ وغیرہ اور طبقاتِ اکبری صفحہ ۸۹ و ۹۰)

---

۲۴۵ "اسکاتی ساکون" کو برنی نے (صفحہ ۳۹۲ و ۳۹۳) "اکہٹی ساکون" اور طبقات اکبری (صفحہ ۸۹) میں "اسکانتھی ساکون" لکھا ہے۔ مغربی خاندیس میں "اکاٹھی" نامی ایک قصبہ اب تک موجود ہے اور قرینہ کہتا ہے کہ یہاں اسی سے مراد ہوگی لیکن "ساگون" یا شہر کے پورے نام کی کوئی یقینی صحت نہ ہوسکی (برگز نے حسب معمول اس لفظ ہی کو اپنے ترجمے سے حذف کر دیا اور تمام روایت کو مختصراً اپنے طور پر بیان کیا ہے)

---

۲۴۶ صحیح نام ملک "تلبغہ (بغدہ) حاکم کرڑہ" ہے، "کل افغان" کی بجائے برنی نے کہیں تو صرف "ملک افغان" لکھا ہے (صفحہ ۳۹۹) اور کہیں "یل افغان" (صفحہ ۴۱۵) اور طبقاتِ اکبری میں یہی نام "کلا افغان" تحریر ہے۔

---

۲۴۷ غلطی کو برگز نے اپنے انگریزی ترجمے میں "مغل تگیں" لکھا ہے برنی یا اور کسی مشہور مورخ کی کتاب میں کہیں یہ روایت ہی نہیں ملی ؎

---

۲۴۸ "اندرپت" کے نام سے اب تک شہر دہلی کے متصل ایک موضع موسوم ہے اور اس کی اصلیت "اندر پرست" سمجھی جاتی ہے جسے پانڈوؤں نے آباد کیا تھا۔

---

۲۴۹ غازی ملک تغلق کی فتح تخت نشینی کی یہ تاریخ صحیح نہیں۔ تاریخ برنی صفحہ ۴۲۵ اور منتخب التواریخ صفحہ ۲۲۱) میں یہ ۷۲۰ھ (مطابق ۱۳۲۱ء) کا واقعہ بتایا گیا ہے ؎

تمت

غلط نامہ تاریخ فرشتہ جلد اول

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۶	۱۷	آدم و نوح	آدم و نوح و دیگر خلفاء
۷	۴	چار ہزار سال	چار ہزار چھ سو
			چوراسی سال
۱۰	۲	لکڑی اور لاکھ	لاکھ اور رال
۱۱	۱۳	کی	کے
ایضاً	۱۷	بہتر	ستر
؍؍	۱۸	چودہ سو	چھ سو
؍؍	؍؍	چودہ سو پچاس	چھ سو پچاس
۱۴	۶	تمام بنی آدم کا سردار اور دنیا کی ہر شے سے	تمام بنی آدم کے فرشتوں کا سردار اور دنیا کے تمام حیلہ گروں سے
۱۴	۲۴	دو سو	سو
ایضاً	۲۵	ستر	اٹھتر
۱۶	۱۶	کے	کو
۱۷	۲۳	تیس	چھتیس
۱۹	۱۰	باورایں	دوی بائیں
۲۰	۳	چار ہزار	چوبیس ہزار

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
ایضاً	۱۶	ایک ہزار چھ	ایک ہزار چھ سو اور کچھ اوپر
۲۱	۱۹	نوے	ننانوے
۲۲	۳	شام اور مغاں	شام۔ توران اور مغاں
ایضاً	۱۲	چغتائی	ترکمانی
۲۵		پیگو و ملیبار	تلنگ و پیگو و ملیبار
۲۹	۴	راجہ سورج	مہاراج
۳۱	۱	نوے سال	انیس سال
۳۳	۳	دوسرے عہدہ داروں کی تنخواہ میں	جانوروں کے اخراجات میں
۳۳	۴	ردہٹ	برہٹ
ایضاً	۲۱	اپنے ایک عزیز کو	اپنے ایک عزیز بھیمی داک درگا کو
۳۸	۷	ہونے والا ہوتا تھا	ہوتا تھا
۳۹	۲۱	کی	کے
۴۰	۱۳	تیس	بتیس
۴۳	۵	سہسودیہ	سیسودیہ
۴۴	۱۴	تینتیس	تیس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
ایضاً	۲۱	کاشمیر	کالنجر	۱۰۷	۸	سَو میل	سو کوس
۴۵	۱۱	۲۲ ہزار دینار	دو لاکھ دینار	رر	۱۰	بھنی	بہنا کی
۴۶	۱۳	عبداللہ بن عامر	عبدالرحمٰن بن ربیع	۱۰۸	۱۵	خندق	غار
ایضاً	۱۲	قہستان	سیستان	رر	۱۲-۱۴	کھندہ	کندہ
۴۸	۸	داماد	عزیز	۱۱۰	۱۱	کے	کی
۴۹	۲۱	سے	کے	۱۱۸	۳	ایی دردان	وہاں
۵۲	۱۸	حاجی ناصر	نصر حاجی	۱۳۱	۲۳	اس مادی عالم	روحانی اور مادی عالم
۵۸	۳	ہرکس ناکس	ہرکس وناکس	۱۳۵	۸	کیل	پیچ منی کیل
۵۹	۸	قابوس	ابن قابوس	۱۳۶	۷	کے	کو
۶۳	۱۷	ہوتیں	ہوتے	۱۳۸	۹	امیمندی	میمندی
۶۵	۱	میر	امیر	ایضاً	۱۷	قلعہ میں	نو برس قلعہ میں
ایضاً	۱۶	اس	اسی	۱۴۶	۸	اپنے	اپنی
۶۶	۱۳	پسندہ	پسندیدہ	۱۴۸	۲۴	نے	کے
۶۹	۲۴	سفارت	مناکحت	۱۵۲	۱	کفایت	کفالت
۷۲	۶	سندھ	دریائے سندھ کے قریب	۱۵۳	۲	سم	موسم
۷۵	۱۸	نصر مریعوں	ابو نصر فریغوں	ایضاً	۱۰	جوار	جرار
۷۸	۱۲	مسلمانوں	ہندوؤں	۱۵۴	۱۶	فرمانروا	نافرمان
ایضاً	۱۴	ہندوؤں	مسلمانوں	۱۵۸	۴	امیر	امر
۸۲	۱۳	کے	کی	۱۶۰	۱۳	عزنی	غزنی
۹۰	۱۱	کلچھد	گلچھند	ایضاً	۱۸	اپنے پاس	مجھے اپنے پاس
۱۰۶	۹	نات اس بت کا	سومنات بت خانے کا	۱۶۱	۳	کی	کے
		نام ہے	اور نات اس بت کا نام تھا	رر	۶	بب لو	بت کو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۶۲	۱۲	اپنی بار بار	مسلمانوں نے اپنی بار بار	۲۲۸	۱۰	ہزار	سو
؍؍	۲۵	سعور	شعور	۲۲۸	۳	نصیر الدین	نصرت الدین
۱۶۴	۶	خادم تھا	خادم اور اس زمانہ میں دیوان تھا	؍؍	۷	بے شمار	ایک ہزار گھوڑے اور بیشمار
۱۶۷	۲	بن	بن	؍؍	۱۰	ایک ہزار	ایک سو
۱۷۰	۱۹	دود	مودود	؍؍	۱۱	اونٹوں	ہاتھیوں
؍؍	۲۵	ناچا	ناچار	۲۲۹	۴	نبارس	قلعہ کول
۱۸۰	۸	اشتہار	اشعار	۲۳۱	۱۲	خیمے	خربزے
؍؍	۱۰	آمدا	آمدہ	۲۳۳	۱۴	کا	کے
۱۸۱	۲۱	بیابس	بست	۲۳۳	۱۵	ہے	ہیں
۱۸۴	۲۳	غزنی	غربی	۲۳۴	۸	ہرے	گھوڑے اور ہاتھی
۱۸۶	۱۱	المستشار مؤتمن	المستشار و مؤتمن	۲۳۶	۱۱	تیس	بیس
۱۹۳	۲	شہاب الدین نے	شہاب الدین نے ۵۸۲ھ میں	۲۴۳	۱۷	صدر جہاں نجاری کے ہاتھ	صدر جہاں نجاری کے ایک عزیز کے ہاتھ
ایضاً	۱۰	بائیس	بیس	؍؍	؍؍	حاجی جمال الدین چست قبا کے حوالہ کیا	حاجی نجاری کے سپرد کیا حاجی نے اسے حاجی جمال الدین چست قبا کے حوالہ کیا۔
۲۰۰	۴	نصب	نسب				
۲۰۱	۵	کے	کی				
۲۰۹	۲	کرمارچ	کرماج	۲۴۷	۲۱	قلجی	خلجی
۲۱۰	۲۳	تین سو	تین ہزار	۲۴۸	۱۴	آٹھ	اڑتیس
۲۱۷	۱۸	والی قنوج	والی قنوج و بنارس	۲۴۹	۱۵	بارا	ہارا
؍؍	؍؍	کچھ اوپر دو سو	کچھ اوپر تین ہزار	۲۵۰	۶	گوالیار پر حملہ کیا	قلعہ گوالیار پر جو مسلمانوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
			کے ہاتھ سے نکل گیا تھا حملہ کیا
۲۵۰	۲۴	دہلی لایا	دہلی لایا اور انھیں جامع مسجد کے دروازہ کے آگے ڈال دیا تاکہ پاؤں کے نیچے پامال ہو
۲۵۱	۱۱	زہن	ذہن
۲۵۲	۱۲	جیسے	جیسی
۲۵۵	۷	نظم کئے	نظم کئے اور سبھوں نے انعام پایا
״	״	بچیں	بچے
۲۵۶	۱	پراگندہ	برگشتہ
۲۵۸	۲۰	قتل کیا گیا	قتل کیا گیا اور اس کا سر دہلی لایا گیا
۲۵۹	۲۱	سنہ ۶۳۷	سنہ ۶۳۷ میں
۲۶۰	۲	تنک	تنگ
۲۶۱	۱۳	آٹھویں رمضان	منگل کے دن اٹھائیسویں رمضان
۲۶۲	۲	روب	رعب
״	۲۳	فسادی گوں	فسادیوں
۲۶۵	۱۹	دوشنبہ	چہارشنبہ
۲۶۸	۱۲	شعرا پاتے تھے	شعرائے جلوس کے دن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
			مدحیہ قصیدے نظم کئے اور انعام پایا
۲۶۸	۱۴	اپنی تاریخ	تہنیت جلوس
״	۲۵	شیر شاہ	شیر خاں
۲۶۹	۵	مجھے	تمکو
۲۷۰	۱۱	مطابق	حکم کے مطابق
״	۱۹	اپنے کام میں مشغول ہوا	اپنا کام کر چکے
۲۷۰	۲۰	مالی	مالیوں
۲۷۱	۱۰	لگائے	لگائیں
״	״	چھبیس	چھ
۲۷۳	۶	مقام	قیام
ایضاً	۲۳	وغیرہ	اودیہ بداوں کرہ وغیرہ
۲۷۶	۴	بادشاہ	شاہی لشکر
״	۲۱	قلعے ۔ اٹھایا	قلعہ کو محاصرے سے آزاد کراکے
۲۷۷	۱۳	کھتا ہے	لکھتا ہے
۲۸۲	۱۰	تیردل لوگوں	ہزل بکنے والوں
۲۸۴	۱۲	تربیت	ترتیب
۲۶۹	۲	ان	مغلوں
۳۰۰	۶	سے	کے خطاب سے
״	۹	اعوام	اعوان
״	۲۱	بیٹے	+

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۰۲	۲	.بہی خواہی	.بہی خواہ	۳۲۳	۱۴	آخربیگ	اخوربیگ
۳۱۱	۱۲	امیرالامرا	امیر	۳۲۴	۲۰	کا	کے
۳۱۷	۲۱	بادشاہوں	بادشاہ	۳۲۹	۱	کی	کو
۳۱۸	۱۱	استاد	استادہ	۳۴۸		انگاری	انکاری